کوڈ: 4553　　یونٹ: 1 - 18

فقہ القرآن

برائے ایم اے علوم اسلامیہ
(تخصص فی القرآن والتفسیر)

شعبہ قرآن وتفسیر
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

یونٹ نمبر......1

طہارت اور اس کے احکام

تحریر: مفتی منظور احمد

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ نمبر 1

طہارت اور اس کے احکام

تحریر: مفتی منظور احمد

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف:

نجاست حقیقی اور نجاست حکمی سے پاک ہونے کو طہارت کہا جاتا ہے وہ ناپاکی جو انسان کو محسوس ہوتی ہو اسے نجاست حقیقی یا خبث کہا جاتا ہے۔ نجاست حکمی یا حدث وہ ناپاکی ہے جو محسوس نہیں ہوتی بلکہ ہمیں اس کے ناپاک ہونے کا علم اس طرح ہوا کہ شریعت نے اس کے ناپاک ہونے کا حکم دیا۔ اس یونٹ میں طہارت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم نجاست کی اقسام، طہارت حکمی کے احکام، غسل کے احکام، تیمم کے احکام، حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام، پانی کے احکام نل، پمپ، ٹیوب ویل کے احکام زیر بحث لائے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ طہارت کا لغوی اور اصطلاحی معنی جان سکیں۔

2۔ طہارت حکمی کے احکام جان سکیں۔

3۔ وضو کے احکام جان سکیں۔

4۔ غسل کے احکام جان سکیں۔

5۔ تیمم کے احکام جان سکیں۔

6۔ حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام جان سکیں۔

7۔ پانی، نل، پمپ، ٹیوب ویل کے احکام جان سکیں۔
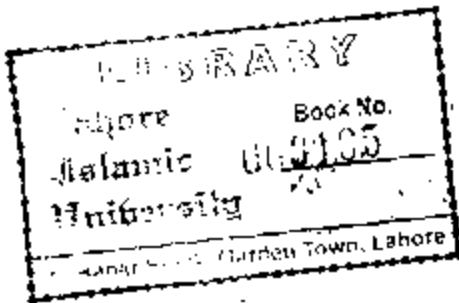
فقہ القرآن

(مطالعہ آیات الاحکام)

کوڈ نمبر 4553

یونٹ نمبر: 1-18

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

(تخصص فی القرآن والتفسیر)

شعبہ قرآن وتفسیر

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ایڈیشن اول 2005ء

اشاعت اول 2005ء

تعداد اشاعت 2000

قیمت .... -/266 روپے

نگران طباعت .... محمد ریاض خان

طابع .... اسد محمود پرنٹنگ پریس گوالمنڈی راولپنڈی

فون نمبر 5556729

ناشر .... علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین .... پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ نگار ....

1- پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

2- ڈاکٹر عبدالحی ابڑو
اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

3- معین الدین ہاشمی
لیکچرار شعبہ حدیث و سیرت
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

4- ڈاکٹر گل محمد سواتی
اسسٹنٹ پروفیسر، F.G بوائز کالج، F-10، اسلام آباد

5- ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں
ریسرچ سکالر، شریعہ اکیڈمی
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

6- حکیم اللہ
ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ اقتصادیات
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

7- مفتی منظور احمد
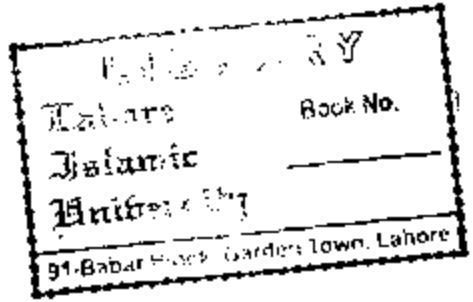
نظر ثانی: ....

1- ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی، صدر شعبہ
2- عبدالحمید خان عباسی
3- ثناء اللہ حسین
لیکچرار، شعبہ قرآن و تفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس رابطہ کار: .... عبدالحمید خان عباسی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ قرآن و تفسیر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

پیش لفظ

الحمد للہ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و بعد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر دور میں، ہر قوم اور ہر معاشرے کی ضرورت کیلئے آسمانی ہدایت نازل فرمائیں جن کی تکمیل آخری الہامی کتاب قرآن کریم کی صورت میں فرما دی۔

مطالعہ قرآن اور قرآنی علوم کی کوئی انتہا نہیں، یہی وہ کتاب ہے جس نے کم از کم وقت میں اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کی قسمت بدل دی جس کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

قرآن کریم کو سیکھنے سکھانے اور اس کی تعلیمات کو پھیلانے کا سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک پورے تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے افراد پیدا کئے جنہوں نے کلام الٰہی کی خدمت اور ترویج و اشاعت کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کیا اور اس مقصد کیلئے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کیا۔

موجودہ دور میں الحمد اللہ پوری دنیا میں ایسے ادارے موجود ہیں جو قرآن و سنت کی خدمت میں مصروف ہیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ....جس کا بنیادی مقصد تعلیم کا فروغ ہے..... میں جہاں دیگر علوم و فنون کی اشاعت و ترویج کیلئے کلیات اور شعبہ جات قائم ہیں وہاں علوم اسلامیہ کی ترویج کیلئے بھی مستقل فیکلٹی قائم کی گئی ہے۔ اس فیکلٹی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ علوم اسلامیہ کے مختلف شعبہ جات (Fields) میں ایسا لٹریچر تخلیق کیا جائے جو نہ صرف علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طلبہ کیلئے مفید ہو بلکہ دیگر جامعات کے طلبہ اور عوام الناس بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن) کے طلبہ و طالبات کیلئے اس وقت جو کتاب (فقہ القرآن کوڈ 4553) پیش کی جا رہی ہے یہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب میں طلباء کیلئے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم طالب علموں سے امید ہے کہ وہ مزید مطالعہ کیلئے فقہ القرآن سے متعلق دوسری کتابوں سے بھی رجوع کریں گے۔

فقہ القرآن کے موضوع پر یہ درسی کتاب شعبہ قرآن و تفسیر کی کوششوں کا نتیجہ ہے اس شعبہ کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی اور رفقاءکار عبدالحمید خان عباسی اور ثناء اللہ حسین نے کتاب کے اخراج کے ضمن میں بڑی محنت سے کام لیا ہے،اللہ تعالی ان کی محنت کو قبول فرمائے۔

یہ کتاب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی مطبوعات میں ایک بابرکت اضافہ ہے،اللہ تعالی ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہمیں قرآن وسنت کی ترویج واشاعت کیلئے مزید توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین،کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،اسلام آباد

کورس کا تعارف

فقہ القرآن (مطالعہ آیات الاحکام) ایم اے علوم اسلامیہ تخصص فی القرآن والتفسیر کے طلبہ کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کورس قرآن مجید کے فقہی انداز کو زیادہ اجاگر کر رہا ہے۔ بلاشبہ قرآن مجید علوم کا ایک ایسا وسیع و عریض اور بے کنار سمندر ہے جس کے اندر اس قدر موتی لولؤ و لالے ہیں کہ ان کو اکٹھا کرنا، انہیں سمیٹنا یا انہیں ترتیب دینا کسی ایک شخص بلکہ ایک نسل کیلئے بھی ممکن نہیں۔ اس بحر بے کنار سے مختلف نسلیں اپنے حالات و واقعات کو مدنظر رکھ کر صرف اپنی علمی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں اور پھر دوسری نسل اپنے حالات کے مطابق سیراب ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اول اسلام سے قیامت تک چلتا رہے گا لیکن قرآن مجید کے سارے علوم کا احاطہ اور تمام سے بیک وقت مستفید ہونا بنی نوع انسان کے بس کی بات نہیں کیونکہ قرآن مجید جس کا کلام ہے وہ لامحدود ہے اور لامحدود کے کلام کی خوبیاں بھی بے شمار اور بے حد و حساب ہوتی ہیں جن کو ایک محدود ترین ذہن رکھنے والی بنی نوع انسان شمار نہیں کر سکتی۔

زیر نظر کتاب میں قرآن مجید کے فقہی پہلو کو متعدد موضوعات کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں عقائد کے مباحث بھی ہیں۔ قصوں کا بیان بھی ہے اور احوال آخرت کی تفصیل کے علاوہ متعدد مزید موضوعات ہیں ان میں ایک موضوع قرآن مجید کا فقہی پہلو ہے یعنی انسانوں کو جو مسائل عملی زندگی میں درپیش ہوتے ہیں ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ حل دو موضوعات کی صورت میں ملتا ہے عبادات اور معاملات۔

اس کورس میں ان دونوں موضوعات کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبادات کے باب میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے مسائل قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔ معاملات میں تجارت، وصیت، وراثت، حدود و تعزیر گواہی، فیصلوں کے احکام، مطعومات و مشروبات کے احکام نکاح و طلاق وغیرہ کے بارے میں مختصر مگر جامع بیان قرآنی طریقہ کو مدنظر رکھ کر طلباء کیلئے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی فقہی تفاسیر کو علوم قرآنیہ میں تفسیر آیات الاحکام کہا جاتا ہے۔ تفسیر کی یہ قسم باقاعدہ طور پر دوسری صدی ہجری میں امام شافعیؒ کے ذریعہ متعارف ہوئی اور پھر ترقی کے منازل طے کرتی ہوئی تفسیر کی ایک مستقل قسم بن گئی اور اس تفسیری قسم میں بھی مفسرین کرام نے معرکۃ الآراء کام کیے مثلاً احکام القرآن، امام ابوبکر جصاص حنفی کی احکام القرآن ابن عربی مالکی، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، اچھی مثال آپ ہیں اس فن کی مزید کتب آپ مختلف یونٹس

کی کتابیات میں مطالعہ کریں گے۔

عزیز طلباء! ایم اے کی سطح پر ایک طالب صرف علوم اسلامیہ کے ابتدائی علوم سے آگاہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ اساتذہ کرام اس کے اندر علوم اسلامیہ کی گہرائی اور گیرائی کو سمیٹنے اور اس سمندر میں غوطہ زن ہونے کا جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ ان علوم میں مزید مطالعہ اور تحقیق کیلئے ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے دروازے بھی ہر وقت کھلے رہتے ہیں اس لئے فقہ القرآن کے میدان میں ہم اس کتاب کے جامع یا نافع ہونے کے دعویدار نہیں ہیں بلکہ یہ تو ایم اے کی سطح پر طلباء کو اس تفسیر کی قسم سے آشناء کرنے کی ایک کوشش ہے تاکہ طلباء اس کے ذریعہ اپنے شوق تعلیم کو مزید تسکین بخش سکیں۔

اس کتاب کو مکمل کرتے ہوئے مختلف مراحل پر جو مشکلات مجھے درپیش آئیں ان کو حل کرنے میں رئیس الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر سید الطاف حسین نے جس طرح شعبہ کے ساتھ لامحدود تعاون کیا ان پر میں ان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ شکریہ ادا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔ ڈین فیکلٹی ڈاکٹر علی اصغر چشتی کے پیش لفظ نے اس کورس کی اہمیت کو مزید اجاگر کر دیا میں ان کا بھی از حد ممنون ہوں۔ اپنے رفقاء کار عبد الحمید خان عباسی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ہذا اور ثناء اللہ حسین لیکچرر شعبہ کا شبانہ روز تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ کتاب آج طلباء کے ہاتھ میں ایک زندہ حقیقت کی صورت میں نہ ہوتی۔ میں ان کی کوششوں کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ کورس کے تمام یونٹ نگار محققین و سکالرز کو بھی میں از حد تعاون پر خراج عقیدت پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کتاب کی تکمیل پر میرا سر رب ذوالجلال کے حضور بھی سجدہ ریز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ طلباء کو اس کتاب سے کما حقہ استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر

کورس کے مقاصد

اس کورس کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ فقہ القرآن کے عمومی تعارف سے آگاہ ہو جائیں

2۔ طہارت اور نماز کے احکام سے آگاہ ہو جائیں۔

3۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام پر گفتگو کر سکیں۔

4۔ قرض، گواہی، فیصلوں کے احکام پر گفتگو کر سکیں۔

5۔ کسب، نکاح، طلاق اور خلع کے احکام بیان کر سکیں۔

6۔ قسم، نذر، مطعومات و مشروبات اور وصیت کے احکام بیان کر سکیں۔

7۔ وراثت، حدود اور دیت کے احکام بیان کر سکیں۔

اس کورس میں طلباء کیلئے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم طالب علموں سے امید ہے کہ وہ مزید مطالعہ کیلئے فقہ القرآن سے متعلق دوسری کتابوں سے بھی رجوع ضرور کرینگے۔ جن کا ذکر مختلف یونٹس کے آخر میں حوالہ جات میں ہے۔

امید ہے کہ اس کورس کے مطالعہ سے فقہ القرآن کے نہایت مفید موضوعات سے آپ بھرپور استفادہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے علم و عمل میں برکت نصیب فرمائے۔

فہرست

1- طہارت

1.1 طہارت کا لغوی معنی

طہارت، طَھُرَ یَطْھُرُ باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے ہے جس کا معنی 'پاکیزگی' اور 'صفائی' ہے۔ اور باب تفعیل سے 'تطہیر' کا معنی ہوتا ہے 'کسی چیز کو پاک کرنا'۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ باب استعمال ہوا ہے۔ اور باب تفعل سے تَطَھَّرَ یَتَطَھَّرُ تَطَھُّرًا کا معنی ہے 'اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنا'۔ قرآن مجید میں یہ باب اس آیت میں استعمال ہوا ہے جو اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ ڈھیلے کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال کیا کرتے تھے جس سے اچھی طرح پاکیزگی حاصل ہوتی تھی۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

لفظ 'طھـور' بھی طہارت سے ہی مشتق ہے جس کا معنی ہے: 'پاک کرنے والی چیز'۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پانی کے بارے میں یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا

1.2 طہارت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں 'نجاست حقیقی' اور 'نجاست حکمی' سے پاک ہونے کو 'طہارت' کہا جاتا ہے۔

نجاست حقیقی یا خبث

وہ ناپاکی جو انسان کو محسوس ہوتی ہو اسے 'نجاست حقیقی' یا 'خبث' کہا جاتا ہے۔

نجاست حکمی یا حدث

وہ ناپاکی جو محسوس نہیں ہوتی بلکہ ہمیں اس کے ناپاک ہونے کا علم اس طرح ہوا کہ شریعت نے اس کے ناپاک ہونے کا حکم دیا۔ جیسے بے وضو ہونا۔ بے وضو شخص کے جسم پر کوئی محسوس ناپاکی نہیں ہوتی لیکن شریعت کی نظر میں وہ پاک نہیں ہوتا۔ اس لیے اس حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ایسے میں جس شخص پر غسل واجب ہو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا حالانکہ اس کے جسم پر بھی کوئی محسوس ناپاکی نہیں ہوتی۔ ایسی ناپاکی کو 'نجاست حکمی' اور 'حدث' کہا جاتا ہے۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

1- حدث اصغر

2- حدث اکبر

حدث اصغر

بے وضو ہونے کی حالت کو کہا جاتا ہے۔ یہ ناپاکی وضو کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔

حدث اکبر

اس حالت کو کہا جاتا ہے جبکہ انسان پر غسل واجب ہو۔ یہ ناپاکی غسل کرنے سے دور ہوتی ہے۔

جب نجاست کی دو قسمیں ہیں: 'حقیقی' اور 'حکمی'، تو طہارت چونکہ اس کے مدمقابل ہے اس لیے اس کی بھی دو قسمیں ہوں گی: ایک 'طہارت حقیقی' اور دوسری 'طہارت حکمی'۔

طہارت حقیقی

نجاست حقیقی سے پاک ہونے کو 'طہارت حقیقی' کہا جاتا ہے۔

طہارت حکمی

'نجاست حکمی' سے پاک ہونے کو 'طہارت حکمی' کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں اقسام کی طہارت کے احکامات الگ الگ ہیں۔ اس لیے طہارت کے احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1- طہارت حکمی کے احکام

2- طہارتِ حقیقی یعنی نجاست کو پاک کرنے کے احکام

دونوں قسموں کے درمیان پانی کے احکام کو ذکر کیا جائے گا۔ کیونکہ طہارت کا ایک اہم ذریعہ پانی ہے۔

2- طہارت حکمی کے احکام

طہارت حکمی کے تحت مندرجہ ذیل امور آتے ہیں۔ اس لیے اس میں ان امور کے احکامات ترتیب وار ذکر کیے جائیں گے:

1- وضو
2- غسل
3- تیمم
4- حیض، نفاس اور استحاضہ

2.1 احکام وضو

اس عنوان کے تحت مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی جائے گی:

1- وضو کے معانی
2- فرائض وضو
3- سنن وضو
4- مستحبات وضو
5- مکروہات وضو
6- کن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے؟
7- کن چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا؟
8- کن کاموں کے لیے وضو ضروری ہے؟

2.2 وضو کے معانی

وضو لغت میں وَضُوءٌ یَوْضُوْءُ وَضَائَۃً باب کَرُمَ یَکْرُمُ کَرَامَۃً سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے خوبصورت اور پاک ہونا۔ شریعت کی اصطلاح میں چار اعضاء یعنی چہرے، بازوؤں، سر اور پاؤں تک ایک خاص طریقے سے پانی پہنچانے کو 'وضو' کہا جاتا ہے۔

2.3 فرائض وضو

قرآن مجید میں اس آیت:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے جانے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں اور کہنیوں سمیت دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا کرو''۔

میں وضو کے چار فرائض بیان کیے گئے ہیں

1۔ چہرے کا دھونا، جس کی حد پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔

2۔ دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت دھونا۔

3۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

4۔ دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔

2.4 سنن وضو

سنن وضو سے مراد وہ کام ہیں جن کا کرنا باعث اجر و ثواب ہے لیکن اگر نہ ہو سکیں تو بھی وضو ہو جاتا ہے مگر ناقص ہوتا ہے۔ مفسرین نے مندرجہ ذیل وضو کی سنتیں ذکر فرمائی ہیں:

1- دل میں پاکی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کرنا۔

2- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

3- پہلے تین بار دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت تک دھونا۔

4- مسواک کرنا، نرم ٹہنی یا جڑ کی مسواک ہو اور دائیں ہاتھ سے کی جائے۔ اگر مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت اچھی طرح صاف کر لیے جائیں۔

5- تین بار کلی کرنا، اور پانی کو اچھی طرح منہ میں گھمانا۔ اگر روزہ نہ ہو تو غرارہ بھی کیا جائے۔

6- تین بار ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی ڈالنا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

7- داڑھی کا خلال کرنا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی میں پانی ڈال کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت منہ کی طرف کر کے ٹھوڑی کے نیچے سے انگلیوں کو داڑھی میں داخل کر کے سامنے کی جانب نکال لیں۔

8- ہر عضو کو تین بار دھونا۔

9- ایک بار پورے سر کا مسح کرنا۔

10- دونوں کانوں کا مسح کرنا، باہر والے حصے کا انگوٹھوں سے اور اندر والے حصے کا شہادت کی انگلیوں سے۔

11- ترتیب سے وضو کرنا۔

12- پے در پے وضو کرنا، اس طرح کہ ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھو لیا جائے۔

2.5 مستحباتِ وضو

مستحبات سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے اور چھوٹ جانے سے وضو میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

وضو میں مندرجہ ذیل چیزیں مستحب ہیں:

1- دائیں طرف سے شروع کرنا۔

2- وضو کے کام خود کرنا دوسروں سے مدد نہ لینا۔

3- قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا۔

4- پاک اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔

2.6 مکروہاتِ وضو

مکروہات سے مراد وہ کام ہیں جن کا کرنا شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ وضو میں مندرجہ ذیل چار چیزیں مکروہ ہیں:

1- ناپاک جگہ پر وضو کرنا۔

2- دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

3- وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا۔

4- سنت کے خلاف وضو کرنا۔

2.7 نواقض وضو

قرآن کریم کی آیت:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا

2.8 تیمّم کب جائز ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کی اس آیت میں تیمم کا حکم ذکر کیا ہے جو سورۃ نساء اور مائدہ دونوں میں موجود ہے
"اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی بول و براز سے فراغت حاصل کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے ہمبستری کی ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو"۔

میں اختصار کے ساتھ وضو کو توڑنے والی دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ مفسرین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق ان دونوں چیزوں کو ملا کر مندرجہ ذیل امور وضو کو توڑ دیتے ہیں:

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۷۹)

باوضو ہوئے بغیر قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور دیکھنا بے وضو بھی جائز ہے، کسی کپڑے کو حائل بنا کر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ کپڑا قرآن کریم کے ساتھ ملا ہوا یا جڑا ہوا نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ کپڑا پکڑنے والے نے پہنا ہوا ہو۔ لہٰذا وہ کپڑا جو قرآن مجید کے ساتھ متصل ہو یا پکڑنے والے نے پہنا ہوا ہو مثلاً لباس کا کنارہ، دامن وغیرہ اس سے قرآن مجید کو پکڑنا جائز نہیں۔ پاک رومال، قرآن مجید کا بستہ غلاف جو اس سے الگ ہوتا ہے تو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ ایسے ہی کپڑے کے علاوہ کسی اور پاک چیز مثلاً چاقو، قلم، پنسل وغیرہ سے قرآن مجید کے ورق الٹنا جائز ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً تختی، سپارے، کیلنڈر، تعویذ پر قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو لکھے ہوئے حصے پر حائل کے بغیر بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ اس طرح پکڑنا جائز ہے کہ آیت پر ہاتھ نہ لگے یا تعویذ پر چمڑا وغیرہ چڑھا ہوا ہو۔

قرآن کریم کو بے وضو لکھنا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر بے وضو کسی آیت کو لکھنے کی ضرورت ہو تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ لکھنے والا ہاتھ اور کاغذ کے درمیان کپڑا یا کاغذ وغیرہ کو حائل بنا لے تاکہ ہاتھ کاغذ پر نہ لگے۔

جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں بھی قرآن کریم کو پکڑنے کا یہی حکم ہے۔

خود آزمائی:

سوال نمبر 1: دیے گئے جوابات میں سے سوال کا صحیح جواب منتخب کیجیے:

الف: 'طہارت حقیقی' کسے کہتے ہیں؟

1۔ خبث کو۔

2۔ نجاست حقیقی سے پاکی کو۔

3۔ حدث اکبر کو۔

ب: طھر یطھر تطھیرا باب تفعیل سے کیا معنی دیتا ہے؟

1۔ پاکی حاصل ہونا۔

2۔ اچھی طرح پاکی حاصل کرنا۔

3۔ کسی چیز کو پاک کرنا۔

سوال نمبر 2: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کیجیے؟

1۔ بغیر وضو کے نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت .... ہے۔ (جائز، واجب، ناجائز، سنت)

2۔ تین مرتبہ کلی کرنا وضو میں .... ہے۔ (فرض، سنت، مستحب، مکروہ)

سوال نمبر 3: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب ہاں/نہیں میں دیجیے:

1۔ پیشاب یا پاخانہ کے راستے سے کیڑا نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (ہاں/نہیں)

2۔ جسم کے کسی حصے سے صرف گوشت کا ٹکڑا گرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر 4: مندرجہ ذیل بیانات میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

1۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ (غلط/صحیح)

2۔ اگر نابالغ نماز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ (غلط/صحیح)

3۔ جو غلاف قرآن مجید کے ساتھ متصل ہو اس سے قرآن کریم کو پکڑنا جائز ہے (غلط/صحیح)

3- غسل کے احکام

طہارت حکمی کے تحت آنے والی دوسری چیز غسل ہے۔احکام غسل کی وضاحت کرتے ہوئے درج ذیل موضوعات کا آپ مطالعہ کریں گے۔

3.1 اقسام غسل

غسل کی چار حالتیں ہیں۔

1- غسل جنابت

2- غسل قربت

3- غسل نظافت

4- تجربہ

1- غسل جنابت

وہ غسل جو کسی وجہ سے انسان پر واجب ہوتا ہے اسے غسل جنابت کہا جاتا ہے(غسل کو واجب کرنے والی چیزوں کا ذکر آگے میں آئے گا۔

2- غسل قربت

وہ غسل جو اجر وثواب کی نیت سے کیا جائے اسے غسل قربت کہا جاتا ہے جیسے جمعہ وعیدین کے لیے غسل۔

3- غسل نظافت

جسم کی صفائی کے لیے جو غسل کیا جائے اسے غسل نظافت کہا جاتا ہے۔

4- غسل تبرید

جو غسل ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اسے غسل تبرید کہا جاتا ہے۔

3.2 فرائض غسل

قرآن مجید نے جنابت کی حالت میں غسل کا طریقہ بیان کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدہ: ٦)

اطھروا مبالغہ کا صیغہ جس کا معنی ہے اچھی طرح پاکی حاصل کرو، جس کی وجہ سے جسم کے جس حصے تک پانی پہنچانا ممکن ہو وہاں تک پانی کا پہنچانا فرض ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مفسرین نے غسل کے کے تین فرائض ذکر کیے ہیں:

1۔ اچھی طرح کلی کرنا، روزہ نہ ہو تو غرارہ بھی کرنا چاہیے۔ اس کی وضاحت کے لیے چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

الف: دانتوں کے درمیان خلا میں کھانے وغیرہ کے ذرات کو نکال کر کلی کرنا زیادہ بہتر ہے لیکن ضروری نہیں، ویسے بھی غسل ہو جاتا ہے۔

ب: دانتوں کے خلا میں دوا، یا مسالہ بھرا ہوا ہو تو اس کے باوجود غسل ہو جاتا ہے۔

ج: منہ بھر کر پانی پینے سے بھی کلی ہو جاتی ہے تھوڑا تھوڑا پانی پینے سے کلی نہیں ہوتی۔ لہذا بھولے سے کلی رہ گئی اور غسل سے پہلے یا بعد میں منہ بھر کر پانی پی لیا تو بھی غسل صحیح ہوگا۔

2۔ ناک میں پانی چڑھانا، ناک کی نرم ہڈی تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اگر نرم ہڈی تک کا جو حصہ ہے اس میں چھلکا خشک ہو جائے تو اس کو نکال کر پانی ڈالنا ضروری ہے، البتہ نکال کی تر رینٹھ ہو تو اسے نکالنا ضروری نہیں۔

3۔ پورے جسم پر اس طرح پانی بہانا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ اس کی وضاحت کے لیے چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

الف: مرد کے لیے سر، داڑھی، مونچھ اور جسم کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا اور بالوں کے درمیان پانی پہنچانا ضروری ہے۔ عورت کے بال کھلے ہوں یا اس طرح بٹے ہوں کہ انہیں کھولنے میں دشواری نہیں ہوتی تو تمام بالوں اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اگر بال اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ ان کو کھولنا مشکل ہے تو پھر صرف بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے، سارے بالوں کو کھول کر دھونا

ضروری نہیں۔

ب: عورت کی انگوٹھی، چوڑیاں وغیرہ اتنی تنگ ہوں کہ ہلائے بغیر ان کے نیچے پانی نہ پہنچتا ہو تو ان کو ہلا کر نیچے پانی پہنچانا ضروری ہے۔ ایسے ہی کان، ناک کے سوراخ میں زیور ہو یا خالی سوراخ ہو تو زیور کو ہلانا اور سوراخ کو ملنا چاہیے تاکہ اس میں پانی چلا جائے۔ اس سے زیادہ زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں۔

ج: جسم کے کسی حصے پر اگر ایسی چیز لگی ہو تو جسم تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہے مثلاً جما ہوا موم، آٹا، سیمنٹ وغیرہ خشک ہو گیا ہو ناخن پالش وغیرہ ہو تو اسے اتارنا ضروری ہے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ اور اگر ایسی چیز ہے جو نیچے پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتی مثلاً میل کچیل، چکناہٹ، عام کریم، پاؤڈر وغیرہ تو اسے اتارنے کی ضرورت نہیں، اوپر سے پانی ڈالنا کافی ہے۔

د: جسم کا کوئی حصہ دھونا بھول جائے تو بعد میں اس کو دھونا کافی ہے، سارا غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہ: یہ تمام باتیں فرض اور واجب غسل میں ضروری ہیں جو غسل ٹھنڈک یا صرف صفائی کے لیے کیا جائے اس میں ضروری نہیں۔

و: غسل کے اندر وضو والے اعضاء دھل جانے سے بھی وضو ہو جاتا ہے خواہ وضو کی نیت ہو یا نہ ہو۔

3.3 سنن غسل

مندرجہ ذیل کام غسل میں سنت ہیں یعنی ان کا کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ تاہم اگر نہ ہو سکیں تو پھر بھی غسل ہو جاتا ہے انہیں تفسیر مظہری میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

1۔ غسل سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

2۔ اس کی بعد گٹوں تک ہاتھ دھونا۔

3۔ اس کے بعد استنجاء کرنا اگرچہ استنجاء کا محل صاف ہو۔

4۔ اس کی بعد جسم کے کسی حصے پر نجاست لگی ہو تو اسے دھونا۔

5۔ اس کے بعد وضو کرنا اگر نہانے کی جگہ ایسی ہو جہاں پانی ٹھہرتا نہیں تو پاؤں بھی وضو کرتے وقت دھو لیے جائیں اور

اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی ٹھہرتا ہے تو غسل کے بعد ایک طرف ہو کر پاؤں دھو لیے جائیں۔

6۔ اس کے بعد سارے بدن پر تین مرتبہ پانی بہانا، جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے سر پر پانی ڈالا جائے پھر دائیں کندھے پر پھر بائیں کندھے پر اور پھر سارے جسم پر۔

3.4 مستحبات غسل

غسل میں درج ذیل چیزوں کو مستحب قرار دیا گیا ہے:

1۔ جسم کو مل کر صفائی کا اہتمام کرنا۔

2۔ لباس اتارنے کے بعد بلاضرورت باتیں نہ کرنا اگر ضرورت ہو تو باتوں کی گنجائش ہے۔

3۔ قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرنا۔

4۔ پانی اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا، نہ فضول خرچی کی جائے اور نہ تنگدلی سے کام لیا جائے۔

3.5 موجبات غسل

موجبات غسل سے مراد وہ امور ہیں جن میں سے کسی کے پائے جانے سے انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ علماء فقہ القرآن نے سورۃ النساء کی آیت:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ (النساء: ۴۳)

"اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی بول و براز سے فراغت حاصل کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے ہمبستری کی ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور (اس مٹی سے) اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔"

اور سورہ مائدہ کی آیت:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدہ:٦)

''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو اچھی طرح پاکی حاصل کر لیا کرو۔''

اور سورۃ البقرہ کی آیت:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرۃ:٢٢٢)

''اور تم ان (عورتوں) کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

تفسیر میں ایسی پانچ چیزیں ذکر فرمائی ہیں جن سے غسل واجب ہو جاتا ہے:

1۔ کسی بھی وجہ سے مرد یا عورت کی شرمگاہ سے مادہ تولید کا نکلنا بشرطیکہ شہوت (لذت) کے ساتھ نکلا ہو۔ اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بغیر شہوت کے مادہ تولید نکلے تو غسل واجب نہیں ہوتا۔ عام طور پر شہوت کے بعد جو مادہ نکلتا ہے اور اس کے نکلنے کے بعد شہوت کی تسکین ہو جاتی ہے اسے مادہ تولید یا مادہ منویہ یا منی کہتے ہیں۔
شہوت کے وقت جو پتلا سا پانی نکلتا ہے مگر اس کے نکلنے سے پہلے شہوت ختم نہیں ہوتی اسے 'مذی' کہا جاتا ہے۔ اور پیشاب کے بعد جو گاڑھے قطرے نکلتے ہیں اس کو 'ودی' کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، صرف وضو کرنا کافی ہے۔

2۔ سوتے ہوئے احتلام کا ہو جانا، البتہ اگر کسی کو خواب آیا ہو مگر جاگنے کے بعد مادہ منویہ کا کوئی نشان نظر نہ آئے تو غسل واجب نہیں۔

3۔ مباشرت کے دوران مرد کے حشفہ (سپاری) کی مقدار داخل ہونے تو بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

4۔ حیض یعنی ماہواری کا خون ختم ہونے پر بھی غسل واجب ہوتا ہے۔

5۔ نفاس یعنی ولادت کا خون ختم ہونے پر بھی غسل واجب ہوتا ہے۔

3.6 غسل سنت کے مواقع

مندرجہ ذیل موقعوں پر غسل کرنا سنت ہے:

1۔ نماز جمعہ کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔

2۔ نماز عید کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔

3۔ حج یا عمرے کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔

4۔ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔

3.7 غسل مستحب کے مواقع

مندرجہ ذیل تین موقعوں پر غسل کرنا مستحب ہے۔

1۔ حج میں وقوف مزدلفہ سے پہلے غسل کرنا۔

2۔ حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری سے پہلے غسل کرنا۔

3۔ میت کو نہلانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

3.8 غسل واجب ہو تو کون سے کام ممنوع ہیں؟

جن وجوہ سے غسل واجب ہوتا ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اگر انہیں سے کسی بھی وجہ سے غسل واجب ہو جائے تو اس حالت کو 'حالت جنابت' کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں بہت سے کام ناجائز ہوتے ہیں، جن کی تفصیل علامہ قرطبی نے اپنی کتاب 'الجامع لاحکام القرآن' میں ذکر کی ہے، وہ کام یہ ہیں:

1۔ حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اگر کوئی شخص مسجد میں سویا ہوا ہو اور احتلام ہو جائے تو فوراً مسجد سے نکل جائے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

میں 'الصلاۃ' سے مراد 'مواضع الصلوۃ' لیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں مسجدوں کے

قریب نہ جائے۔

2۔ اس حالت میں بیت اللہ کا طواف بھی جائز نہیں کیونکہ طواف بھی مسجد حرام میں ہوتا ہے۔

3۔ اس حالت میں تلاوت کی نیت سے قرآن مجید پڑھنا بھی جائز نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تقرء الحائض و لا الجنب شيئا من القرآن

البتہ اگر کوئی آیت دعا یا ذکر کے طور پر پڑھی جائے تو اس کی اجازت ہے۔

4۔ حالت جنابت میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

اس کی مزید تفصیل آگے گزر چکی ہے۔

خود آزمائی:

سوال نمبر1: ذیل میں دیے گئے جوابات میں سے سوال کا صحیح جواب منتخب کیجیے۔

الف: اِطَّهَّرُوْا کون سا صیغہ ہے؟

1 اسم تفضیل کا۔

2 اسم فاعل کا۔

3 اس مبالغہ کا۔

ب: امام ابوبکر جصاص رازیؒ کے مطابق غسل کو واجب کرنے والی چیزیں کتنی ہیں؟

1) پانچ 2) تین 3) سات

سوال نمبر2: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کیجیے۔

الف: شہوت کے وقت جو پتلا سا پانی نکلتا ہے اسے .... کہا جاتا ہے۔ (منی، ودی، مذی)

ب: بعض مفسرین نے لاَ تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ "تم نماز کے قریب نہ جاؤ" .... مراد لیا ہے۔

(مواضع الصلاۃ، مواضع الوضو، مواضع الاذان)

سوال نمبر3: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'ہاں' 'نہیں' میں دیجیے

الف: غسل کے فرائض چار ہیں۔ (ہاں/نہیں)

ب: گٹوں تک ہاتھوں کو دھونا غسل میں واجب ہے۔ (ہاں/نہیں)

ج: ناخن پالش لگی ہوئی ہو تو غسل ہو جاتا ہے۔ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر4: مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

الف: جمعہ کی نماز کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔ (صحیح/غلط)

ب: حالت جنابت میں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ (صحیح/غلط)

ج: حیض کا خون ختم ہونے پر غسل مستحب ہے۔ (صحیح/غلط)

4- عذر اور مانع کی حالت میں وضو اور غسل کے تخفیفی احکام

اب تک آپ نے وضو اور غسل کے احکام کا مطالعہ کیا۔ بعض اعذار اور عوارض کی وجہ سے شریعت نے ان احکام میں کچھ تخفیف اور آسانی دی ہے۔ جن اعذار اور عوارض کی وجہ سے وضو اور غسل کے احکام میں سہولت کے لیے تبدیلی ہوتی ہے اب ان کی کچھ وضاحت کی جائے گی۔ اس سلسلے میں درج ذیل موضوعات گفتگو ہوں گے۔

1۔ تیمم کے احکام

2۔ حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام

4.1 تیمم کے احکام

تیمم بھی طہارت حکمی حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس پر مطالعہ کرتے ہوئے درج ذیل موضوعات کی وضاحت ہوگی۔

1۔ تیمم کا معنی۔

2۔ تیمم کب جائز ہوتا ہے۔

3۔ کن چیزوں پر تیمم جائز ہے اور کن پر نہیں۔

4۔ تیمم کی شرائط اور اس کا طریقہ۔

5۔ تیمم سے کیا کام جائز ہوتے ہیں۔

6۔ تیمم کو توڑنے والی چیزیں۔

4.2 تیمم کا معنی

تَيَمَّمَ يَتَيَمَّمُ تَيَمُّمًا باب تفعّل سے ہے جس کا لغوی معنی ہوتا ہے قصد اور ارادہ کرنا اور اصطلاح میں اس کا معنی ہوتا ہے مٹی کے ذریعے چہرے اور بازوؤں کا مسح کرنا۔

کسی شخص کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو مگر پانی نہ ملے یا پانی موجود نہ ہو لیکن کسی وجہ سے وہ اس کے استعمال پر قادر نہ ہو

اس عذر کی وجہ سے شریعت نے سہولت کے لیے مٹی پر تیمم کرنے کو وضو اور غسل کے قائم مقام مقرر کر دیا ہے۔

4.3 تیمم کب جائز ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کی اس آیت میں تیمم کا حکم ذکر کیا ہے جو سورۃ نساء اور مائدہ دونوں میں موجود ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء، المائدہ:۴۳)

''اور اگر بیمار یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی بول و براز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے ہمبستری کی ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو''

اس آیت کے تحت مفسرین نے پانچ صورتوں میں تیمم جائز قرار دیا ہے۔

1۔ پانی نہ ملنا: اگر پانی موجود ہو یا بیماری کے لمبا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے۔ یہ اندیشہ کبھی پانی کے جسم پر لگنے سے ہوتا ہے اور کبھی پانی کے لگنے سے تو مضائقہ نہیں ہوتا لیکن وضو یا غسل کے لیے ہلنے جلنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی بیمار ہونے یا بیماری کے بڑھنے یا لمبا ہونے کے اندیشہ کا علم کبھی دیندار ماہر ڈاکٹر یا طبیب کے بتانے سے ہوتا ہے اور کبھی اپنے ذاتی تجربے سے، ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے۔

2۔ شدت سردی: کہیں سردی اتنی شدید ہو کہ پانی استعمال کرنے کی صورت میں ہلاکت یا بیماری کا غالب گمان ہو اور پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور پانی استعمال کرنے کے بعد جسم کو گرما کر نقصان سے بچنے کا بھی کوئی راستہ نہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

3۔ پانی کے استعمال کرنے پر قادر نہ ہو: اگر پانی تو موجود ہو مگر درج ذیل وجوہ سے پانی کی استعمال پر قادر نہ ہو تو بھی تیمم جائز ہے۔

(i پانی تک پہنچنے میں دشمن، موذی جانور، سانپ وغیرہ مانع ہو اور اس تک پہنچنے کی صورت میں جان یا مال ضائع ہونے کا غالب اندیشہ ہو۔

(ii پانی استعمال کرنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ پھر پیاس لگے گی تو پانی نہیں ملے گا۔

iii) زمین سے پانی کھینچنے کا سامان نہ ہو۔

iv) ہاتھ زخمی ہوں یا ہاتھوں پاؤں پر پھنسیاں وغیرہ ہوں اور پانی کے استعمال سے نقصان ہوتا ہو وغیرہ ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے۔

v) جنازہ یا عید کے فوت ہونے کا خطرہ: کسی عبادت کے فوت ہونے کا خوف ہو اور اس کا کوئی متبادل بھی نہ ہو تو اس عبادت کو حاصل کرنے کے لیے تیمم جائز ہے مثلاً یہ خطرہ ہو کہ اگر وضو کرنے لگے گا تو جنازے کی آخری تکبیر سے پہلے شرکت ممکن نہیں تو تیمم کر کے جنازے میں شرکت جائز ہے۔ اسی طرح عید ملنے کی امید نہ ہو تو تیمم جائز ہے کیونکہ جنازہ اور عید فوت ہو جائے تو ان کی قضا نہیں ہو سکتی، ایسے ہو سنت مؤکدہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی تیمم جائز ہے کیونکہ سنتوں کی قضا بھی نہیں ہوتی۔

فرض نماز، وتر اور جمعہ کا وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز نہیں کیونکہ وقت نکلنے کی بعد فرض نمازوں اور وتر کی قضا ہو سکتی ہے اور جمعہ کا وقت نکلنے کے بعد ظہر کی قضا کی جا سکتی ہے۔ گویا ان نمازوں کا متبادل موجود ہے اور جس عبادت کا کوئی متبادل ہو اس کے فوت ہونے کی وجہ سے تیمم جائز نہیں۔

فائدہ: جو شخص کسی ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں نہ وضو کے لیے پانی ملتا ہو اور نہ کوئی ایسی چیز ملتی ہو جس سے تیمم کرنا جائز ہے تو وہ فی الحال وضو اور تیمم کے بغیر نماز پڑھ لے لیکن نہ نماز کی نیت کرے نہ سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھے۔ بس افعال نماز ادا کر لے۔ جب وضو یا تیمم کا موقع مل جائے ہو وضو یا تیمم کر کے سابقہ حالت میں پڑھی ہوئی نماز قضا کر لے۔ (۳۰)

4.4 کن چیزوں پر تیمم جائز ہے اور کن پر نہیں؟

قرآن مجید میں تیمم کا آلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

”تم پاک مٹی سے تیمم کرو“

اس سے مفسرین نے یہ اصول بیان نکالا ہے کہ جو چیزیں پگھلانے سے پگھل جاتی ہیں مثلاً لوہا وغیرہ یا جل کر راکھ

ہو جاتی ہیں جیسے لکڑی وغیرہ ان پر تیمم جائز نہیں ان کی علاوہ ہر چیز پر تیمم جائز ہے لہذا معدنی دھاتوں جیسے لوہا پیتل، تانبا، سونا، چاندی وغیرہ، درخت اور ان کی لکڑی ، راکھ پر تیمم جائز نہیں البتہ جن چیزوں پر تیمم جائز نہیں اگر ان پر اتنا غبار ہو کہ ہاتھ کھینچنے سے لکیریں پڑ جائیں تو ان پر بھی تیمم جائز ہوتا ہے اور مٹی ریت، سمنٹ، پتھر، پکی اینٹ، پکی اینٹ، مٹی کا بنا ہوا مٹکا وغیرہ بشرطیکہ روغنی نہ ہو، چونا، وہ دیوار جس پر چونا کیا ہوا ہو، چپس والی دیوار یا فرش وغیرہ ان چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ یہ بالکل صاف ہوں اور ان پر غبار نہ ہو۔

اگر دو ایسی چیزیں ملی ہوئی ہوں مٹی پر تیمم جائز ہے راکھ پر نہیں اس صورت میں جو چیز زیادہ ہے اس کا اعتبار ہوگا اگر مٹی زیادہ ہے تو تیمم جائز ہوگا۔ راکھ زیادہ ہو تو تیمم جائز نہیں۔

4.5 تیمم کی شرائط اور اس کا طریقہ

شرائط: تیمم میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں:

1۔ جن اشیاء پر تیمم جائز ہے ان میں شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہوں، ناپاک چیز پر تیمم جائز نہیں۔

2۔ تیمم میں نیت بھی شرط ہے یا طہارت حاصل ہونے کی نیت کی جائے یا نماز جائز ہونے کی یا اسی عبادت کی نیت کی جائے جو بذات خود مقصود ہو اور اس کی لیے طہارت بھی ضروری ہے اس کی نیت سے کیتے ہوئے تیمم سے ہر طرح کی عبادت جائز ہے۔ جو عبادت خود مقصود نہیں بلکہ کسی اور عبادت کا ذریعہ ہے مثلاً اذان جو نماز کا اعلان اور ذریعہ ہے، یا جو عبادت بغیر طہارت کے بھی جائز ہے جیسے تلاوت جو بغیر وضو کے جائز ہے۔ ایسی عبادت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

3۔ زمین پر ہاتھ مار کر چہرے کا مسح کرنا۔

4۔ زمین وغیرہ پر دوبارہ ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت بازوؤں کا مسح کرنا۔

5۔ اس طرح چہرے اور بازوؤں کا مسح کرنا کہ ذرا برابر بھی کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

طریقہ: تیمم کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کی جائے۔ پھر بسم اللہ پڑھی جائے انگوٹھی، گھڑی اور چوڑیاں وغیرہ پہنی ہوں تو وہ اتار دینی چاہئیں۔ اس کی بعد جس چیز پر تیمم کرنا ہے اس پر دونوں ہاتھ مار کر ان کو جھاڑا جائے اور ان دونوں

ہاتھوں سے پورے چہرے کا مسح کیا جائے، پھر دوبارہ ہاتھ مار کر جھاڑے جائیں اور دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے اور انگلیوں کا خلال بھی کیا جائے۔

وضو کی ضرورت ہو یا غسل کی دونوں صورتوں میں تیمم کا مذکورہ بالا طریقہ اختیار کیا جائے گا، دونوں کا طریقہ مختلف نہیں۔

4.6 تیمم سے کیا کام جائز ہوتے ہیں؟

ماقبل میں تیمم کے لیے جو شرائط اور تفصیلات لکھی گئی ہیں ان کے مطابق جب تیمم کر لیا جائے تو اس سے ایسی پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ تیمم کرنے کے بعد وہ تمام کام جائز ہوتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے کے بعد ہوتے ہیں، مثلاً ہر طرح کی نماز پڑھنا، قرآن پاک کو ہاتھ لگانا وغیرہ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

الصعيد الطيب وضوء المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين

''پاک مٹی مسلمان کے لیے وضو (کے قائم مقام) ہے اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے۔''

4.7 تیمم کو توڑنے والی چیزیں

مندرجہ ذیل چیزوں سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے:

1۔ جن چیزوں سے وضو اور غسل ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ تیمم وضو اور غسل کی قائم مقام ہے اور جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی قائم مقام کا ہوتا ہے۔

2۔ جس عذر کی بناء پر تیمم جائز ہوا تھا اگر وہ عذر ختم ہو جائے تو بھی تیمم ٹوٹ جائے گا مثلاً بیماری کی وجہ سے تیمم کر رہا تھا وہ بیماری ختم ہو گئی تو تیمم ٹوٹ جائے گا۔

3۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا جا رہا تھا اور اتنا پانی مل گیا جس سے وضو یا غسل کیا جا سکتا ہے تو تیمم ٹوٹ جائے گا حتی کہ نماز کے دوران پانی مل گیا تو بھی تیمم ٹوٹ جائے گا۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ا: ذیل میں دیے گئے جوابات میں سے سوال صحیح جواب منتخب کیجئے۔

الف: تیمم کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟

1۔ قصد و ارادہ کرنا۔

2۔ چہرے اور بازوؤں کو دھونا۔

3۔ مٹی کے ذریعے چہرے اور بازوؤں کا مسح کرنا۔

ب: کتنے فاصلے تک پانی نہ ملتا ہو تو تیمم کرنا جائز ہے؟

1 ۵۰ ا کلومیٹر تک۔

2 ۲ کلومیٹر تک۔

3 ۳ ا کلومیٹر تک۔

سوال نمبر ۲: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب ہاں نہیں میں دیجئے۔

الف: تیمم طہارت کا ایک تخفیفی حکم ہے جو کسی خاص عذر کی صورت میں جائز ہوتا ہے ۔(ہاں نہیں)

ب: جو چیزیں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں ان پر تیمم کرنا جائز ہے۔ (ہاں نہیں)

سوال نمبر ۳: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

الف: تیمم کی بعد وہ تمام کام جائز ہوتے ہیں جو ....کے بعد جائز ہوتے ہیں۔

(جنابت، حدث، وضو غسل)

ب: قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ....صورتوں میں تیمم جائز قرار دیا ہے۔(چھ، سات، پانچ)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے۔

الف: تیمم میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ (صحیح، غلط)

ب: نماز کے دوران پانی مل گیا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ (صحیح، غلط)

5- حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام

حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام کا شمار بھی ان احکام میں ہوتا ہے جو شریعت نے عوارض کی بنا تخفیفی طور پر دیئے ہیں۔ اس عنوان کے تحت درج ذیل موضوعات کی تفصیل ہوگی۔

1- حیض کی تعریف۔
2- کون سا خون حیض ہے اور کون سا نہیں؟
3- نفاس کی تعریف۔
4- کون سا خون نفاس ہے اور کون سا نہیں؟
5- حیض و نفاس کے احکام۔
6- استحاضہ کی تعریف۔
7- استحاضہ کی صورتیں۔
8- استحاضہ کے احکام۔
9- استحاضہ کی حالت میں طہارت کا طریقہ۔

5.1 حیض کی تعریف

لغوی معنی: حیض، حَاضَ یَحِیْضُ حَیْضاً باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے۔ جس کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا بہنا۔ قرآن مجید میں مَحِیْض کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ظرف زمان کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے۔ بمعنی حیض کا وقت، ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے بمعنی مقام حیض، اور مصدر بھی ہوسکتا ہے بمعنی حیض آنا۔

اصطلاحی معنی: فقہِ قرآن کی اصطلاح میں حیض اس فاسد خون کو کہا جاتا ہے جو مخصوص زمانہ اور مخصوص حالت میں تندرست، جوان غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے۔

5.2 کونسا خون حیض ہے کون سا نہیں؟

حیض کی متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرة: ٢٢٨)

''اور اے نبی ﷺ! آپ سے لوگ سوال کرتے ہیں حیض کے بارے میں آپ کہہ دیجئے یہ ایک گندگی ہے لہذا تم الگ رہو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور اس وقت تک ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اس جگہ سے آؤ جہاں سے اللہ تعالٰی نے تمہیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالٰی توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت پر بحث کرتے ہوئے مفسرین نے مندرجہ ذیل خونوں کو حیض شمار کیا ہے:

1۔ حیض کی کم از کم مدت تین دن تین راتیں (۷۲ گھنٹے) ہیں۔اس سے کم مدت جو خون آ کر بند ہو جائے وہ حیض نہیں، اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن دس راتیں ہیں اس سے زیادہ جو خون آئے گا وہ بھی حیض نہیں ہوگا۔

2۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران، سرخ، زرد، سبز، خاکی گدلا یعنی سرخی مائل سیاہ، خالص سیاہ، جس قسم کا خون آئے گا وہ حیض ہوگا۔ البتہ جب بالکل سفید پانی آنے لگے وہ حیض نہیں بلکہ پاکی کی علامت سمجھی جائے گی۔

3۔ نو سال سے کم عمر کی بچی کو اور پچپن سال کی عورت کو خالص سیاہ یا سرخ خون آئے گا وہ حیض شمار ہوگا۔

4۔ حیض والی عورت کی دو قسمیں ہیں ایک 'مبتدۂ' دوسری 'معتادۃ' (عادت والی) 'مبتدۂ' اسے کہتے ہیں جس کو پہلی مرتبہ حیض آیا اور اس کی کوئی عادت مقرر نہ ہو۔ اس کو خون آنا شروع ہوا اور پورے دس دن یا اس سے کم مدت آ کر بند ہو گیا تو جتنے دن خون آیا ہے وہ حیض شمار ہوگا اور آئندہ یہی اس کی حیض کی عادت سمجھی جائے گی جب تک اس کے خلاف خون نہ آئے۔ اگر اس کا خون دس دن سے بڑھ کر بند ہوا یا مسلسل جاری رہا تو دس دن حیض شمار ہوگا باقی نہیں۔

'معتادۃ' اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کو پہلے کم از کم ایک مرتبہ خون آ چکا ہو اور وہ پورے دس دن یا اس سے کم مدت آ کر بند ہو گیا ہو۔ جتنے دن اسے خون آیا ہے وہ حیض ہوگا اور اب یہی اس کی عادت رہے گی جب تک اس کے خلاف خون نہ آئے اگر کسی ماہ خون اس کی عادت سے کم یا زیادہ مدت آئے اور وہ دس دن سے نہ بڑھے تو جتنے دن خون آیا ہے وہ حیض ہو

گا اب یہی اس کی عادت ہوگی یعنی عادت ختم ہو جائے گی اور اگر خون اس دن سے بڑھ گیا تو پہلے جتنی عادت تھی وہ حیض شمار ہوگا، باقی نہیں مثلاً کسی عورت کی یہ عادت تھی کہ اسے پانچ دن خون آتا ہے۔ اب اسے چار دن خون آ کر بند ہو گیا تو چار دن حیض ہوگا یا نو دن آ کر بند ہو گیا تو نو دن حیض ہوگا اور اب یہی اس کی عادت ہوگی لیکن اگر بارہ دن آ کر بند ہوا یا مسلسل جاری رہا تو اب سابقہ عادت کے مطابق پانچ دن حیض ہوگا باقی نہیں

5۔ ایک مرتبہ حیض ختم ہو کر دوبارہ حیض شروع ہونے کے لیے کم از کم پندرہ دن کا وقفہ ضروری ہے اگر ایک مرتبہ خون آ کر بند ہو گیا اور ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ دوبارہ خون آنا شروع ہو گیا تو وہ آنے والے دن بھی پہلے حیض کے ساتھ ہی شمار ہوں گے مثلاً کسی عورت کو تین دن خون آیا اور اس کی بعد پندرہ دن خون نہیں آیا پھر دوبارہ خون شروع ہو گیا تو **پہلے تین دن کا خون** حیض ہوگا۔ پھر پندرہ دن پاکی کے ہوں گے اور اس کے بعد آنے والا خون از سر نو حیض شمار کیا جائے گا اور اگر تین دن خون آیا پھر اس دس دن وقفہ رہا اس کے بعد پھر خون آنا شروع ہو گیا تو پہلے دس دن حیض شمار ہوں گے اس کے بعد حیض نہیں ہوگا۔

5.3 نفاس کی تعریف

لغوی معنی: نفس، نَفِسَ ینفَسُ نفاسًا ونفاسةً باب سمع یسمع سے ہے جس کا معنی ہے عورت کا بچہ جننا۔

اصطلاحی معنی: اصطلاح میں نفاس بچے کی پیدائش کے بعد عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والے اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم سے آتا ہے، ایسی عورت کو ''نُفَساء'' کہا جاتا ہے۔

5.4 کون سا خون نفاس ہے اور کون سا نہیں

علماء احکام القرآن نے تصریح کی ہے کہ نفاس کی اکثر تفصیلات وہی ہیں جو حیض کی ہیں غالباً اسی لیے نفاس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کی وضاحت حضرت رسول ﷺ اور اتباع میں کی گئی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1۔ نفاس کے خون کی کم از کم کوئی مدت متعین نہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک قطرہ بھی خون نہ آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چند لمحے خون آ کر بند ہو جائے وہ بھی نفاس ہی شمار ہوگا اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ اس سے زیادہ خون آئے گا وہ نفاس نہیں کہلائے گا۔

2۔ اگر نفاس میں چالیس دن کے دوران دو خونوں کے درمیان پاکی کا وقفہ آ جائے تو وہ پاکی بھی خون کے حکم میں ہوگی خواہ وہ پندرہ دن ہو یا اس سے کم ہو یا اس سے زیادہ۔ مثلاً کسی عورت کو دو دن خون آیا پھر بیس دن پاک رہی پھر تین دن خون آ کر بند ہو گیا تو پورے ۲۵ دن نفاس ہوگا۔

3۔ نفاس والی عورت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک 'مبتدئہ' اس سے مراد وہ عورت ہے جسے پہلی مرتبہ نفاس آیا ہو اسے چالیس دن کی مدت میں جتنے دن خون آ کر بند ہو جائے وہ نفاس ہوگا اور آئندہ کی لیے یہ اس کی عادت شمار ہوگی، جب تک اس کے خلاف خون نہ آئے، اگر اس کا خون چالیس دن سے بڑھ جائے تو صرف چالیس دن نفاس ہوگا، اس سے زیادہ نہیں۔

4۔ 'معتادہ' اس عورت کو کہتے ہیں جسے پہلے نفاس آ چکا ہو اور اس کی کوئی عادت مقرر ہو چکی ہو، اس کی جو عادت ہوگی وہی نفاس ہوگا، اگر کسی مرتبہ اسے عادت سے کم یا زیادہ خون آئے اور وہ چالیس دن یا اس سے کم مدت آ کر بند ہو جائے تو جتنے بھی دن خون آیا ہے وہ نفاس شمار ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اب اس کی عادت بدل گئی ہے اور اگر خون چالیس دن بھی بڑھ گیا تو صرف سابقہ عادت کے مطابق نفاس ہوگا اس سے زائد نہیں۔ مثلاً عادت ۳۰ دن تھی اب کے خون ۲۰ دن آ کر بند ہو گیا تو اس صورت میں ۲۰ دن یا ۳۵ دن آ کر بند ہو گیا تو ۳۵ دن ہی نفاس ہوگا اور اگر چالیس دن سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہا تو سابقہ عادت کے مطابق صرف ۳۰ دن نفاس ہوگا۔

5.5 حیض و نفاس کے احکام

مفسرین نے حیض و نفاس کی حالت میں مندرجہ ذیل کام ممنوع قرار دیتے ہیں:

1۔ حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔

2۔ ان دونوں حالتوں میں تلاوت کی نیت سے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں۔ بطور ذکر و دعا کی آیت پڑھنا جائز ہے، قرآن مجید کے علاوہ ہر قسم کا ذکر اور دعائیں پڑھنا جائز ہے۔ اگر عورت معلمہ ہو تو وہ اس حالت میں تعلیم کے لیے بھی تلاوت نہیں کر سکتی، البتہ ایک ایک کلمہ کر کے سبق کہلا سکتی ہے مثلاً الحمد پھر للہ پھر رب پھر العالمین۔

3۔ ان دونوں حالتوں میں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں اس کی مزید تفصیل کے تحت گزر چکی ہے وہ یہاں جاری ہوگی۔

4۔ ان دونوں حالتوں میں ہر قسم نماز پڑھنا جائز نہیں، نہ سجدہ شکر جائز ہے۔ نماز بالکل معاف ہو جاتی ہے، بعد میں اس کی قضا واجب نہیں ہوتی۔

5۔ حیض و نفاس کی حالت میں ہر قسم کا روزہ رکھنا حرام ہے لیکن پاک ہونے کے بعد فرض روزوں کی قضا واجب ہے۔

6۔ ان دونوں حالتوں میں بیوی کو طلاق دینا بھی منع ہے اگر دینی ہو تو حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بعد دی جائے۔

7۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں بیت کا طواف کرنا بھی ممنوع ہے۔

8۔ اور ان دونوں حالتوں میں اعتکاف کرنا بھی ناجائز ہے۔

9۔ اور حیض کی متعین تعداد (تین حیض) گزرنے سے عورت کی عدت بھی گزر جاتی ہے بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور شوہر مدت کی وجہ سے اس پر عدت واجب نہ ہوتی ہو۔

10۔ حیض و نفاس کی حالت میں ہمبستری کرنا جائز نہیں۔ امام ابوبکر ابن العربیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ناف سے لیکر گھٹنے تک کے جسم کے علاوہ باقی جسم سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔

11۔ جب عورت کا خون بند ہو جائے تو اگر ماہواری کا خون پورے دس دن اور نفاس کا خون پورے چالیس دن پر بند ہوا ہے تو خون بند ہوتے ہی ہمبستری جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ غسل کی بعد ہمبستری کی جائے اور اگر ماہواری کا خون دس دن سے پہلے اور نفاس کا خون چالیس دن سے پہلے بند ہوا ہے تو محض خون کے بند ہونے سے ہمبستری جائز نہیں ہوگی بلکہ جب تک تین باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے ہمبستری جائز نہیں۔

1)۔عورت غسل کر لے۔

2)۔خون بند ہونے کے بعد کسی نماز کا پورا وقت گزر جائے مثلاً غروب کے وقت خون بند ہوا اور مغرب کا پورا وقت گزر گیا لیکن عورت نے غسل نہیں کیا تو بھی ہمبستری جائز ہے۔

3)۔کسی نماز کے وقت کے آخر میں خون بند ہوا اور اتنا وقت گزر گیا کہ وہ عورت غسل کر کے نماز کے لیے صرف تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی تو بھی ہمبستری جائز ہے۔

ہمبستری کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ:۲۲۲)

''اور تم ان (عورتوں) کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، جب وہ پاک ہو جائیں تو اس پاس اس جگہ سے آؤ جہاں سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے''۔

12۔ حیض ان علامات میں سے ہے جن کی وجہ سے عورت پر بالغ ہونے کا حکم جاری ہوتا ہے۔

5.6 استحاضہ کی تعریف

لغوی معنی: استحاضہ کا مادہ بھی حیض ہے۔ یہ باب استفعال کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی ہوتا ہے کثرت سے بہنا۔

اصطلاحی معنی: اصطلاح میں استحاضہ عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والے اس خون کو کہا جاتا ہے جو سے نہیں آتا بلکہ خلاف معمول کسی بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

5.7 استحاضہ کی صورتیں

مفسرین کی بیان کردہ تفصیل کی مطابق مندرجہ ذیل اقسام کے سب خون استحاضہ میں شامل ہیں:

1۔ وہ خون جو نو سال سے کم عمر بچی کو آئے۔

2۔ جو پچپن سال یا اس سے زیادہ عمر کی عورت کو آئے۔ (بشرطیکہ وہ خالص سرخ یا سیاہ نہ ہو)

3۔ وہ خون جو عورت کو حمل کی حالت میں آئے۔

4۔ وہ خون جو حیض کی اقل مدت یعنی تین دن سے کم آئے۔

5۔ 'مبتدءۃ' عورت کا خون جو حیض ونفاس کی اکثر مدت سے بڑھ جائے۔

6۔ جو خون 'معتادہ' کی عادت کے دنوں سے گزر کر حیض ونفاس کی اکثریت مدت سے بڑھ جائے وہ بھی استحاضہ ہے۔

5.8 استحاضہ کے احکام

استحاضہ تکسیر کی طرح حدث اصغر (بے وضو ہونے کی حالت) ہے۔ لہٰذا جن کاموں کے لیے حدث اصغر کی حالت میں طہارت ضروری ہے۔ ان کے لیے اس حالت میں بھی طہارت ضروری ہوگی۔ جس کا طریقہ ان شاء اللہ عنقریب لکھا جائے گا اور جو کام حدث اصغر کی حالت میں جائز ہیں وہ استحاضہ کی حالت میں بھی جائز ہیں مثلاً ہاتھ لگائے بغیر قرآن مجید پڑھنا اور (لکھنا) روزہ رکھنا مسجد میں جانا اعتکاف کرنا ہمبستری کرنا وغیرہ۔ یہ حالت نماز کے وجوب سے بھی مانع نہیں ہوتی لہٰذا ایسی عورت پر نماز بھی واجب ہوتی ہے۔

5.9 استحاضہ کی حالت میں طہارت کا طریقہ

قرآن وحدیث کی روشنی میں علما مجتہدین نے استحاضہ کی حالت میں طہارت جو تفصیل ذکر کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

اگر کسی عورت کو استحاضہ کا خون آرہا ہو یا اسے لیکوریا کا مرض ہو جس کی وجہ سے شرمگاہ میں سے رطوبت (تری) آتی رہتی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ اسے خون یا رطوبت وقفہ وقفہ سے آتی ہو اتنی مسلسل نہ ہو کہ نماز کے پورے وقت میں اسے وضو کر کے فرض نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے، اس صورت میں وقفے کے وقت خون وغیرہ دھو کر مکمل طہارت سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر نماز کے دوران خون یا رطوبت آجائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر تمام سنتوں اور مستحبات کی رعایت رکھتے ہوئے طہارت سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو سنتوں اور مستحبات کو چھوڑ کر نماز طہارت سے پڑھنا ضروری ہے۔

2۔ اسے خون یا رطوبت اتنی تسلسل سے آرہی ہو کہ نماز کے پورے وقت میں اس کو وضو کر کے صرف فرض ادا کرنے کا بھی موقع نہ ملتا ہو تو یہ عورت شرعاً معذور ہے۔ جب ایک بار کسی نماز میں یہ صورتحال پائی گئی تو یہی معذور بننے کے لیے کافی ہے۔ ہر نماز میں اس صورتحال کا پایا جانا ضروری نہیں۔ اور اس عورت کے معذور باقی رہنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ہر نماز کے وقت میں یہ عذر ایک مرتبہ پایا جائے۔ اگر کسی نماز کا پورا وقت اس عذر سے خالی گزر جائے تو اب یہ عورت معذور نہیں رہے گی۔ مثلاً کسی عورت کو استحاضہ کا خون بار بار آرہا ہو اور وہ یہ دیکھتا چاہتی ہو کہ

وہ شرعاً معذور بنی ہے یا نہیں؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی نماز کے وقت میں اندازہ لگائے کہ وضو کرنے اور سنتوں و نوافل کے علاوہ صرف فرض پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ پھر دیکھے کہ نماز کے وقت کی ابتداء سے وقت ختم ہونے تک خون میں اتنے وقت کا وقفہ ہوا کہ نہیں؟ اگر اتنا وقفہ بھی نہیں ہوا تو یہ عورت معذور ہے۔ جب ایک بار اسے معذور بنے کا علم ہو گیا تو اب ہر نماز کے وقت میں اس بات کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ جب تک ہر نماز کے وقت میں ایک بار بھی خون آتا رہے، اس وقت تک وہ معذور شمار ہو گی۔ جب کسی نماز کے پورے وقت میں ایک بار بھی خون نہ آئے تو اس وقت اس کا معذور ہونا ختم ہو جائے گا۔

اس معذور عورت کے لیے وضو کا حکم یہ ہے کہ کسی نماز کا وقت شروع ہونے پر وضو کرے، جب تک نماز کا وقت ختم نہیں ہوتا وہ با وضو رہے گی، اس وضو سے ہر قسم کی نماز و عبادت کر سکتی ہے۔ مسلسل عذر پیش آنے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کو جو کہ مستحاضہ تھیں یہ حکم دیا:

توضئی وصلی وان قطر الدم علی الحصیر

البتہ دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے پیش آنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا:

1۔ اس عذر کے علاوہ کوئی اور وضو توڑنے والی بات پیش آجائے۔ مثلاً ہوا خارج ہو گئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

2۔ نماز کا وقت ختم ہو جانے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اگلے وقت میں دوبارہ وضو کرے گی۔

یہی حکم ہر اس شخص کا ہے جس کا کسی تسلسل سے وضو ٹوٹتا رہتا ہو، مثلاً کسی شخص کو مسلسل پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہوں، یا بار بار ہوا خارج ہوتی ہو یا مسلسل نکسیر آ رہی ہو یا زخم سے خون، پیپ بہہ رہی ہو یا معدہ جاری ہو وغیرہ وغیرہ۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: ذیل میں دیئے گئے جوابات میں سے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

الف) حیض کا لغوی معنی کیا ہے؟

1) نکلنا 2) چلنا 3) بہنا

ب) نو سال سے کم عمر والی بچی کو آنے والا خون کیا کہلاتا ہے؟

1) حیض 2) نفاس 3) استحاضہ

سوال نمبر ۲: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

الف) حیض کی کم از کم مدت .... ہے۔

(تین دن تین رات، دس دن، چالیس دن)

ب) نماز کے پورے وقت میں بغیر وقفہ کے جس عورت کو خون آئے اسے .... کہتے ہیں۔

(حائضہ، نفساء، مستحاضہ، معذور)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'ہاں' یا 'نہیں' میں دیجئے۔

الف) نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن دس راتیں ہیں۔ (ہاں/نہیں)

ب) 'معتادہ' اس عورت کو کہتے ہیں جسے پہلے نفاس آ چکا ہو۔ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل بیانات میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کریں۔

الف) حیض و نفاس کی حالت میں رہ جانے والے روزوں کی بعد میں قضا واجب ہے۔ (صحیح/غلط)

ب) استحاضہ کا حکم حدث اکبر یعنی جنابت والا ہے۔ (صحیح/غلط)

6- پانی کے احکام

ماقبل میں آپ نے طہارت حکمی کے طریقے اور ان کے احکام کا تفصیلی مطالعہ کیا، پانی چونکہ طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لیے اب پانی کے احکام کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل موضوعات آپ کے زیر مطالعہ آئیں گے:

1۔ عام سادہ پانی۔
2۔ پانی میں کسی پاک چیز کی آمیزش ہونا۔
3۔ وہ پانی جس میں کسی پاک چیز کو پکایا گیا ہو۔
4۔ درختوں، پھلوں کا نچوڑا ہوا پانی۔
5۔ وہ پانی جس میں کوئی ناپاک چیز شامل ہو جائے۔
6۔ وہ پانی جس میں کسی جانور نے منہ ڈال دیا ہو۔
7۔ مستعمل پانی۔
8۔ تل اور ٹینکی کے احکام۔

پانی سے طہارت کے متعلق قرآن مجید کی دو آیتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک آیت سورۃ الانفال میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (الانفال: ۱۱)

"اور وہ برساتا ہے تم پر آسمان سے پانی تاکہ اس کے ذریعے وہ تمہیں پاک کر دے"۔

اور دوسری سورۃ الفرقان میں ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا (الفرقان: ۴۸)

"اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اُتارا"۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ طہــــور اسم مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے مراد وہ پانی ہے جو خود پاک ہو اور دوسری چیز کو پاک کرنے والا ہو۔ ان آیتوں کے تحت پانی کے احکام بیان کرتے ہوئے علماء فقہ القرآن نے درج ذیل قسمیں اور ان کے

احکام ذکر کیے ہیں۔

6.1 سادہ پانی

اس سے مراد وہ پانی ہے کہ جس میں پانی کے علاوہ کوئی پاک یا ناپاک چیز شامل نہ ہو، اور وضو یا غسل کے لیے کسی کا استعمال شدہ بھی نہ ہو۔ اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔ جسم، کپڑے یا کسی اور چیز پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو اس پانی کے ساتھ دھونے سے یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔

6.2 وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز شامل ہو جائے

اگر پانی میں کوئی پاک چیز شامل ہو جائے تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں:

1۔ پانی میں مٹی یا کائی ملنے کی وجہ سے پانی گدلا اور میلا ہو چکا ہو تو اس سے بھی وضو اور غسل جائز ہے۔ ناپاک جسم، کپڑے وغیرہ ویسے پانی کے ساتھ دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ البتہ اگر مٹی کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو جائے اور اس کا طبعی بہاؤ ختم ہو جائے تو اب اس سے وضو وغیرہ جائز نہیں کیونکہ اب وہ پانی نہیں رہا بلکہ کیچڑ بن چکا ہے۔

2۔ مٹی، کائی وغیرہ جو چیزیں پانی کے ساتھ متصل رہتی ہیں، ان کے علاوہ کوئی پاک چیز پانی میں مل جائے اور اس کا رنگ، بو، ذائقہ پانی میں ظاہر ہو جائے مگر اس چیز کو پانی میں پکایا نہ گیا ہو، مثلاً پانی میں درخت کے پتے گر جائیں اور ان کا رنگ پانی میں ظاہر ہو جائے۔ عرق گلاب پانی میں شامل ہونے کی وجہ سے پانی میں مہک محسوس ہونے لگے۔ یا کوئی اور ذائقہ دار چیز پانی میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کا ذائقہ آ جائے۔ غرض پانی میں کوئی بھی پاک چیز شامل ہو اور اس کو پکایا نہ گیا ہو تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔ البتہ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

الف) ایک یہ کہ وہ چیز اور اس کے اثرات پانی میں آنے کے بعد بھی اس کو پانی ہی شمار کیا جاتا ہو۔ اگر اس چیز کے ملنے کے بعد اس کو پانی شمار نہ کیا جاتا ہو، بلکہ وہ الگ نام اختیار کر جائے تو اس سے وضو، غسل جائز نہ ہوگا۔ جیسے مروجہ مشروبات وغیرہ۔

ب) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز شامل ہونے کی وجہ سے پانی کا طبعی بہاؤ ختم ہو کر وہ پانی گاڑھا نہ ہوا ہو، اگر پانی گاڑھا ہو جائے تو اس سے بھی وضو جائز نہیں۔

6.3 وہ پانی جس میں پاک چیز کو پکایا گیا ہو

اگر کوئی پاک چیز پانی میں ڈال کر پکا دی جائے اور اس کا اثر پانی میں ظاہر ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل جائز نہیں۔ البتہ جسم یا کسی اور چیز پر ناپاکی لگ جانے کی صورت میں اس سے متاثرہ حصے کو دھو دیا جائے اور نجاست کے اجزاء دھل جائیں تو وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ مثلاً قہوہ، سبزیوں کو کسی پانی میں ابال دیا گیا ہو وغیرہ۔

واضح رہے کہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ پانی میں کوئی پاک چیز ڈال کر اس کو پکایا ہی اس لیے گیا ہو کہ اس سے زیادہ صفائی حاصل ہو سکے تو ایسے چیز پکانے کے بعد بھی وضو اور غسل جائز ہے۔ مثلاً بیری کے پتے پانی میں ڈال کر پانی کو ابال لیا گیا ہو۔ صابن یا سوڈا وغیرہ پانی میں ڈال کر پکا دیا گیا ہو۔

6.4 درختوں، پھلوں کا نچوڑا ہوا پانی

درخت کی شاخ، پتوں، پھلوں، اور پھولوں سے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ پانی عام پانی کی طرح پتلا ہو تو اس سے جسم یا کسی اور چیز پر لگی ہوئی ظاہری نجاست کو دھویا جائے اور نجاست کے اجزاء دھل جائیں تو وہ پاک ہو جائے گی۔

6.5 وہ پانی جس میں ناپاک چیز شامل ہو جائے

اگر پانی میں ناپاکی شامل ہو جائے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانی کی دو قسمیں ہیں:

1۔ جاری پانی: اس سے مراد وہ پانی ہے جو ایک طرف سے آ رہا ہو اور دوسری طرف سے جا رہا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ البتہ اگر نجاست کا رنگ، بو، ذائقہ پانی میں ظاہر ہو جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

2۔ کھڑا ہوا پانی: جیسے کنوئیں، حوض کا پانی یا کسی برتن میں رکھا ہوا پانی۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

الف) کثیر پانی: اس سے مراد وہ پانی ہے جس کے طول و عرض کا حاصل ضرب کم از کم ۲۲۵ فٹ (۲۰،۹ میٹر) ہو۔

ب) قلیل پانی: اس سے مراد وہ پانی ہے جو مذکورہ مقدار سے کم ہو۔ کثیر پانی میں ناپاکی گرنے سے وہ ناپاک

نہیں ہوتا ہاں اگر نجاست کا رنگ، بو، ذائقہ اس میں ظاہر ہو جائے تو ناپاک ہو جائے گا۔ اور قلیل پانی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ نجاست کم ہو یا زیادہ۔ اس کا رنگ، بو، ذائقہ پانی میں ظاہر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

6.6 کسی جانور کا جوٹھا پانی

اگر پانی میں کسی جانور نے منہ ڈال دیا ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں:

1۔ جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے مثلاً گائے، بکری، اونٹ وغیرہ ان کے پانی میں منہ ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اور ان جانوروں کا لعاب بھی پاک ہوتا ہے۔ اگر کپڑے یا کسی اور چیز پر بھی لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتے۔

2۔ بلی، گندگی کھانے والی مرغی، وہ پرندے جن کا گوشت حرام ہے جیسے چیل، کوا وغیرہ، وہ جانور جو عموماً گھروں میں ہوتے ہیں جیسے چوہا، گرگٹ، گلہری، چھپکلی وغیرہ یہ جانور پانی میں منہ ڈال دیں اور اس کے علاوہ پانی موجود ہو تو اس پانی سے وضو اور غسل وغیرہ مکروہ ہے۔ اور اگر اور پانی موجود نہ ہو تو اس سے وضو اور غسل بلا کراہت جائز ہے۔

3۔ گدھا اور خچر پانی میں منہ ڈال دیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے علاوہ پانی موجود ہو تو اس پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں اور اگر اور پانی موجود نہ ہو تو صرف یہی پانی ہو تو اس سے بھی وضو بھی کیا جائے اور تیمم بھی۔ پہلے تیمم کیا جائے یا وضو۔ دونوں طرح جائز ہے تاہم افضل یہی ہے کہ پہلے وضو کر لیا جائے بعد میں تیمم بھی۔

4۔ اگر گھوڑا پانی میں منہ ڈال دے تو وہ پانی پاک ہے۔

5۔ مذکورہ جانوروں کے علاوہ وہ جانور جن کا گوشت کھانا حرام ہے مثلاً کتا، درندے وغیرہ یا وہ جانور جن کا جوٹھا پاک ہوتا ہے مگر ان کے بارے میں یقین ہے کہ ان کا منہ ناپاک ہے اگر وہ پانی میں منہ ڈال دیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

6.7 مستعمل پانی

مستعمل اس پانی کو کہا جاتا ہے جس سے یا کسی بے وضو شخص نے وضو کیا ہو یا کسی مرد یا عورت نے غسل فرض ہونے کی حالت میں غسل کیا ہو یا ثواب اور عبادت کی نیت سے اسے بدن پر استعمال کیا گیا ہو۔ مثلاً کسی باوضو شخص نے ثواب کی نیت

سے تازہ وضو کیا یا کسی باوضو پاک شخص نے جمعہ یا عیدین کا غسل کیا ہو۔ وہ پانی جس کے استعمال کرنے سے ثواب حاصل ہوئی اور نہ ثواب حاصل ہوا وہ مستعمل نہیں کہلائے گا۔ مثلاً کسی باوضو پاک شخص نے محض ٹھنڈک یا صرف صفائی کے لیے صرف ہاتھ منہ دھوئے یا نہایا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔

مستعمل پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر جسم یا کسی اور چیز پر ظاہری نجاست لگ جائے تو مستعمل پانی سے اسے دھویا جا سکتا ہے۔

6.8 نل اور ٹینکی کی احکام

1۔ نل، پمپ، ٹیوب ویل کے احکام

اگر دستی نل، نلکی کے پمپ یا ٹیوب ویل کوئی ناپاک چیز گر جائے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ ناپاک چیز نکال لی جائے اور اس کے بعد اندازہ لگایا جائے کہ نل یا پائپ میں کتنا پانی کھڑا ہے۔ اتنا پانی نکالنے سے سب کچھ (جیسے پائپ وغیرہ) پاک ہو جائے گا۔ اگر پائپ میں گری ہوئی ناپاک چیز نکالنا مشکل ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ ایک یہ کہ ایسی چیز گری ہے جو خود پاک ہے لیکن نجاست لگنے کی وجہ سے ناپاک ہوگئی ہے جیسے ناپاک کپڑا، ناپاک لکڑی وغیرہ، اور اسے نکالنا مشکل ہے تو اس کا نکالنا معاف ہے۔ صرف پانی نکال دینے سے نل پاک ہو جائے گا۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی چیز گری ہے جو بذات خود ناپاک ہے جیسے مردار کی بوٹی، چوہا وغیرہ، اور اس کو نکالنا مشکل ہے تو اتنی مدت انتظار کیا جائے گا کہ جس میں غالب گمان ہو جائے کہ وہ چیز مٹی ہوگئی ہوگی اور اس کے بعد نل کا پانی نکال دینے سے نل پاک ہو جائے گا۔

2۔ ٹینکی کے احکام

ٹینکی میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر گری نجاست محسوس جسامت رکھتی ہے تو پہلے اس کو نکالا جائے اس کے بعد ٹینکی کا پانی جاری کر دیا جائے تاکہ ایک طرف سے پانی ٹینکی کے اندر داخل ہوتا رہے اور دوسری طرف سے نل کھول دی جائے تاکہ دوسری طرف سے پانی نکلتا رہے۔ جب اس طرح پانی جاری ہو کر تھوڑا سا بھی نکل

جائے گا تو ٹینکی کا سارا پانی، تمام پائپ اور نل وغیرہ پاک ہو جائیں گے۔ پاک ہونے کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار نکلنا ضروری نہیں۔ البتہ احتیاط اس میں ہے کہ اتنا پانی نکال دیا جائے جتنا نجاست گرنے کے وقت ٹینکی میں موجود تھا تاہم تھوڑا سا پانی نکل جانے کے بعد بھی اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

واضح رہے کہ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ پانی کے اندر گرنے والی نجاست کا رنگ، بو یا ذائقہ پانی میں ظاہر نہ ہوا ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ظاہر ہو گئی ہو تو تمام پانی ناپاک ہو جائے گا اور سارا پانی نکالنا ضروری ہوگا۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: ذیل میں دیئے گئے جوابات میں سے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

الف) طَھُــوْر کا معنی کیا ہے؟

1۔ بہت ہی پاکیزہ

2۔ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرے۔

3۔ سادہ پانی

ب) پھلوں اور پھولوں سے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کا کیا حکم ہے؟

1) جائز ہے۔ 2) ناجائز ہے۔ 3) مکروہ ہے۔

سوال نمبر ۲: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

الف) کثیر پانی وہ ہے جس کے طول وعرض کا حاصل ضرب............ ہے۔

(۲۲۵ فٹ، ۲۱۰ فٹ، ۲۰۰ فٹ)

ب) گھوڑے کا جوٹھا پانی............ ہے۔

(ناپاک، پاک، مکروہ)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے۔

الف) اگر کسی پاک شخص نے محض ٹھنڈک کے لیے غسل کیا تو پانی 'مستعمل' ہو جائے گا۔ (صحیح/غلط)

ب) قلیل پانی میں نجاست گرنے سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ (صحیح/غلط)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'ہاں' یا 'نہیں' میں دیجئے۔

الف) اگر ٹینکی میں جسامت والی گر جائے تو اسے نکال کر پانی جاری کر دینے سے ٹینکی پاک ہو جائے گی۔

(ہاں/نہیں)

ب) اگر نل میں ایسی چیز گری جو بذات خود ناپاک نہیں اور اس کا نکالنا مشکل ہے تو اسے نکالے بغیر نل پاک ہوگا۔ (ہاں/نہیں)

7- نجاستِ حقیقی اور اس سے پاکیزگی کے احکام

اب تک آپ نے نجاست حکمی سے پاکی کے احکام اور صورتوں اور اس کے بعد پانی کے احکام کا مطالعہ کیا۔ جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے کہ طہارت کی دوسری قسم 'طہارت حقیقی' ہے۔ یعنی نجاست حقیقی سے پاکی حاصل کرنا۔ اب ہم نجاست حقیقی اور اس سے پاکی کے احکام پر گفتگو کریں گے۔ اس گفتگو میں مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث رہیں گے:

1۔ نجاست حقیقی کی قسمیں

2۔ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

3۔ ناپاک چیز کو پاک کرنے کے طریقے

4۔ استنجاء اور اس کے احکام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر:۴)

"اور اے نبی! اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے"۔

علماء فقہ القرآن نے اس آیت کی وجہ سے کپڑوں، جگہ اور بدن کو نجاست حقیقی سے پاک کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

7.1 نجاست حقیقی کی قسمیں

نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

1۔ نجاست غلیظہ یعنی سخت قسم کی نجاست جیسے انسان کا پیشاب، پاخانہ، جن جانوروں کا گوشت حرام ہے ان کا پیشاب، تمام جانوروں کا دم مسفوح یعنی ذبح سے پہلے جانور کے اندر جو خون ہوتا ہے۔ بطخ اور مرغی کی بیٹ، چوپایوں کا پاخانہ، منی وغیرہ۔

2۔ نجاست خفیفہ یعنی ہلکی قسم کی نجاست، مثلاً جن پرندوں کا گوشت حرام ہے جیسے کوا، چیل وغیرہ کی بیٹ۔ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے جیسے بکری، گائے وغیرہ ان کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب۔

7.2 نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

نجاست غلیظہ اور خفیفہ کی کچھ مقدار معاف ہوتی ہے۔ معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اتنی مقدار نجاست جسم یا کپڑے پر لگی ہوئی ہو تو اس کے باوجود نماز ادا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر معلوم ہوتے ہوتے اتنی مقدار لگی ہونے کے باوجود نماز پڑھی جائے تو پڑھنے والا گناہگار ہوگا۔

لہٰذا اگر معافی کی مقدار نجاست لگی ہوئی ہو تو اسے دھو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح اگر نماز میں یاد آ جائے تو نماز توڑ کر نجاست کو دھو کر دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے بشرطیکہ وقت تنگ نہ ہو اور نماز کے قضاء ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

نجاست غلیظہ اگر پتلی ہو جیسے پیشاب تو اس کی اتنی مقدار معاف ہے جتنی ہتھیلی کی گہرائی ہوتی ہے۔ اور اگر گاڑھی ہو جیسے پاخانہ وغیرہ تو تقریباً ۳ ماشے کی مقدار معاف ہے۔ اور نجاست خفیفہ بدن یا کپڑے کے جس حصے پر لگی ہو اس کے چوتھائی حصے کی حد تک معاف ہے۔ مثلاً ہاتھ پر لگی ہو تو ہاتھ کے چوتھائی حصے کی حد تک معاف ہے۔ قمیص پر، آستین پر لگی ہو تو اس کے چوتھائی حصے کی حد تک معاف ہے۔

7.3 ناپاک چیز کو پاک کرنے کے طریقے

مختلف قسم کی ناپاک چیزوں کو پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ یہاں ان طریقوں کی تفصیل لکھی جاتی ہے اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ کون سی چیز کس طریقے سے پاک ہوتی ہے۔

7.4 پہلا طریقہ: دھونا

ہر قسم کی ناپاک چیز دھونے سے پاک ہو جاتی ہے۔ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

1۔ کس کس چیز سے دھونا درست ہے؟

2۔ دھونے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

1) پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ ناپاک چیز کو پانی سے بھی دھویا جا سکتا ہے اور پانی کے علاوہ ہر ایسی چیز سے دھویا جا سکتا ہے جس میں یہ تین خصوصیات موجود ہوں:

الف: وہ مائع (بہنے والی) ہو۔

ب: خود پاک ہو۔لہٰذا ناپاک پانی وغیرہ سے دھونے سے ناپاک چیز پاک نہیں ہوگی۔

ج: وہ چیز ایسی ہو کہ اس کے بہہ جانے سے ناپاکی بھی اس کے ساتھ بہہ جائے۔ مثلاً عرق گلاب وغیرہ۔اور مستعمل پانی کیونکہ یہ مائع بھی ہیں اور پاک بھی ہیں اور ناپاکی کو بہادینے والے بھی ہیں۔ لہٰذا ان سے ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لیے دھویا جا سکتا ہے۔اور ایسی چیز جو مائع نہ ہو یا ناپاک ہو یا نجاست کو بہا کر لے جانے والی نہ ہو اس کے ذریعے دھونے سے ناپاک چیز پاک نہ ہوگی۔ مثلاً تیل، دودھ یا کوئی چکناہٹ والی چیز۔کیونکہ یہ تمام چیزیں نجاست کے اجزاء کو بہانے والی نہیں ہیں۔

2) دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں:

الف: ایک نجاست مرئیہ یعنی وہ نجاست جو خشک ہونے کے بعد بھی نظر آتی رہتی ہو، جیسے خون، پاخانہ وغیرہ۔

ب: دوسری نجاست غیر مرئیہ یعنی وہ نجاست جو خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی جیسے پیشاب وغیرہ۔

پہلی قسم کی نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اتنا دھویا جائے کہ نجاست خود بھی زائل ہو جائے اور اس کا رنگ، بو بھی زائل ہو جائے۔ چاہے یہ مقصد ایک بار دھونے سے حاصل ہو خواہ کئی بار دھونے سے حاصل ہو۔اس میں دھونے کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔البتہ اگر کسی ایسی چیز پر نجاست لگی ہوئی ہو جس کا رنگ یا بو سادہ پانی کے ساتھ دھونے سے نہ جاتی ہو تو ایسی صورت میں صرف نجاست کا جسم زائل کر دینے سے کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا۔اس کا رنگ یا بو زائل کرنے کے لیے گرم پانی، صابن، بیج وغیرہ کوئی چیز استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم کی نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز پر وہ نجاست لگی ہے اگر اسے نچوڑا جا سکتا ہے تو اس کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اتنا زور سے نچوڑا جائے کہ قطرے ٹپکنے بند ہو جائیں۔اور اگر وہ چیز ایسی ہے جسے نچوڑا نہیں جا سکتا مثلاً قالین، کارپٹ، موٹا گدا، لحاف وغیرہ، اس کو اگر برتن، حوض یا بیسن میں دھویا جا رہا ہے تو اس کو تین مرتبہ دھولیا جائے اور ہر مرتبہ دھو کر اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ اس کا سارا پانی بہہ جائے اور قطرے ٹپکنے بند ہو جائیں۔اور اگر اس کے اوپر نل وغیرہ کے ذریعے پانی بہا کر دھویا جا رہا ہے تو صرف اتنا بہا دینا کافی ہے کہ نجاست کے بہہ جانے کا گمان غالب ہو جائے۔

7.5 پاکی کا دوسرا طریقہ: پونچھنا

ایسی اشیاء جو چکنی ہوتی ہیں جن کے اندر کسی چیز کے سرایت کرنے کے لیے مسامات نہ ہوں مثلاً شیشہ، فاریکا، پلاسٹک، چینی کا برتن، سٹیل، روغنی اشیاء وغیرہ ان کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو اس طرح پونچھ لیا جائے کہ نجاست اور اس کا رنگ اور بو ختم ہو جائے۔

7.6 پاکی کا تیسرا طریقہ:

چمڑا اور اس جیسی وہ چیزیں جن میں پتلی نجاست تو سرایت کرتی ہے مگر موٹی نہیں۔ ان پر اگر پتلی نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ لگ جائے تو ان کو دھونا ضروری ہے اور اگر موٹی نجاست مثلاً خون، پاخانہ وغیرہ لگ جائے تو ان کو اس طرح پونچھ دیا جائے کہ نجاست اور اس کا رنگ و بو ختم ہو جائے تو بھی یہ پاک ہو جائیں گی۔

7.7 پاکی کا چوتھا طریقہ: خشک ہونا

زمین، زمین پر بچھا ہوا فرش، زمین پر کھڑی گھاس وغیرہ ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ خشک ہو جائے اور نجاست کا رنگ اور بو ختم ہو جائے۔

7.8 پانچواں طریقہ: کھرچنا

خشک منی کو کھرچ دیا جائے تو بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر منی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے پتلی ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے کھرچنا کافی نہیں۔ ایسے ہی مذی کو بھی دھونا ضروری ہے۔

7.9 چھٹا طریقہ: ذبح کرنا

اگر جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کر دیا جائے تو اس جانور کی کھال، گوشت، ہڈیاں، پٹھے وغیرہ تمام چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ پھر اگر وہ جانور حلال ہے جیسے بکری، گائے وغیرہ تو اس کا گوشت کھانا بھی جائز ہے اور اگر وہ جانور حرام ہے جیسے

گدھا، کتا، وغیرہ تو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ البتہ پاک ہے۔ اس کا خارجی استعمال جائز ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی جائز ہے۔

7.10 ساتواں طریقہ: دباغت

جو جانور شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو اس کی کھال ناپاک ہوتی ہے۔ اس ناپاک کھال کو دباغت دے دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ دباغت کا مطلب یہ ہے کہ کسی طریقے سے کھال کی رطوبات اس طرح خشک کر دی جائیں کہ اب دوبارہ کھال کے بدبودار اور خراب ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

7.11 آٹھواں طریقہ: تبدیلی حقیقت

اگر ناپاک چیز میں ایسی تبدیلی آ جائے کہ اس کی حقیقت ہی بدل جائے یعنی وہ چیز ہی باقی نہ رہے بلکہ کوئی اور چیز بن جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ جیسے ناپاک تیل یا مردار کی چربی کا صابن بنا لیا جائے تو وہ پاک ہے۔ ناپاک مٹی کے برتن بنا کر ان کو آگ پر پکا لیا جائے تو وہ بھی پاک ہوں گے اور گوبر کے اپلے جلا کر راکھ بن جائیں تو راکھ پاک ہو گی۔

7.12 استنجاء کے احکام

استنجاء بھی چونکہ جسم کو نجاست حقیقی سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے اب اس کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے۔

7.13 استنجاء کے معنی

لغوی معنی: استنجاء کی اصل 'نجوۃ' ہے جس کا معنی ہے بلند جگہ۔ جب کسی شخص کو حدث لاحق ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے نجی یا انجی۔ نجو مصدر ہے جس کا معنی ہوتا ہے پیٹ سے نکلنے والی نجاست۔ استنجاء باب استفعال سے ہے بمعنی پیٹ سے نکلنے والی نجاست کو تلاش کرنا (تا کہ اسے صاف کیا جائے)۔

اصطلاحی معنی: اصطلاح میں استنجاء کا معنی ہوتا ہے پیٹ سے نکلنے والی نجاست کی جگہ کو صاف کرنا یا دھونا۔

7.14 ڈھیلے اور پانی سے استنجاء کا حکم

اگر نجاست اپنے نکلنے کی جگہ سے ادھر ادھر بالکل نہ لگے تو پتھر، ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے اتنا پونچھ ڈالے کہ نجاست ختم ہو جائے اور بدن پاک ہو جائے تو بھی جائز ہے۔ اس کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے لیکن اگر نجاست ہتھیلی کی گہرائی سے زیادہ ادھر ادھر پھیل جائے تو پتھر، ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کافی نہیں۔ پانی سے استنجاء ضروری ہے۔

استنجاء کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے یا ٹائلٹ پیپر سے جگہ صاف کی جائے اور مستحب یہ کہ ڈھیلا یا ٹائلٹ پیپر تین مرتبہ یا طاق مرتبہ استعمال کیا جائے۔ اس کے بعد پانی سے استنجاء کر لیا جائے۔ کیونکہ جب اہل قباء کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (التوبة: ۱۰۸)

تو حضور اقدس ﷺ نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔

7.15 کن چیزوں سے استنجاء کرنا مکروہ ہے؟

مندرجہ ذیل چیزوں سے استنجاء کرنا مکروہ ہے:

1۔ ہڈی یا کوئی ایسی چیز جس سے ایذا اور تکلیف ہونے کا خطرہ ہو۔

2۔ گوبر، لید یا کسی ناپاک چیز سے۔

3۔ کاغذ وغیرہ قیمتی اشیاء سے مکروہ ہے۔ البتہ ٹشو پیپر یا ٹائلٹ پیپر سے استنجاء جائز ہے۔

4۔ قابل احترام اشیاء سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: ذیل میں دیے گئے جوابات میں سے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

الف) نجاست غلیظہ کا کیا مطلب ہے؟

1 ہلکی قسم کی نجاست 2 نظر آنے والی نجاست 3 سخت قسم کی نجاست

ب) نجاست خفیفہ کی کتنی مقدار معاف ہے؟

1 ہتھیلی کی گہرائی کے برابر 2 ۴ ماشے کی مقدار کے برابر

3 جس چیز پر لگی ہے اس کے چوتھائی کی حد تک

سوال نمبر ۲: موزوں الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

الف) پاخانہ نجاست .... ہے۔ (غیر مرئیہ، خفیفہ، مرئیہ)

ب) پونچھنے سے .... اشیاء پاک ہو جاتی ہیں۔ (جاذب، چکنی، نرم)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'ہاں' یا 'نہیں' میں دیجئے۔

الف) نجاست غیر مرئیہ اگر ایسے کپڑے پر لگ جائے جسے نچوڑا جا سکتا ہو تو اسے تین مرتبہ دھونا اور نچوڑنا ضروری ہے۔ (ہاں/نہیں)

ب) تیل، دودھ کے ذریعے دھونے سے نجاست پاک ہو جاتی ہے۔ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل بیانات میں سے غلط یا صحیح کی نشاندہی کیجئے۔

الف) آیت فیہ رجال یحبون أن یتطھروا اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی (صحیح/غلط)

ب) حقیقت بدل جانے سے ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے (صحیح/غلط)

جائزے کے سوالات

1۔ طہارت کے لغوی اور اصطلاحی معانی کی ایسے انداز میں وضاحت کریں کہ طہارت حقیقی اور طہارت حکمی کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔
2۔ طہارت حکمی کے تحت آنے والی چیزوں کی فہرست ذکر کر کے قرآن کی روشنی میں فرائض وضو لکھیں۔
3۔ مفسرین کی مذکورہ تفصیل کے مطابق وضو کو توڑنے والے امور قلم بند کریں۔
4۔ قرآن کریم کی روشنی میں فرائض غسل کی وضاحت کریں۔
5۔ مفسرین نے وہ کون کون سی چیزیں ذکر کی ہیں جن سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟
6۔ علامہ قرطبیؒ نے وہ کون سے کام ذکر کیے ہیں جو غسل واجب ہو تو ممنوع ہوتے ہیں؟
7۔ طہارت کے تحقیقی احکام کون کون سے ہیں اور تیمم کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟
8۔ کون کون سی صورتوں میں تیمم جائز ہوتا ہے؟
9۔ تیمم کی شرائط اور اس کا طریقہ وضاحت سے تحریر کریں۔
10۔ کون سے خونوں کو حیض شمار کیا گیا ہے؟ وضاحت کریں۔
11۔ حیض و نفاس کی حالت میں کون کون سے کام ناجائز ہیں؟
12۔ استحاضہ کی حالت میں طہارت کا کیا طریقہ ہے؟
13۔ کون کون سے پانیوں سے وضو اور غسل جائز نہیں ہے۔
14۔ جانوروں کے جوٹھے پانی کا حکم تفصیل سے تحریر کریں۔
15۔ پانی کی ٹینکی میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟
16۔ نجاست حقیقی کی کتنی مقدار معاف ہے؟ اور اسے پانی سے دھونے کی تفصیل کیا ہے؟
17۔ ذبح، دباغت اور تبدیلی حقیقت سے پاکی کی وضاحت کریں۔
18۔ استنجاء کا معنی بیان کر کے پانی اور ڈھیلے سے استنجاء کا حکم لکھیں۔

مصادر و مراجع

1۔	احکام القرآن	از امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی
2۔	الجامع لاحکام القرآن	علامہ قرطبی
3۔	احکام القرآن	علامہ ابوبکر بن العربی
4۔	احکام القرآن	عماد الدین بن محمد الطبری الکیا ہراسی
5۔	احکام القرآن	مولانا ظفر احمد العثمانی
6۔	تفسیر آیات الاحکام	علامہ صدیق حسن خان
7۔	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
8۔	تفسیر طبری	محمد بن جریر طبری
9۔	تفسیر کبیر	امام فخر الدین الرازی
10۔	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
11۔	معارف القرآن	محمد ادریس کاندھلوی
12۔	معالم العرفان فی دروس القرآن	مولانا عبد الحمید سواتی
13۔	ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ الازہری
14۔	تفہیم القرآن	سید ابو الاعلیٰ مودودی
15۔	روح المعانی	سید محمود آلوسی
16۔	رد المحتار	محمد امین ابن عابدین شامی
17۔	فتح القدیر	حافظ عبد الواحد بن ہمام
18۔	ہدایہ	علی بن ابی بکر المرغینانی
19۔	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی الیمنی
20۔	فتاویٰ عالمگیریہ	سلطان اورنگزیب عالمگیر
21۔	منہل الواردین	محمد امین ابن عابدین الشامی
22۔	الکفایہ	علامہ جلال الدین خوارزمی
23۔	البنایہ	علامہ بدر الدین عینی
24۔	الموسوعۃ الفقہیہ	وزارۃ الاوقاف کویت
25۔	المعجم الوسیط	دکتور ابراہیم وغیرہ

یونٹ نمبر......2

نماز کے احکام

تحریر: ڈاکٹر گل محمد سواتی
نظر ثانی: ۔ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

اسلام میں ایمان اور عقیدے کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔ عبادات "اللہ کے ساتھ براہ راست ربط اور تعلق" کی ایک عملی صورت ہونے کے باعث بذات خود مقصد اور نصب العین بھی ہیں اور اسلام کے باقی احکام و قوانین پر عمل کے لئے آمادہ کرنے اور ان احکام کی روح کو سمجھنے کے لئے تربیت کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔

اسلام کی ان بنیادی عبادات میں نماز جو ایک اہم عبادت ہے اور اس وقت یہ یونٹ جو آپ کے زیر مطالعہ ہے اس میں نماز کے احکام پر قرآن و سنت کی روشنی میں حتی المقدور بحث کی گئی ہے۔ نماز جو اسلام کا ایک اہم ستون کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اس کے احکام میں بہت تفصیل پائی جاتی ہے نماز کے احکام چونکہ بہت زیادہ ہیں اور ان احکام کو زیر بحث لانے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس یونٹ میں صرف ان احکام کو جمع کیا گیا ہے جو بہت بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس یونٹ میں نماز کی فرضیت اور اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نماز پنجگانہ کے اوقات اور ہر نماز پر الگ الگ بحث کی گئی ہے تاکہ طلبہ و طالبات کے اذہان میں نماز کی پوری ہیئت سمجھ آجائے اور اس کے ساتھ ساتھ جماعت، امامت کی اہمیت و فضیلت کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے تاکہ طلباء و طالبات کو اس سے آگاہی حاصل ہو۔ اس کے علاوہ اس یونٹ میں "مسافر کی نماز" "جمعہ کی نماز" "خوف کی نماز اور نماز جنازہ جیسی اہم دینی عبادات اور اس کی فضیلت و اہمیت پر کماحقہ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ طلباء طالبات کو کافی حد تک علم و آگاہی کی سعادت نصیب ہو۔

یونٹ مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

1۔ اوقات نماز کے بارے میں آپ نماز ادا کرنے کے وقت کا تعین کر سکیں اور اس پر روشنی ڈال سکیں۔

2۔ جماعت اور امامت کی فضیلت اور اہمیت پر قرآن و سنت کی روشنی میں ایک جامع نوٹ لکھ سکیں

3۔ نماز با جماعت کی فضیلت و برکت اور اس کی اہمیت پر بحث و تمحیص کر سکیں۔

4۔ احکام نماز کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس یونٹ میں جمعہ کی نماز۔ خوف کی نماز۔ مسافر کی نماز اور نماز جنازہ کو بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ آپ ان پر بھی عبور حاصل کر کے ایک مفصل مضمون تحریر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

فہرست

1- اوقاتِ نماز کا بیان

روحانی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ بار بار کچھ دیر کے بعد اپنے نفس کی خبر لی جائے تاکہ وہ اپنے رب سے یکسر غافل نہ ہو جائے چنانچہ کسی شخص کا نماز سے کافی دیر پہلے اس کی تیاری میں مشغول ہونا اور اس کا انتظار کرنا نماز کی روحانیت کو بڑھا دیتا ہے جو نماز پڑھ چکنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ایسا تصور کیا جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنا تمام وقت عبادت میں صرف نہیں کیا۔

ان نمازوں کی تکرار اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کے تسلسل میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے اس میں نفسِ انسانی کے لئے مکمل اور صالح غذا کا سامان ہوتا ہے۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اپنے مخصوص اوقات میں فرض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء ۴ - ۱۰۳)

ترجمہ: "بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے"

حدیث نبوی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز کے بھی اسی طرح اوقات ہیں جس طرح حج کے اوقات ہیں(1) ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جس نے پانچ نمازوں کی ان اوقات میں حفاظت کی اللہ تعالیٰ کا اس کے لئے عہد ہے کہ قیامت کے دن اسے بخش دے گا۔(2)

اوقات نماز کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مفسر فرماتے ہیں

"یہ قول باری فرض اور اس کے اوقات کے ایجاب پر مشتمل ہے اس لئے قول باری (کتابا) کے معنی فرض کے ہیں اور (موقوتا) کا مفہوم یہ ہے کہ نماز معلوم و معین اوقات میں فرض کی گئی ہے"(3) ایک اور مفسر قرآن مذکورہ آیت کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

"نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے اگر مقررہ وقت سے پہلے ادا کی گئی تو وہ نماز شمار نہ ہو گی"(4)

نماز کے اوقات حسب ذیل آیت میں اجمال کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ

كَانَ مَشْهُودًا (بنی اسرائیل: ۷۸)

ترجمہ: "آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرا ہونے تک نماز ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔ بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔"

اس آیت میں اوقات نماز کا ذکر اجمالاً ہوا ہے لیکن دوسرے مواقع پر ان اوقات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کتاب اللہ میں جن اوقات کا ذکر ہوا ہے ان میں یہ ایک آیت ہے

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ

"سورج ڈھل جانے سے لے کر رات کی ابتداء تک نماز قائم کرو"

حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ (لدلوك الشمس) کے معنی ہیں جب سورج وسط آسمان سے ڈھل جائے یہ ظہر کی نماز کے لئے وقت ہے "الی غسق اللیل" کے معنی ہیں رات ظاہر ہو جائے۔ یہ مغرب کی نماز کے لئے وقت ہے۔ غروب آفتاب کے بعد تاریکی آتی ہے اور صبح تک قائم رہتی ہے چنانچہ (غسق اللیل) میں مغرب اور عشاء کے اوقات کا اظہار ہوتا ہے اور قرآن الفجر سے نماز فجر کا وقت۔ قرآن مجید میں دو نمازوں فجر اور عشاء کا ذکر ناموں کے ساتھ ہے۔ سورۃ نور میں تین اوقات بیان ہوئے ہیں۔ ان اوقات کا ذکر ان الفاظ میں ہے

مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ (النور: ۵۸)

ترجمہ: "(تین اوقات میں اجازت لے لیا کریں) نماز فجر سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو یعنی آرام کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔"

1.1 حدیث سے اوقات نماز کا ثبوت

نماز کے اوقات حدیث طیبہ سے ثابت ہیں اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ حدیث امامت جبرئیل سے اوقات کی وضاحت ہوتی ہے۔

"سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میں نے خانہ کعبہ کے نزدیک دو مرتبہ جبرئیل کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

پہلی مرتبہ نماز ظہر اس وقت پڑھی جب سایہ جوتے کے تسمے کے برابر ہوا۔ عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد جب روزہ داروں نے روزہ افطار کر لیا تو اس وقت مغرب کی نماز ادا کی۔ شفق کے غائب ہونے پر عشاء کی نماز پڑھی جب فجر طلوع ہوئی اور روزہ داروں نے کھانا پینا بند کر دیا تو نماز فجر ادا کی۔ دوسری امامت میں ظہر کی نماز اس وقت ادا کی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا یہ وہی وقت تھا جب پہلی امامت میں نماز عصر پڑھی۔ عصر کی نماز اس وقت ادا کی جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہو گیا۔ مغرب کی نماز اس وقت ادا کی جس وقت پہلی امامت میں ادا کی تھی۔ نماز فجر اس وقت پڑھی جب خوب روشنی پھیل گئی۔ پھر جبرئیل نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے محمد ﷺ! انبیاء سابقین بھی انہی اوقات کے پابند تھے۔ نماز کا اصلی اور افضل وقت وہ ہے جو پہلی اور دوسری امامت کے درمیان ہے" (5)

اوقاتِ نماز کی مزید وضاحت

ایک اور حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرہ بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آ جاتا اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب ہو (6) شفق بمعنی سفیدی لیا جائے اس لئے کہ نہار یعنی دن کا اول حصہ وہ ہوتا ہے جب صبح کی سفیدی کا ظہور ہوتا ہے یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد باقی ماندہ سفیدی کی شفق ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ

کی بھی اسی معنی پر دلالت ہو رہی ہے (7)۔

عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ عشاء کی نماز کا وقت شفق غائب ہو جانے کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے بقول ایک روایت۔ "شفق تہائی رات گزرنے تک رہتا ہے نصف شب کے بعد تک اسے مؤخر رکھنا مکروہ ہے اور فجر ثانی کے طلوع کے ساتھ عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

پانچوں نمازوں کے اوقات کا تعین کی مزید وضاحت احادیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں

صبح کی نماز کا وقت

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنُونَ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ. ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلٰوةَ لَا يُعْرِفُنَّ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ(8)

"مسلمان خواتین رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز کے لئے اپنی چادر میں لپٹ کر حاضر ہوتی تھیں نماز کے بعد جب اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاتیں تو کوئی شخص انہیں پہچان نہ سکتا تھا

حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

اَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِاُجُوْرِكُمْ اَوْ فِيْ رِوَايَةٍ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ(9)

"صبح کی نماز اس وقت پڑھو جب اچھی طرح صبح ہو جائے اس سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے"

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے

"صبح کی نماز اسفار (روشنی) میں پڑھو یہ اجر کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے"

غلس اور اسفار کے متعلق فقہاء کا اختلاف فضیلت کا ہے۔ جواز و عدم جواز کا نہیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ نماز نہ تو بالکل غلس (اندھیرے) میں پڑھی جائے اور نہ بالکل اسفار (روشنی) میں بلکہ اعتدال سے کام لیا جائے۔

ظہر کی نماز کا وقت

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ(10)

"جب گرمی زیادہ پڑ رہی ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔ اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ ہے۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "أَبْرِدْ" ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ "أَبْرِدْ" حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ(11)

"ہم ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ظہر کے وقت جب مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ "وقت کو ٹھنڈا ہونے دو" پھر جب اس نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا۔ اور اتنی دیر ہوئی کہ ہمیں ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جب گرمی تیز پڑ رہی ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔"

حضرت خبابؓ کہتے ہیں

شَكَوْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الصَّلَاةَ فِي الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا(12)

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تیز دھوپ میں نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری شکایت کو قبول نہ فرمایا"

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں

كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُّمَكِّنَ جَبْهَتَهٗ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهٗ فَسَجَدَ عَلَيْهِ(13)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گرمی کی شدت میں نماز پڑھتے تھے تو جب کسی کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا مشکل ہو جاتا تو وہ کپڑا بچھا کر اس کے اوپر سجدہ کرتا۔"

نوٹ: ظہر کی نماز کے وقت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف جواز و عدم جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے روایت سے تقدیم و تاخیر دونوں ثابت ہیں۔ موسم گرما میں ابراد اور موسم سرما میں تقدیم افضل ہے۔ رسول

اللہ ﷺ نے جہاں ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔وہاں شدت حر یعنی تیز گرمی کی علت بیان فرمائی ہے اور یہ علت موسم سرما میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

عصر کی نماز کا وقت

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ(14)

"رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور تیز ہوتا تھا۔ پھر جانے والا "عوالی" (ایک جگہ کا نام) تک جاتا تو وہاں اس وقت پہنچتا کہ آفتاب بلند ہوتا۔ عوالی کے بعض مقامات مدینہ منورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہیں۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا(15)

"رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب ان کے حجرہ سے باہر نکلا ہوا نہ ہوتا تھا"

صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔حضرت علیؓ کہتے ہیں:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَلَأَ اللهُ قُبُوْرَهُمْ وَ بُيُوْتَهُمْ نَارًا كَمَا حَبَسُوْنَا وَ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ(16)

"غزوہ احزاب کے موقع پر ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔"

مغرب کی نماز کا وقت

مغرب کا وقت آفتاب غروب ہو جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

وَقْتُ الصَّلٰوۃِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَالَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ(17)

"نماز مغرب کا وقت آفتاب غروب ہو جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور شفق ڈوب جانے تک باقی رہتا ہے۔"

نوٹ: فقہاء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ شفق سے مراد "سرخی" ہے جو آسمان کے کناروں پر ظاہر ہوتی ہے جب کہ سرخی دور ہو جانے کے بعد کچھ دیر تک رہتی ہے۔

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں۔

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے اور جب ہم میں سے کوئی واپس لوٹتا (تو اتنی روشنی ہوتی) کہ وہ اپنے تیر کے ہدف کے مقامات دیکھ سکتا تھا۔"(18)

نمازِ عشاء کا وقت

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

اِعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يَفْشُوَا الْاِسْلَامَ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى قَالَ عُمَرُؓ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ(19)

"رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں تاخیر فرمائی۔ یہ واقعہ اسلام کے ابتدائی دور کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے آکر آپ ﷺ کو بتایا۔ عورتیں اور بچے سو چکے ہیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ اس وقت تمہارے علاوہ زمین والوں میں سے کوئی بھی اس نماز کا منتظر نہیں۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

اِعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ وَحَتّٰى نَامَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلّٰى فَقَالَ: اِنَّهُ لَوَقْتُهَا، لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ(20)

"ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر فرمائی کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا اور مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ سو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آکر نماز ادا کی اور فرمایا۔ اگر میں اپنی امت کے افراد کے لیے دشواری محسوس نہ کرتا تو عشاء کی نماز کا اصل وقت یہی ہے یعنی میں اس وقت کو افضل قرار دے دیتا۔"

نوٹ۔ عشاء کا وقت شفق ڈوب جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور آدھی رات تک باقی رہتا ہے۔ بہت سی روایات سے نماز عشاء دیر سے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن اصول تیسیر کا تقاضا یہ ہے کہ نماز زیادہ دیر سے نہ پڑھی جائے۔ ہاں بعض صورتوں میں اگر جماعت میں مزید افراد شامل ہونے کا امکان ہو تو تاخیر افضل ہے۔

1.2 اوقات نماز کے تعین میں حکمت

اوقاتِ نماز کے تعین میں جو حکمت و مصلحت کار فرما ہے اسلام کے تربیتی پروگرام سے اس کا گہرا تعلق ہے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔ علی الصبح بیدار ہو کر بارگاہ ایزدی میں حاضری سے ہر مسلمان اپنے اعتقادات اور ایمان کی تجدید کرتا ہے۔ دن ڈھلنے تک اپنی مصروفیات میں مشغول رہنے کے بعد نماز ظہر میں مشغولیت سے پھر اپنے اقرار بندگی کی تجدید کی جاتی ہے۔ عصر کا وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ دن بھر کا کام مکمل کیا جائے لیکن بندگی کا تصور پھر اسے دربار خداوندی میں حاضر کر دیتا ہے رات کے آغاز پر مغرب کے وقت اور سونے سے پہلے عشاء کے وقت پھر اسی تربیتی پروگرام کے تحت بندہ شرف عبودیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایمانی اور روحانی پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز تہجد کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ (21)

نوٹ۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ سورج پرست اقوام کی مشابہت سے بچنے کے لئے اسلامی عبادات "نماز" کے اوقات متعین کئے گئے ہیں۔

1.3 جماعت

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے اپنے نائبین (انبیاء و رسل) مبعوث فرمائے تاکہ ان کے

نقش قدم پر چل کر ہدایت و کامیابی مل سکے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے عبادت کا جو نظام دیا ہے جس کے ذریعے فطرتِ انسانی کی تسکین و تکمیل مقصود ہے۔ جس کو ہم ضعف و احتیاج، مجبوری و درماندگی، دعا و مناجات اور اس خدائے بزرگ و برتر کی پناہ میں آجانے اور اس کے در پہ سر رکھ کر پڑ رہنے کا جذبہ کہہ سکتے ہیں۔

- نماز باجماعت ایک اجتماعی عبادت ہے جو توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی فضا قائم کرتی ہے قلوب پر روحانی اثرات ڈالتی ہے جو اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہیں اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسول سے بے تعلقی کی علامت ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو علی رؤس الاشہاد یعنی سب کے سامنے ادا کرے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لیے جو بیماریاں کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو، جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔

- اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعے افراد امت کا روزانہ بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ باجماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایک ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا اور مزید یہ کہ نظام جماعت کے ذریعہ امت میں اجتماعیت پیدا کی جاتی ہے اس میں بھی بڑی حکمتیں ہیں۔(22) جماعت سے نماز پڑھنا احناف (حنفی مسلک) کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور بعض کے نزدیک واجب اور فرض کے قریب ہے۔

1.4 جماعت کی فرضیت اور اہمیت :

قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیت سے جماعت کی فرضیت و اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ قول باری تعالیٰ ہے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (البقرة: ۴۳)

"تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ"

ایک معروف مفسر قرآن اپنی تفسیر میں وارکعوا مع الراکعین کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

اس جگہ الراکعین کے لفظ سے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم کس درجہ کا ہے اس میں علماء فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت صحابہ و تابعین اور فقہاء امت کی، جماعت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اور اس کے چھوڑنے کو گناہ۔ اور بعض صحابہ کرام تو اس نماز ہی کو جائز قرار نہیں دیتے جو بلا عذر شرعی کے بدون جماعت پڑھی جائے (یعنی جماعت سے الگ پڑھی جائے) یہ آیت ظاہری الفاظ کے اعتبار سے ان حضرات کی حجت ہے جو وجوب جماعت کے قائل ہیں (23)

ایک مفسر قرآن اس کی یوں تفسیر فرماتے ہیں کہ آیت وارکعوا مع الراکعین میں لفظ "مع" سے معیت اور جمعیت (ساتھ اور اکٹھا ہونا) معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں تاویل کرنے والوں کو جنھوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ کے قول واقیموا الصلوٰۃ سے نماز قائم کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا تو "مع الراکعین" فرما کر حکم دیا کہ جماعت میں حاضر ہو کر نماز ادا کرو۔

جماعت میں حاضر ہونا بعض اہل علم کے نزدیک سنت مؤکدہ میں سے ہے جو شخص ترک جماعت کی عادت بنائے وہ سزا کا مستحق ہے اور بعض علماء کے نزدیک جماعت فرض علی الکفایہ ہے یعنی واجب ہے اور جن کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے وہ بھی قریب بوجوب ہے اسی وجہ سے ان کے نزدیک بھی ترک جماعت کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوگا خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مسجد ویران رہے۔ (24) اس کے علاوہ چند روایات حدیث سے بھی جماعت کا واجب ہونا سمجھا جاتا ہے۔ ایک حدیث ہے: لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد "یعنی مسجد کے قریب رہنے والے کی نماز صرف مسجد ہی میں جائز ہے۔"

اسی سلسلے میں یہ حدیث بھی منقول ہے کہ ایک نابینا صحابی (حافظ ابن مکتومؓ) نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو مجھے مسجد تک پہنچا دے اور لے جایا بھی کرے۔ اس لیے اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں نماز گھر پڑھ لیا کروں۔ آنحضرت ﷺ نے اول تو ان کو اجازت دے دی مگر وہ جانے لگے تو سوال کیا کہ کیا اذان کی آواز تمہارے گھر پہنچتی ہے انھوں نے عرض کی کہ اذان آواز تو میں سنتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر آپ کو مسجد میں آنا چاہیے۔ (25)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اذان سننے کے بعد معذور آدمی کو بھی مسجد میں آنا چاہیے۔ معذور کی نماز

گھر پر پڑھنے سے ادا تو ہو جائے گی مگر جماعت کا ثواب نہیں ملے گا نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کی آواز نہ سننا قابل قبول عذر ہے سننے کے بعد یہ عذر باقی نہیں رہتا بارش، سخت آندھی، شدید بھوک، قضائے حاجت، بیمار اور دشمن کا خوف وغیرہ ایسے عذرات ہیں جنہیں جماعت میں عدم شمولیت کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اس حدیث سے جماعت میں شمولیت کو فرض عین کہنے والوں نے فرض عین پر استدلال کیا ہے اور سنت مؤکدہ کہنے والوں نے اس حدیث کو تاکید مزید پر محمول کیا ہے دونوں کے لیے اپنے اپنے نظریہ کی رو سے گنجائش موجود ہے (26) نماز باجماعت کی اہمیت ذیل میں دی گئی حدیث سے مزید اجاگر ہو جاتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اذان سنے اور پھر نماز باجماعت میں شامل نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں، الا یہ کہ کوئی عذر مانع ہو" (27)

احکام القرآن میں ایک قرآنی آیت کا حوالہ دے کر نماز باجماعت کی فرضیت کو توضیح کرتے ہیں۔ قول باری تعالیٰ ہے "اور ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو" حضرت ابو بکر جصاصؒ کہتے ہیں اس آیت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ قبلے کی طرف اس طرح رخ ٹھیک رکھنا کہ اس کی سمت رخ ہٹا ہوا نہ ہو۔ دوم یہ کہ مسجد میں جاکر نماز ادا کرنا یہ بات مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نمازوں کی ادائیگی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے جماعت کے ساتھ نماز نہ ادا کرنے والے کے لئے وعید کی روایتیں منقول ہیں۔ (28) فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ کل (محشر میں) اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے تو اس کو چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کے ادا کرنے کی پابندی اس جگہ کرے جہاں اذان دی جاتی ہے (یعنی مسجد) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے کچھ ہدایت کے طریقے بتلائے ہیں اور ان پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا انہی سنن ھدیٰ میں سے ہے اور اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھر میں پڑھ لیں جیسے یہ جماعت سے الگ رہنے والا اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے (کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ حضور ﷺ نے جماعت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"کوئی قریہ اور کوئی دیہات کہ جس کے اندر تین مسلمان موجود ہوں اور اس میں جماعت کی نماز نہ ہوئی تو اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ (29)

اس حدیث کی روشنی میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے جس کی ترک کرنے سے آدمی

ملامت کا حق دار بن جاتا ہے کیونکہ جماعت دین اسلام کا ایک اہم شعار ہے۔(30)

1.5 نماز باجماعت کی فضیلت و برکت :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"باجماعت نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔(31)اس حدیث سے بظاہر ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ نماز باجماعت پڑھنا واجب نہیں۔ کیونکہ انفرادی اور اجتماعی میں مختلف اسباب کی وجہ سے درجات میں کمی و بیشی ہوتی ہے تو گویا منفرد کی نماز بھی ہو گئی خواہ مراتب اور درجات کم ہی ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے یہ وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائی اور آپ ﷺ نے اہل ایمان کو بتائی۔ اب ہر صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجے کی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔ ایک اور حدیث جو حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اس کے لئے دو براءتیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت(32)

1.6 جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب ملنا :

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا پھر وہ جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف گیا وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور انہوں نے جماعت سے نماز ادا کی اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہو گی(33)

1.7 جماعت میں صف بندی:

نماز کے لیے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں۔ کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔ پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور زیادہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام صاحب سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے۔(34)

1.8 صف بندی کی اہمیت احادیث رسول اللہ ﷺ سے

اس سلسلے میں چند احادیث تحریر کی جا رہی ہیں جن سے صف بندی کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

1۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو۔ کیونکہ صفوں کا سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے(35)

2۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعے آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے۔ اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ ﷺ باہر سے تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرما دیں کہ آپ ﷺ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔(36)

3۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف نہ ہو کہ خدانخواستہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں۔ تم میں سے جو دانش مند اور سمجھ دار ہیں وہ میرے قریب ہوں ان کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نمبر اس صفت میں ان کے قریب ہو اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو(37)

4۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب ہم نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ﷺ ہماری صفوں کو برابر فرماتے اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں تو آپ ﷺ تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔

5۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! پہلے اگلی صف پوری کیا کرو پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کمی کسر رہے وہ آخری صف میں رہے۔(38)

صفوں میں اول صف کی فضیلت بہت زیادہ ہے حدیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ صحابہ نے صفوں کی فضیلت کے بارے میں چار مرتبہ آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے تین بار پوچھنے پر پہلی صف کو باعث رحمت فرمایا اور چوتھی مرتبہ پوچھنے پر دوسری صف کی فضیلت فرمائی صفوں کی ترتیب کے بارے میں حضور ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ جو حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپ ﷺ نے نماز قائم فرمائی۔ پہلے آپ ﷺ نے مردوں کو صف بستہ کیا۔ ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اس کے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔(39)

احادیث کی روشنی میں جماعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں اور اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی۔ ایسے شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم ہے اگر وہ کوئی دوسرے نمازی کو اگلی صف سے آسانی سے اپنے ساتھ

پیچھے لانے کی کوئی شکل نہ پائے تو پھر مجبوراً اکیلا ہی کھڑا ہو جائے اور اس صورت میں عنداللہ یہ شخص معذور ہو گا(40)

1.9 جماعت کی بعض حکمتیں اور آداب و مصالح

نماز باجماعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت سی نازک حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں ان میں بہت سے اجتماعی اور اخلاقی فوائد ہیں مثلاً وحدت و اجتماع اور تعاون و تعارف وغیرہ۔

ان فوائد اور حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جب سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر امید کا دامن تھامے ہوئے، خوف سے بھرے ہوئے سر تسلیم خم کیے ہوئے جمع ہوتے ہیں تو ان کے اس اجتماع کی وجہ سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ رحمتیں اترتی ہیں اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہیں۔ استسقاء کی اجتماعی دعا، جمعہ و جماعت اور حج کے اجتماعات کا راز یہی ہے اس کی وجہ سے عبادات اور ان پر مداومت آسان ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کو صفوں کی درستی کا بڑا اہتمام تھا اور آپ ﷺ اس میں انتشار اور ناہمواری پیدا کرنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت کے فوائد اور البنیان المرصوص (یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی شان صفوں کی درستی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ بعد نماز باجماعت در حقیقت پوری زندگی کی تربیت ہے۔ اگر کسی نے نماز بھی صحیح طریقے سے پڑھنا نہ سیکھی تو دنیا و آخرت کا کوئی کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ اپنی صفوں کو برابر کرو اس لئے کہ صفوں کی برابری اقامت الصلوٰۃ میں داخل ہے۔(41)

2- امامت

دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے جو جسم انسانی میں قلب کا ہے اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب ہے اور بڑی بھاری ذمہ داری اور رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح نیابت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بانسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ سے نسبتاً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو اور چونکہ آپ ﷺ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا۔ اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتر۔ اس کی دعوت اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے۔ آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا اور اگر بالغرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسرے کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا۔ اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر ہیں تو پھر جو کوئی بھی ان میں تقویٰ، پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے لائق ترجیح ہوگا اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکساں ہی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلّم فضیلت ہے۔ بہر حال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق اور مقتضائے حکمت ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت ہے۔ (42)

2.1 امام کی ذمہ داری اور مسئولیت

امامت بہت اہم ذمہ داری ہے امام نماز میں اپنی قوم کا نمائندہ ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ علم و عمل اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے پوری قوم میں امتیازی حیثیت کا حامل ہو۔

ذیل میں دی گئی حدیث سے امام کی ذمہ داری اور اس کی مسؤلیت کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من امّ قوماً فلیتق اللّٰہ ولیعلم انّہ ضامنٌ مسئولٌ لما ضمن وان احسن کان لہ من الاجر مثل اجر من صلّی خلفہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئاً وما کان من نقص فھو علیہ(43)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہیے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ (مقتدیوں کی نماز کا بھی) ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔''

2.2 مقتدیوں کے لیے رعایت

مقتدیوں کی رعایت کے لیے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا صلّی احدکم للناس فلیخفف فانّ فیھم السقیم الضعیف والکبیر واذا صلّی احدکم لنفسہ فلیطول ما شاء(44)

ترجمہ ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی اور جب تم میں سے کسی کو بھی اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے

حدثنا قتادۃ ان انس بن مالک حدثہ ان النبی ﷺ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ انی لأدخل فی الصلوۃ وانا ارید اطالتھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوتی مما اعلم من شدۃ وجد امہ من بکائہ(45)

ترجمہ: ''حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

(کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ کچھ طویل پڑھنے کا ہوتا ہے۔ پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کے رونے کی آواز سے اس کی ماں کا دل کتنا زیادہ پریشان ہوگا۔"

مذکورہ احادیث کی روشنی میں امام کے لئے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اس کی نماز ہلکی پھلکی بھی ہو اور ساتھ ہی مکمل اور تام بھی ہو یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو۔

2.3 مسافر کی نماز

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ جس میں انسان کو اشرف المخلوقات کے ممتاز مقام سے نوازا ہے اور بے شمار نعمتوں سے مستفیض فرمایا ہے جن کا کما ینبغی کما حقہ شکر ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے کہ اتنی ان گنت نعمتوں کا شکر ادا کر سکے۔

اسلام دین فطرت ہے جسے دین حنیف بھی کہا گیا ہے اور للدین لیسر بھی۔ جس میں انسان کو صرف اسی امر کا مکلف بنایا ہے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنی عظیم صفات کی بنا پر انسانی زندگی کے سفر میں اپنی عبادات کرنے کے لیے تنگی سے کام نہیں لیتا اور عبادت و معاملات کو پورا کرنے کے لئے انسان کو کئی رخصتیں عطا فرماتا ہے جیسے مسافر کے روزہ اور نماز کو لے لیں کہ مسافر کو سفر میں رب کریم رعایتیں فرماتا ہے کیونکہ سفر میں تکالیف اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں اس لئے "مسافر کے حکم" میں مسافر قصر نماز کا فائدہ اٹھاتا ہے کہ فرض نماز کی چار رکعتیں والی نماز کے بجائے دو رکعت سے ادا کرتا ہے۔

2.4 مسافر کی تعریف

جو شخص کم از کم تین دن کی مسافت یا تین منزل یا اڑتالیس میل چلنے کی نیت سے سفر شروع کرے اسے مسافر کہتے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے، ایک دن میں صبح سے زوال کے وقت تک جس قدر فاصلہ اوسط درجہ کی پیدل چال سے میدان میں یا اونٹ پر پہاڑی راستہ میں یا بادبانی کشتی پر دریا میں طے ہو جائے اتنا فاصلہ ایک منزل ہے جس میں

تین دن کی مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا گیا ہے اور اس قدر (میدانی، پہاڑی یا سمندری) تینوں قسم کی مسافت سے مسافر بن جائے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری ہے

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا (النساء : ۱۰۱)

ترجمہ: "اور جب تم لوگ سفر کے لئے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً) جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں قصر کو دو باتوں کی بنا پر مباح کر دیا ہے ایک تو سفر یعنی زمین میں قدم مارنے (سفر کرنے) کی بنا پر اور دوسری خوف کی بنا پر (46)

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سب سے پہلے نماز کی فرضیت دو دو رکعتوں کی صورت میں ہوئی پھر حضر یعنی اقامت کی حالت میں نماز میں اضافہ کر دیا اور سفر کی حالت کی نماز کو علی حالہ باقی رہنے دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بیان کر دیا کہ مسافر پر دراصل دو رکعتیں فرض ہیں اور مقیم پر چار رکعتیں فرض ہیں۔ جس طرح فجر اور ظہر کی نمازوں کی فرضیت ہے۔ اس لئے مسافر کی نماز میں اسی طرح اضافہ جائز نہیں جس طرح دوسری نمازوں میں اس کا جواز نہیں ہے۔ عقلی طور پر یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مسافر کے لئے آخری دو رکعتوں کے ترک کا جواز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے باب صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَالْمَرِيضِ میں ایک روایت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ الصلوة أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ رَكعتين فَأُقِرَّتْ صَلوٰةُ السَّفَرِ، وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ (47)

ترجمہ: "حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے کہ ابتداء میں دو رکعات فرض کی گئی تھیں (سفر و حضر میں) جتنی نماز فرض کی گئی وہ دو دو رکعت تھی۔ اسے (سفر کی نماز کو) باقی رکھا گیا اور حضر (مقیم) کے لیے نماز مکمل کر دی گئی (چار رکعتیں کر دی گئیں)"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضر و سفر کی نماز دو دو رکعت فرض تھی، بعد میں سفر کی نماز کو

علی حالہ رکھا گیا۔ البتہ حضر کی نماز میں دو رکعتوں کا مزید اضافہ کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں نماز قصر کا جو بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر نماز پڑھنا جائز ہے واجب نہیں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے جب کہ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ وغیرہ اسے سنت قرار دیتے ہیں (48)

جب مسافر حالت تردد میں مبتلا ہو جائے اور واپسی کا حتمی فیصلہ نہ کر پائے تو ایسی صورت متردد اور مذبذب مسافر تادم زیست یا واپسی تک قصر کر سکتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ نے آذربائیجان میں چھ ماہ تک قصر نماز پڑھی اور اسی طرح حضرت انسؓ کو نیشاپور سال یا دو سال حالت تردد میں رہنا پڑا تو قصر ہی کرتے رہے اور کچھ صحابہ کرامؓ کو رامہرمز میں نو ماہ تک رکھنا پڑا تو وہ قصر ہی کرتے رہے (49) ان واقعات سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ تردد اور تذبذب کی حالت میں قصر کی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ جب تک ضرورت کا تقاضا ہو اتنی مدت تک قصر جائز ہے (50) ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سفر شروع کرتے وقت ظہر اور عصر کی نماز کس طرح ادا فرمائی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ، اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَاِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ (51)

ترجمہ: "حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر کی نماز کو عصر کی نماز تک مؤخر کر لیتے تھے۔ پھر سواری سے نیچے تشریف لاتے اور ظہر و عصر دونوں نمازوں کو اکٹھی ادا فرماتے اور جب آفتاب آغاز سفر سے پہلے زوال پذیر ہو جاتا تو پھر نماز ظہر ادا فرما کر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہوتے"

اس حدیث کی رو سے سفر میں ظہر اور عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھنا جائز ثابت ہوتا ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حالت سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں یعنی جمع بین الصلوتین کی صوری اور حقیقی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس لئے مسافر کے لئے دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے لیکن اس کی دو قسمیں ہیں

پہلی قسم:	فعلی یا صوری	یعنی ایک نماز کو آخری وقت میں پڑھنا
دوسری قسم:	حقیقی	یعنی ایک نماز کے وقت میں دو نمازوں کو پڑھنا

احناف پہلی قسم کے قائل ہیں اس سلسلے میں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ "حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک دن ظہر کو پچھلے وقت میں پڑھا اور عصر کو اس کے ساتھ جمع کیا۔" احناف کے نزدیک مسافر ایک نماز کے وقت میں دو کو جمع نہیں کر سکتا۔

نوٹ: چونکہ غالب احوال میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور ایسے سفر میں مخالف کی طرف سے اندیشہ بھی اکثر ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے نماز میں بعض خاص سہولتیں اور تخفیفیں کی گئی ہیں:

1۔ جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے

2۔ اور جب سفر ختم کر کے کنزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، فرض نماز چار گانہ آدھی پڑھی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں۔

3۔ قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے اور مغرب و فجر اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

4۔ سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی۔

5۔ بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے، جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔

3- جمعہ کی نماز (صلوٰۃ الجُمُعَہ)

اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں بھی ایک دن عبادت کے لئے مختص تھا اور آج بھی یہودیت اور عیسائیت میں بھی مخصوص دن عبادت کے لئے مقرر ہے جس میں یہ لوگ اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کرتے ہیں جس طرح اہل کتاب میں ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص تھا۔

یہودیوں کے ہاں سبت یعنی ہفتہ کا دن مقرر کیا گیا تھا کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی

عیسائیوں نے یہودیوں سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے اتوار کو عبادت کا دن مخصوص کر کے اپنا الگ تشخص قائم کیا۔

اسلام نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو ممیز کرنے کے لئے یہ دونوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لئے اختیار کیا جمع دراصل ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ اسلام میں جب اس کو مسلمانوں کے اجتماع کا دن قرار دیا گیا تو اس کا نام جمع رکھا گیا۔

اَلجُمُعَۃُ بضم المیم و اَلجُمْعَۃُ بسکون المیم: اَلجُمَعَۃُ: بفتح المیم فیھا ثلاث لغات والأفصح الأشھر اَلجُمُعَۃُ (بضم المیم)(52)

"لفظ جمع کو تین طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے: میم کے پیش کے ساتھ: میم پر زبر پڑھا جائے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ میم ساکن ہو لیکن ان میں زیادہ فصیح اور مشہور یہ ہے کہ میم کو پیش (الجمعہ) کے ساتھ پڑھا جائے"

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق قرآن مجید میں اجمالاً اور احادیث مبارکہ میں تفصیلاً ذکر ہے اس سلسلے میں آپ ﷺ کے ارشادات و معمولات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں۔ وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں ان میں ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے۔

فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں مصالح اور منافع ہیں وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں۔

جمعہ کے معنی اجتماع کے ہیں یعنی ایک جگہ جمع ہونے کے۔" جیسے دورِ جاہلیت میں "عروبہ" کہتے تھے۔ اسلام نے اس کا نام جمعہ رکھا کہ مسلمان ایک مخصوص دن میں مخصوص اوقات میں عبادت الٰہی کے لئے مجتمع ہوں اور مل کر سب اکٹھے عبادت کریں اور ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوں اور اجتماعی فیصلے بھی کئے جا سکیں۔ (53)

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لئے شہر کی ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اس لئے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کی بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا اور اس کے لئے جمع ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ باعظمت اور بابرکت ہے جس طرح روزانہ آخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے۔ اس طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں جن کا ذکر احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے۔ بہر حال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ وار اور اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجہ میں تاکید کی گئی تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش نظر بارونق اور پُر بہار ہو اور مجمع کو ملائکہ کے پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔ (54)

3.1 نمازِ جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت قرآن و سنت کی روشنی میں

نماز جمعہ فرض ہے اس سلسلے میں سورۃ الجمعۃ کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں۔ اگر تم کو سمجھ ہے۔"

ایک مفسر قرآن آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ میں نداء صلوۃ سے مراد اذان ہے اور مِنْ یَّوْمِ الجمعه بمعنی فی یوم الجمعہ ہے، فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ، سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی۔ اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو یعنی نماز و خطبہ کے لیے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز و خطبہ کے توجہ نہ دو۔ ذِکْرُ اللّٰہِ سے مراد نماز جمعہ بھی ہو سکتی ہے اور خطبہ جمعہ، جو نماز کے شرائط و فرائض میں داخل ہے۔ وہ بھی، اس لئے مجموعہ دونوں کا مراد لیا جائے یہ بہتر ہے۔ وَذَرُوا الْبَيْعَ یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) صرف بیع کہنے پر اکتفاء کیا گیا اور مراد بیع و شراء (یعنی خرید و فروخت) دونوں ہیں، وجہ اکتفاء کی یہ ہے کہ ایک چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا، جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے گا تو خرید والے کے لئے خریدنے کا راستہ ہی نہ رہے گا۔ (55)

اس آیت میں تین باتیں زیر بحث لائی گئی ہیں ایک یہ کہ نماز کے لئے منادی کرنا دوسرے جمعہ کے دن یہ نماز پڑھنا چاہیے اور تیسری یہ کہ جمعہ کی منادی سن کر دوڑنے میں تساہل نہ کرنا اور خرید و فروخت کو ترک کرنا یہ آیت صرف اس غرض کے لئے نازل فرمائی کہ لوگ اس منادی اور اس خاص نماز کی اہمیت محسوس کریں اور فرض جان

کر اس کی طرف دوڑیں۔ ان تینوں باتوں پر اگر غور کیا جائے تو ان سے یہ اصول حقیقت وقتی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالی رسول اللہ ﷺ کو کچھ ایسے احکام بھی دیتا تھا جو قرآن میں نازل نہیں ہوئے۔ قرآن میں دو جگہ صرف اس کی توثیق کی گئی ہے ایک اس آیت میں اور دوسری سورہ مائدہ کی آیت نمبر اٹھاون میں۔ اسی طرح جمعہ کی یہ خاص نماز جو آج ساری دنیا کے مسلمان ادا کر رہے ہیں اس کا بھی قرآن میں نہ حکم دیا گیا ہے اور نہ وقت اور طریق بتایا گیا ہے۔ یہ طریقہ بھی رسول اکرم ﷺ کا جاری کردہ ہے اور قرآن کی یہ آیت صرف اس کی اہمیت اور اس کے وجوب کی شدت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ فاسعوا الی ذکر اللہ میں ذکر سے مراد خطبہ ہے کیوں کہ آذان کے بعد پہلا عمل جو نبی کرتے تھے وہ نماز نہیں بلکہ خطبہ تھا اور نماز آپ ﷺ خطبہ کے بعد ادا فرماتے تھے۔ (56)

اس پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے بجائے نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ نماز جمعہ فرض ہے اور اس پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ نماز جمعہ عام پانچ نمازوں کی طرح نہیں۔ اس کے لئے کچھ مزید شرائط ہیں۔ پانچوں نمازیں تنہا بلا جماعت کے بھی پڑھی جا سکتی ہیں دو آدمی کی بھی جماعت سے اور جمعہ بغیر جماعت کے ادا نہیں ہوتا اور جماعت کی تعداد میں فقہا کے اقوال مختلف ہیں۔ اسی طرح نماز پنجگانہ ہر جگہ، دریا، پہاڑ، جنگل میں ادا ہو جاتی ہیں مگر جمعہ جنگل، صحراء میں کسی کے نزدیک ادا نہیں ہوتا۔ عورتوں، مریضوں اور مسافروں پر جمعہ فرض نہیں وہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھیں، جمعہ کسی قسم کی بستی والوں پر فرض ہے اس میں آئمہ و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک جس بستی میں چالیس مرد احرار، عاقل اور بالغ بستے ہوں تو اس میں جمعہ ہو سکتا ہے اس سے کم میں نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بستی کا ہونا ضروری ہے جن کے مکانات متصل ہوں اور اس میں بازار بھی ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے اور بازار ہوں اور کوئی قاضی حاکم فیصلہ معاملات کے لئے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ یاایھاالذین آمنوا اور فاسعوا باتفاق جمہور امت عام مخصوص البعض ہے۔ علی الاطلاق ہر مسلمان پر جمعہ فرض نہیں بلکہ کچھ قیود و شرائط سب کے نزدیک ہیں، اختلاف صرف شرائط کی تعیین میں ہے۔ البتہ جہاں فرض ہے ان کے لئے اس فرض کی بڑی اہمیت و تاکید ہے۔ (57)

3.2 جمعہ میں نمازیوں کی تعداد

جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے نمازیوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے اس بارے میں فقہا کے مابین اختلاف رائے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، زفرؒ اور لیث بن سعدؒ کا قول ہے کہ امام کے سوا کم از کم تین آدمی ہوں۔ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ امام کے سوا دو آدمی ہوں۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ نے اس سلسلے میں کوئی تعداد مقرر نہیں کی ہے۔ امام شافعیؒ نے چالیس آدمیوں کا اعتبار کیا ہے (مؤلف احکام القرآن) نے ایک حدیث ؟ جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے' حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ تجارتی قافلے کی آمد کی اطلاع ملی۔ لوگ اس طرف چلے گئے اور آپ کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا

یعنی وہ لوگ کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کیلئے بکھر جاتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے کبھی جمعہ کی نماز نہیں چھوڑی اور روایت میں ذکر نہیں ہے کہ جو لوگ تجارتی قافلے کی آمد کی خبر سُن کر چلے گئے تھے وہ واپس بھی آ گئے تھے جس سے یہ بات لازم بھی ہو گئی کہ آپ نے بارہ آدمیوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ اصحاب سیَر نے یہ نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے پہلا جمعہ حضرت مصعب بن عُمیرؓ نے پڑھایا تھا جس میں بارہ افراد شریک ہوئے تھے۔ یہ بات ہجرت سے پہلے کی ہے اس لئے اس روایت کی بنا پر چالیس آدمیوں کا اعتبار باطل ہو گیا۔ نیز ثلاثہ یعنی تین کا لفظ جمع صحیح ہے اس لئے وہ اربعون یعنی چالیس کی طرح ہے کیونکہ دونوں صحیح ہیں۔ البتہ تین سے کم کے عدد کے جمع صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف رائے ہے اس لئے تین پر اقتصار کرنا اور تین سے کم کے اعتبار کو ساقط کر دینا واجب ہے۔(58)

3.3 جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت

جمعہ کی نماز بہت سے ایسے آداب، ترغیبات اور متعدد ایسی خصوصیات اور اضافوں پر مشتمل ہے جن کی وجہ

سے اس کی صداقت و عظمت، شان و فضیلت میں اضافہ ہوگیا ہے اور ان سے عبادات اور تقرب إلى الله، مسلمانوں کی وحدت اور تعاون على البر والتقوی کا تیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔(59)

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب میں آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث نقل کرتے ہوئے تحت جمعہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ:

نحن الآخرون السابقون يوم القيامة ... بيدانهم اولوا الكتاب من قبلنا و اوتينا من بعدهم.....ثم هذا يومهم الذى فرض عليهم ... فاختلفوا فيه فهدانا الله له.(60)

ترجمہ: "ہم آخر میں آئے ہیں لیکن قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے میں (یا حساب و کتاب میں ہم ان سے پہلے ہوں گے) بات صرف اتنی سی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہم کو بعد میں۔ پھر ایک بابرکت دن ان پر فرض کیا گیا۔ یہ دن ہمارے حق میں جمعہ کا دن ہے اور یہود و نصاریٰ کے حق میں سنیچر و اتوار کا دن۔

پھر ان لوگوں نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا۔ اور ہماری اس سے رہنمائی فرمائی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دن صحیح طور پر "جمعہ" کا دن تھا اور اسی کی اس نے ہمیں رہنمائی فرمائی۔ حاصل کلام یہ کہ یہ وہ فضیلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مشرف فرمایا۔ گو یہود و نصاریٰ نے بھی اصل چیز کو جو حکم تشریعی کی رو سے ان کے لئے مناسب تھی فوت نہیں ہونے دیا کیونکہ شرائع الٰہی احکام سماوی اصل قوانین تشریعی میں غلطی اور خطاء نہیں کیا کرتے اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس مقدس، بزرگ، بابرکت ساعت کے لئے امت کو برانگیختہ کیا اس کی عظمت و شان کو بلند فرمایا چنانچہ فرمایا۔" یہ وہ ساعت ہے اس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو کچھ بھی وہ طلب کرتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

اور اس مقدس ساعت کی تعیین میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ ساعت امام کے خطبے کے لئے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ کیونکہ یہ وہ ساعت ہے کہ اس میں اسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور عموماً ایمان والے لوگ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور رجوع ہوتے ہیں اور ان کی رغبت و رجعت کی وجہ سے آسمان و زمین کی برکتیں جمع ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف سمت آتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ ساعت جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور احکام نازل ہوا کرتے ہیں(61)

جمعہ کے دن کی فضیلت و عظمت کے بارے میں ذیل میں دی گئی احادیث سے بخوبی آگاہی ہو جاتی ہے:

حدیث نمبر 1

عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم و فیہ ادخل الجنۃ و فیہ اخرج منھا ولا تقوم الساعۃ الافی یوم الجمعۃ(62)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کے دن حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور جمعہ کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔"

حدیث نمبر 2

عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایّامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم و فیہ قبض و فیہ النفخہ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد اَرِمْتَ ؟ قال یقولون بلیت قال ان اللہ عزوجل حرّم علی الارض اجساد الانبیاء(63)

ترجمہ: "حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے۔ اسی میں آدمؑ کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور اسی میں موت اور فنا کی بے ہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔ آپ کا جسم اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے

جسم قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)

حدیث نمبر 3

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان فی الجمعۃ لساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم یسئال اللہ فیھا خیرا الا اعطاہ ایاہ(64)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہی فرما دیتا ہے۔"

اوپر والی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے۔ گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوتِ قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے۔ جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہیے۔ دوسری حدیث میں انبیاء کے اجسام ان کی وفات کے قبروں میں محفوظ رہنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ درود شریف میرے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ ﷺ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں) آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس سوال پر کہ مرنے کے بعد اور قبر میں دفنانے کے بعد جب کہ آپ کا جسم اطہر زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود آپ ﷺ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جا سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام ان کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین ان پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی۔ (جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہو گی) اس لئے درود کے پہنچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا؟

آخری حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے اسی طرح ہر ہفتہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اور اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔(65)

جمعہ کی فضیلت حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے کہ

"جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جمعہ کے لیے آیا اور جس قدر اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی اور پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اس کے بعد امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین زیادہ اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔"(66)

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

1۔ عن انس يقول كان النبي ﷺ اذا اشتد البرد بكر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة يعني الجمعة(67)

ترجمہ: "حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت میں گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔"

2۔ عن جابر بن سمرة قال كانت للنبي ﷺ خطبتان يجلس بينهما يقرء القرآن ويذكر الناس فصلى يخطب الخطبتين قائما ويجلس بينهما ويذكر الناس صلوته قصدا و خطبته قصدا(68)

ترجمہ: "حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لیے) بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ ﷺ کا خطبہ بھی۔"

4- صلوٰۃ الخوف (نمازِ خوف)

دین کی تکمیل اور جامعیت کیلئے ضروری ہے کہ جہاں فرائض کا تذکرہ ہو ضروریات اور واجبات کی تفصیل ہو تو وہاں عذرات اور مشکلات کیلئے بھی احکام دیئے جائیں کیونکہ جب ایک حکم اپنی اصلی صورت میں ادا نہیں ہو سکتا اور عذر کی وجہ سے اس کی تعمیل نا ممکن ہو تو معذور کو مجبور کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ معذورین کیلئے الگ احکام دیئے جائیں اور چونکہ دشمن کا خوف اور جنگ بھی ایک عذر ہے چنانچہ شریعت نے ان حالات میں نماز کی ظاہری صورت میں تبدیلی کی اجازت دی ہے۔ نماز کے خوف کا تعلق بھی اسی حالت سے ہے۔

نماز خوف کیا ہے؟ جب کفر و اسلام کی جنگ ہو یا کسی دشمن کا سامنا ہونے والا ہو خواہ وہ دشمن انسان ہو یا کوئی درندہ یا اژدھا وغیرہ ایسی حالت میں سب مسلمان یا بعض لوگ جماعت سے نماز نہ پڑھ سکیں اور سواریوں سے اترنے کی بھی مہلت نہ ہو تو سب لوگوں کو چاہیے کہ سواریوں میں بیٹھے بیٹھے اشاروں سے تنہا نماز پڑھ لیں اس صورت میں قبلہ روئی بھی شرط نہیں ہے اگر کچھ لوگ مل کر جماعت سے نماز پڑھ سکیں تو ایسی حالت میں ان کو جماعت نہیں چھوڑنی چاہیے اور اس قاعدہ سے نماز پڑھیں کہ تمام مسلمانوں کے دو حصے کر دیئے جائیں ایک حصہ دشمن کے مقابلے میں رہے اور دوسرا حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھ لے اور "باقی حصہ" آکر دوسرے امام کے ساتھ (پوری) نماز پڑھ لے پھر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے قرآن مجید میں نماز خوف کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی گئی ہے

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (النساء: ۱۰۲)

ترجمہ: "اور جب آپ ﷺ ان کے درمیان ہو اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان میں کا ایک

گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ جائیں اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں۔ کافروں کی تو خواہش ہی یہی ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر یک بارگی ہی ٹوٹ پڑیں اور تمہارے لئے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

آیت مذکورہ میں فاقمت لھم الصلوۃ یعنی جب وقت نماز آ جانے پر میدان جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دے گا فلتقم طائفۃ منھم معک یعنی ایسے موقع پر چاہئے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ نماز کی جو صورتیں اس آیت میں ارشاد ہوئی ہیں وہ سب اس وقت کے لئے ہیں۔ جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور ﷺ کی موجودگی میں سب کا آپ ﷺ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں ایک یہ کہ عین معرکہ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ ہو سکتا ہو ایسی حالت میں نماز جماعت ادا دی جائے گی اور اس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت نمبر 239 میں موجود ہے۔ شدت خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا دوسرا یہ کہ ہو تو میدان جنگ میں، لیکن قتال ابھی شروع نہ ہوا ہو اور نماز جماعت کا موقع ہو جیسا کہ فاقمت الصلوۃ سے اشارہ ہو رہا ہے اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے(69)

امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ نے ان الفاظ سے یہ گمان کیا ہے کہ صلوۃ خوف صرف نبی ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھی لیکن قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ایک حکم دیا گیا اور وہی حکم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں کے لئے بھی ہے اس صلوۃ خوف کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص

کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر بجرت جلیل القدر صحابہؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کے بعد بھی صلوۃ خوف پڑھی اور اس باب میں کسی صحابی کا اختلاف مروی نہیں ہے (70)

نمازِ خوف کا یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ دشمن کے حملہ کا خطرہ تو ہو مگر عملاً معرکہ قتال گرم نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ عملاً جنگ ہو رہی ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک نماز مؤخر کر دی جائے گی۔ امام مالکؒ اور امام ثوریؒ کے نزدیک اگر رکوع و سجود ممکن نہ ہو تو اشاروں سے پڑھ لی جائے۔ نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں نہیں پڑھیں اور پھر موقع پا کر علی الترتیب انہیں ادا کیا حالانکہ غزوہ خندق سے پہلے صلوٰۃ خوف کا حکم آ چکا تھا۔ صلوٰۃ خوف کی ترکیب کا انحصار بڑی حد تک جنگی حالات پر ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف طریقوں سے نماز پڑھائی ہے اور امام وقت مجاز ہے کہ وہ ان طریقوں میں سے جس طریقہ کی اجازت جنگی صورتِ حال دے اسی کو اختیار کرے۔ (71)

آیتِ مذکورہ میں جہاد اور ہجرت کا ذکر ہے چونکہ غالب احوال میں جہاد ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور ایسے سفر میں مخالف کی طرف سے اندیشہ بھی اکثر ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے جو نماز میں بعض خاص سہولتیں اور تخفیفیں کی گئی ہیں۔ نماز خوف کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اگرچہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات اب ہم میں موجود نہیں اس لئے کہ یہ شرط اس وقت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی بلا عذر کے امام نہیں بن سکتا۔ آپ ﷺ کے بعد جو امام ہوگا وہ آپ ﷺ کے قائم مقام ہے وہی صلوٰۃ خوف پڑھائے گا تمام ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف کا حکم آپ ﷺ کے بعد بھی جاری و ساری ہے منسوخ نہیں ہوا (72)

احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے نمازِ خوف کا ثبوت :

احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے نماز خوف کا ثبوت ملتا ہے نماز خوف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مذکور ہے۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ رحمہ اللہ ، عَمَّنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلوٰةَ الخَوْفِ: أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ ، وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ ، فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً ، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِماً ، وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا ، فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِساً ،

وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ(73)

ترجمہ: "حضرت صالح بن خوات ؒ نے ایسے شخص سے روایت کیا ہے جس نے ذات الرقاع کے دن نبی ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی تھی۔ اس شخص نے بیان کیا کہ ایک گروہ نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز کے لئے صف بندی کی اور ایک دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ کے لئے اس کے روبرو صف بند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کے ساتھ صف باندھ کر کھڑے تھے ایک رکعت پڑھائی اور آپ ﷺ سیدھے کھڑے رہے اور انہوں نے اپنے طور پر باقی نماز مکمل کر لی اور چلے گئے۔ جا کر دشمن کے سامنے صف بند ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا آپ ﷺ نے اسے باقی اپنی ایک رکعت پڑھائی اور بیٹھے رہے انہوں نے اس دوران میں اپنے طور پر نماز مکمل کر لی پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ نماز خوف کے بارے میں ایک اور حدیث جس کے راوی ابن عمرؓ ہیں۔

وعن ابن عمرؓ قال: غزوت مع رسول الله ﷺ قبل نجد فوازينا العدو، فصاففناهم فقام رسول الله ﷺ يصلي لنا فقامت طائفة معه، وأقبلت طائفة على العدو، وركع رسول الله ﷺ بمن معه، وسجد سجدتين، ثم انصرفوا مكان الطائفة التي لم تصل، فجاءوا، فركع رسول الله ﷺ بهم ركعة، وسجد سجدتين، ثم سلم فقام كل واحد منهم، فركع لنفسه ركعة وسجد سجدتين (74)

ترجمہ: "حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نجد کی طرف نبی ﷺ کی معیت میں کسی غزوہ میں گیا۔ ہم دشمن کے بالکل مقابل صف بستہ تھے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہمیں نماز پڑھائی۔ ایک جماعت نماز ادا کرنے آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑی ہو گئی جو جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک تھی اس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کئے اور اس گروہ کی جگہ واپس چلی گئی جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی اس جماعت کے افراد آئے آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی دو سجدوں کے ساتھ۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا مگر دونوں گروہوں نے اٹھ کر الگ الگ اپنی رکعت پوری کی۔"

صلوٰۃ خوف کے سلسلے میں آنحضور ﷺ کی چھ یا سات صحیح احادیث بھی ثابت ہے۔ ان میں سے جس کے مطابق پڑھی جائے جائز ہے۔ کوئی مخصوص طریقہ نہیں حالات کے مطابق جس طور پر پڑھنا ممکن ہو پڑھ لی جائے۔

اس نماز کے مسنون و مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صلوٰۃ خوف کئی طریقہ سے پڑھی گئی ہے جیسا موقع محل ہوتا تھا اس کی مناسبت سے نماز ادا کی گئی۔ مذکورہ احادیث میں وہی صورت ذکر ہوئی جسے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔(75)

5- نمازِ جنازہ

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ابتدائے آفرینش سے لے کر روز ابد تک کوئی منکر نہیں۔ یہ انسانوں کی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے کہ روز مرہ آنکھوں کے سامنے ہر ایک کے اعزاء، اقرباء، احباب و رفقاء میں کوئی نہ کوئی موت کا جام پیتا ہے یعنی

"ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" (76)

چنانچہ سب اس وقت بے بس ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر قدرتی طور پر دلوں میں نرمی، خوف، محاسبہ اعمال، قیامت کے ہولناک مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں جس سے طبیعت میں قیامت کی تیاری کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور انسان نیک اعمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے موت کو ہمیشہ یاد رکھنے کا حکم ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "لذتوں کو توڑ دینے، کاٹ دینے والی کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔"

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔

5.1 میت کا غسل و کفن کا طریقہ

اس ضمن میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لیے لوگ زندگی میں نہانے کے لیے استعمال کرتے ہیں اس کے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے۔ اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور میت کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے پھر اکرام و احترام کے

ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت رحمت کے سپرد کر دیا جائے۔(77)

غسل وکفن کے بارے میں احادیث مبارکہ

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نُغَسِّلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ اِنْ رَأَيْتُنَّ ذَالِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَأَلْقٰى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ وَفِي رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا (78)

ترجمہ: "حضرت ام عطیہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دے دینا اور آخری دفعہ میں کافور بھی شامل کر لینا، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دینا (ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دے دی تو آپ ﷺ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو۔"

اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو طاق دفعہ غسل دینا تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور دائیں اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کرنا۔"

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ (79)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے، ان تین کپڑوں میں نہ تو کرتا تھا اور نہ عمامہ۔"

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ (80)

ترجمہ: "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔"

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ(81)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو وہ تمہارے لئے اچھے کپڑے ہیں اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔"

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُغَالُوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُهُ سَلْبًا سَرِيْعًا(82)

ترجمہ: "حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کیونکہ وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

احادیث بالا سے معلوم یہ ہوا کہ میت کو بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دیا جائے۔ ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے اور مناسب سمجھا جائے تو پانچ دفعہ یا سات دفعہ غسل دیا جائے لیکن اس میں طاق عدد کا لحاظ رکھا جائے اور آخر میں پانی میں کافور ملا کر میت کو غسل دیا جائے۔ تین عدد سفید کپڑوں سے میت کو کفنایا جائے۔ یہی مسنون طریقہ ہے۔ (سفید لباس آنحضور ﷺ کا پسندیدہ و محبوب لباس تھا۔ گو آپ نے کبھی کبھی رنگ دار لباس بھی زیب تن فرمایا۔ مرنے والوں کو بھی سفید کفن ہی دینا چاہیے بامر مجبوری دوسرے رنگ کا کپڑا بھی کفن میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔) میت کے لئے کفن کے کپڑے اچھے اور مناسب ہوں جو میت کے اعزاز و اکرام کا تقاضا اور حق ہے۔ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کپڑے کا دیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔ یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے اور درمیانی حیثیت کے اچھے کپڑے کا کفن دینے کے مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی اطاعت رکھتے ہوں ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور پرانے کپڑے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہے۔

غزوہ احد میں حضور ﷺ کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو صرف ایک پرانی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا دیا

گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (83)

5.2 نمازِ جنازہ پڑھنا اور اس کا ثواب

نماز جنازہ کے پڑھنے سے یہ غرض ہے کہ مسلمان اپنے مردہ بھائی کو دعاء خیر سے مرنے کے بعد بھی محروم نہ رکھے اور اپنی دعاءِ خیر کا توشہ اس مسافرِ آخرت کے ساتھ کر دے تا کہ اس دشوار گزار منزل میں اس کے کام آئے مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کرنے کے واسطے جمع ہونا میت پر رحمت الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے۔ جنازہ کی نماز حقیقت میں ارحم الرحمین سے میت کے لئے دعا ہے۔ جنازہ پڑھنے، جنازہ کے ساتھ جانے اور دفن میں شرکت بڑی فضیلت کا موجب ہے جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شریک ہو کر واپس آگیا وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا قیراط رائج کے قول کے مطابق درہم کا بارھواں حصہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا اور یہ بھی واضح فرمایا کہ اس کو دنیا کا قیراط نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلے میں اتنا بڑا ہوگا جتنا احد پہاڑ اس کے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ آپ ﷺ نے ساتھ یہ بھی وضاحت فرمادی کہ اس پر عظیم ثواب تب ہی ملے گا جب کہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ اور رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی امید ہو پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کا جی خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا، اللہ اور رسول کا حکم اور آخرت کا ثواب اس پیش نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہ ہوگا۔

ذیل میں دی گئی حدیث سے نماز جنازہ کے متعلق اس کی ترغیب اور فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ (84)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو آدمی صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر واپس آ جائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (اتنا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔"

5.3 نمازِ جنازہ اور اس میں میت کے لئے دعا

نمازِ جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعا ہی ہے۔ اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دعا کی تمہید ہے۔ حضور ﷺ نمازِ جنازہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے اس میں کچھ بہترین دعائیں یہ ہیں۔

عن ابو هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء (85)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لئے دعا کرو۔"

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذَالِكَ الْمَيِّتَ (86)

ترجمہ: "حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے۔ اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت

فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف فرمادے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرمادے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کے بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے (اور ٹھنڈا اور پاک کر دے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرمادے جس طرح اجلے سفید کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرمادیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلہ میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلے میں اچھا رفیق حیات عطا فرمادے اور اس کو جنت میں پہنچادے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو پناہ دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک صحابی) کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔"

عَنْ اَبِی ھریرۃ قال قال کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلّٰی عَلَی الْجَنَازَۃِ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ. اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَہٗ (87)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازہ پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے، اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو تو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا۔ اے اللہ! اس میت کو موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں ڈال۔"

عَنْ وَاثِلَۃَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِہٖ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (88)

ترجمہ: "حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپ ﷺ یہ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ!

تو اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس پر رحمت فرما، تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

نماز جنازہ میں رسول اللہ ﷺ سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں جو مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہوئیں۔ پڑھنے والے کو اختیار ہے جو دعا چاہے پڑھے اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا احادیث سے خاص کر ابو ہریرہؓ اور عوف بن مالکؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرام نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اس لئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں باآواز دعا پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا ورنہ عام قانون اس دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ پڑھنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً "اپنے رب سے دعا کرو عاجزی اور مسکینی کے ساتھ چپکے چپکے۔"(89)

5.4 جنازہ میں کثرت تعداد کی برکت اور اہمیت

احادیث رسول اللہ ﷺ میں نماز جنازہ میں کثرت تعداد کی برکت واہمیت کی وضاحت موجود ہے کہ نماز جنازہ میں لوگوں کا بکثرت شامل ہونا باعث برکت ورحمت ہے۔ اس ضمن میں احادیث رسول اللہ ﷺ درج ذیل ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ (90)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جس کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں (یعنی مغفرت ورحمت کی دعا کریں) تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہوگی۔"

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کریب تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قدید میں یا مقام عسفان میں ہوگیا (جب کچھ لوگ جمع ہو گئے) تو حضرت ابن

عباس نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم ان پر نظر ڈالو، کریب کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے تھے میں نے ان کو اس کی اطلاع دی، انھوں نے فرمایا: تمھارا خیال ہے کہ وہ لوگ چالیس ہوں گے؟ کریب نے کہا۔ ہاں (40 ضرور ہوں گے) ابن عباس نے فرمایا اب جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس مسلمان آدمی کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو (اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اور سفارش کریں) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔"

عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ قَالَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ (91)

ترجمہ: "حضرت مالک بن ہبیرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کا ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت اور جنت کے لئے دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔"

مذکورہ بالا تین حدیثیں ہیں جس میں پہلی حدیث کے مطابق سو مسلمانوں کے نماز جنازہ پڑھنے پر، دوسری حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز جنازہ پڑھنے پر اور تیسری حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت اور جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں گویا کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت دی گئی۔ اس کے بعد مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ ﷺ کو یہی اطمینان دلایا گیا اگرچہ تعداد چالیس سے بھی کم ہو۔ (92)

5.5 میت کے متعلق دیگر امور

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں میت کے متعلق دیگر امور پر بحث و ہدایات ہیں جو ذیل میں مختصراً دی جا رہی ہیں۔

1۔ مرنے والے کی روح جب جسدِ خاکی سے پرواز کر جائے تو اس کی آنکھیں عموماً کھلی رہ جاتی ہیں۔ انہیں فوراً بند کر دینا چاہیے کیونکہ جسم ٹھنڈا ہونے کے بعد آنکھ کا بند ہونا دشوار ہو جاتا ہے اس کے علاوہ مرنے والے کے اہل و عیال اور حتی الامکان اعزہ و اقرباء کو اس کے پاس ہونا چاہیے تاکہ مرنے سے پہلے اگر وہ کوئی بات یا نصیحت کرے تو اس کے گواہ بن سکیں۔

2۔ حقوق العباد مرنے والے سے معاف نہیں ہوتے تاوقتیکہ جس کا حق تھا وہ حق دار اسے از خود معاف نہ کر دے۔ اسی طرح قرض کا بار میت کے ذمے ہوتا ہے جب تک اس کی طرف سے وہ قرض ادا نہیں کر دیا جاتا خواہ وہ کوئی رشتہ دار ادا کرے یا احباب و رفقاء سے کوئی یا ریاست اپنی شہری کی حیثیت سے اس کا قرض ادا کر دے۔ اگر مرنے والا مفلس اور غریب تھا اتنا مال ہی ترکہ میں پیچھے نہیں چھوڑا تو پھر اسلامی حکومت یا ریاست اس کے قرض ادا کرنے کی پابند ہوگی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"مرنے والا جو مال اپنے پیچھے چھوڑ کر مرے تو وارثوں کا حق ہے اور جو قرض اس کے ذمہ تھا وہ میرے اور میرے والیان ریاست کے ذمے ہے ہم اسے ادا کریں گے۔"

3۔ قبر بنانے کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ دوسری صورت میں شق کی شکل میں قبر بنائی جا سکتی ہے۔ زمین کے کچی ہونے کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں حسب موقع دونوں طرح قبریں بنائی جاتی تھیں لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

4۔ میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور سورہ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ہے اور قبر پر سورہ

حوالہ جات

1۔ تفسیر ابن کثیر تحت قول تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا، سورۃ النساء جلد 1، ص 96

2۔ سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی المحافظۃ علی الصلوات جلد ا ص 67

3۔ احکام القرآن (ابوبکر احمد بن علی الجصاص) جلد: ۳، ص ۲۸۔

4۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی) جلد: ۵، ص ۳۵۶۔

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت جلد نمبر ص 62

6۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانی)، جلد: ۳، ص: ۱۱۹تا۲۰۔

7۔ احکام القرآن (ابوبکر احمد بن علی الجصاص)، جلد ۳، ص: ۲۸۔

8۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ (باب وقت الفجر)، جلد ۱، ص ۸۲۔

9۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الاسفار بالفجر، جلد: ۱، ص ۴۰۔

10۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر لمن یمضی الی الجماعۃ وینالہ الحر فی طریقہ، جلد: ۱، ص: ۲۲۴۔

11۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب الابراد بالظہر فی السفر، جلد ۱، ص ۷۷۔

12۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب استحباب تقدیم الظہر فی اول الوقت فی غیر شدۃ الحر، جلد ۱، ص: ۲۲۵۔

13۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب استحباب تقدیم الظہر فی اول الوقت فی غیر شدۃ الحر، جلد: ۱، ص ۲۲۵۔

14۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب وقت العصر، جلد: ۱، ص ۷۸۔

15۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب وقت العصر، جلد: ۱، ص ۷۷۔

16۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب التغلیظ فی تفویت صلوٰۃ العصر، جلد ۱، ص: ۲۲۶۔

17۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس، جلد ۱، ص ۲۲۳۔

18۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب، جلد ۱، ص: ۷۹۔

19۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب فضل العشاء، جلد: ۱، ص: ۸۰۔

20۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب وقت العشاء وتاخیرہا، جلد: ۱، ص: ۲۴۹۔

21۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد ۳، ص: ۱۱۹-۱۲۰۔

22۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد: ۳، ص: ۱۹۱۲ تا ۱۹۲۱۔

23۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحب) جلد: ۱، ص: ۲۱۷۔

24۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (ابو عبداللہ محمد بن الانصاری القرطبی) جلد: ۱، ص: ۳۵۰۔

25۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت

26۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانی)، جلد: ۱، ص: ۲۷۱۔

27۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانی)، جلد: ۱، ص: ۲۷۱۔

28۔ احکام القرآن (ابو بکر احمد بن علی الجصاص)، جلد: ۵، ص: ۸۳۔

29۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ فی التشدید فی ترک الجماعۃ عن ابی الدرداء، جلد: ۱، ص: ۸۸۔

30۔ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) ص: ۳۷۔

31۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب فضل صلوۃ الجماعۃ، جلد: ۱، ص: ۸۹۔

32۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوۃ باب فی فضل التکبیر والاولی، جلد: ۱، ص: ۵۶۔

33۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ باب فی من خرج یرید الصلوۃ فسبق بھا، جلد: ۱، ص: ۹۰۔

34۔ معارف الحدیث (مولانا منظور نعمانی) جلد: ۳، ص: ۳۰۳۔

35۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب اقامۃ الصف من اتمام الصلوۃ، جلد: ۱، ص: ۱۵۰۔

36۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف اقامتھا، جلد: ۱، ص: ۱۸۲۔

37۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ ب تسویۃ الصفوف، جلد: ۱، ص: ۱۰۴۔

38۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف، جلد: ۱، ص: ۱۰۵۔

39۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ باب مقام الصبیان من الصف، جلد: ۱، ص: ۱۰۵۔

40۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد: ۳، ص: ۲۱۰ تا ۲۱۳۔

41۔ الترغیب والترہیب باب الترغیب فی الامامۃ مع الاتمام والاحسان، جلد: ۱، ص: ۳۱۰۔

42۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، جلد: ۱، ص: ۱۰۳۔

43۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب من أخف الصلوۃ عند بکاء الصبی، جلد: ۱، ص: ۱۰۵۔

44۔ سورہ نساء (۴) آیت نمبر: ۱۰۱

45۔ احکام القرآن (ابو بکر احمد بن علی الجصاص)، جلد: ۳، ص: ۱۔

46۔ احکام القرآن (ابو بکر احمد بن علی الجصاص)، جلد: ۲، ص: ۹۲۸۔

47۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب یقصر اذا خرج من موضعه، جلد: ۱، ص: ۱۴۸۔

48۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانی)، جلد: ۱، ص: ۲۹۱۔

49۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر، جلد: ۱، ص: ۱۴۷۔

50۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی) جلد ۱، ص: ۳۵۷۔

51۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانی)، جلد: ۱، ص: ۲۹۷

52۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحب) جلد: ۲، ص: ۵۳۳، ۵۳۴۔

53۔ تفسیر آیات الاحکام (محمد علی الصابونی) جلد: ۲، ص: ۵۷۰۔

54۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانی)، جلد: ۳، ص: ۳۷۵، ۳۷۶۔

55۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانی) جلد: ۱، ص: ۳۰۱۔

56۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانی) جلد: ۳، ص: ۳۷۶، ۳۷۷۔

57۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحب)، جلد: ۸، ص: ۴۴۱۔

58۔ تفہیم القرآن (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ)، جلد: ۱، ص: ۴۹۳، ۴۹۵۔

59۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحب)، جلد: ۸، ص: ۴۴۱، ۴۴۲۔

60۔ تفہیم القرآن (مفتی محمد شفیعؒ) جلد ۸، ص 441

61۔ تفہیم القرآن (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ) جلد نمبر 1 ص 492تا495

62۔ احکام القرآن (ابو بکر احمد بن علی الجصاص)، جلد: ۲، ص: ۵۹۰، ۵۹۱۔

63۔ ارکان اربعہ (مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ) ص: ۸۸۔

64۔ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) ص: ۸۱۔

65۔ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) ص: ۸۱، ۸۲۔

66۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، جلد: ۱، ص: ۲۸۲۔

67۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب تفریع ابواب الجمعۃ، جلد: ۱، ص: ۱۵۷۔

68۔ تفسیر ماجدی (مولانا عبد الماجد دریابادی)، جلد: ۱، ص: ۲۱۲۔

69۔ تفہیم القرآن (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ)، جلد: ۱، ص: ۳۹۰۔

70۔ تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)، جلد: ۱، ص: ۳۹۱۔

71۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحبؒ)، جلد: ۲، ص: ۵۳۴۔

72۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف، جلد: ۱، ص: ۲۷۹۔

73۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف جلد: ۱، ص: ۱۲۸۔

74۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانیؒ)، جلد: ۱، ص: ۳۱۷ تا ۳۱۸۔

75۔ کل نفس ذائقۃ الموت

76۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد: ۳، ص: ۴۲۸۔

77۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب ما یستحب ان یغسل وترا، جلد: ۱، ص: ۱۶۷۔

78۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب الکفن بغیر قمیص، جلد: ۱، ص: ۱۶۹۔

79۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الکفن جلد: ۲، ص: ۹۳۔

80۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء یستحب من الاکفان، جلد: ۱، ص: ۱۹۳۔

81۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب کراھیۃ المغالاۃ فی الکفن، جلد: ۲، ص: ۹۳۔

82۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد: ۳، ص: ۴۰۷ تا ۴۲۷۔

83۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب الجنائز

84۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء للمیت، جلد: ۲، ص: ۱۰۰۔

85۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ فصل الدعاء للمیت، جلد: ۱، ص: ۳۱۲۔

86۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء للمیت، جلد: ۲، ص: ۱۰۰۔

87۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء للمیت، جلد: ۲، ص: ۱۰۱۔

88۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ) جلد: ۳، ص: ۳۷۹۔

89۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ فصل فی قبول شفاعۃ الاربعین الموحدین فی من صلوا، جلد: ۱، ص: ۳۰۸۔

90۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب فی الصف علی الجنازۃ، جلد: ۲، ص: ۹۵۔

91۔ معارف الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، جلد: ۳، ص: ۳۸۲۔

92۔ بلوغ المرام (احمد بن حجر عسقلانیؒ)، جلد: ۱، ص: ۳۵۹ تا ۳۶۰۔

93۔ صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ باب الجنائز

روزہ اور اس کے احکام

تحریر: معین الدین ہاشمی

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

یونٹ کا تعارف

روزہ ان عبادات میں سے ہے جن کو اسلام کے عمود و شعائر میں سے قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے۔
اسلام کی بنیادی پانچ چیزیں (اعمال) ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اسے وحدہ لاشریک ماننا اور محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا (آخری) رسول ماننا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا۔

زیر بحث یونٹ میں صوم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، فرضیت صوم کے مراحل، روزہ کے احکام، گزشتہ امتوں میں روزہ کا حکم اور رویت ہلال، شک کے دن کا روزہ، صوم رمضان کی قضاء، مریض کا روزہ، مسافر کا روزہ، سحری کا وقت، اعتکاف، قتل خطاء کے روزے، قسم کے کفارہ کے روزے، ظہار کے کفارہ کے روزے وغیرہ شامل ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

1۔ صوم کا لغوی و اصطلاحی معنی جان سکیں۔
2۔ فرضیت صوم کے مراحل جان سکیں۔
3۔ روزہ کے احکام جان سکیں۔
4۔ گزشتہ امتوں میں روزہ کا حکم جان سکیں۔
5۔ رویت ہلال کے احکام جان سکیں۔
6۔ رمضان کی قضاء کے احکام جان سکیں۔
7۔ مریض کا روزہ، مسافر کا روزہ، سحری کے احکام جان سکیں۔
8۔ اعتکاف کے احکام جان سکیں۔
9۔ قتل خطاء کے روزے، قسم کے کفارے کے روزے، ظہار کے کفارہ کے روزے وغیرہ کے احکام جان سکیں۔

فہرست

1- روزہ اور اس کے احکام

1.1 صوم کا مفہوم

صوم کے لئے اردو میں معروف لفظ روزہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت کی اصطلاح میں اس کے معانی، رک جانے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک تین اشیاء سے اپنے آپ کو مکمل طور پر روکنے کا نام صوم (روزہ) ہے۔

1- کھانے سے رکنا

2- پینے سے رکنا

3- وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے رکنا

عام طور پر صبح سے شام تک ان اشیاء سے رکے رہنے والا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس نے فرض بطریق احسن ادا کر دیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا تین اشیاء کے ذیل میں بھی کئی ایک ضروری احکام و مسائل ہیں جن کی صحیح بجاآوری کے بغیر روزہ کا فرض صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔

اس یونٹ میں روزہ سے متعلق قرآنی آیات الاحکام کے مطالعہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

ان آیات کے ذیل میں تشریح و مطالب بیان کئے گئے ہیں مختلف فقہاء کے نقطہ نظر کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ روزہ سے متعلق ضروری احکام و مسائل کو سمجھ سکیں۔

لفظ "صوم" کے لغوی معنی ہیں "امساک" یعنی کسی شے سے رک جانا۔ شریعت کی اصطلاح میں نیت کے ساتھ تین چیزوں سے دن صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک رکے رہنے کا نام "صوم" ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں:

1- امساک عن الطعام (کھانے سے رکنا)

2۔ امساک عن الشرب (پینے سے رکنا)

3۔ امساک عن الجماع (وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے رکنا)

صوم یعنی روزہ اُن عبادات میں سے ہے جن کو اسلام کے عمودِ شعائر میں سے قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"بنی الاسلام علیٰ خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة و صوم رمضان وحج البيت من استطاع اليه سبيلا"

یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں (اعمال) ہیں۔ اللہ پر ایمان لانا اور اُسے وحدہ لاشریک ماننا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا (آخری) رسول ماننا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا۔

علاوہ ازیں امت محمدی کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ کوئی مسلمان ان کی فرضیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

1.2 فرضیت صوم کے مراحل

رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔ اس سے قبل ہر ماہ کے تین روزے اور عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ صوم رمضان کی فرضیت کے بعد ان روزوں کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ روزے کی فرضیت تین مرحلوں سے گزری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ہر ماہ تین دنوں کے روزے اور یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت "کتب علیکم الصیام" (تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں) کے ذریعہ رمضان کے روزے فرض کر دیئے۔

1.3 روزہ کی اقسام

روزے کی تین اقسام ہیں

(1) فرض (2) واجب (3) سنت۔

1۔ فرض : رمضان المبارک کے مہینے کے روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔

2۔ واجب : نذر ماننے سے جو روزے لازم ہوں وہ واجب ہیں۔

3۔ سنت : مندرجہ بالا دونوں اقسام کے علاوہ جو بھی روزہ ہے وہ نفلی ہوگا۔

1.4 صوم کے موضوع پر آیات الاحکام

صوم رمضان سے متعلق قرآن مجید میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة: 183)

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة:184)

ترجمہ: روزہ رکھ لیا کرو پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ یہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے۔ اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے۔ اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرة:185)

ترجمہ: ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلالت ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں، اور تاکہ تم لوگ شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو طریقہ بتلا دیا اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کیا کرو۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (البقرة:187)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة: 183)

(اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے (امتوں) پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ)

1.5 فرضیت صوم

مذکورہ بالا ارشاد باری تعالیٰ "کتب علیکم الصیام" کے ذریعہ ہم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔ احکام القرآن مؤلف جصاص لکھتے ہیں کہ "کتب علیکم" کے معنی ہیں "فرض علیکم" یعنی تم پر فرض کر دیئے گئے ہیں۔

1.6 گزشتہ امتوں میں روزہ کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ۔

"کما کتب علی الذین من قبلکم" سے معلوم ہوا کہ گزشتہ امتوں پر بھی یہ عبادت یعنی روزے فرض کئے گئے تھے۔

احکام القرآن مصنفہ امام جصاص فرماتے ہیں کہ

چونکہ آیت باری تعالیٰ "کما کتب علی الذین من قبلکم" کے الفاظ اس کی وضاحت نہیں کرتے کہ اس سے پہلی امتوں کے روزوں کی کیا کیفیت تھی یعنی تعداد، وقت اور شرائط وغیرہ سے متعلق ہم یقینی طور پر اتنا کچھ نہیں جانتے کہ ان کے احکام بالکل واضح ہو جائیں۔

گویا اس آیت میں ذکر صیام اپنے مدلول کے لحاظ سے مجمل ہے۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة: 184)

1.7 ایاماً معدودات سے مراد

گزشتہ آیت میں ذکر صیام اپنے مدلول کے لحاظ سے مجمل تھا اس آیت میں "ایاماً معدودات" (گنتی کے چند دن) کا ذکر ہے۔ اس کا اطلاق تھوڑے دنوں پر بھی جائز ہے اور زیادہ دنوں پر بھی۔ چنانچہ ابن عباس اور عطاء سے مروی ہے کہ ایاماً معدودات سے مراد ہر ماہ وہ تین روزے ہیں جب تک رمضان کا حکم نازل نہیں ہوا پھر نزول رمضان (آیت نمبر 185 البقرہ) کے ساتھ ہی یہ روزے منسوخ ہو گئے۔

1.8 روزہ کا فدیہ

عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرۃ:184)

(اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مجبور نہیں (یعنی نہ مسافر ہیں نہ مریض) مگر کسی وجہ سے روزہ رکھنے کا دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی گنجائش ہے کہ وہ روزے کی بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کر دیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ "وان تصوموا خير لكم" (اگر روزہ رکھیں تو یہ ہی تمہارے لئے بہتر ہے)۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا بعد میں آیت "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" (یعنی جیسے رمضان کا مہینہ ملے اس پر روزہ رکھنا لازم ہے) نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اس سلسلہ میں اہم روایات درج ذیل ہیں:

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ روزے کی فرضیت تین مرحلوں سے گزری۔ حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ہر ماہ تین دنوں کے روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر کتب عليكم الصيام سے وعلى الذين يطيقونه فدية کی آیت نازل ہوئی اس کے تحت جو شخص چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو نہ چاہتا نہ رکھتا اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا اور اس طرح اپنے روزہ کا فدیہ ادا کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۔۔۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر جو مقیم اور تندرست ہو رمضان کے روزے فرض کر دیے اور مریض و مسافر کو روزہ نہ رکھنے (اور بعد میں قضا کرنے) کی رخصت دے دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، ابن عباس، علقمہ زہری اور عکرمہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ ابتداء میں جو شخص چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا افطار کر کے فدیہ دے دیتا حتی کہ یہ آیت "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" نازل ہوئی (جس سے روزے فرض ہوئے)۔

ابن عباسؓ اس آیت (وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين) کی قرآت "وعلى الذين يطوقونه" کرتے تھے اور اس کی تفسیر میں فرماتے کہ ایسا بوڑھا شخص جو جوانی میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا تھا پھر اس پر بڑھاپا طاری ہو گیا اور کمزوری کی وجہ سے تو اس میں روزہ رکھنے کی طاقت رہی اور نہ ہی وہ کھانا پینا چھوڑ سکے ایسا شخص روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو ایک صاع طعام (گندم وغیرہ) کو دے دے۔

حضرت عائشہؓ حضرت عکرمہ اور بعض دیگر فقہاء بھی اسی قرآت و تفسیر کے قائل ہیں۔

جصاص لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت اس آیت (البقرہ۔185) سے منسوخ ہے جس میں مریض یا مسافر کے لئے دوسرے دنوں میں روزہ کی قضا کا ذکر ہے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

شیخ فانی روزوں کا فدیہ ادا کر سکتا ہے۔

مذکورہ بالا قرآت "يطيقونه" سے مراد ایسا بوڑھا ہے جو قضا سے مایوس ہو یعنی جسے اپنی بیماری سے اٹھنے کا یقین نہ ہو۔ تو ایسا شخص روزوں کا فدیہ ادا کر سکتا ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور اگر اس قرآت کی یہ تاویل کی جائے تو آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت بھی نہیں رہتی (احکام القرآن)۔

1.9 فدیہ کی مقدار

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر کے نزدیک فدیہ کی مقدار نصف صاع یعنی تقریباً پونے دو سیر گندم ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ:

"اگر مرنے والے شخص کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں اور وہ قضا نہ کر سکے تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو نصف صاع کھانا کھلایا جائے"۔

ایک دوسری حدیث میں بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا ذکر بھی آیا ہے۔ پونے دو سیر گندم یا اس کی بازاری قیمت (Market Value) کسی غریب مسکین کو مالک بنا کر دے دینے سے ایک روزہ کا فدیہ ادا ہو جائے گا۔

ایک روزہ کے فدیہ کو دو دو مسکینوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک ہی تاریخ میں

دینا درست نہیں (معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ 390)۔

اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو وہ فقط توبہ واستغفار کرے اور دل میں یہ نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا فدیہ ادا کر دوں گا (معارف القرآن 390)

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ

(اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لئے بہتر ہے)

تطوع سے مراد بھلائی ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ روزہ اور مسکین کو کھانا کھلانا دونوں کام کرے اور یہ بھی کہ بجائے نصف صاع کے مسکین کو فدیہ کی مقدار زیادہ ادا کر دے۔ علاوہ ازیں اگر مسافر سفر بھی کریں اور روزہ بھی رکھیں تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرة: ١٨٥)

گزشتہ دونوں آیات کے حکم میں اجمال کو اس آیت نے مکمل طور پر واضح کر دیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ روزہ مکمل مہینہ تک رکھنا فرض ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے ذریعہ وقت کا تعین بھی کر دیا گیا کہ روزوں کا مہینہ رمضان ہی ہے۔ چنانچہ جصاص لکھتے ہیں کہ: اس آیت سے (ایاماً معدودات) کی تعداد، ان کا وقت اور ان میں روزہ رکھنے کا حکم واضح ہو گیا۔

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

جو کوئی رمضان پالے تو وہ روزے رکھے

1.10 شہود رمضان

شہود رمضان سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک رویت ہلال یعنی رمضان کا چاند نظر آنا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ

سے روایت ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

الشهر تسع و عشرون ولا تصوموا حتی تروه ولا تفطروا حتی تروه، وان غم عليكم فاقدروا له

یعنی مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں جب تک رمضان کا چاند نظر نہ آجائے روزہ نہ رکھو اور جب تک شوال کا چاند نظر نہ آجائے روزہ نہ چھوڑو، اگر بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آسکے تو اس کا حساب لگالو (یعنی تیس دن مکمل کرلو)

علاوہ ازیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ :

تصوموا حتی تروا الهلال فان غم عليكم فاقدروا ثلاثين

جب تک چاند نظر نہ آئے روزہ نہ رکھو اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دنوں کا اندازہ لگاؤ۔

اس حدیث سے مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ "فاقدروا له" کی وضاحت ہوگئی کہ اس صورت میں تیس دنوں کی گنتی مکمل کرلو۔

2- رویت ہلال

رویت ہلال کی گواہی کے متعلق فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ احناف اور امام جعفر صادق کا قول یہ ہے کہ اگر چاند دیکھنے میں کوئی رکاوٹ بادل وغیرہ ہوں تو رمضان کے چاند کے متعلق ایک عادل انسان کی گواہی قبول کر لی جائے (عادل سے مراد ایسا شخص ہے جس کی نیکی اور صداقت نیز اچھے چال چلن کے عام طور پر لوگ قائل ہوں)۔ اور اگر آسمان صاف ہو تو ایک بڑے گروہ کی گواہی ضروری ہے۔ امام ابو یوسف کے مطابق اس بڑے گروہ کی حد 50 افراد ہیں۔

مشہور فقہاء امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی وغیرہ کا قول ہے کہ رمضان اور شوال کی رویت ہلال میں دو عادل آدمیوں کی گواہی قبول کر لی جائے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک عادل آدمی کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔

3- شک کے دن کا روزہ

گزشتہ حدیث جس میں یہ ذکر تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو، سے معلوم ہوا ہے کہ شک کی صورت میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ جصاص فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رمضان کے دخول کے متعلق شک والے دن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ شک کرنے والے کو شہود رمضان ہوا ہی نہیں اس لئے کہ اسے اس کا علم ہی نہیں کہ رمضان شروع ہوا یا نہیں۔ علاوہ ازیں ابو ہریرۃؓ کی روایت بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یوم الداداۃ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا یہ شک کا وہ دن ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ آیا آج شعبان ہے یا رمضان۔ البتہ بعض فقہاء بالخصوص احناف کے نزدیک اس دن سے پہلے سے نفلی روزہ کی نیت کرکے روزہ رکھنا جائز ہے۔

3.1 مجنون اور غیر مکلّف کے احکام رمضان

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کے ذیل میں مفسرین نے یہ مسئلہ بھی بیان کیا ہے کہ "شہود شہر" (یعنی ماہ رمضان کا ملنا) سے مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں مکلف ہونے کی حالت میں ہونا۔ چنانچہ جو لوگ نابالغ اور مجنون ہیں ان کے ذمہ رمضان کے روزے لازم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، اور امام سفیان ثوری کے نزدیک اگر ایک شخص پر پورے رمضان دیوانگی طاری رہی تو اس پر روزوں کی کوئی قضا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں وہ تندرست ہو گیا تو گویا اسے شہود شہر (رمضان کا مہینہ مل گیا) ہو گیا اب روزوں کی قضا اس کے ذمہ ضروری ہوگی۔

رمضان کے کسی حصہ میں نابالغ کا بالغ ہونا یا کافر کا مسلمان ہونا یا حائضہ کا پاک ہو جانا

ارشاد باری تعالٰی "فمن شهد منكم الشهر" سے مراد اس مہینہ کے بعض حصہ کا شہود ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں نابالغ، بالغ ہو جائے اور کافر مسلمان ہو جائے تو رمضان کے بقیہ روزے اس کے ذمہ لازم ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام زفر، امام، امام شافعی کا

قول ہے کہ اب یہ رمضان کے باقی ماندہ روزے رکھیں گے اور حالت کفر میں گزر جانے والے دنوں کی قضا ان کے ذمہ نہیں۔ البتہ حائضہ عورت نے جتنے روزے رہ گئے ہیں ان کی قضا ضروری ہے۔

3.2 تنہا رمضان کا چاند دیکھنا

آیت مذکورہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" سے معلوم ہوا۔ اگر چہ عام المسلمین نے چاند نہیں دیکھا لیکن اگر کسی ایک آدمی نے خود چاند دیکھ لیا تو اس کے لئے "شہود شہر" (مہینہ کا پانا) ہو گیا چنانچہ اس پر روزہ لازم ہو جائے گا اس کے لئے اس وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا کہ باقی تمام لوگوں نے چاند نہیں دیکھا۔

بعض فقہاء کی رائے یہ بھی ہے کہ ایسا آدمی عام المسلمین کے ساتھ ہی روزہ شروع کرے تنہا روزہ نہ رکھے۔

3.3 صوم رمضان کی قضاء

مذکورہ آیت کے حصہ (فعدة من ايام أخر) یعنی (اگر مرض یا سفر کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو دوسرے دنوں میں اتنی گنتی کر کے قضا کرے۔ آیت کے اس حصہ سے رمضان کے روزوں کی قضاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یعنی مریض، مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہیں۔

جہاں تک اس سوال کے جواب کا تعلق ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں مسلسل اور لگاتار روزے رکھنا ضروری ہیں یا حسب سہولت جب چاہے رکھ لے؟ چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک قضا میں مسلسل اور لگاتار روزے رکھنا ضروری نہیں البتہ بعض فقہاء کے نزدیک مسلسل اور لگاتار روزوں کی صورت میں قضاء کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

چونکہ آیت میں لفظ "ایام" کو نکرہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس کے لئے معین دن ضروری نہیں علاوہ ازیں اسی آیت میں فوراً بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے "يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر" اس آیت کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ غیر معین اور غیر مسلسل شکل میں قضا کرنے میں ہی آسانی اور سہولت ہے۔

4- مریض کا روزہ

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا

(لیکن جو آدمی مریض ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی قضا کرے)

اس آیت کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ جس شخص پر لفظ مریض کا اطلاق ہو اس کے لئے افطار (یعنی روزے چھوڑ دینا اور رمضان میں اور بعد میں قضا کرنا) جائز ہے خواہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اسے کوئی ضرر لاحق ہو یا نہ ہو۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس امر میں جمہور علماء و فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ایسا مریض جسے روزہ رکھنے کی صورت میں کوئی ضرر لاحق نہ ہو اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا قول ہے کہ اگر کسی کو اس بات کا خوف ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کی آنکھ کی تکلیف بڑھ جائے گی یا بخار اور شدت اختیار کرے گا تو وہ روزہ نہ رکھے۔

امام مالک کا قول ہے کہ جو شخص روزے کی وجہ سے نڈھال ہو جائے تو وہ روزہ توڑ دے اور اس کی قضا کرے۔

امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اگر روزے کی وجہ سے مرض کی شدت میں نمایاں اضافہ ہو جائے تو پھر روزہ نہ رکھے اور اگر شدت قابل برداشت ہو تو روزہ نہ چھوڑے۔

امام اوزاعی کا قول ہے کہ جس شخص کو کسی قسم کا بھی مرض لاحق ہو جائے اس کے لئے روزہ چھوڑ دینا حلال ہو گا لیکن اس صورت میں جب کہ مرض کی وجہ سے اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔ البتہ اگر اسے مرض میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ چھوڑے۔

مندرجہ بالا آیت اور اس کے ذیل میں فقہاء کے اقوال سے یہ ثابت ہوا کہ مریض کے لئے روزہ چھوڑنے کی اجازت روزے کی وجہ سے مرض بڑھ جانے پر موقوف ہے۔ نیز جب تک اسے ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو اس وقت تک اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔

4.1 حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا روزہ

حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) اگر یہ محسوس کرے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے آپ یا بچے کو تکلیف ہونے کا خدشہ ہے تو وہ روزہ چھوڑ (بعد میں قضا) کر سکتی ہے۔ یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

فقہاء کے نزدیک حاملہ کا عذر بھی بیماری کے ضمن میں داخل ہے اور دودھ پلانے والی کے عذر کا تعلق اندیشہ ضرر سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اُسے (آئندہ قضاء کے ساتھ) روزہ کی معافی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے "اللہ تعالیٰ نے مسافر کے حق میں آدھی نماز اور روزہ معاف کر دیا ہے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو بھی"۔

4.2 مسافر کا روزہ

اولیٰ سفر:۔ مسافر کے لئے سفر کے دوران روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے۔ جہاں تک حد سفر کی بات ہے تو آیت میں سفر کی کوئی تخصیص نہیں یعنی کوئی معلوم و مقرر حد نہیں جس کے ذریعہ کم یا زیادہ سفر کی پابندی مراد لی جائے۔ تاہم اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ افطار کو مباح کر دینے والے سفر کے لئے ایک مقررہ حد ضروری ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ حد تین منزل یعنی تین دن اور تین راتوں کی پیدل مسافت ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ حد دو دنوں کی ہے، بعض ایک دن کی حد بھی لگاتے ہیں۔

فقہاء کرام نے سفر کی یہ حد دراصل لفظ سفر کے معانی سے لئے ہیں، مثلاً لغت میں سفر کے کئی معانی ہیں۔ جصاص لکھتے ہیں کہ سفر کا لفظ سفر بمعنی کشف سے نکلا ہے۔ عربوں کا محاورہ ہے "سفرت المرأة عن وجهها"۔ عورت نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ یا "اسفر الصبح" صبح ظاہر ہو گئی۔ علاوہ ازیں کہا جاتا ہے، اسفر وجهه اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔ اسی بناء پر دور کی جگہ کی طرف نکل پڑنا سفر کہلاتا ہے اس لئے کہ یہ مسافر کے اخلاق و حالات سے پردہ اٹھا دیتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اگر سفر کے وہ معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے، تو اس کا ظہور تھوڑے سے وقت اور ایک یا دو دنوں (پیدل مسافت کی شکل میں) میں نہیں ہو سکتا۔ اگر سفر کے بارے میں لوگوں کے عمومی رویے کا اعتبار کیا جائے

تو بھی تھوڑی سی مسافت سفر نہیں کہلاتی بلکہ طویل مسافت سفر کہلاتی ہے۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تین دن اور رات کی مسافت صحیح معنوں میں سفر ہے۔ علاوہ ازیں حضور ﷺ سے مروی چند احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی احکام میں تین دن کی مسافت کو سفر سمجھا جائے، ان میں سے ایک حدیث ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "آپ ﷺ نے عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع فرمایا تھا" ایک روایت میں دو دن اور ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ کوئی عورت محرم کے بغیر ایک دن کے سفر پر بھی نہ نکلے۔ (جصاص)

فقہاء احناف کے نزدیک 3 دن 3 والی حد جس روایت میں ہے اس میں زیادہ احتیاط ہے اور اس میں ایک اور دو دن والی روایات پر بھی ساتھ ہی عمل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت دیگر روایات کی نسبت مختلف.......... نہیں لہذا اس روایت کے مطابق حکم متعین کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ تین دن سے کم کی مدت میں افطار نہیں ہے۔

فقہاء کرام کی رائے ہے کہ سفر میں اختیار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے چھوڑ دے۔

4.3 پندرہ دن سے زائد قیام کرنے والا مسافر

او علیٰ سفر کے ذیل میں ایک مسئلہ فقہاء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے۔ البتہ آرام کرنے یا چند دن تک کسی کام کی غرض سے ٹھہر جانے والا آدمی مسافر کی قید سے خارج نہیں ہو گا، البتہ ایک حدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے والا او علیٰ سفر کے ضمن میں نہیں آئے گا یعنی مسافر نہیں کہلائے گا۔ لہذا وہ اس رخصت سفر کا مستحق نہیں ہو گا۔

اگر کوئی آدمی پندرہ دن سے زیادہ کا سفر کرنے لیکن وہ کسی ایک جگہ قیام نہ کرے بلکہ ضرورت کی غرض سے متفرق مقامات میں قیام کرتا رہے تو وہ "او علیٰ سفر" کی حالت میں شمار ہو گا یعنی مسافر ہو گا۔ اب آدمی روزہ افطار کر سکتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ

الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (البقرة: 187)

رمضان میں بعض ایسی حلال ہونے والی اشیاء جو شروع میں حلال نہ تھیں :۔

آیت کے شروع میں لفظ "احل لکم" (تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی۔

حضرت ابن عباسؓ، براء بن عازبؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ جب پہلے پہل روزہ فرض ہوا تھا اس وقت اس کی صورت یہ تھی کہ کوئی شخص اگر رات کو سو جاتا تو پھر اس پر کھانا پینا، اور بیوی سے صحبت کرنا حرام ہو جاتا۔ چنانچہ کئی صحابہ کو بعض مرتبہ بہت مشکلات پیش آئیں۔ مثلاً قیس بن حرمہ انصاریؓ ایک مرتبہ دن بھر مزدوری کر کے افطار کے وقت گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بیوی نے کہا کہ میں کہیں سے انتظام کر کے لاتی ہوں۔ جب وہ واپس آئی تو دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی، اب بیدار ہوئے تو کھانا پینا حرام تھا، اگلے دن اسی طرح روزہ رکھا، دوپہر کو ضعف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے (ابن کثیر) اسی طرح بعض دیگر صحابہ سونے کے بعد اٹھ کر اپنی بیویوں سے اختلاط کر کے پریشان ہوئے۔ آیت کے حصہ " علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم " میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ان تمام واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

چنانچہ اس آیت سے پہلا حکم منسوخ ہوا اور غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک پوری رات کھانے پینے اور مباشرت کرنے کی اجازت دی گئی۔

4.4 قرآن سے سنت کا نسخ :

اس آیت سے قرآن کا نسخ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ فرضیت روزہ میں پہلے پہل رات کو سو جانے کے بعد اشیاء حرام تھیں ان کا ذکر قرآن میں مذکور نہیں تھا بلکہ سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ اشیاء ناجائز تھیں (مسند احمد) اب قرآن

کی آیت نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور ان اشیاء کو حلال کر دیا۔

علاوہ ازیں اس آیت سے یہ واضح اشارہ بھی ملتا ہے کہ پہلا حکم اگرچہ سنت سے تھا لیکن وہ بھی حکم خداوندی تھا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن کے ذریعہ اشیاء حلال و حرام ہوتی ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بھی یہ حیثیت حاصل ہے کہ اس سے بھی اشیاء اسی طرح حلال و حرام ہو سکتی ہیں، جس طرح قرآن مجید کے حکم سے ہوتی ہیں۔

5- سحری کا وقت

ارشاد باری تعالیٰ "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخر میں جب سفید اور سیاہ دھاگے میں فرق نظر آنے لگے اس وقت تک سحری کھانا جائز ہے اور شروع اسلام میں بعض صحابہ نے اس طرح بھی کیا۔

جصاص نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شروع اسلام میں یہ آیت "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ" تک نازل ہوئی تھی۔ جس سے بعض صحابہ نے اپنے پاؤں سے دھاگے باندھ کر اندازہ کرنا شروع کیا۔ لیکن بعد میں "من الفجر" کے الفاظ بھی نازل ہونے تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد صبح کا وقت ہے اور آیت سے مراد رات اور دن ہیں۔ یعنی رات ختم ہو جائے اور صبح صادق طلوع ہو جائے تو پھر سحری کھانا جائز نہیں۔ اگر کسی نے وقت باقی سمجھ کر کچھ کھا پی لیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو صبح صادق تھی تو ایسی صورت میں اس آدمی کے ذمہ اس روزے کی قضا واجب ہے۔

5.1 اعتکاف

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ

اور تم مساجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت نہ کرو۔

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ رک جانے اور ٹھہر جانے کے ہیں، اصطلاح شرع میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے۔

آیت کے لفظ "فی المساجد" سے معلوم ہوا کہ ہر مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ فقہاء نے اس لفظ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جس مسجد میں جماعت کی نماز ہوتی ہو صرف وہاں اعتکاف ہو سکتا ہے۔ فقہاء کی یہ شرط دراصل مسجد کے مفہوم سے ہی لی گئی ہے کیونکہ مساجد بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ پر دوکان و مکان میں ہو سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ حالت اعتکاف میں بیوی کے ساتھ مباشرت جائز نہیں۔
اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی شرط ہے اور یہ کہ اعتکاف میں بغیر حاجت شرعی و طبعی کے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔
جمہور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں ہی اعتکاف کرنا ہے۔ مساجد میں ان کا اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔
آیت کے آخری حصہ میں "تلك حدود الله فلا تقربوها" سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ روزہ معاملہ میں کھانے پینے اور مباشرت کی جو ممانعت ہے یہ حدود اللہ ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ قریب جانے سے حد شکنی کا احتمال ہے۔ اسی لئے روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا (جس سے پانی اندر جانے کا خطرہ ہو) یا منہ کے اندر کوئی دوا استعمال کرنا، بیوی سے بوس و کنار کرنا مکروہ ہے۔
علاوہ ازیں سحری کھانے اور افطار کرنے میں بھی احتیاط سے کام لینا بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سحری ختم کرنے اور روزہ افطار کرنے میں ایک دو منٹ کی احتیاط کرنا بہتر عمل ہے۔

5.2 حج اور عمرہ کے روزے

حج و عمرہ کے احرام باندھے ہوئے کسی بیماری کے سبب سر یا بدن کے بالوں کو منڈوانے کی مجبوری ہو تو ایسا کرنا جائز ہے مگر اس کا فدیہ دینا ضروری ہے۔ وہ فدیہ صدقہ قربانی یا روزہ کی شکل میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ روزہ کی صورت میں فدیہ کے تین روزے رکھنے ضروری ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرة: 196)

ترجمہ: اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی۔
جو لوگ حج اور عمرہ کو اشہر حج میں جمع کر دیں تو ان پر دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کرنا ضروری

ہے۔وہ یہ ہے کہ جس کو قربانی دینے کی قدرت ہو وہ ایک قربانی دے دے۔ لیکن جسے قربانی کی قدرت نہ ہو تو اس پر دس روزے رکھنے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو ایام حج کے اندر ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے۔اس حکم سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرة:196)

یعنی جو کوئی حج کے ساتھ عمرہ ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس کے ذمہ لازم ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے واپس آنے کے بعد اس طرح یہ پورے دس روزے مکمل ہو جائیں گے۔

5.3 قتل خطاء کے روزے

کسی مسلمان سے کوئی معاہد فریادی کا قتل خطا ہو جائے تو اس قتل خطاء میں خون بہا کے ساتھ ایک مومن غلام لونڈی آزاد کرنا ضروری ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ضروری ہیں۔

روزے مسلسل دو ماہ تک رکھنا ضروری ہیں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا تو از سر نو رکھنے پڑیں گے البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (النساء:92)

"پھر جس کو (فدیہ) میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔"

5.4 قسم کے کفارہ کے روزے

اگر کوئی آدمی مستقبل (آئندہ زمانے) میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو "یمین منعقدہ" کہا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا بقدر ستر پوشی کپڑا دیا جائے یا کوئی غلام آزاد کیا جائے۔اگر ان مذکورہ بالا میں سے کسی

کام کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک تین دن مسلسل و متواتر روزے رکھنا ضروری ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر آئمہ کے نزدیک بھی تین روزے مسلسل رکھنا ضروری ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ بالا تینوں میں سے کسی عمل کی استطاعت نہیں ہو تب روزوں کا حکم ہے۔

اس کفارہ کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ (المائدة: 89)

"یعنی اس (قسم توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا جو اپنے گھر والوں کو (اوسط درجہ میں) دیتے ہو یا (دس محتاجوں کو) کپڑا دینا (اوسط درجہ کا) یا غلام لونڈی آزاد کرنا جس کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا لو۔

5.5 ظہار کے کفارہ کے روزے

ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ ماں، بہن، بیٹی کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے دینا جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی یہ صورت تھی کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا تھا کہ "تم میری ماں کی پشت کی طرح ہو" اسے تجھتے تھے۔ ان کے نزدیک بیوی سے تعلق ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا تھا۔

شریعت اسلامیہ نے اس بری رسم کی دو طرح سے اصلاح فرمائی۔ ایک تو اس رسم ظہار کو ہی ناجائز و گناہ قرار دیا اور اس کی جگہ بقدر ضرورت طلاق کا طریقہ بتایا۔ دوسری اصلاح اس طرح سے فرمائی کہ اگر کوئی آدمی جاہلیت کا ثبوت دیتے ہوئے ظہار کر ہی دے تو اس لفظ سے اسلامی شریعت کے مطابق بیوی ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوتی البتہ یہ کام کرنے والے پر جرمانہ عائد کر دیا کہ اب اس کے لئے اپنی بیوی سے تعلق رکھنے سے قبل کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ وہ کفارہ یہ ہے کہ بیوی سے تعلق رکھنے سے قبل ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ اگر اس پر قدرت نہ

ہو تو دو ماہ کے لگاتار و مسلسل روزے رکھے اور اگر کسی بیماری یا ضعف کے سبب روزوں پر قدرت نہیں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ٥فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ (المجادلة: 3،4)

ترجمہ: اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہیے ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں اس سے تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو٥ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں، پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا، یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسول کے اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی، اور منکروں کے واسطے عذاب ہے دردناک۔

یونٹ نمبر...4

احکام زکوٰۃ اور دیگر مالی عبادات

تحریر:۔ حکیم اللہ
نظر ثانی:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

بدنی عبادات میں جس طرح نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح مالی عبادات میں زکوۃ کو سب سے زیادہ اہمیت ہے، ان دونوں کی ایک جیسی اہمیت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمیں مقامات پر ان دونوں کا تذکرہ یک جا طور پر کیا گیا ہے۔ اس یونٹ میں زکوۃ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، فرضیت زکوۃ اور زکوۃ کی مقدار، قابل زکوۃ اموال کی اقسام، نصاب زکوۃ، زکوۃ کے اغراض و مقاصد، معارف زکوۃ، ٹیکس اور زکوۃ میں فرق، صدقہ فطر کے احکام، نفلی صدقات وغیرہ زیر بحث لائے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ زکوۃ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2۔ فرضیت زکوۃ اور زکوۃ کی مقدار جان سکیں۔
3۔ قابل زکوۃ اموال کی اقسام جان سکیں۔
4۔ نصاب زکوۃ کے احکام جان سکیں۔
5۔ زکوۃ کے مادی اور روحانی فوائد جان سکیں۔
6۔ معارف زکوۃ کے احکام جان سکیں۔
7۔ ٹیکس اور زکوۃ میں فرق جان سکیں۔
8۔ نفلی صدقات کے احکام جان سکیں۔
9۔ صدقہ کے آداب جان سکیں۔

فہرست

1- احکام زکوٰۃ اور دیگر مالی عبادات

اس یونٹ میں اسلام کے ایک بنیادی رکن زکوٰۃ اور دیگر مالی عبادات سے بحث کی گئی ہے تاکہ اس طرح ایک اسلامی ریاست کے مالی ذرائع کا خاکہ بھی سامنے آئے اور اسلامی لٹریچر میں استعمال ہونے والے الفاظ و اصطلاحات سے آگہی بھی حاصل ہو اور یوں ان مالی فرائض و فضائل کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

1.1 اسلام کے دو بنیادی عناصر

اسلام کی پوری تعلیمات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی نجات و فلاح کا دار و مدار دو عناصر پر مبنی ہے اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح۔

ایمان: یہ چند بنیادی اصولوں پر کامل یقین رکھنے کا نام ہے۔

عمل صالح: ان مذکورہ اصولوں کے مطابق عمل کرنے کا نام عمل صالح ہے۔

غور کیا جائے تو ایمان اور عمل صالح کا باہمی تعلق لازم اور ملزوم والا تعلق ہے۔

یعنی ایک کے بغیر دوسرا بے کار ہے اس میں ایمان ایک قسم کی بنیاد ہے اور عمل صالح اس بنیاد پر قائم عمارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسیوں مقامات پر قرآن کریم میں ایمان اور عمل صالح کو فلاح اور نجات کے ذریعے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ العصر کو پڑھئے:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

"زمانے کی قسم انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے"۔

نیک اعمال میں وہ تمام اعمال شامل ہیں جو خدا اور رسول کی دی ہوئے ہدایات کے مطابق اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کے لئے انجام دیئے جائیں اور ان سب کو اخلاقیات، عبادات، اور معاملات کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس بحث میں ہم صرف عبادات کے ذیلی عنوان یعنی مالی عبادات کی حد تک محدود رہتے ہیں اور بدنی عبادات کو اس بحث سے باہر رکھتے ہیں۔

بدنی عبادات میں جس طرح نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اسی طرح مالی عبادات میں زکوٰۃ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور ان دونوں کی ایک جیسی اہمیت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ قرآن کریم میں بتیس مقامات پر ان دونوں کا تذکرہ یک جا طور پر کیا گیا ہے۔ اس یونٹ میں ہم اپنی بحث کو زکوٰۃ اور دیگر مالی عبادات تک محدود رکھتے ہیں۔

2- زکوٰۃ کی لغوی تعریف

عربی لغت میں زا، کاف اور واؤ کے مادہ سے بنے ہوئے زکاۃ کے لفظ کو طہارت نشوونما، برکت اور تعریف وستائش کے معانی کے لئے موقع کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے زکا الزرع کا مطلب ہے فصل اچھی ہوگی اور 'لا تزکوا انفسکم' اپنی تعریف مت کرو اور 'یزکیکم' تمہیں پاک کرے۔

2.1 زکوٰۃ کی اصلاحی تعریف

اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک تو یہ خاص قسم کے مال کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے طور پر خاص قسم کے لوگوں کو دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرا یہ مذکورہ بالا اس حصہ مال کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے مستحق کو دیا جاتا ہے۔ یعنی اس مال کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے جو غریبوں کو مذکورہ شرائط سے دیا جاتا ہے اور زکوٰۃ والے مال کو ادا کرنے کے عمل کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن ص ۲۱۳)

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ کو اس کی اصطلاحی معنی میں ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے طہارت بھی حاصل ہوتی ہے جو دینے والے کے دل کو بخل اور کنجوسی اور خودغرضی اور مادی محبت سے پاک کرتی ہے اور لینے والے کے دل کو حسد، کینہ اور بغض اور چوری اور جھوٹ جیسی کئی بیماریوں سے پاک کر دیتی ہے۔

اسی طرح اس کے نتیجے میں دینے والے مال میں برکت اور تحفظ جیسے بہت سے فوائد کے حصول سے افزائش بھی ہوتی ہے اور لینے والے کے مالی ذرائع میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے ادا کرنے والے کی نیک شہرت بھی ہو جاتی ہے اور معاشرہ میں اس کی عزت وتکریم کی جاتی ہے اور لینے والے کی عزت نفس بھی قائم رہتی ہے اور وہ معاشرہ میں باوقار طور پر زندگی گزارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے مال خرچ کرنے کی تعبیر کے لئے قرآن کریم میں کئی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جیسے زکوٰۃ، صدقہ، قرض حسن اور انفاق۔

یہ سب الفاظ ایک ہی مطلب رکھتے ہیں جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مال خرچ کرنا ہے۔ اس کی پھر مختلف صورتیں ہیں جو اپنی ذات، اہل وعیال، مہمانوں اور پڑوسیوں، غریبوں محتاجوں اور اوقاف کے قیام پر خرچ کرنے پر مشتمل ہیں۔ قرآن کریم میں بدنی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے اور مالی عبادات میں سے اہم ترین عبادت زکوٰۃ کا بار ہا

یک ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان دونوں کا اہتمام معاشرے کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی استحکام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز اسلام سے ہی نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت پر عمل ہوتا رہا ہے لیکن اس کی تکمیل بعد میں آہستہ آہستہ ہوتی رہی ہے۔

2.2 فرضیت زکوٰۃ کا آغاز

اجمالی طور پر تو زکوٰۃ کا حکم آغاز اسلام سے ہی دیا گیا ہے جو ابتدائی مکی سورتوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے حکم کی موجودگی سے ثابت ہے مگر اس کا موجودہ تفصیلی ڈھانچہ ۹ ھ کے پہلے مہینے محرم میں مکمل ہوا جسے پورے عرب میں عمال کے پاس بھیجا گیا اور اس کے لئے بیت المال کا پورا انتظام قائم کر دیا گیا اور عمال کو ہدایت کی گئی کہ اس کے مطابق سالانہ بنیادوں پر زکوٰۃ وصول کی جائے اور مقامی غریبوں میں بانٹ دی جائے۔

2.3 زکوٰۃ کی مقدار

اسلام نے اقتصادیات کے اصولوں کے مطابق دولت کے قدرتی ذرائع کو سامنے رکھتے ہوئے ہر ذریعہ کے لئے مناسب حال شرح کا تعین کر دیا ہے اگر چہ اخلاقی طور پر مسلمانوں کو پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جتنا مال چاہیں خرچ کریں اور اسے صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے لیکن سالانہ بنیاد پر دولت مندوں کو مجبور بھی کر دیا ہے کہ وہ ہر ذریعہ دولت سے ایک مقررہ شرح کے تحت کچھ حصہ غریبوں کو دیا کریں۔ جیسے

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (سورۃ المعارج: ۲۴-۲۵)

''جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے''۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات: ۱۹)

''اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لئے''۔

حق معلوم کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ عرب میں بنی اسرائیل اس طرح کی زکوٰۃ دیا کرتے تھے جو زرعی پیداوار کا دسواں حصہ اور نقد مال کا نصف مثقال دینا وہاں معروف اور رائج تھا۔ حضور کریم ﷺ نے بھی تقریباً اسی طرح کی شرحیں مقرر فرما کر پورے عرب میں اپنے عمال کی ہدایت فرمادی کہ انہی کے مطابق زکوٰۃ وصول کریں یہ تفصیل احادیث کی کتابوں میں

محفوظ چلی آرہی ہیں اور اسلامی ادوار میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ یہ شرحیں ۱/۵، ۱/۱۰، ۱/۲۰ اور ۱/۴۰ ہیں جو مختلف قسم کے اموال میں درج ذیل تفصیل کے ساتھ مقرر کی گئی ہیں۔

2.4 قابل زکوٰۃ اموال کی اقسام

اموال کی چار اقسام کو قابل زکوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔ اول نقد مال (سونا، چاندی اور کرنسی) دوم مال تجارت (برائے فروخت اشیاء) سوم زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اور چہارم مال مویشی اور چوپائے۔ تو سونے چاندی اور کرنسی میں ۱/۴۰ کی شرح زکوٰۃ فرض ہے اور زرعی پیداوار اگر نہری یا کنویں کے پانی سے حاصل ہو تو اس میں ۱/۲۰ کی شرح سے اور اگر بارش کی شرح سے زکوٰۃ فرض ہے اور معدنیات اور دفینوں میں ۱/۵ کی شرح سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔

رہے مویشی چوپائے تو ان کی بھی مختلف اقسام کے لحاظ سے الگ الگ شرح سے ان میں زکوٰۃ فرض ہے۔ جیسے بے نسل حیوان جیسے خچر اور کم تر نسل جیسے گھوڑے اور ہاتھی کو زکاۃ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور دیگر مویشیوں کی الگ الگ شرح کو مقرر فرما کر حضور کریم ﷺ نے اپنے تمام عمال کو آگاہ کیا اور بعد میں خلفاء راشدین نے بھی اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے مطابق اونٹوں، گائیوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے جو شیڈول دیا گیا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

اونٹوں کی زکوٰۃ

ایک سے چار تک میں	کچھ نہیں
۵ سے ۹ تک میں	ایک بکری
۱۰ سے ۱۵ تک میں	دو بکریاں
۱۵ سے ۱۹ تک میں	تین بکریاں
۲۰ سے ۲۴ تک میں	چار بکریاں
۲۵ سے ۳۵ تک میں	ایک یک سالہ (اونٹ کا بچہ)
۳۶ سے ۴۵ تک میں	ایک دو سالہ (اونٹ کا بچہ)
۴۶ سے ۶۰ تک میں	ایک تین سالہ (اونٹ کا بچہ)
۶۱ سے ۷۵ تک میں	ایک چار سالہ (اونٹ کا بچہ)

۷۶ سے ۹۰ تک میں	دو سالہ دو (اونٹ کے بچے)
۹۱ سے ۱۲۰ تک میں	تین سالہ دو (اونٹ کے بچے)
۱۲۰ سے زیادہ ہر چالیس میں	ایک دو سالہ (اونٹ کا بچہ)
۱۲۰ سے زیادہ ہر پچاس میں	ایک تین سالہ (اونٹ کا بچہ)

بھیڑ بکریوں کی زکوۃ

ایک سے ۳۹ تک میں	کچھ نہیں
۴۰ سے ۱۲۰ تک میں	ایک بکری / بھیڑ
۱۲۱ سے ۲۰۰ تک میں	دو بکریاں / بھیڑیں
۲۰۱ میں ۳۰۰ تک میں	تین بکریاں / بھیڑیں
۳۰۰ سے زائد کے ہر سو (۱۰۰) میں	ایک بکری / بھیڑ

گائے بھینسوں کی زکوۃ

ایک سے ۲۹ تک میں	کچھ نہیں
۳۰ میں	ایک دو سالہ بچہ
۴۰ میں	ایک دو سالہ بچہ
۶۰ میں	دو دو سالہ بچے
۷۰ میں	ایک تین سالہ اور ایک دو سالہ
۸۰ میں	دو تین سالہ بچے
۹۰ میں	تین تین سالہ بچے
۱۰۰ میں	دو دو سالہ اور ایک تین سالہ

2.5 نصاب (کم از کم قابل زکوٰۃ کا مقدار)

نصاب دولت اور مال کی وہ کم از کم مقدار ہے جس کی موجودگی پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اور اس سے مقدار کم ہو تو ایسے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔

نصاب بھی مال کی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ اور مختلف ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ:

سونے کا نصاب	پانچ اوقیہ: ۲۰ مثقال: ۹۶ گرام
چاندی کا نصاب	دوسو درہم: ۷۰۰ گرام
غلہ اور پھلوں کا نصاب	پانچ وسق: ۶۵۳ گرام

مویشیوں کا نصاب

اونٹ کا نصاب	۵ اونٹ
گائے/بھینس کا نصاب	۳۰ گائے/بھینس
بھیڑ/بکری کا نصاب	۴۰ بھیڑ/بکری
اشیاءِ تجارت	قیمت لگا کر مذکورہ بالا نقود (سونے چاندی) کی قیمت برابر

3- زکوٰۃ کے اغراض وفوائد

زکوٰۃ کا فائدہ جو اس کے لفظ سے بھی واضح ہے یہ ہے کہ اس سے ادا کرنے والے کے اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور باقی ماندہ اموال میں خیر وبرکت پیدا ہوتی ہے اس کا مال اس کی عزت اور جان بھی چور، ڈاکو اور حسد کرنے والوں کی جانب سے محفوظ ہو جاتی ہے بلکہ قدرتی آفات سے بھی وہ محفوظ رہتا ہے اور تھوڑے مال میں بھی برکت پیدا ہو کر اس کی ضروریات کی تکمیل ہو جاتی ہے مزید یہ کہ ادا کرنے والا بہت سی اخلاقی بیماریوں جیسے غرور، بخل اور ہوس سے پاک ہو جاتا ہے۔ معاشرے کو بھی اس کے رائج ہونے سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ اس طرح دولت کو گردش اور حرکت کرنے کا موقع ملتا ہے اور یوں معیشت کو ترقی ملتی ہے اور اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف چلتا ہے اور غربت کا علاج ہو جاتا ہے۔ دولت کی گردش سے مجموعی اقتصادیات کو ترقی اور بڑھوتری ملتی ہے۔ زکوٰۃ کے فوائد کو مادی اور روحانی کے عنوانات کے تحت بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

3.1 زکوٰۃ کے مادی فوائد

زکوٰۃ سے دینے والے اور لینے والے دونوں کو دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو دینے والے کو اس طرح ہے کہ زکوٰۃ دینے سے اس کا باقی مال قدرتی آفات ونقصانات سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے، اس میں اس طرح کی برکت آ جاتی ہے کہ اس سے بڑے بڑے کام بڑی آسانی کے ساتھ انجام پا جاتے ہیں جو ہر دور میں اور ہر کسی کے مشاہدات اور تجربات سے واضح ہے حضور کریم ﷺ کے ارشادات (حصنوا اموالکم بالزکوۃ) ''زکوٰۃ کے ذریعے مال کو بچاؤ'' اور (فحرزوا اموالکم بالزکوۃ) ''تو زکوٰۃ کے ذریعے اپنے اموال کو تحفظ دو'' بھی یہی نکتہ سمجھاتے ہیں۔

اور زکوٰۃ لینے والے کو مادی فائدہ تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی مادی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں اور غربت کی وجہ سے کسی جرم کے ارتکاب سے باز رہ کر جرم کی جسمانی اور مالی سزاؤں سے بچ جاتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ سے دینے اور لینے والے دونوں کو مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جو معاشرہ کی سماجی، سیاسی اور اخلاقی استحکام کے حصول وبقاء کے لئے اشد ضروری ہوتے ہیں۔

3.2 زکوۃ کے روحانی فوائد

زکوۃ کے نظام کو قائم کرنے سے ادا کرنے والے اور زکوۃ وصول کرنے والے دونوں کو مادی فوائد کے علاوہ روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جو دینے والے کو یوں ملتے ہیں کہ اس کا دل اور دماغ بہت سی اخلاقی کمزوریوں اور بیماریوں سے پاک اور محفوظ ہو جاتا ہے جن میں بخیلی، کنجوسی، ہوس، خیانت، جھوٹ، فریب دہی، غرور، فخر اور دکھلاوے کے علاوہ وہ ذخیرہ اندوزی اور دولت سمیٹنا بھی شامل ہے۔ دینے والا ان برائیوں سے آزاد ہو کر صاف دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور روحانی پاکیزگی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ وہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا محبوب قربان کرتا ہے اور بلا معاوضہ اور بے لوث طور پر محتاجوں کو عطا کر دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔

اسی طرح لینے والے کو بھی مادی فوائد کے ساتھ ساتھ روحانی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ اس طور سے کہ اس کے دل میں قناعت، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، صبر اور شکر اور دولت مندوں سے محبت اور اخوت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے دل میں حسد اور نفرت وعداوت کی بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

3.3 زکوۃ دینے والوں کا اجر و ثواب

قرآن کریم میں زکوۃ دینے والوں کو رحمت، ہدایت، نجات، اور برکت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جو مندرجہ ذیل چند آیات میں واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيٰتِنَا يُؤْمِنُونَ (الاعراف: ۱۵۶)

"مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے"۔

وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسٰى أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (التوبہ: ۱۸)

"اور نماز قائم کریں، زکوۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں انہی سے توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے"۔

فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبة: ۵)

"پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو"۔

فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (التوبه: ۱۱)

"پس اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں"۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللهِ وَمَا اٰتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم: ۳۹)

"اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں"۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (البقرة: ۲۴۵)

"تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے"۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرة: ۲۶۱)

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزائش عطا کرتا ہے وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی"۔

3.4 زکوۃ نہ دینے والوں کے لئے وعید اور سزا

قرآن کریم میں جہاں ایجابی طریقے سے زکوۃ دینے والوں کے لئے خوشخبری اور ترغیب کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے وہاں سلبی طریقے سے زکاۃ نہ دینے والوں کو وعید بھی سنائی گئی ہے چنانچہ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۱۸۰)

"جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی

ان کے لئے اچھی ہے بلکہ ان کے حق میں نہایت بری ہے جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان گلے کے طوق بن جائے گا"۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الصفت:۶-۷)

"تباہی ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں"۔

قرآن کریم کی ان آیات کے علاوہ احادیث میں بھی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو چند احادیث

من آتاه الله مالا فلم يود زكاته مثل له يوم القيامة شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ثم ياخذ بلهزمتيه يعني بشدقيه ثم يقول له انا مالك انا كنزك

(صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ)

"جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے گنجے سانپ کی مانند ہوگا جس کے دو چتن ہوں گے اور وہ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا وہ سانپ اس کی دونوں باچھوں کو پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں"۔

حضور نے یہ فرمانے کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۰ پڑھی۔

ان امراتين اتتا رسول الله ﷺ وفي أيديهما سوران من ذهب فقال لهما رسول الله ﷺ اتؤديان زكاته فقالتا لا فقال لهما رسول الله اتحبان ان يسور كما الله بسوار من نار قالتا لا قال فاديا زكاته

(سنن ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی زکاۃ الحلی)

"ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس دو عورتیں آئیں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے حضور ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ کیا تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو انہوں نے نفی میں جواب دیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہنائے انہوں نے کہا کہ نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو"۔

ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي منها حقها اى زكاتها الا اذا كان يوم القيامة صفحت صفائح من نار فاحمي عليها في نار جهنم فيكوى بها جنبه وظهره كلما

بردت اعیدت له في یوم کان مقداره خمسین الف سنة حتی یقضی بین العباد فیری سبیله اما الی الجنة واما الی النار

(ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ)

''جس کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن ان کی تختیاں بنائی جائیں گی جو دوزخ کی آگ میں تپائی جائینگے اور ان سے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور پچاس ہزار سال کے طویل قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جانے تک یہی عمل دہرایا جائے گا پھر اس کے بعد اسے معلوم ہوگا کہ اس نے جنت میں جانا ہے یا دوزخ میں''۔

اس وعید کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے دنیا میں بھی سزا اور تعزیر مقرر ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے

1۔ زبردستی زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔

2۔ ایسے شخص کو تعزیراتی مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

3۔ ایسے شخص کو مالی جرمانہ کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

4۔ ایسے شخص کا کچھ مال حکومت چھین بھی سکتی ہے۔

کیونکہ حضور اکرم نے فرمایا:

من اعطاها ای الزکاة مؤتجرا فله اجرها ومن منعها فانا آخذها وشطرا بله عزمة من عزمات ربنا تبارک وتعالی لا یحل لآل محمد منها شیئ

(سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ)

''جو زکوٰۃ کو حصول ثواب کے لئے ادا کرے گا اسے تو اس کا ثواب مل جائے گا اور جو ادا نہیں کرے گا تو میں اس سے زکوٰۃ بھی لوں گا اور اس کے اونٹوں میں سے کچھ لوں گا جو میرے اللہ کا حق ہے اور میرے گھر والوں کو اس میں سے کچھ لینا جائز نہیں''۔

قانونی لحاظ سے بھی اگر کوئی مسلمان فرد یا گروہ زکوٰۃ ادا کرنے سے جان بوجھ کر انکاری ہو تو اسے مرتد سمجھ کر قتل کیا

جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور کریم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی خلافت میں یہ اعلان کیا تھا کہ خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق ڈالے گا میں اس سے لڑوں گا۔

(صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ)

قرآن کریم کی متعدد آیات اور متعدد احادیث نبویہ میں زکوٰۃ کی اہمیت، فضیلت اور زکوٰۃ نہ دینے کی مذمت اور نحوست بیان کی گئی ہے ان سب کا احاطہ کرنا اس موقع پر ضروری نہیں ان میں سے چند کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

خود آزمائی:

1۔ زکوٰۃ کی لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں۔

2۔ فرضیت زکوٰۃ کا آغاز کب ہوا۔

3۔ زکوٰۃ کے اغراض اور فوائد بیان کریں۔

4۔ زکوٰۃ کے مادی فوائد بیان کریں۔

5۔ زکوٰۃ کے روحانی فوائد ذکر کریں۔

4- مصارف زکوٰۃ

مصارف کا لفظ مصرف کی جمع ہے جس کا مطلب زکوٰۃ خرچ کرنے کا موقع اور محل۔ اصطلاحی طور پر مصارف زکوٰۃ سے مراد وہ آٹھ مصارف ہیں جو قرآن کریم کی سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ میں ذکر کیے گئے ہیں:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ (التوبہ : ٦٠)

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں"۔

4.1 تفصیل مصارف

مذکورہ بالا آیت میں جن آٹھ مصارف کے بارے میں بتایا گیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

1- فقیر

فقیر ایسے غریب اور محتاج کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ دوسروں کا محتاج ہو اس طرح اس کے دائرے میں بے سہارا یتیم بچے، بیوائیں، معذور، بے روزگار اور معمولی روزگار رکھنے والے سارے لوگ شامل ہیں۔

2- مسکین

مسکین بھی فقیر کی طرح غریب اور بے بس شریف آدمی کو کہا جاتا ہے جو زیادہ تنگ حال ہو اور ضروریات زندگی کے ذرائع سے محروم ہو اور خودداری کی بنا پر مانگنے اور اپنی پریشانی ظاہر کرنے سے پہلو بچاتا ہو۔

3- عاملین زکاۃ

عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکاۃ و عشر کی وصولی، حفاظت کرنے، حساب رکھنے اور تقسیم کرنے جیسے کام انجام دیتے

پر مامور ہوں ایسے عملہ کی تنخواہیں اور مراعات زکاۃ کی مد میں سے دی جائیں گی اور اس کے لئے ان کا غریب ہونا ضروری نہیں۔

4- تالیف قلب والے

یہ ایسے لوگ ہیں جن کی اسلام دشمنی کو کم کرنے یا ختم کرنے کے لئے انہیں مال دینا مناسب ہوتا ہے یا جنہیں مسلمانوں کی مدد کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے مال دینا بہتر ہوتا ہے اور یا ایسے نو مسلم جنہیں اسلام پر قائم رہنے اور دوبارہ کافر ہو جانے سے روکنے کی غرض سے مال دینا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے مذکورہ ایسے لوگوں کو بھی زکوۃ کی فہرست میں شامل کیا ہوا ہے۔

5- غلاموں کی آزادی

اس سے مراد یہ ہے کہ غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے۔ اور یا ایسے غلام کو آزادی دلانے میں مدد دی جائے جس کا مالک کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا ہو کہ فلاں رقم دے کر مالک سے آزادی لے سکے گا۔ تو زکوۃ میں سے اس مد میں بھی خرچ کیا جائے گا۔

6- قرض داروں کا قرضہ اتارنا

اس سے مراد یہ ہے کہ ناگزیر مجبوریوں سے کوئی شخص مقروض اگر بنا ہو عیاشی اور فضول یا ناجائز اخراجات کی وجہ سے وہ مقروض ہے تو وہ اس میں شامل نہیں پہلی قسم کے شخص کا قرضہ بھی زکوۃ کے مال سے اتارا جا سکتا ہے۔

7- راہ خدا والے کام

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام کی خدمت میں لگا ہوا ہو جیسے جہاد میں مصروف ہو یا دینی علوم کے حصول میں مصروف ہو یا اس جیسے کسی دوسرے نیک کام میں مصروف ہو تو زکوۃ میں ایسے شخص کو بھی دی جائے گی۔

8- مسافر نوازی

اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی حالت میں کوئی شخص ضرورت مند ہو جائے تو زکوۃ سے اس کو مدد بھی مل جائے گی۔

زکوۃ کے یہ آٹھ مصارف قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک ان مصارف کے علاوہ کسی بھی مد میں زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں بلکہ مذکورہ مصارف میں سے ہی کسی ایک مصرف یا زیادہ یا ان تمام مصارف میں زکوۃ کو خرچ کرنا ضروری ہے البتہ آج کل غلامی کو قانون نے چونکہ ختم کر دیا ہے لیکن جدید قسم کی غلامی میں کافی لوگ اور اقوام گرفتار ہیں لہذا زکوۃ میں سے خرچ کر کے ایسے لوگوں کو آزادی دلائی جا سکتی ہے تاہم ایسے لوگوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

زکوۃ میں سے بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں لیکن موجودہ حالات میں اگر وہ محتاج ہوں تو انہیں دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح زکوۃ اپنے غلام اور اپنے بچوں کو دینا بھی جائز نہیں اور نہ کسی پاگل کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔

4.2 ادائیگی کا طریقہ

اگر زرعی پیداوار، مویشی یا سرحدی ٹیکس کی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی ہو تو یہ ادائیگی صرف حکومت کے بیت المال میں سے جائے گی اور یہ براہ راست خود مستحقین کو نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر نقدی یا اشیاء تجارت کی زکوۃ والی صورت ہو تو اس زکوۃ کی ادائیگی بیت المال کی واسطے کے بغیر براہ راست مستحقین کو کرنی بھی جائز ہے زکوۃ کی ادائیگی اپنے ہاتھ سے کرنے کے بجائے کسی دوسرے کے ہاتھ سے بھی کرائی جائز ہے۔ قریب رہنے والے لوگ زکوۃ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں لیکن اگر دور کے لوگ زیادہ ضرورت مند ہوں تو پھر ان کا حق مقدم رہے گا۔ زکوۃ کی ادائیگی سے فرار کا راستہ اختیار کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

اس قسم کا حربہ باغ والوں نے استعمال کیا تھا تو اس کی جو سزا انہیں دی گئی تھی قرآن کریم نے سمجھانے اور عبرت سیکھنے کے لئے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ وَلَا يَسْتَثْنُونَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ (القلم: ۱۷-۲۰)

"ہم ان اہل مکہ کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثناء نہیں کر رہے تھے رات کو وہ سوئے پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک بلا باغ پر پھر گئی اور اس کا ایسا حال ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو"۔

4.3 ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق

ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق ہے کیوں کہ زکوٰۃ ایک عبادت اور دینی فریضہ ہے اس میں عبادت کی نیت کرنا ضروری شرط ہے جبکہ ٹیکس صرف ایک مالی ذمہ داری ہے اور اس میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔

4.4 مقروض کو قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی

اگر کوئی شخص اپنے مقروض کے ذمہ واجب قرضے کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کرنا چاہے تو یہ جائز نہ ہوگا بلکہ ادائیگی تب درست ہوگی جب یہ مستحق کی کر دی جائے۔

4.5 زکوٰۃ کے آداب

زکوٰۃ کے آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو یہ ہیں:

1۔ زکوٰۃ کو اذیت دینے یا جتلانے سے ضائع نہ کیا جائے۔

2۔ دی گئی زکوٰۃ واپس نہ لیا جائے۔

3۔ زکوٰۃ کو خوش دلی اور اللہ کے حکم کی تعمیل کے طور پر ادا کیا جائے۔

4۔ زکوٰۃ پاک اور حلال کمائی میں سے دی جائے۔

5۔ اگر کوئی دینی فائدہ شامل نہ ہو تو زکوٰۃ کو چھپ کر دیا جائے۔

6۔ زکوٰۃ دینے میں ریاکاری اور دکھلاوے سے بچا جائے۔

7۔ زکوٰۃ دیتے وقت دعا کی جائے کہ یا اللہ اسے مفید بنا اور خسارے کا سبب نہ بنا۔

8۔ زکوٰۃ دینے کے لئے نیک، خوددار، علماء اور قریبی رشتہ داروں کو منتخب کیا جائے۔

9۔ زکوٰۃ کو بلا تاخیر ادا کیا جائے۔

10۔ غریب کو اس قدر زکوٰۃ دی جائے جو اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کر سکے۔

11۔ غریب کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ میں زکوٰۃ کے طور پر دے رہا ہوں۔

4.6 صدقہ فطر

1۔ صدقہ فطر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

فطر کے لغوی معنی توڑنا ہے اور اصطلاحی طور پر رمضان کے روزے ختم ہونے کے بعد روزوں کے تسلسل کو توڑنے اور اس ریاضت کی کامیاب تکمیل کی خوشی والے دن یکم شوال کو عید الفطر کہا جاتا ہے۔

اور عید والے دن غریبوں کو خوشیوں میں شریک کرنے کے لئے جو صدقہ لازم قرار دیا گیا ہے اس صدقہ فطر کہتے ہیں جسے اردو میں فطرانہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (رد المختار، جلد دوئم ص ۷۷-۷۸)

2۔ صدقہ فطر کا ثبوت

صدقہ فطر کا حکم زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے سنہ ۲ ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوجانے کے بعد ہی عید سے دو روز قبل دیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور کریم ﷺ نے صدقہ فطر کو رمضان کے ختم ہونے پر ہر آزاد مسلمان پر لازم کر دیا جو ایک صاع (۳،۸۰۰ گرام) کھجور یا جو کی مقدار میں ہوتا تھا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات میں ہم ایک صاع (۳،۸۰۰ گرام) گندم یا کھجور یا جو یا کشمش یا پنیر صدقہ فطر کے طور پر دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے روزہ دار مسلمان پر صدقہ فطر لازم کر دیا ہے تاکہ فضول باتوں کے وبال سے وہ پاک ہو سکے۔ جو کوئی یہ صدقہ نماز عید سے پہلے ادا کرے گا وہ اسے اللہ کے ہاں مقبول پائے گا اور جو کوئی اسے نماز کے بعد ادا کرے گا وہ اسے صدقات میں سے ایک صدقہ کے طور پر اسے پائے گا۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عید سے ایک یا دو روز قبل ایک تقریر فرمائی کہ گندم یا جو یا کھجور میں سے گھر کے ہر آزاد یا غلام، چھوٹے یا بڑے کی طرف سے صدقہ فطر ادا کریں۔

3۔ صدقہ فطر کی حکمت

دیکھا جائے تو صدقہ فطر کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ایک طرف تو روزہ دار سے روزہ میں جو تقصیر اور کوتاہی رہ جاتی ہے صدقہ فطر سے اس کی تلافی ہوجاتی ہے اور دوسری طرف غریبوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہونے اور محتاج نہ

رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔

4۔ صدقہ فطر کے مکلف

مفسرین کے نزدیک ہر آزاد مسلمان صدقہ فطر کا مکلف ہے چنانچہ ہر چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، عقلمند اور پاگل پر صدقہ فطر واجب ہے، چھوٹی اولاد کا صدقہ والد پر واجب ہوتا ہے جبکہ بیوی اور بالغ اولاد کو اپنا اپنا صدقہ فطر خود دینا ہوگا البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ نصاب زکوۃ کے برابر مال کا مالک ہو اور یہ مال خوراک، پوشاک، رہائش، گھریلو اشیاء، ملازم اور آلات حرب جیسی بنیادی ضروریات سے فاضل ہو۔ اور اس نے کسی کا قرضہ بھی نہ دینا ہو۔

5۔ صدقہ فطر کے وجوب کا وقت

احناف کے نزدیک عید الفطر کے روز فجر کے طلوع ہونے پر صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے اس طرح فجر کے طلوع ہونے کے بعد اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے یا کسی بچے کی پیدائش ہو جائے تو اس کا صدقہ واجب نہیں اسی طرح فجر سے پہلے کوئی فوت ہو جائے تو اس کا صدقہ بھی واجب نہیں۔

6۔ صدقہ فطر کی ادائیگی

صدقہ فطر عید والے دن سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور بعد میں بھی اس کی ادائیگی جائز ہے تاہم اس کی ادائیگی رمضان کے اندر ہی ہونی چاہئے بلکہ مستحب طریقہ ادائیگی یہ ہے کہ اسے عید کی نماز سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

7۔ صدقہ فطر کی مقدار

فقہاء نے صدقہ فطر کی مقدار گندم یا آٹے کی صورت میں نصف صاع (۹۰۰ گرام) مقرر کی ہوئی ہے جبکہ جو اور کھجور کی صورت میں یہ مقدار اس کی دگنی (۸۰۰،۳ گرام) ہے۔

8۔ قیمت کی صورت میں صدقہ فطر کی ادائیگی

فقہاء کے نزدیک مذکورہ بالا مقدار کے بجائے اس کی قیمت کی صورت میں بھی صدقہ فطر ادا کرنا جائز ہے۔ صدقہ فطر کی جائز اور پسندیدہ صورت تمام علماء کے نزدیک صدقہ فطر ادا کرنے کی بہترین اور پسندیدہ صورت یہ ہے کہ اسے عید والے روز نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

9۔ صدقہ فطر کے مستحق

تمام علماء کے نزدیک صدقہ فطر کے مستحق وہی ہوتے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں لیکن احناف کے نزدیک صدقہ فطر ان کے علاوہ دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے اگرچہ یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہی ہے۔

10۔ نفلی صدقات

اصطلاحی طور پر زکوٰۃ اور صدقہ کا مصداق الگ الگ ہوتا ہے۔ جس کے مطابق زکوٰۃ وہ حصہ مال ہے جسے مقررہ شرح سے نصاب اور مدت کے لحاظ سے کسی مخصوص قسم کے مال میں سے رضائے خداوندی کے حصول کی غرض سے مستحق لوگوں کو دیا جائے۔

اور صدقہ دیگر ہر طرح کے نفلی صدقہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے لئے نہ تو کوئی نصاب مقرر ہے نہ مدت اور نہ کوئی شرح اور مصرف اس کے لئے مخصوص ہے البتہ زکوٰۃ اور صدقہ دونوں میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ دونوں کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول موجود ہو۔ لیکن قرآن کریم اور کتب احادیث میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے لئے استعمال ہوئے ہیں بلکہ ان دونوں کے لئے قرض حسن اور انفاق بھی استعمال ہوئے ہیں جیسے:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً (البقرۃ: ۲۴۵)

”تم میں کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے“۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (البقرۃ: ۲۶۱)

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کر رہے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا کرتا ہے“۔

چنانچہ قرآن کریم میں صدقہ کے لئے متعدد مقامات پر زکوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

5- نفلی صدقہ کی فضیلت

قرآن کریم کی متعدد آیات میں نفلی صدقات کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی صدقہ تفصیل سے بیان کی گئی ہے مثال کے طور پر:

ایما مؤمن سقی مؤمنا شربة علی ظما سقاه الله یوم القیامة من الرحیق المختوم ایما مؤمن اطعم مؤمنا علی جوع اطعمه الله من ثمار الجنة وایما مؤمن کسا مؤمنا علی عری کساه الله من خضر الجنة

(مسند احمد جلد سوم ص ۱۳-۱۴)

''جو مسلمان دوسرے پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز خالص شراب پلائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا''۔

أن العبد اذا تصدق من طیب تقبلها الله منه واخذها بیمینه ورباها کما یربی احدکم مهره او فصیله وان الرجل لیتصدق باللقمة فتربوا فی ید الله اوقال فی کف الله حتی تکون مثل الجبل فتصدقوا

(مسند احمد جلد دوم ص ۳۲۸)

''جب کوئی حلال چیز کو صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ میں اس صدقے کو لے کر اس کی نشوونما اس طرح کرتا ہے جس طرح تم میں کوئی اپنے پچھوڑے یا اونٹنی کے بچے کی نشوونما کرتا ہے اور جو کوئی ایک لقمہ کو صدقہ کرتا ہے تو وہ لقمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑھتے پہاڑ جتنا بڑا ہو جاتا ہے لہٰذا تم صدقہ کیا کرو''۔

5.1 صدقہ کے آداب

صدقہ دینے کے چند آداب یہ ہیں:

1 صدقہ چھپا کر دینا چاہیے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ

(البقرۃ: ۲۷۱)

''اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے''۔

ایک حدیث ہے کہ

سبعة يظلهم الله فى ظلة يوم لا ظل الا ظلة الامام العادل .... ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه

(صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمن)

''جس روز عرش کے سائے کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا اس روز سات قسم کے لوگ عرش کے سائے میں رہیں گے۔ عادل حکمران............ اور ایک وہ شخص جو صدقہ اس طرح چھپا کر دے کہ اس کا دایاں ہاتھ جو صدقہ دے تو اس کے بائیں ہاتھ کو اس کا پتہ نہ چلے''۔

ایک دوسری حدیث ہے

صدقة السر تطفئ غضب الله

(جامع الاحادیث جلد ۴ حدیث ۱۲۳۸۸)

''پوشیدہ طور پر دیا جانے والا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔''

5. بعض مواقع پر ثواب کا زیادہ ہونا

بعض اوقات اور بعض مقامات میں صدقہ دینا زیادہ ثواب کا باعث ہوتا ہے جیسے رمضان کا مہینہ عید کا دن اور مکہ یا مدینہ میں یا حج اور جہاد کے موقع پر یا بیماری میں اور سفر کی حالت میں صدقہ کرتا ہے یا جس ضرورت کا موقع ہو اسی ضرورت کو پورا کیا جائے تو ان صورتوں میں نسبتاً ثواب بڑھ جاتا ہے۔

5. ضرورت سے فاضل مال کو صدقہ کیا جائے

صدقہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ ایسا مال صدقہ کیا جائے جو اپنی اور اہل و عیال کی ضرورت سے فاضل ہو۔ نبی کریم کا ارشاد ہے:

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى ابدا بمن تعول

(صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب لا صدقة الا عن ظهر غنى)

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ اپنے کو محتاج کر کے نہ دیا جائے اور صدقے کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو''۔

ایک اور حدیث ہے کہ

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت

(سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم)

"کسی کے لئے یہ گناہ بہت ہے کہ وہ زیر کفالت افراد کو تلف کر دے"۔

ایک اور حدیث ہے:

من استطاع منکم ان یستتر من النار ولو بشق تمرۃ فلیفعل

(صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ)

"تم میں سے کوئی کھجور کے ایک ٹکڑے کے دینے سے بھی آگ سے بچ سکتا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے"۔

ایک اور حدیث ہے

یا نساء المسلمات لا تحقرن جارۃ لجارتها ولو فرسن شاۃ

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب لا تحقرن جارۃ لجارتهما)

"اے مسلمان خواتین اپنی پڑوسن کو بکرے کے کھر دینے کو بھی حقیر مت جانو"۔

ایک اور حدیث ہے:

"ایک درہم ایک لاکھ پر سبقت لے گیا کسی نے پوچھا وہ کیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کے پاس بہت سا مال ہو اور اس میں سے ایک لاکھ دے اور دوسرے کے پاس دو درہم ہوں اور وہ ان میں سے ایک درہم دے"۔

(صحیح ابن خزیمہ حدیث ۲۴۴۳)

4۔ بہتر اور افضل یہ ہے کہ نیک، اہل علم اور خوددار لوگوں کو صدقہ دیتے وقت مقدم رکھا جائے۔

(مسند احمد جلد ۳ ص ۵۵)

5۔ حلال اور پاکیزہ مال میں صدقہ کیا جائے۔ ضروری ہے کہ پاکیزہ اور حلال کمائی میں سے ہی صدقہ دیا جائے۔

(البقرۃ:۲٦۷)

6۔ صدقہ دے کر جتلائے نہیں (البقرۃ:۲٦۲)

- صدقہ خوش دلی سے دیا جائے (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ)
- صدقہ میں بہتر اور اچھی چیز دی جائے (آل عمران:۹۲)
- حرام، مکروہ اور مشکوک چیز کا صدقہ نہ کیا جائے (البقرۃ:۲۶۷)

1۔ صدقہ دیتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور صدقہ لینے والا اگر دعا دے تو اس جواب میں بھی اسی طرح کی دعا دی جائے۔

1۔ صدقہ دی ہوئی چیز کو واپس نہ لیا جائے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰)

5. صدقہ کے مستحق

درج ذیل لوگوں کو صدقہ دینا چاہئے اور صرف انہی کو صدقہ دینا چاہئے۔

- رشتہ دار

صدقہ دیتے وقت رشتہ دار کو مقدم رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (البلد:۱۵)

"کسی قریبی یتیم"

ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن مسعود کی بیوی کو حضور کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

(لہما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ)

"ان دونوں خواتین کے لئے دوہرا اجر ہے ایک قرابت نوازی کا اور دوسرا صدقے کا"۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے مطابق غریب کو صدقہ دینا ایک ثواب اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرا ثواب ہوتا ہے۔

- قریبی پڑوسی

قریبی پڑوسی بھی صدقے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ یہ طریقہ نفلی صدقات کے علاوہ فرض زکاۃ، منت اور نذر کے علاوہ میت اور وقف کی صورتوں میں بھی اپنانا چاہئے۔

3۔ زیادہ ضرورت مند

صدقہ دیتے یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موقع کے مطابق زیادہ ضرورت مند کون ہے اور جتنی اشد ضرورت کسی کو ہو اس کے مقدم رکھا جائے۔

5.5 صدقہ کسی کو بھی دیا جا سکتا ہے

فرض زکوۃ کے برعکس نفلی صدقہ کے لئے ضروری نہیں کے صرف غریب یا مذکورہ مصارف میں سے کسی مصرف تک محدود رکھا جائے بلکہ یہ غریب کو بھی دیا جا سکتا ہے اور امیر کو بھی، نیک کو بھی اور بدکار کو بھی، مسلمان کو بھی اور کافر کو بھی۔ البتہ مذکورہ بالا ترجیحات کو مدنظر رکھنا زیادہ بہتر افضل اور مفید ہے۔

صدقہ کسی میت کو ثواب بخشوانے کے لئے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ جس طرح دعا اور دیگر نیک اعمال کے ثواب بخشوانے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح صدقہ دینے اور اس کے ثواب بخشوانے سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اس بارے میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخصوص میت کے ساتھ تمام مسلمانوں کو بھی ثواب بخشوانے میں شامل رکھا جائے۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ)

5.6 خمس (پانچواں حصہ)

خمس عربی لغت میں پانچویں حصے کو کہا جاتا ہے دراصل اسلامی اصطلاح میں یہ بھی زکوۃ کی ایک صورت ہے جو دفینے کے ملنے پر بیت المال میں ادا کرنی ہوتی ہے اور یا غیر مسلموں سے لڑنے کی نتیجے میں جو منقولہ اموال ہاتھ آجاتے ہیں ان کا بھی پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرانا ہوتا ہے چونکہ یہ دونوں طرح کے اموال غیر متوقع طور پر محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی کی صورت میں مل جاتے ہیں اس لئے ان کا بیس فی صد یعنی بقیہ تمام اموال کی شرح میں سب سے بڑھ کر شرح کے ساتھ بیت المال میں جمع کیا جانا ضروری ہوا۔

اسی طرح کل مال غنیمت اور دفینوں اور معدنیات کا پانچواں حصہ یعنی بیس فی صد بیت المال میں جمع ہو کر مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں استعمال ہوگا۔

5.7 خمس کا ثبوت

خمس کا لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ (الأنفال: ۴۱)

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اس کے رسول رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اس آیت میں خمس کا حکم دیا گیا ہے جو مال غنیمت میں سے لیا جاتا ہے۔اس سے پہلے مال غنیمت کے لئے انفال کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (الانفال: ۱)

''تم میں سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں''۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ غنیمت تو صرف اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے یہ تو اس نے اپنی مہربانی سے تمہیں عطا کیا ہے کیوں کہ تم نے جہاد اسی غنیمت کے لئے تو نہیں کیا تھا یہ تو اللہ نے اپنی مہربانی سے ثواب کے علاوہ اضافی انعام کے طور پر تمہیں عطا فرمایا ہے اس لئے اس کی تقسیم کا کام بھی اللہ کی مرضی سے ہوگا پھر آگے غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس کے چار حصے تو مجاہدین میں بانٹ دیے جائیں گے اور پانچواں حصہ حضور ﷺ کی ذاتی اور عائلی ضروریات اور آپ ﷺ کے نائب کی ضروریات، غریبوں کی مدد یا دیگر حکومتی کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ایک حصہ حضور ﷺ کے قرابت داروں کے لئے ہوگا ایک حصہ یتیموں کے لئے ایک حصہ غریبوں کے لئے اور ایک حصہ مسافروں کے لئے ہوگا اور اس طرح اس پانچویں حصے کو مزید پانچ قسم کے مصارف میں تقسیم کیا جائے گا۔

5.8 خمس کے مصارف

خمس کے مصارف بھی پانچ ہوئے ایک رسول یا اس کے نائب، دوم رسول کے قرابت دار، سوم یتیم، چہارم غریب اور پنجم مسافر یہ مصارف بھی سورہ انفال میں بیان ہوئے ہیں:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ

ابْنِ السَّبِيلِ (الأنفال: ۴۱)

''اور تم جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے''۔

5.9 فییٔ کے اموال

فییٔ کا لفظ عربی لغت میں پلٹنے کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس سے یہ اصطلاح بن گئی ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (الحشر: ٦)

''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ ایسے اموال نہیں جن پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں''۔

5.10 فییٔ کی تعریف

فییٔ مال غنیمت کی وہ قسم ہے جو لڑائی اور جنگ کرنے کے بغیر غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے حوالہ کر دے۔ سورہ حشر میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مال و دولت کے صحیح حقدار تو رسول اور اس کے ماننے والے ہیں جب اللہ نے تمہاری محنت اور جدو جہد کے بغیر محض اپنی مہربانی سے یہ کافروں کے قبضہ سے نکال کر تمہیں واپس لوٹا دیا تو اس کی تقسیم بھی اللہ کی مرضی سے ہونی چاہیے اور وہ یہ کہ پورا مال بیت المال میں جمع ہوگا اور وہاں سے عوام کے مفاد میں استعمال کیا جائے گا۔

5.11 فییٔ اور غنیمت میں فرق

کافروں سے جو اراضی، املاک اور اموال مسلمانوں کی طرف منتقل ہوں وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں ایک وہ جو لڑنے کے نتیجے میں حاصل ہوں اور دوم وہ جو صلح وغیرہ کے نتیجے حاصل ہوں پہلی قسم کو اسلامی اصطلاح میں غنیمت کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو فییٔ۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ غنیمت کے چار حصے میں مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں اور صرف پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا ہے جبکہ فییٔ پورے کا پورا بیت المال میں جاتا ہے۔

5.12 جزیہ اور خراج

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی میں زکوۃ، عشر، غنیمت، اور فئی کے علاوہ جزیہ اور خراج بھی شامل ہیں۔

5.13 جزیہ کی تعریف

اسلامی حکومت کے مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں سے سالانہ بنیاد پر فی کس کے حساب سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے جزیہ کہا جاتا ہے یہ آمدنی بھی بیت المال جاتی ہے۔

5.14 خراج کی تعریف

اسلامی حکومت کی مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں سے زمین کے حساب سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے خراج کہا جاتا ہے یہ خراج یا تو زرعی پیداوار میں حصہ کے طور پر لگا دیا جاتا ہے اور یا زمین کی مقدار کے تناسب سے مقرر کے طور پر لگایا جاتا ھے یہ بھی بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

چونکہ اسلامی حکومت علاقوں کے باشندوں کی جان و مال کی محافظ بھی ہوتی ہے اور ان کی مشکلات و مسائل و ضروریات کی کفالت بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے بدلے میں مسلمان تو حکومت کو زکوۃ اور عشر دیتے ہیں جبکہ غیر مسلم اسے جزیہ اور خراج دیتے ہیں۔ جزیہ کا لفظ بھی قرآن کریم کی اصطلاح ہے۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹)

"یہاں تک کہ وہ دب کر جزیہ ادا کریں"۔

خود آزمائی:

1۔ اسلام کے بنیادی عناصر پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

2۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

3۔ نصاب زکوٰۃ پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں۔

4۔ مصارف زکوٰۃ پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلم بند کیجئے۔

5۔ زکوٰۃ اور ٹیکس میں کیا فرق ہے۔

6۔ صدقہ فطر پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلم بند کیجئے۔

یونٹ نمبر......5

حج

تحریر:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی:۔ ثناءاللہ حسین

یونٹ کا تعارف

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے جو کہ 9ھ میں فرض ہوا۔ سنت ابراہیمی کو تازہ کرنے کیلئے ہر سال دور دراز سے توحید کے پروانے بیت اللہ پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس یونٹ میں حج کے لغوی و اصطلاحی مفہوم حج کی عظمت و اہمیت، حج کی فضیلت و ترغیب، حج کی فرضیت، فرضیت حج کی شرطیں، صحت حج کی شرطیں، حج کی اقسام، حج کے فرائض، احرام اور لباس، احرام کی حکمت، اقسام احرام، احرام باندھنے کا طریقہ، بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ طواف، طواف کے احکام، طواف کی قسمیں، وقوف عرفہ، قربانی کے احکام، سعی صفا و مروہ، محرمات حج کے احکام واضح کیے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ حج کے لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2۔ حج کی عظمت و اہمیت پر تفصیل سے گفتگو کر سکیں۔
3۔ فضیلت حج پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
4۔ حج کی فرضیت اور فرضیت حج کی شرطیں بیان کر سکیں۔
5۔ حج کی اقسام جان سکیں۔
6۔ حج کے فرائض جان سکیں۔
7۔ احرام اور لباس احرام کی حکمت جان سکیں۔
8۔ اقسام اور احرام اور احرام باندھنے کا طریقہ جان سکیں۔
9۔ طواف اور طواف کے احکام جان سکیں۔
10۔ وقوف عرفہ، رمی، سعی صفا و مروہ کے احکام جان سکیں۔
11۔ قربانی کے احکام جان سکیں۔
12۔ محرمات حج جان سکیں۔

فہرست عنوانات

1- حج

اسلام کا پانچواں رکن حج ہے جو کہ 9ھ میں فرض ہوا۔ اسی سال نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنایا اور تین سو صحابہؓ کو ان کے ہمراہ کیا، تاکہ سب کو حج کرائیں۔ ان کے بعد علی مرتضیٰؓ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کریں۔ ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور علی مرتضیٰؓ نے سورۂ برأت کی پہلی چالیس آیتوں کو مع ان احکام کے پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔(1)

1.1 حج کا بیان

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے، جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت و حکمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں۔ کفر و شرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندۂ مومن نے توحید خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود، ایمان و تقویٰ، خلوص و للہیت، عشق و محبت، جاں نثاری اور فداکاری، ایثار و قربانی، بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثل جذبات و اعمال سے اسلام کی مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو یہیں سے توحید کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لئے ہر سال دور دراز سے توحید کے پروانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں، کبھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں، کبھی عرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے ہیں، کبھی قربان گاہ میں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے عہد محبت استوار کرتے ہیں، اور اٹھتے بیٹھتے، صبح و شام تلبیہ کی ایک ہی صدا سے حرم کی پوری فضا گونجتی ہے۔ تلبیہ یہ ہے:

لبیك اللھم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك(2)

"اے اللہ تیرے دربار میں تیرے غلام حاضر ہیں، تعریف و حمد تیرا ہی حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں"

دراصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے کرنے ہی کا نام حج ہے۔

1.2 حج کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

حج کے لغوی معنی قصد اور ارادہ کے ہیں۔ اس لحاظ سے اس کا ایک معنی مقام مقدس کی زیارت کا ارادہ کرنا ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا ارادہ کرنا اور وہاں جا کر مختلف مناسک (عبادات) ادا کرنا حج کہلاتا ہے۔
حج کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی مقابلے میں اپنے مخالف فریق کو زیر کر لینا، کسی بحث کرنے والے کو اپنے دلائل سے لاجواب کر دینا اور کسی دلیل اور حجت طلب کرنے والے کو ایسا جواب دینا کہ وہ یا تو تسلیم کرے یا خاموشی اختیار کرے۔
نشۂ اقتدار میں بدمست ایک حاکم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بین ثبوت کے ذریعے اس کی بحث کو ختم کر کے اسے مبہوت کر دیا۔ چنانچہ اپنے مخالف کو اس طرح مبہوت و مغلوب کرنے کو بھی عربی زبان و لغت میں 'حج' کہا جاتا ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے حج ایسے عمل کو کہا جائے گا جس کے ذریعے مخالف فریق کے تمام حربوں کو ناکارہ اور معطل کر کے اپنی حقانیت اور سچائی کو غالب کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطانی قوتوں کو بار بار زیر کر کے حق کا بول بالا کیا تھا، انسانیت کے دشمنوں کو انسانیت کی تحقیر و تذلیل سے باز رکھا اور انسانوں کو اپنی بھلائی میں کوشاں رہنے کا درس دیا۔ حج اسی سنت ابراہیمی کی یادگار ہے۔

حج کے لغوی معنی ہیں "زیارت کا ارادہ کرنا، اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اور عبادات کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس لئے اس کو حج کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب توحید الٰہی پر حجت بازی کی تو آپ کے دلائل نے ان کی قوم کو لاجواب کر دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ (الانعام: ۸۳)

"اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم پر دی"۔

1.3 حج ایک جامع عبادت:

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں، ایک بدنی عبادات جیسے نماز روزہ، اور ایک مالی عبادات جیسے صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مالی عبادت بھی اور بدنی عبادت بھی ہے۔ دوسری مستقل عبادات سے، خلوص و تقویٰ، عجز واحتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بیک وقت یہ سارے جذبات اور کیفیات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لئے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن اسی مسجد کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے، اور عمر بھر دور دراز سے جس گھر کی طرف رخ کر کے مومن نماز پڑھتا رہا ہے، حج میں مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عین اس مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔

روزہ جو نفس واخلاق کے تزکیہ کا موثر اور لازمی ذریعہ ہے اور جس میں مومن مرغوبات نفس سے دور رہ کر صبر وثبات کو قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک اسی مجاہدے میں شب و روز بسر کرتا ہے، اور قلب وروح کی سیاہی کا ایک ایک نقش کھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے، اور شب و روز توحید کی صدا لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندۂ مومن اپنے دل سے زر پرستی کے رکیک جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا اور اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہد وفا استوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس واخلاق کا تزکیہ اور روحانی ارتقا کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حج واقعتہً حج ہو، محض ارکان حج ادا

کرنے کا عمل نہ ہو۔

1.4 حج کی عظمت واہمیت :

قرآن وسنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت واہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے :

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران : ۹۷)

"لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم سے انکار و کفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہاں والوں سے بے نیاز ہے"

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔

1) حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کا یہ حق ادا کریں۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں، آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، پس حج ادا کرو"۔(3)

2) دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ومن کفر جس طرح قرآن میں ترک صلوٰۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اس فقرے میں ترک حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے :

"جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری میسر ہو جو اس کو خانہ خدا تک پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لئے کہ خدا کا ارشاد ہے :

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران: ۹۷)

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دیا ہے بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید سنائی گئی، بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا اور نہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے(4)

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران۔ ۹۷)

"اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ جان لیں کہ خدا کو سارے جہان کی پروا نہیں"۔

یعنی ترک حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پروا نہیں کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں۔ یہ تنبیہ اور تہدید کا سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ بے زاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے وہ ایمان و ہدایت سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، "میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں ان شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کر رہے ہیں پھر ان پر جزیہ مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں"۔(5)

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے، اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں کر محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

1.5 حج کی فضیلت و ترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرما کر اس کا شوق دلایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے،

1) "جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لئے آیا، پھر اس نے نہ تو کوئی فحش شہوانی عمل کیا، اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ (گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر) لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"۔ (6)

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

2) حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں، وہ اپنے (میزبان) خدا سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے اور وہ اس سے مغفرت چاہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے"۔

اور ارشاد فرمایا:

3) حج اور عمرہ پے در پے کرتے رہا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں ہی فقر و احتیاج اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی، لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو صاف کر کے دور کر دیتی ہے، اور "حج مبرور" کا اجر و صلہ تو بس جنت ہی ہے"۔ (7)

"حج مبرور" سے مراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شعور اور آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہو، نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

4) "جب کسی زائر حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچے اس کو سلام کرو، اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرے اس لئے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے"۔ (8)

5) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا "حضور ﷺ! میرا جسم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی" ارشاد فرمایا "تم ایسا جہاد کیا کرو جس میں کانٹا بھی نہ لگے" سائل نے کہا "حضور ﷺ! ایسا جہاد کون سا ہے جس میں کسی تکلیف اور گزند کا اندیشہ نہ ہو" ارشاد فرمایا "تم حج کیا کرو"۔ (9)

6) حضرت عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ ایک شخص میدان عرفات میں حضور ﷺ کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا کہ یکایک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا، نبی ﷺ نے فرمایا اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو، یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو۔ (10)

7) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے التجا کی کہ پروردگار! جو بندے میرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد! وہ میرے مہمان ہیں ان کا یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کی خطائیں معاف کر دوں اور جب وہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں ان کو بخش دوں"۔(11)

8) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه(12)

"جس بندہ نے حج کیا، حج کے دوران زبان کی فحش اور بیہودہ بات سے پاک رکھا اور کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر جاتا ہے گویا آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں آیا ہے"۔

الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة (13)

"حج مبرور کا ثواب تو بس جنت ہی ہے"

"حج مبرور" اس حج کو کہتے ہیں جو اخلاص، ایمانی شعور، ظاہری و باطنی محاسن و آداب کے ساتھ مسنون طریقہ سے ادا کیا جائے اور دوران حج ان باتوں اور کاموں سے پرہیز کیا جائے جو حج کے مقصد اور روح کے خلاف ہیں۔

عن ابي هريرةؓ قال: سئل رسول الله ﷺ أي الاعمال أفضل ؟ قال: ايمان بالله ورسوله قيل ثم ماذا ؟ قال: جهاد في سبيل الله. قيل ثم ماذا قال: حج مبرور(14)

"حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ فضیلت کس عمل کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی۔ پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ کی۔ دریافت کیا گیا اس کے بعد؟ فرمایا: حج مبرور کی"۔

عن ابن عمرؓ، عن النبي ﷺ قال: الغازي في سبيل الله والحاج و المعتمر وفد الله دعاهم فاجابوه، وسالوه فاعطاهم.(15)

"حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: غازی، حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اللہ نے ان کو اپنے گھر بلایا تو انھوں نے اس کی دعوت قبول کی، اب وہ اللہ سے جو مانگیں گے وہ انھیں عطا فرمائے گا"۔

1.6 حج کی فرضیت :

ہر عاقل، بالغ صاحب استطاعت مسلمان مرد و عورت پر حج فرض ہے۔ اس کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اس اجماع کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ (16)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران: ۹۷)

"جو لوگ بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں، ان پر اس کا حج فرض ہے۔ یہ اللہ کا حق ہے بندوں پر جو اس حق کو ادا کرنے سے انکار کر دے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ بندوں سے بے نیاز ہے"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

یا ایھا الناس ! قد فرض علیکم الحج فحجوا (17)

"لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، اس لئے اس کو ادا کرنے کی فکر کرو"۔

1.7 فرضیت حج کی شرطیں

فرضیت حج کی دس شرطیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو حج واجب نہ ہوگا۔ (18)

1) اسلام

غیر مسلموں پر حج واجب نہیں ہو سکتا۔

2) عقل

مجنون، دیوانے اور مخبوط الحواس شخص پر حج واجب نہیں۔

3) بلوغ

نابالغ بچوں پر حج واجب نہیں، کسی خوشحال آدمی نے بچپن ہی میں بلوغ سے پہلے حج کر لیا تھا تو اس سے فرض نہ ادا ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد پھر فرض ادا کرنا ہوگا، بچپن کا حج نفلی حج ہوگا۔

4) استطاعت

حج کرنے والا خوشحال ہو اور اس کے پاس اپنی ضروریات اصلیہ اور قرض سے محفوظ اتنا مال ہو جو راستے کے مصارف کے لئے بھی کافی ہو، اور حج سے واپس آنے تک اس کے ان متعلقین کے لئے کافی ہو جن کا نان نفقہ شریعت کی رو سے اس پر واجب ہے۔

5) آزادی

غلام اور باندی پر حج واجب نہیں۔

6) جسمانی صحت

یعنی کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس میں سفر کرنا ممکن نہ ہو۔ لہٰذا لنگڑے، اپاہج، نابینا اور زیادہ بوڑھے شخص پر خود حج کرنا واجب نہیں البتہ دوسری تمام شرطیں پائی جائیں تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے۔

7) کسی ظالم و جابر حکمران کی جانب سے جان کا خوف بھی نہ ہو اور آدمی کسی کی قید و بند میں بھی نہ ہو۔

8) راستے میں امن و امان ہو

اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو، جہاز ڈوبے جا رہے ہوں، یا راستے میں ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو یا سمندر میں ایسی کیفیت ہو کہ جہاز اور کشتی کے لئے خطرہ ہو یا اور کسی قسم کے خطرات ہوں تو ان تمام صورتوں میں حج واجب نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے شخص کو یہ وصیت کر جانا چاہیے کہ میرے بعد جب حالات سازگار ہوں تو میری جانب سے حج کر لیا جائے۔

یہ آٹھ شرطیں تو مرد اور عورت دونوں کے لئے ہیں، ان کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں جو صرف خواتین کے لئے ہیں گویا خواتین پر حج واجب ہونے کے لئے دس شرطیں ہیں۔(19)

9) سفر حج میں شوہر یا محرم کی معیت

اس شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سفر تین شب و روز سے کم کا ہو تب تو خواتین کے لئے تنہا سفر کی اجازت ہے، لیکن سفر تین شب و روز سے زیادہ کا ہو تو پھر شوہر یا محرم کے بغیر سفر حج جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ محرم عاقل، بالغ، دیندار اور قابل اعتماد شخص ہو۔ نادان بچے یا فاسق ناقابل اعتماد شخص کے ساتھ سفر جائز نہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ خواتین کو وجوب حج کی چوتھی شرط میں یہ بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ سفر حج میں ساتھ جانے والے محرم کے مصارف سفر کی ذمہ داری بھی حج کو جانے والی خاتون پر ہی ہوگی۔

10) حالت عدت میں نہ ہونا

خواہ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی ہر حال میں دوران عدت حج واجب نہ ہوگا۔

1.8 صحت حج کی شرطیں

صحت حج کی چار شرطیں ہیں، ان شرائط کے ساتھ حج کیا جائے تو حج صحیح اور معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔ (20)

1) اسلام

اسلام حج کے وجوب کی بھی شرط ہے اور صحت کی بھی، اگر کوئی غیر مسلم حج کے ارکان ادا کرلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ایمان لانے کی توفیق بخش دے تو اس کا وہ حج کافی نہیں ہوگا جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا، اس لئے کہ حج صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج کرنے والا مسلم ہو۔

2) عقل و ہوش

ناسمجھ اور دیوانے کا حج صحیح نہیں۔

3) سارے ارکان مقررہ ایام، مقررہ اوقات اور مقررہ مقامات میں ادا کرنا۔

حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ۔ اسی طرح حج کے سارے ارکان ادا کرنے کے لئے اوقات بھی مقرر ہیں، مقامات بھی مقرر ہیں، اس کے خلاف ارکان حج ادا کئے جائیں گے تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

4) مفسداتِ حج سے بچنا اور حج کے سارے ارکان و فرائض ادا کرنا۔ اگر حج کا کوئی رکن ادا کرنے سے رہ گیا یا چھوڑ دیا تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

ان شرائط کی مزید تفصیل اس طرح ہے:

1) مسلمان ہونا۔

2) احرام باندھنا۔

3) جس سال حج کا احرام باندھا جائے، اسی سال حج کرنا۔(21)

4) زمانۂ حج میں حج کرنا۔

5) ہر فعل اپنے مقام پر صحیح طریق پر ادا کرنا۔

6) صاحب تمیز و باہوش ہونا۔

7) افعال حج خود ادا کرنا۔

8) احرام باندھنے کے بعد احرام اتارنے تک اُن افعال سے اجتناب کرنا جن کی ممانعت کی گئی ہے۔

9) بالغ ہونا۔

1.9 حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں۔

1) حج افراد 2) حج قران 3) حج تمتع (21-A)

1) حج افراد:

افراد کے لغوی معنی ہیں، اکیلا کرنا، تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاح شرع میں افراد سے مراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے مراسم ادا کئے جائیں، حج افراد کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں، مفرد احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکان حج جو آئندہ صفحات میں بیان ہوں گی، ادا کرے، مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔(22)

2) حج قران

قران قاف کے زیر کے ساتھ کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا۔ اور اصطلاح شرع میں قران حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔(23)

حج قران، افراد اور تمتع دونوں سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"حج اور عمرے کو ملا کر ادا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں ناداری اور گناہوں کو (آدمی سے اس طرح) نیست و نابود کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کچیل کو نیست و نابود کر دیتی ہے"(23)

قران حج کے مسائل

1۔ قارن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ، حج کے مہینوں میں کرے۔

2۔ حج قران میں عمرہ کا طواف حج کے طواف سے پہلے کرنا واجب ہے، اور عمرے کے لئے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لئے الگ۔

3۔ قران میں عمرے کے تمام افعال سے فراغت کے بعد حج کے افعال و مناسک شروع کرنا مسنون ہے۔

4۔ قارن کے لئے یہ ممنوع ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلق یا تقصیر کرالے۔

5۔ قارن کے لئے یہ جائز تو ہے کہ وہ عمرے کا طواف اور حج کا طواف قدوم ایک ساتھ کر لے اور اسی طرح دونوں کی سعی بھی ایک ساتھ کر لے، لیکن ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔

6۔ حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے اور یہ قربانی دراصل اس بات کا شکریہ ہے کہ خدا نے حج اور عمرہ دونوں کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اگر قربانی کرنے کی وسعت نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا واجب ہیں، تین روزے تو یوم نحر سے پہلے رکھ لے اور سات روزے ایام تشریق کے بعد رکھے۔ قرآن کریم میں ہے:

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرہ: ۱۹۶)

"پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے دوران حج میں، اور سات روزے جب تم حج سے فارغ ہو کر لوٹو تب رکھو، یہ سب پورے دس ہوئے"۔

7۔ حج قران یا تمتع صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں، جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۹۶)

"یہ (تمتع یا قران) ان کے لئے ہے جن کے اہل خانہ مسجد حرام میں نہ رہتے ہوں"۔

جو لوگ میقات کے اندر کے باشندے ہیں ان کے لئے صرف حج افراد ہی ہے۔ ان لوگوں کو میقاتی کہتے ہیں۔(25)

3) حج تمتع

تمتع تاء کی زبر کے ساتھ کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت تک فائدہ اٹھانا اور اصطلاح شرع میں تمتع کے معنی ہیں حج تمتع کرنا۔ حج تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں، اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے، اس طرح کے حج میں چونکہ عمرے اور حج کی درمیانی مدت میں احرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے، اسی لئے اس کو حج تمتع کہتے ہیں(26)

قرآن کریم میں ہے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرہ: ۱۹۶)

"پس جو شخص حج کے ایام تک اپنے عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس پر اس کی وسعت کے مطابق قربانی ہے"۔

حج تمتع، افراد سے افضل ہے، اس لئے کہ اس میں دو عبادتیں ایک ساتھ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور کچھ زیادہ مناسک ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔(27)

حج تمتع کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ لائے، اور دوسری یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ نہ لائے۔ پہلی صورت دوسری سے افضل ہے۔(28)

تمتع کے مسائل:

1۔ متمتع کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرے کا طواف زمانۂ حج میں کرے یا کم از کم طواف عمرہ کے اکثر شوط زمانۂ حج میں ادا کرے۔

2۔ حج تمتع کے لئے ضروری ہے کہ عمرے اور حج کا طواف ایک ہی سال میں کرے۔ اگر کسی نے ایک سال عمرے کا طواف کیا اور دوسرے سال حج کا طواف کیا تو اس کو متمتع نہیں کہیں گے۔

3۔ تمتع میں ضروری ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کا طواف کر لیا جائے۔

4۔ متمتع کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرے اور حج کے درمیان المام نہ کرے۔ المام کے معنی ہیں اتر پڑنا، اور اصطلاح میں المام سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر والوں میں جا کر اتر پڑے۔ ہاں اگر وہ قربانی کا جانور ہمراہ لایا ہے تو گھر اتر پڑنے پر بھی حج تمتع صحیح ہوگا۔(29)

5۔ حج تمتع صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہیں، جو لوگ مکے میں یا میقات کے داخلی علاقوں میں رہتے بستے ہیں، ان کے لئے تمتع اور قران مکروہ تحریمی ہے۔(30)

6۔ حج تمتع کرنے والے کے لئے طواف قدوم کرنا مسنون نہیں ہے اور اس کو چاہیے کہ طواف زیارت میں رمل کرے۔

7۔ متمتع پر بھی قارن کی طرح قربانی واجب ہے اور مقدور نہ ہو تو پھر دس روزے رکھے، تین حج کے دوران یوم النحر سے پہلے رکھے اور سات اس وقت رکھے جب حج سے فارغ ہو کر لوٹے یعنی ایام تشریق کے بعد۔

8۔ حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ہمراہ نہ لایا ہو تو عمرے کی سعی کے بعد حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کے لئے جدید احرام باندھے البتہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہو تو پھر عمرے کی سعی

2- احرام

حرام حج کے تین فرائض میں سے پہلا فرض ہے

احرام کا مطلب ہے کسی حلال و مباح چیز کو حرام کر لینا اور اس سے پرہیز کرنا۔ شریعت کی اصطلاح میں عمرہ یا حج کی نیت کو احرام کہتے ہیں۔ جو لوگ عمرہ یا حج کی نیت کرتے ہیں، ان پر بعض ایسی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو پہلے حلال و مباح تھیں، اس لئے اس کو احرام کہتے ہیں، احرام کے فرض ہونے پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے، فرض ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

انما الاعمال بالنیات (33)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

عمرہ یا حج کی نیت کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سلے ہوئے کپڑے اتار کر ایک چادر کندھوں پر ڈال لی جائے اور دوسری چادر کا تہبند باندھ لیا جائے، یہ حج کے واجبات میں سے ہے، بعض لوگ ان چادروں کو احرام سمجھتے ہیں۔ یہ احرام نہیں لباس احرام ہے۔ احرام فرض ہے، اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ لباس احرام واجب ہے۔ اس کے بغیر حج صحیح ہو جاتا ہے، ترک واجب کی وجہ سے ایک جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ احرام کی حالت میں چادریں بدلی بھی جا سکتی ہیں اور غسل کرتے وقت اتاری بھی جا سکتی ہیں۔ اس سے احرام ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اصل احرام نیت ہے وہ باقی رہتی ہے چاہے جسم پر سلا ہوا لباس ہو یا غیر سلی ہوئی چادریں یا کچھ بھی نہ ہو۔ (34)

2.1 احرام اور لباس احرام کی حکمت:

احرام اور لباس احرام کی حکمت یہ ہے کہ مدعی حج کی ایمانی کیفیت، عبادت کے جذبہ اللہ کی رضا اور حصول اجر کی نیت سے کرے۔ فاخرانہ لباس اتار دے اور فقیرانہ لباس زیب تن کر لے۔ اپنی عبودیت اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا زبان حال سے اعتراف و اعلان کرے۔ دنیا بھر کے مسلمان اپنے وطنی اور قومی لباس اتار کر اسلامی قومیت کا لباس زیب تن کر لیں۔ شاہ گدا اور امیر غریب کے امتیازات اور نسلی و قومی عصبیتوں کو اسلام کے مرکز میں دفن کر

دیں۔ اور ایک اسلامی برادری اور امت واحدہ ہونے کا بھرپور عملی مظاہرہ کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"حج، عمرہ میں جو احرام باندھا جاتا ہے، وہ نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے۔ وہ اخلاص و تعظیم اور عزیمت مومن کی ایک ظاہری عملی صورت آرائی ہے۔ اس کا مقصد لذتوں اور عادتوں اور آرائش و زیبائش کی تمام قسموں کو ترک کر کے نفس کو حقیر اور اللہ کے سامنے جھوریدہ اور سرنگوں بنانا اور اللہ تعالیٰ کے لئے آشفتہ سری، پریشان حالی اور کلفت و تعب کا مظاہرہ کرنا ہے"۔(35)

مزید احرام لغت میں حرام کرنے کو کہتے ہیں۔ حاجی جب میقات سے حج کی نیت کر لیتا اور تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس پر چند حلال اور مباح چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس کو احرام کہتے ہیں۔

احرام مرد کا دو بے سلی چادریں ہوتی ہیں۔ ایک ناف سے ٹخنوں تک جو تہبند کی طرح کا کام دیتی ہے اور دوسری جو کندھوں پر اس طرح ڈالی جاتی ہے کہ تمام بدن ڈھانپا جاتا ہے اور سر ننگا رہنا چاہیے۔ عورت کا احرام اس کے وہی کپڑے ہیں لیکن وہ پاک ہوں البتہ عورت کا منہ کھلا رہے گا اور وہ اپنے سر اور کانوں پر ایک بڑا رومال باندھے گی۔(36)

2.2 اقسام احرام:

احرام کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:۔(37)

1) افراد، یعنی صرف حج کا احرام۔

2) قران، یعنی حج اور عمرہ کا مشترکہ احرام۔

3) تمتع یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھنا اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے بعد دوسری مرتبہ حج کا احرام باندھنا۔

4) صرف عمرہ کا احرام باندھنا۔

2.3 احرام اور اُس کے مسائل :

1۔ حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے۔ جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ اس کے لئے حرام ہو جاتا ہے اسی طرح (احرام باندھ لینے کے بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا احرام سے پہلے جائز اور مباح تھا حالت احرام میں ان کا کرنا حرام اور ممنوع ہو جاتا ہے اسی لئے اس کو احرام کہتے ہیں)۔

2۔ کسی بھی مقصد سے مکے جاتا ہو، سیر و سیاحت کے لئے ہو یا تجارت کے لئے یا کسی اور مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے، احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے۔

3۔ احرام کے لئے احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے، خواتین اگر ایام خاص میں ہوں ہو تب بھی غسل کرنا مسنون ہے، ہاں اگر غسل کرنے میں دشواری ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر وضو ہی کر لینا چاہیے۔ یہ غسل یا وضو محض صفائی ستھرائی کے لئے ہے، طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے۔(38)

4۔ احرام کے لئے غسل کرنے سے پہلے سر وغیرہ کے بال بنوانا۔ ناخن کتروانا اور سفید چادر اور سفید تہبند استعمال کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

5۔ میقات پر پہنچنے سے پہلے بھی احرام باندھنا جائز ہے، اور اگر احرام کے آداب کے پاس و لحاظ ہو سکے تو افضل ہے، اور میقات پر پہنچنے کے بعد تو احرام باندھ لینا واجب ہے۔

6۔ حالت احرام میں ممنوع کام

ان میں سے بعض کام تو وہ ہیں جن کا کرنا ہر حالت میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن احرام میں ان کا ارتکاب اور زیادہ برا ہے۔

1) جنسی تعال میں مبتلا ہونا، یا جنسی گفتگو کرنا، اپنی بیوی سے بھی اس طرح کی گفتگو سے لذت اندوز ہونا ممنوع ہے۔(39)

2) خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہونا۔

3) لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ کرنا، سخت کلامی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔(40)

4) جنگلی جانور کا شکار کرنا، نہ صرف خود شکار کرنا جرم ہے بلکہ شکار کرنے والے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا یا شکار کرانے میں اس کی رہنمائی کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

5) سلے ہوئے کپڑے مثلاً قمیض، پاجامہ، شیروانی، کوٹ، پتلون، ٹوپی، موزہ، دستانے، بنیان وغیرہ پہننا۔(41) خواتین کے لئے جائز ہے کہ شلوار، قمیص پہن لیں، موزے بھی پہن سکتی ہیں اور چاہیں تو زیور بھی استعمال کر سکتی ہیں۔(42)

6) شوخ اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا۔ خواتین ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں اور رنگین کپڑے بھی مگر رنگ خوشبودار ہونا چاہیے۔(43)

7) سر اور چہرے کا چھپانا، خواتین ضرورت کے وقت کسی پنکھے اور چادر وغیرہ سے آڑ کر لیں تو جائز ہے۔

8) سر اور داڑھی وغیرہ کا خطمی یا صابون وغیرہ سے دھونا۔

9) جسم کے کسی بھی حصے کے بال منڈوانا۔ یا کسی بھی دوا یا بال صفا پاؤڈر وغیرہ سے بال صاف کرنا یا اکھاڑنا یا جلانا۔

10) ناخن کاٹنا یا پتھر وغیرہ پر گھس کر صاف کرنا۔

11) خوشبو کا استعمال کرنا۔

12) تیل کا استعمال کرنا۔(44)

7۔ حالت احرام میں جائز کام

اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر کیا گیا ان کے علاوہ ساری باتیں جائز ہیں۔ چند باتیں بطور مثال لکھی جاتی ہیں:

1) کسی چیز کے سائے میں آرام لینا۔

2) نہانا اور سر دھونا، مگر صابون وغیرہ سے نہ دھوئے۔(45)

3) بدن یا سر کھجانا۔ البتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ ٹوٹیں اور اگر سر میں جوئیں ہو گئی ہوں تو وہ نہ گرائیں۔

4) اپنے پاس رقم رکھنا یا کمر میں ہتھیار یا رقم وغیرہ باندھنا۔(46)

5) خالی اوقات میں تجارت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔(47)

قرآن میں ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)

"دوران حج میں اگر تم اپنے پروردگار کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں"۔

6) احرام کے کپڑے بدلنا اور ان کو دھونا۔

7) انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ پہننا۔

8) سرمہ لگانا، مگر سرمہ خوشبودار نہ ہو۔

9) ختنہ کرانا۔

10) نکاح کرنا۔

11) موذی جانوروں کو مارنا۔ مثلاً چیل، کوا، چوہا، سانپ، بچھو، شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا، وغیرہ۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "حرم میں اور احرام کی حالت میں پانچ قسم کے جانوروں کا مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چوہا، کوا، چیل، بچھو، اور حملہ کرنے والا کتا"(یعنی درندہ)۔

12) بحری شکار کرنا بھی جائز ہے اور اگر کوئی غیر محرم اپنے لئے خشکی کا شکار مار کر محرم کو تحفے میں دے تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

2.4 احرام باندھنے کا طریقہ:

☆ سنت طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے سر کے بال درست کئے جائیں، مونچھیں چھوٹی کی جائیں، بغل اور زیر ناف کے بال صاف کئے جائیں، ناخن تراشے جائیں اور غسل کر کے جسم پر خوشبو لگائی جائے۔

☆ جو عورتیں ایام خاص میں ہوں وہ بھی غسل کر لیں، اس لئے کہ یہ غسل طہارت کے لئے نہیں بلکہ نظافت کے لئے ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی جگہ تیمم نہیں کیا جا سکتا۔

☆ مرد غسل یا وضو کر کے ایک چادر ناف سے ٹخنوں تک باندھ لیں اور دوسری چادر سے اپنا بقیہ بدن ڈھانپ لیں سر بھی کھلا رہے اور پاؤں بھی کھلے رہیں بعض لوگ چادر داہنے کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، یہ عمل صرف پہلے طواف میں سنت ہے، اس کے علاوہ دوسرے طوافوں اور دوسرے موقعوں پر دونوں کندھے ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں۔ احرام کے لئے ہر رنگ کی چادر استعمال ہو سکتی ہے، البتہ سفید افضل ہے۔

☆ عورتوں کا لباس احرام وہی کپڑے ہیں جو عام طور پر وہ پہنتی ہیں، چادر یا کپڑوں کا سفید ہونا بھی ضروری نہیں ہے، رنگے ہوئے کپڑے بھی پہن سکتی ہیں، ایک چادر یا بڑا رومال سر پر ڈال لیں تا کہ لباس زینت چھپ جائے۔

☆ بہتر یہ ہے کہ کسی فرض نماز کے بعد احرام باندھا جائے، اگر فرض نماز کا وقت نہ ہو تو تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھ لیں۔

☆ نماز سے فارغ ہو کر عمرہ یا حج کی نیت دل میں کر لیں، صرف عمرہ کی نیت کرنی ہو تو زبان سے یہ الفاظ کہیں:

اللهم انی ارید العمرة فیسر هالی و تقبلها منی

اگر حج کا ارادہ بھی ساتھ ہو تو یہ دعا پڑھے:

اللهم انی ارید الحج والعمرة فیسر هما لی وتقبلها منی.(48)

3- طواف اور اُس کے مسائل

طواف زیارت جسے طواف افاضہ بھی کہتے ہیں حج کا تیسرا فرض ہے۔ اس کے بیان سے قبل طواف کا تعارف

یہ ہے۔

طواف کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے گرد چکر لگانا اور گھومنا، اور اصطلاح میں طواف سے مراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔

3.1 بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ:

بیت اللہ اینٹ پتھر کی محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ وہ روئے زمین پر خدا کی عظمت کا مخصوص نشان اور اس کے دین کا محسوس مرکز ہے، جو خود اللہ نے اپنی نگرانی اور ہدایت کے تحت ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر سے تعمیر کرایا ہے جن کی امامت پر یہود، نصاریٰ اور مسلمان سب ہی متفق ہیں اور قرآن پاک کی شہادت ہے کہ سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (آل عمران: ٩٦)

"بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لئے تعمیر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکے میں ہے"۔

دراصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے، قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ توحید کا سرچشمہ اور نماز کی اصل جگہ ہے، اور یہی توحید و نماز پورے دین کا مغز اور خلاصہ ہیں، عقیدے کے پہلو سے توحید دین کی اصل بنیاد ہے اور عمل کے پہلو سے نماز دین کی اساس ہے اور بیت اللہ کی تعمیر انہی دو بنیادی مقاصد کے لئے ہے۔ اسی لئے خدا نے اس کو خیر و برکت کا سرچشمہ اور ہدایت کا منبع قرار دیا ہے۔(49)

مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (آل عمران: ٩٦)

"اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لئے اس کو منبع ہدایت بنایا گیا ہے"۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو دو مقامات پر "بیتی" (میرا گھر) کہا ہے اور حضرت ابراہیم نے بھی اپنی

ذریت کو مکے کی چٹیل وادی میں بساتے ہوئے کہا ہے کہ خدایا! میں ان کو "تیرے گھر" کے پڑوس میں بسا رہا ہوں۔ اور بیت اللہ کی عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ اللہ نے اس گھر کے حج کو مسلمانوں پر اپنا ایک حق بتایا ہے اور حج یہی تو ہے کہ مومن احرام باندھ کر یعنی خود کو بیت اللہ میں حاضری کے لائق بنا کر والہانہ انداز میں اس کے گرد طواف کرے۔ اس میں لگے ہوئے پتھر کو بوسہ دے، ملتزم سے چمٹے، مسجد حرام میں نماز پڑھے اور عرفات میں وقوف کرے۔

3.2 طواف کی فضیلت:

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جائے، خدا نے ابراہیمؑ کو اس کی تاکید فرمائی اور یہ تاکید قرآن میں دو جگہ فرمائی۔

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ (البقرۃ: ۱۲۵)

"اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔"

نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج: ۲۹)

"اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔"

اور نبی ﷺ نے طواف کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

"بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ طواف میں تم گفتگو کر سکتے ہو (اور نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے) تو جو شخص طواف کے دوران کوئی بات کرے تو اس کو چاہیے کہ منہ سے اچھی ہی بات نکالے۔" (50)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا "(حجر اسود اور رکن یمانی) ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کا کفارہ ہے" اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے سنا "جس نے خدا کے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا اور شعور و توجہ کے ساتھ کیا تو اس کا صلہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے"۔ اور یہ بھی فرماتے سنا کہ "طواف میں بندہ جو بھی قدم رکھے گا اور جو بھی قدم اٹھائے گا، خدا اس کے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف کرے گا

اور ایک بھلائی اس کے لیے لکھے گا"۔(51)

طواف میں ایک عمل استلام ہے۔(52)

3.3 استلام

استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو چھونا، طواف کا ہر شوط شروع کرتے وقت حجر اسود کا استلام کرنا اور اسی طرح طواف کے ختم پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے اور رکن یمانی کا استلام ہے۔

حجر اسود کا استلام کرتے وقت لحاظ رہے کہ منہ سے بوسے کی آواز نہ نکلے، صرف حجر اسود پر منہ رکھنا مسنون ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر غیر معمولی ازدحام ہو اور حجر اسود کا بوسہ لینے میں لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر کسی چھڑی کو حجر اسود سے مس کر کے اس کا بوسہ لے لیا جائے، اور یہ بھی دشوار ہو تو پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف کر کے ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کی فضیلت کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

"اللہ کی قسم! قیامت کے روز اللہ اس کو زندگی بخش کر اٹھائے گا۔ اس کو دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے گا۔ اور زبان ہو گی جس سے یہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہو گا ان کے حق میں سچی سچی گواہی دے گا"۔

3.4 رکن یمانی کی دعا

رکن یمانی کے استلام کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرتا ہے:

اللهم انی اسئلك العفو والعافية في الدنيا و الاخرة ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار.

"اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں، پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی

جسمانی مشقت اور آخرت میں بھی اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا"۔

3.5 طواف کی قسمیں اور ان کے احکام

طواف بیت اللہ کی چھ قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

1۔ طواف زیارت:

اس کو طواف افاضہ اور طواف حج بھی کہتے ہیں۔ طواف زیارت حج کے ارکان میں ایک رکن ہے۔ قرآن کا حکم ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ

"اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے"۔

ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو وقوف عرفات کے بعد اس تاریخ کو کیا جاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے ۱۰ ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو بھی کیا جا سکتا ہے۔

2۔ طواف قدوم:

اس کو طواف تحیہ بھی کہتے ہیں۔ مکے میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں۔ یہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں۔ اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ اس کو طواف اللقاء اور طواف التحیہ بھی کہتے ہیں۔

3۔ طواف وداع:

بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کرتے ہیں اس کو طواف وداع یا طواف صدر کہتے ہیں۔ یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے۔ اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر سینہ اور دائیں رخسار اس سے لگا کر اور دائیں ہاتھ سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری اور خشوع کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے، معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہو۔ طواف وداع کے بارے میں نبی ﷺ نے ہدایت

چلنے میں جھپٹ کر جلدی اور زور سے قدم اٹھانا مگر نزدیک قدم رکھنا اور کندھوں کو ہلانا رمل کہلاتا ہے۔

اضطباع

احرام کی دو چادروں میں سے اوپر والی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا اضطباع کہلاتا ہے۔

3.7 واجبات طواف

1۔ پاک صاف ہونا۔

2۔ اپنے ستر کو مکمل ڈھانپنا۔

3۔ دائیں طرف سے طواف شروع کرنا

4۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو پیدل طواف کرنا۔

5۔ حطیم کو طواف میں لانا۔

6۔ طواف پورا کرنا۔

7۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھنا۔

اگر ایک واجب ترک ہو جائے تو طواف کا اعادہ واجب ہے۔(54)

3.8 طواف افاضہ :

یہ حج کا تیسرا رکن ہے۔ اگر یہ ادا نہ کیا جائے تو حج نہیں ہوگا۔ طواف افاضہ (طواف زیارت) کا مسنون وقت قربانی کے دن ۱۰ ذی الحج کو سر منڈوانے یا اس کے بال کٹوانے کے بعد ہے۔ تاہم قربانی کے آخری دن یعنی ۱۲ ویں ذی الحج تک وہ طواف زیارت کر سکتا ہے۔ بعض علماء نے پورے ماہ ذی الحجہ میں کسی وقت بھی طواف افاضہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ خواتین کو اس میں جلدی کرنا چاہیے تاکہ ان کی مخصوص بیماری نہ آجائے۔ اس کی ادائیگی کا وہی طریقہ ہے جو طواف القدوم کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے یعنی خانہ کعبہ کے گرد سات چکر اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر۔ البتہ سر کے بال کٹوانے کی ضرورت نہیں ہے۔(55)

طواف زیارت کے بعد حاجی پر تمام بندشیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی معمول پر آجاتی ہے۔ اگر حاجی نے یہ طواف دسویں ذی الحج کو کر لیا ہے تو اسے فارغ ہو کر واپس منیٰ آنا ہوگا اور وہاں ایام تشریق گزارنا ہوں گے جن کے دوران میں وہ رمی جمار یعنی شیطان کو کنکریاں مارنے کی رسم ادا کرے گا۔ خواہ ۱۲ ویں ذی الحج کو واپسی اختیار کرے خواہ ۱۳ ویں ذی الحج کو۔(56)

4- وقوف عرفہ

وقوف عرفہ حج کا دوسرا فرض ہے

1۔ سب سے اہم وقوف وقوفِ عرفات ہے، عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، یہ میدان مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میدان عرفات میں وقوف، حج کے ارکان میں سے سب سے بڑا رکن ہے، بلکہ ایک موقع پر نبی ﷺ نے وقوفِ عرفات ہی کو حج فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

2۔ وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھیرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں، نیز وقوف کا عمل کرنے کے لئے ان مقامات میں پہنچ جانا ضروری ہے، وقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں۔

الحج عرفة(57)

"عرفے میں وقوف ہی حج ہے"۔

عرفے کے دن جب میدان عرفات میں لاکھوں انسان ایک ہی لباس پہنے اپنے خدا کے حضور عجز و احتیاج کی تصویر بنے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے وقت کے لئے انسان اس دنیا سے اٹھ کر گویا میدان حشر میں پہنچ جاتا ہے، یہ بڑا ہی ایمان افروز منظر ہوتا ہے۔ میدان عرفات میں وقوف کر کے در اصل میدان حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات روانہ ہوں، زوال تک میدان عرفات کے باہر وادی نمرہ میں ٹھیریں، مسجد نمرہ میں پہلے خطبہ ہو گا اس کے بعد ایک اذان اور دو اقامتوں سے ظہر و عصر کی دو نمازیں تمام حاجی جمع و قصر کر کے پڑھیں گے، یہ جمع و قصر حج کے مناسک میں سے ہے، اس لئے مقیم و مسافر سب ہی قصر کریں گے، ظہر و عصر کے درمیان اور عصر کی نماز کے بعد کوئی مؤکدہ یا نفل نماز نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر پڑھ کر کچھ دیر منیٰ ہی میں رہے، جب سورج نکل گیا تو آپ ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور ہدایت فرمائی کہ وادی نمرہ میں آپ ﷺ کے لئے خیمہ نصب کیا جائے۔

جب آفتاب ڈھل گیا تو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ حضرت بلالؓ نے پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ ﷺ نے کوئی نماز (یعنی سنت مؤکدہ اور نفل) نہیں پڑھی۔(58)

4.1 وقوف عرفہ کی تفصیل:

حج کا اہم رکن وقوف ہے اگر یہ رہ جائے تو حج مکمل نہ ہو گا اور اس کی تلافی دم سے یعنی کسی جانور کی قربانی سے بھی نہ ہو سکے گی، بلکہ سال اس کی قضا واجب ہو گی اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ سنت یہ ہے کہ نماز ظہر و عصر پڑھ کر میدان عرفات میں داخل ہوں سورج غروب ہونے تک وہیں رہیں۔ چونکہ وقوف عرفہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے اور یہ حج کے صحیح ہونے کا دارومدار ہے۔ اس لئے اس میں اتنی وسعت اور رعایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نویں ذی الحجہ کے دن عرفات نہ جا سکے تو ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے کسی وقت پہنچ جائے اس کا وقوف صحیح اور حج مکمل ہو جائے گا۔(59)

حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حج (کا اہم رکن جس پر حج کے صحیح ہونے کا دارومدار ہے) وقوف عرفہ ہے جو شخص مزدلفہ والی رات (یعنی ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں بھی) صبح صادق سے پہلے عرفات پہنچ جائے اس نے حج پالیا اور اس کا حج ہو گیا۔(60)

4.2 وقوف کا مطلب

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وقوف عرفہ کے لئے کھڑے رہنا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے وقوف کا مطلب ہے ایک وقت مقررہ تک میدان عرفات میں ٹھہرنا، کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے ہر حالت میں وقوف درست ہو جائے گا۔ نیز رحمت سامنے رہے تو بہتر ہے ضروری نہیں ہے البتہ قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔

کسی کو سوتے ہوئے، جاگتے ہوئے، بے ہوشی کی حالت میں، بیمار کو اسپتال میں لاکر اگر ایک لحظے کے لئے بھی میدان عرفات پہنچا دیا جائے تو وقوف ہو جائے گا۔

عرفات کا پورا میدان موقف ہے۔ جس جگہ ٹھہرنا چاہیں ٹھہریں لیکن وادی عرنہ یا وادی نمرہ میں وقوف نہ کریں۔ مسجد نمرہ میں بھی وقوف درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا زیادہ حصہ عرفات سے باہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "میں نے اس جگہ (جبل رحمت کے قریب) وقوف کیا ہے اور عرفات کا پورا میدان موقف ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا "عرفات کا پورا میدان موقف ہے اور تم وادی عرنہ سے ہٹ جاؤ (یعنی اس میں وقوف نہ کرو)"۔

بعض لوگ جبل رحمت پر چڑھتے ہیں، خود بھی زحمت اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جبل رحمت پر وقوف کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے یہ خیال بالکل بے اصل ہے۔

5- واجبات حج

حج میں نو باتیں واجب ہیں۔

1۔ سعی کرنا :

یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے۔

2۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا :

یعنی طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کسی بھی وقت وہاں پہنچنا۔ (61)

3۔ رمی کرنا :

یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا۔

4۔ طواف کرنا :

طواف قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو آفاقی کہتے ہیں۔

5۔ طواف وداع کرنا :

خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت آخری رخصتی طواف کرنا طواف وداع بھی صرف آفاقی پر واجب ہے

6۔ حلق یا تقصیر :

یعنی ارکان سے فارغ ہو کر بال منڈوانا یا صرف کتروانا دسویں ذوالحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا تقصیر واجب ہے۔

7۔ قربانی :

یہ صرف قارن یا متمتع پر واجب ہے، مفرد پر واجب نہیں۔

8۔ مغرب اور عشاء کی نماز

یک ساتھ پڑھنا : یعنی مغرب کی نماز موخر کر کے مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کرنا اور

میدان عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

9۔ رمی، قربانی اور حلق و تقصیر میں ترتیب کا لحاظ رکھنا

5.1 حج کی سنتیں:

1) حج افراد کرنے والے آفاقی اور قارن کو طواف قدوم کرنا۔

2) طواف قدوم میں رمل کرنا، اگر اس طواف میں رمل نہ کیا ہو تو طواف زیارت یا طواف وداع میں کرنا۔

3) امام کا تین مقام پر خطبہ پڑھنا، یعنی ۷ ذوالحجہ کو زوال سے پہلے مکہ میں ۹ ذوالحجہ کو مسجد نمرہ میں جمع بین الصلاتین سے پہلے اور ۱۱ ذوالحجہ کو منیٰ میں (آج کل صرف ایک مقام پر خطبہ دیا جاتا ہے یعنی مسجد نمرہ میں جمع بین الصلاتین سے پہلے)۔

4) ۸ ذوالحجہ کی رات کو منیٰ میں قیام کرنا۔

5) ۹ ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کو جانا۔

6) عرفات سے امام کی روانگی کے بعد روانہ ہونا۔ اب غروب آفتاب کے بعد گولہ چھوڑا جاتا ہے جو امام کے روانہ ہونے کی علامت ہے۔

7) مزدلفہ میں عرفات سے واپسی پر رات کے وقت ٹھہرنا۔

8) عرفات میں غسل کرنا۔

9) قیام منیٰ کے دوران رات کو منیٰ میں رہنا۔

10) منیٰ سے مکہ واپسی کے وقت وادی محصب میں ٹھہرنا، چاہے بہت کم وقت کے لئے ہو۔ سنتوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو قصداً چھوڑنا بہت برا ہے۔ البتہ ان پر عمل کرنے سے بہت اجر و ثواب ملتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ترک ہو جائے تو اس کی قضا لازم نہیں آتی۔ (62)

6- وقوف مزدلفہ

یہ حج کے واجبات میں سے ہے، ۹ تاریخ کو سورج غروب ہونے کے بعد نماز مغرب پڑھے بغیر عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وقوف فرمایا، جب سورج غروب ہونے کا وقت آ گیا زردی کم ہو گئی اور سورج بالکل ڈوب گیا تو آپ ﷺ (عرفات سے مزدلفہ) روانہ ہوئے۔

مزدلفہ جاتے ہوئے راستہ میں نہایت وقار و سکون سے چلیں، شور و شغب سے پرہیز کریں، راستہ کشادہ اور ہجوم کم ہو تو تیز چلیں ورنہ آہستہ سے چلیں تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ تلبیہ و تکبیر کہتے رہیں۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب، عشاء کی نمازیں جمع و قصر کر کے پڑھیں ان دو نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ ان کے درمیان سنت یا نفل نماز نہ پڑھیں، نماز کے بعد کھانے اور دوسری ضروریات سے فارغ ہو کر سو جائیں، صبح صادق ہوتے ہی اول وقت میں نماز فجر ادا کریں اس کے بعد مشعر حرام کے پاس آئیں، قبلہ رو کھڑے ہوں، بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ دوران وقوف ذکر و دعا، تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہیں، اچھی طرح روشنی پھیلنے تک وقوف جاری رکھیں۔

6.1 مزدلفہ کے متفرق مسائل :

☆ سنت یہ ہے کہ مغرب و عشاء کی نماز مزدلفہ میں پڑھی جائے، اگر قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو راستہ ہی میں پڑھ لیں۔

☆ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس رات کو جاگ کر ذکر و عبادت میں مشغول رہنا مستحب ہے، یہ بات درست نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ آرام کیا جائے، مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب و عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے۔(63)

عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک میدان جو منیٰ سے جانب مشرق اندازاً دو میل ہے، حاجی لوگ شام کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ میں آتے ہیں، یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ یہاں

ماسوائے وادی محسر کے علاوہ جہاں چاہیں، قیام کر سکتے ہیں۔(64)

6.2 جمع بین الصلوتین

یہ بھی حج کے واجبات میں سے ہے اس سے مراد جمع کرنا ہے، یعنی دو نمازوں کو ایک جا کرنا۔ میدان عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنا واجب ہے۔ مزدلفہ میں امامت اور خطبہ کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ عرفات میں ہے۔(66)

شرائط جمع بین الصلوتین مزدلفہ

1۔ احرام حج کی موجودگی۔

2۔ عرفہ میں وقوف کر چکا ہو۔

3۔ ماہ ذی الحجہ کی دسویں رات ہو۔

4۔ جمع مزدلفہ میں ہو۔

5۔ عشاء کا وقت ہو۔

6۔ دونوں نمازیں ترتیب سے ادا کرنا۔ پہلے شام بعد میں عشاء۔ مزدلفہ میں صبح صادق تک قیام کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

مزدلفہ ایک بڑی وادی ہے جس کے درمیان ایک مسجد ہے جسے مشعر الحرام کہتے ہیں۔ جس کی بڑی حرمت ہے۔ یہ عبادت کا خاص مقام ہے۔ اس لئے عرفات سے لوٹ کر رات بھر یہاں قیام کرنا اور طلوع فجر کے بعد عبادت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ (البقرہ: ۱۹۸،۲)

"تم جب عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی۔"

مزدلفہ میں فجر کی نماز عام دنوں کی نسبت صبح اندھیرے میں پڑھنا مسنون ہے اور یہاں وقوف کرنا واجب ہے۔ اگر یہ رہ جائے تو فدیہ کے طور پر ایک جانور کی قربانی دینا ہو گی۔ (66)

یہاں ایک بات کی اور نشاندہی کر دی جائے کہ اس مقام کے بعد منیٰ میں قیام کے دوران میں رمی جمار کرنا پڑتا ہے۔ جس کیلئے ۴۹ (انچاس) کنکریاں درکار ہوتی ہیں۔ وہ مزدلفہ ہی سے اکٹھی کر لینا چاہیں اور یہی تمام حجاج کا عمل ہے۔

7- قربانی

یہ بھی حج کے واجبات میں سے ہے، دس ذی الحج کا دوسرا عمل قربانی ہے۔ تمتع اور قران کرنے والوں پر ایک جانور کی قربانی واجب ہے۔ جو لوگ قربانی کی طاقت نہیں رکھتے وہ اس کے بدلے دس روزے رکھیں۔ تین حج کے دنوں میں اور سات گھر واپس آ کر۔ (67)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ ۱۹۶)

"جب تمہیں امن نصیب ہو جائے اور تم میں سے جو شخص حج تک عمرہ کا فائدہ اٹھائے تو وہ استطاعت کے مطابق قربانی کرے، جس کو قربانی میسر نہ آئے وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات واپسی کے بعد، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اہل و عیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔"

7.1 قربانی کی جگہ

حدود حرم میں جس جگہ چاہیں قربانی کر سکتے ہیں۔ حدود حرم سے باہر کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے کی تو وہ حج کی قربانی شمار نہ ہوگی۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "منیٰ کا پورا میدان اور مکہ کی ہر گلی اور راستہ قربانی کی جگہ ہے"۔ (68)

مسنون یہ ہے کہ حج کی قربانی منیٰ میں کی جائے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے قربانی اس جگہ (منیٰ میں) کی ہے لیکن منیٰ کا سارا میدان قربانی کی جگہ ہے"۔ (69)

7.2 قربانی کا وقت

غیر حاجیوں کے لئے قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد ہے۔ حاجی منیٰ میں نمازِ عید نہیں پڑھتے۔ اس کی بجائے جمرہ عقبہ کی رمی کرتے ہیں اس لئے ان کی قربانی کا وقت دسویں ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے (یعنی جمرہ عقبہ) رمی کی ... اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی۔ (70)

قربانی کے آخری وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور امام مالک کے نزدیک تین دن ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲۔ امام شافعی اور اہل حدیث علماء کے نزدیک چار دن ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳۔ امام احمد کا بھی قول اس کے مطابق ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی رائے ہے۔ اگر کسی نے چوتھے دن قربانی کی تو واجب ادا ہو جائے گا۔ سنت کی خلاف ورزی نہ ہوگی اور دم بھی واجب نہ ہوگا۔ (71)

7.3 قربانی کے جانور

قربانی کے جانور یہ ہیں:

اونٹ، گائے، بھینس، دنبہ اور بکرا (نر کی طرح مادہ کی قربانی بھی جائز ہے)۔ (72)

قربانی میں اونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور بکری، بھیڑ، دنبہ ایک شخص کی طرف سے کافی ہوگا۔ ان جانوروں میں نر اور مادہ کی کوئی قید نہیں، البتہ جانور میں کوئی عیب نہیں ہونا چاہیے، مثلاً کانا، لنگڑا، بے حد لاغر کہ اس میں گوشت نام کو نہ ہو۔ جانور خارش زدہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ دنبہ یا بھیڑ اگر چھ ماہ کا تیار اور فربہ یعنی زیادہ گوشت اور چربی والا ہو تو ٹھیک ہے۔ (73)

قربانی کا گوشت حسب مرضی اور ضرورت خود بھی کھا سکتا ہے، اس میں سے ہدیہ بھی دیا جا سکتا ہے اور اس میں سے مستحق غریبوں، فقیروں اور محتاجوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک نصف گوشت اپنے لئے اور نصف مستحق لوگوں میں تقسیم کے لئے رکھا جائے۔ بعض تین حصوں کے حق میں ہیں۔ ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا

بال صحابہ کرام میں تقسیم کر دیے۔(76)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: عورتیں بال منڈوائیں نہیں صرف کتروائیں۔

حلق یا تقصیر کے بعد زائد بال صاف کریں، ناخن تراشیں، غسل کریں اور خوشبو لگائیں، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی، جب آپ ﷺ نے احرام باندھا اور قربانی کے دن طواف زیارت سے پہلے اس خوشبو میں مشک تھی۔

رمی قربانی اور حلق یا تقصیر کے بعد احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، صرف ایک پابندی باقی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت سے ہمبستری نہیں کر سکتے، یہ پابندی طواف زیارت کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔(77)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم (جمرہ عقبہ) پر رمی اور حلق کر لو تو تمہارے لئے عورتوں کے سوا احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔(78)

8- رمی

یہ بھی حج کا واجب ہے، ۱۰ ذی الحجہ کا دن ایام حج میں سب سے زیادہ مشغولیت اور مشقت کا ہے۔ اس دن مناسک حج کے با ترتیب کی یہ چار اہم عمل ہیں:

1۔ جمرۂ عقبہ کی رمی

2۔ قربانی

3۔ حلق یا تقصیر۔

4۔ طواف افاضہ، اسے طواف زیارہ بھی کہتے ہیں۔(79)

۱۰ ذی الحجہ کو رمی، قربانی، حلق میں ترتیب حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، باقی ائمہ کے نزدیک سنت ہے۔

لغت میں رمی کے معنی ہیں پھینکنا اور نشانہ لگانا، اور اصطلاح میں رمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے، رمی جمرات واجب ہے۔ جمرات یا جمار، جمرہ کی جمع ہے، جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، منٰی کے راستے میں کچھ کچھ فاصلے سے پتھر کے تین ستون قد آدم کے برابر کھڑے ہیں اب ستونوں کی جگہ دیواریں بنادی گئی ہیں، ان پر چونکہ کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اس لئے ان ستونوں یا دیواروں کو ہی جمرات کہنے لگے، اور یہ تین جمرات، جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں، بعد والے کو وسطیٰ اور اس کے بعد والے کو جو مسجد خیف کے قریب ہے جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں۔

منٰی میں ہر حاجی ۱۰ویں ذی الحج کے علاوہ ۱۱ویں اور ۱۲ویں ذی الحج کو تاکیدی طور پر اور ۱۳ویں ذی الحج کو اختیاری طور پر قیام کر سکتا ہے۔ یہ ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ ان دنوں میں حاجی کے لئے بعض مناسک مخصوص ہیں اس لئے ہم ان کو تذکرہ ذیل میں کرتے ہیں۔(80)

8.1 رمی جمار:

منٰی کے میدان میں پتھر کے تین ستون جو اب دیواریں بن چکی ہیں نصب ہیں جنھیں جمرات کہتے ہیں اس کا واحد جمرہ ہے۔ اس نسبت سے ان جمرات کے نام جمرۃ العقبہ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الصغریٰ ہیں۔ انھیں جمرۃ الاولیٰ، جمرہ

الثانیہ اور جمرہ العقبہ بھی کہتے ہیں اور عرف عام میں بڑا شیطان، درمیانہ شیطان اور چھوٹا شیطان بھی کہتے ہیں۔ یہ تینوں ستون علامتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہیں جہاں شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی قربانی کے سلسلے میں باپ اور بیٹے دونوں کو ورغلانے یا سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی تھی۔

۱۰ویں تاریخ کو حاجی منیٰ میں سب سے پہلے جمرہ العقبہ پر سات کنکریاں پھینکے گا جسے رمی کہتے ہیں۔ یہ فعل واجب ہے۔ اگر یہ رہ جائے تو ایک بکرے کی قربانی کرنا ہوگی۔ کنکریاں کھڑے ہو کر پھینکی جائیں اور پھینکتے وقت تکبیر کہی جائے "اللہ اکبر"۔ ہر کنکری کا مقررہ مقام کے اندر گرنا ضروری ہے۔ کنکریاں ایک ایک کرکے پھینکی جائیں۔ اس وقت تلبیہ کہنا بند کر دیا جائے۔ البتہ اپنے گناہوں کی مغفرت اور حج کی قبولیت کی دعا مانگنا مستحب ہے۔ رمی کا یہ فعل کئی مرتبہ دہرایا جائے گا۔ دسویں ذی الحج کے بعد ۱۱ویں، ۱۲ویں اور اگر ایک روز اور قیام کرے تو ۱۳ویں کو بھی رمی کی جائے گی۔ ان دنوں میں یعنی ایام تشریق (۱۱ویں۔ ۱۲ویں۔ ۱۳ویں) کے دوران میں تینوں جمرات پر کنکریاں ماری جائیں گی اور اس کی ترتیب یہ ہوگی۔ پہلے جمرہ اولیٰ پر پھر جمرہ ثانیہ پر اور آخر میں جمرہ عقبہ پر۔ ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارنا ہوں گی۔ اس طرح ہر روز ۲۱ کنکریاں پھینکی جائیں گی۔ گویا اگر قیام تین روز ہے تو ۶۳ کنکریاں جبکہ ۷ کنکریاں ۱۰ تاریخ کو پھینکی جا چکی ہوں گی، یعنی کل ۷۰ ہوئیں جبکہ دو دنوں کے لئے کنکریاں کی تعداد ۴۲+۷ یعنی ۴۹ ہوں گی۔ (81)

9- سعی

یہ بھی حج کے واجبات میں سے ہے، لغت میں سعی کے معنی ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا وغیرہ۔ اصطلاح میں سعی سے مراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائر حرم صفا مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ صفا بیت اللہ کے جنوب میں ہے اور مروہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے اور ان کے درمیان دو سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں، ایک صفا سے مروہ تک دوڑنے کے لئے اور دوسری مروہ سے واپس صفا تک دوڑنے کے لئے اور ان پر بہت بڑا شیڈ ڈال کر ان سڑکوں کو پاٹ دیا گیا ہے تاکہ سعی کرنے والے دھوپ کی شدت اور بارش سے محفوظ رہیں۔

سعی کی حقیقت و حکمت

قرآن پاک میں ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (البقرہ: ۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں"۔

"شعائر"، "شعیرہ" کی جمع ہے، کسی روحانی اور معنوی حقیقت اور کسی مذہبی یادگار کو محسوس کرانے اور یاد دلانے کے لئے جو چیز بطور نشان اور علامت مقرر کی گئی ہو اس کو شعیرہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ مقامات خدا پرستی اور اسلام کے عملی اظہار کے یادگار مقامات ہیں۔

حج اور عمرہ کا ایک اہم رکن سعی ہے۔ اس کے بغیر نہ حج صحیح ہوتا ہے نہ عمرہ۔ اس کے رکن ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ: ۱۵۸)

"صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لئے جو شخص حج یا عمرہ کرے وہ ان

کے درمیان طواف (سعی) کر لے، اس سے اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا"۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو کیونکہ سعی کو اللہ نے تم پر فرض قرار دیا ہے۔(82)

9.1 سعی صفا و مروہ

طواف زیارت سے فراغت کے بعد خانہ کعبہ کے قریب واقع دو پہاڑیوں، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، یعنی اتنا تیز چلنا کہ دوڑ معلوم ہو، حج کا اہم رکن ہے۔ اگر یہ رہ جائے تو نہ حج ہو ادا ہو سکتا ہے نہ عمرہ۔ یہ اہم رکن سیدہ ہاجرہ علیہا السلام، والدہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اس سنت کی پیروی ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے پانی کی تلاش میں ادا کی تھی۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ اور بیٹے کو مکہ معظمہ کی بنجر وادی میں چھوڑ گئے تھے تو اس مقام پر پانی قطعاً نہ تھا۔ بچہ پیاس کی وجہ سے چلا رہا تھا۔ والدہ ان کے لئے پانی حاصل کرنے کے لئے صفا پر دوڑ کر چڑھیں اور کبھی مروہ پر۔ اس طرح انہوں نے سات مرتبہ یہ کوشش کی حتی کہ انہیں زم زم کا چشمہ نظر آیا۔

سعی عمرہ میں بھی کی جاتی ہے اور حج میں بھی، حج کی سعی طواف زیارت کے مابعد انہیں مخصوص دنوں میں کی جاتی ہے۔ یہ سعی طواف کے بعد شروع کی جائے اور اس کی ابتداء کوہ صفا سے کی جائے اور دونوں پہاڑیوں کے درمیان چکر لگائیں جائیں۔ کوہ صفا سے کوہ مروہ تک ایک چکر ہوتا ہے اور کوہ مروہ سے صفا تک دوسرا۔ اس طرح سات بار اس پر عمل کرنا ہے۔ آج کل یہ دونوں پہاڑیاں پرانی شکل میں موجود نہیں۔ حکومت نے ان دونوں کے درمیان تمام فاصلے پر چھت ڈال دیا ہے، تاہم پہاڑیوں کے نشان موجود ہیں۔

سعی کے لئے بھی باوضو ہونا مسنون ہے اور دونوں پہاڑیوں کی بلندی پر چڑھ کر دعا مانگنا بھی سنت ہے۔

ایک حاجی کیلئے ضروری ہے کہ وہ آٹھ ذی الحج کو صبح کی نماز کے بعد منیٰ کے میدان میں پہنچ جائے اور پورا دن وہیں رہے۔ نو ذی الحج کو صبح کی نماز پڑھ کر عرفات کو روانہ ہو جائے اور سارا دن اسی میدان میں گزارے غروب آفتاب کے بعد عرفات سے نکل کر رات مزدلفہ کے میدان میں گزارے دس ذی الحج کو صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ کر وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے وہاں پہنچ کر پہلے رمی کرے پھر قربانی پھر حلق یعنی بال منڈوائے ان تمام امور کے سر انجام دینے کے بعد وہ احرام اتار کر اب طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ واپس آجائے۔

طواف اور سعی کے بعد واپس منی لوٹ آئے اور گیارہ اور بارہ تاریخ کو منی میں رہ کر رمی کا واجب ادا کرتا رہے اور اگر بارہ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے منی سے نکل گیا تو ٹھیک ورنہ تیرہ ذی الحج کو بھی منی میں رہنا پڑے گا اور سابقہ طریقوں کے مطابق زوال کے بعد رمی کر کے منی سے نکل آئے گا، اس کا حج مکمل ہو گیا۔

گوشت کھانا جائز ہے۔ حالت احرام میں شکار کرنے والے پر شکار کے جانور کے برابر جانور کی قربانی فدیہ ہے یا وہ چند مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ البتہ موذی اور حرام کیڑے مکوڑے مثلاً سانپ، بچھو، چوہا، کھٹمل اور جوں جو کاٹ دیں کو ہلاک کر سکتا ہے۔

7۔ حالت احرام میں جماع کرنا اور اس سے متعلقہ امور بھی ممنوع ہیں۔ اس کا فدیہ نہیں بلکہ حج یا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ حتیٰ دوبارہ حج کے ایام میں حج کرنا ہوگا۔

8۔ بدکاری اور معصیت کے تمام افعال اور لڑائی جھگڑا بھی حالت احرام میں منع ہیں۔(83)

10.2 شکار کرنا

ممنوعات احرام میں سے وحشی جانور کا شکار بھی ہے، شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے۔ وحشی کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے۔ جزا کے لغوی معنی بدلہ کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو منصف مزاج صاحب نظر افراد تجویز کریں۔ قرآن پاک میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ (المائدہ ۹۵)

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار مت مارو۔ اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے ... یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھ لے۔"

اس آیت میں جس شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے۔ بحری شکار حالت احرام میں جائز ہے۔ بلکہ اس کا کھانا بھی جائز ہے جیسا کہ قرآن کی صراحت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ۹۶)

"تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لئے زاد راہ کے طور پر بھی البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔"

10.3 شکار اور جزا کے مسائل:

1- خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے۔ جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

2- اگر کئی محرم مل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہو گی۔

3- اگر ایک محرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

4- صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے۔ پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ مار دے تو اس سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

5- جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے وہ چاہے کتنے ہی بڑے ہوں ان کی جزا بکری ہی ہو گی۔ مثلاً کسی نے ہاتھی مارا تو اس کی جزا بکری ہو گی۔

6- جوئیں، یا ٹڈی اگر تین سے زیادہ مارے یا کسی کو مارنے کا حکم دے تو ایک صدقہ فطر واجب ہو گا، اور تین یا تین سے کم مارے تو جو چاہے صدقہ دے۔

7- شکار اگر کسی کی ملکیت ہو تو دوہری قیمت ادا کرنا ہو گی۔ راہ خدا میں جزا تو دے گا ہی، اس شخص کو بھی مجوزہ قیمت دینا ہو گی، جس کا شکار مارا ہے۔

8- شکار جہاں مارا گیا ہے اور جس وقت مارا گیا ہے اسی مقام اور اسی وقت کی قیمت واجب ہو گی۔ نہ کسی دوسرے مقام کی قیمت کا اعتبار ہو گا اور نہ دوسرے وقت کی قیمت کا، اس لئے کہ قیمتیں وقت اور مقام کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں۔(84)

خود آزمائی:

1- حج کا لغوی و اصطلاحی مفہوم قلمبند کیجئے:
2- حج کی عظمت و فضیلت پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلمبند کیجئے
3- حج کی فرضیت اور فرضیت حج کی شرطیں بیان کریں۔
4- حج کی اقسام قلمبند کیجئے:
5- حج کے فرائض پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجئے:
6- احرام کی حکمت اور باندھنے کا طریقہ ذکر کریں۔
7- طواف کی اقسام اور احکام بیان کریں۔
8 وقوف عرفہ، رمی، سعی، صفا و مروہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
9- قربانی کے احکام اور محرمات حج پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلمبند کیجئے:

حوالہ جات

1- الرازی ابوبکر، احکام القرآن تفسیر (التوبہ :1)

2- قسطلانی، جواہر البخاری مکتبہ محمدیہ، کراچی کتاب الحج حدیث نمبر 205

3- امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج باب فرض حج

4- الجصاص، احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، (ت ق) 31/2 تفسیر آل عمران 97

5- رازی ابوبکر، احکام القرآن، تفسیر آل عمران :97، مزید دیکھئے ابن کثیر عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورہ آل عمران،
آیت:97

6- قسطلانی، جواہر البخاری، کتاب الحج حدیث نمبر 202

7- قسطلانی، جواہر البخاری، کتاب الحج حدیث نمبر 211، مزید دیکھئے۔
ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، باب مناقب الحج

8- عسقلانی ابن حجر، الترغیب والترہیب، دمشق مکتبہ النوری، 1981ء حدیث نمبر 355

9- حوالہ سابقہ

10- فواد عبد الباقی، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، کویت وزارۃ الاوقاف، کتاب الحج باب ما یلبس المحرم

11- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، البقرۃ :197

12- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، البقرۃ :197

13- قسطلانی، جواہر البخاری حدیث نمبر 211

14- بلیق، عثمان، عاشقین

15- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، الرازی محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، بیروت، دار العلم، تفصیل مادہ حج

16- عثمانی شبیر احمد، موضح القرآن، تفسیر آل عمران 97

17- امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج باب فرض حج

18- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر آل عمران :97، مزید دیکھئے محمد علی صابونی، تفسیر آیات الاحکام 333/2

19- الجصاص ابوبکر، احکام القرآن، تفسیر آل عمران 97

20- حوالہ سابقہ

44- عثمانی شبیر احمد، موضح القرآن، تفسیر سورہ الحج، 28
45- امام مالک موطا، کتاب الحج، باب غسل المحرم
46- حوالہ سابقہ
47- عثمانی، موضح القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ: 198
48- حوالہ سابقہ
49- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورہ آل عمران: 97
50- بیلیق، منہاج الصالحین/190
51- قسطلانی، جواہر البخاری، /208 ایضاً/207
52- ایضاً
53- ایضاً
54- ایضاً
55- ایضاً
56- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ الحج: /28 مزید دیکھئے صحیح بخاری کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع
57- قسطلانی، جوہر البخاری/208
58- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ الحج/29
59- قسطلانی، جوہر البخاری/176
60- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الحج/30
61- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 196، مزید دیکھئے محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام، 213
62- حوالہ سابقہ
63- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 197، مزید دیکھئے، جصاص احکام القرآن/375
64- الجصاص، احکام القرآن، /377/1 مزید دیکھئے قسطلانی جواہر البخاری/175
65- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 198
66- حوالہ سابقہ
67- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 198، مزید دیکھئے قسطلانی جواہر البخاری/177، الجصاص، احکام القرآن، /378

68- حوالہ سابقہ

69- عثمانی موضح القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ 198 مزید دیکھئے الجصاص، احکام القرآن، 381

70- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 198، مزید دیکھئے بخاری، کتاب الحج باب من جمع بینھما ولم یتطوع

71- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 198

72- عثمانی موضح القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ: 196

73- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 198، مزید دیکھئے محمد علی سائیس، تفسیر آیات الاحکام 203/1

74- حوالہ سابقہ

75- الجصاص، احکام القرآن، 1/330-332-3556

76- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 203

77- حوالہ سابقہ آیہ: 196

78- ایضاً

79- عثمانی موضح القرآن، تفسیر سورۃ الحج: 28

80- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الحج

81- امام ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الحج

82- حوالہ سابقہ

83- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الحج: 28

84- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: 196، تفسیر سورۃ الحج: 29 مزید دیکھئے، صحیح بخاری، کتاب الحج باب بیان ان الشرح یوم الحجر، الجصاص، احکام القرآن 377/1

یونٹ نمبر......6

جہاد کے احکام

تحریر: ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی:۔ عبدالحمید خان عباسی

یونٹ کا تعارف

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد بہت کوشش کرنا ہے۔ یعنی کسی کام کیلئے مشقت اٹھانے کی حد تک کوشش کرنا، گویا جہاد کے معنی انتہائی کوشش اور محنت کے ہیں۔ یعنی کسی کوشش اور محنت جو کسی خاص مقصد کے حصول کیلئے کی جائے اور اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی کے قریب ہے یعنی وہ محنت اور کوشش جدو جہد جو اللہ تعالیٰ کیلئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسلام کے استحکام کیلئے حق کی بلندی اور اسکی اشاعت، وسعت اور حفاظت کیلئے کی جائے۔

زیر بحث یونٹ میں جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم جنگ اور جہاد میں فرق، دفاعی قتال، فرضیت جہاد، جہاد میں شرکت کا حکم، جہاد کی عقلی توضیح، جہاد کی اقسام اور مقاصد مال غنیمت اور مال فے کے احکامات صلح کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ جہاد کا مفہوم جان سکیں۔
2۔ جنگ اور جہاد میں فرق کر سکیں۔
3۔ فرضیت جہاد اور جہاد میں شرکت کے احکام جان سکیں۔
4۔ جہاد کی عقلی توضیح جان سکیں۔
5۔ جہاد کی اقسام اور مقاصد پر نوٹ قلمبند کر سکیں۔
6۔ مال غنیمت اور فے کے احکام جان سکیں۔
7۔ صلح کے احکام جان سکیں۔

فہرست

1- جہاد کے احکام

1.1 جہاد کے لغوی معنی:

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ جہد مجہد اور اصلی حروف تین ج، ھ، د ہیں، اس کا وزن قطع یقطع ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد بہت کوشش کرنا ہے۔ یعنی کسی کام کے لئے مشقت اٹھانے کی حد تک کوشش کرنا "جہد" جیم کی پیش کے ساتھ کہلاتا ہے۔ اسی مادہ اس کا اصل مصدر جہاد ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (النور: ۵۳)

منافق اللہ تعالیٰ کے نام کی کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔

اسی سے ایک لفظ مجتہد نکلا ہے جس سے مراد انتہائی حد تک کوشش کرنے والا انسان ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "طالب مجتہد" محنتی طالب علم "الرجل مجتہد" محنت کرنے والا آدمی۔ (1)

اسی مادہ سے باب مفاعلۃ کے وزن پر ایک لفظ جاھد یجاھد مجاھدۃ بنتا ہے اس سے مراد کوشش کا حق ادا کرنا ہے جس طرح وارد ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (حج: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوشش کا حق ادا کرو۔

گویا کہ کوشش کا حق ادا کرنا جہاد کہلاتا ہے، اگر یہ کوشش اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اسلامی حکومت کو قائم کرنے کیلئے ہو تو اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ (2)

1.2 جہاد کا مفہوم:

گویا کہ جہاد کے معنی انتہائی کوشش اور محنت کے ہیں، یعنی ایسی کوشش اور محنت جو کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے کی جائے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی ان معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اصطلاحی معنوں میں بھی جو اس لفظ کے اصل معنوں کے قریب ہی ہیں یعنی وہ محنت، کوشش اور جدوجہد جو اللہ کے لئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اسلام

کے استحکام کے لئے حق کی بلندی اور اس کی اشاعت، وسعت اور حفاظت کے لئے کی جائے۔ اس میں مسلمان کی جسمانی اور دماغی صلاحیتیں اور مالی قربانیاں بھی شامل ہیں۔ اس طرح جہاد میں ہر وہ کوشش شامل ہو گی جو انسان اپنی، اپنے عزیزوں، دوستوں، اپنے مذہب، معاشرے بلکہ وسیع معنوں میں تمام بنی نوع انسان کی خیر اور بھلائی کے لئے کرے۔ ایک لحاظ سے نیکی کا ہر کام نیکی کی جانب اٹھنے والا ہر قدم جہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ نیک کام کرنے میں آسانی نہیں ہے۔ اس راستے میں متعدد رکاوٹیں آتی ہیں، دشواریاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے انہیں دور کرنے کے لئے، نیکی حاصل کرنے کے لئے اور پھیلانے کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے اس کوشش کو فی سبیل اللہ کے الفاظ کے تحت متمیز کر دیا گیا ہے۔

1.3 جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم

جہاد فی سبیل اللہ شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب ہے خدا کی راہ میں اپنی پوری قوت صرف کر دینا۔ خدا کا دین چاہتا ہے کہ انسان اس کے لئے اپنی جان، اپنا مال، اپنے تعلقات، اپنی خواہشات، اپنی صلاحیتیں، اپنا عیش و آرام سب کچھ قربان کر دے۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ دین کی اتباع ہو سکتی ہے اور نہ اس کی خدمت۔ خدا کا حکم ہے:

إِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ (التوبہ۔ ۲۴)

ترجمہ: اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر ہیں جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں۔

عموماً لفظ "جہاد" کا ترجمہ انگریزی زبان میں (Holy War) "مقدس جنگ" کیا جاتا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوش جنوں" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس

کے سنتے ہی بعض لوگوں کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ڈاڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے، جہاں کسی کافر کو پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لاالہٰ الا اللہ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

1.4 جنگ اور جہاد میں فرق:

تمام انقلابی مسلکوں کی طرح اسلام بھی عام مروج الفاظ کو چھوڑ کر اپنی ایک خاص اصطلاحی زبان (Terminology) کو اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے انقلابی تصورات عام تصورات سے ممتاز ہو سکیں۔ لفظ جہاد بھی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نے حرب اور اسی نوعیت کے دوسرے عربی الفاظ جو جنگ (war) کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، قصداً ترک کر دیئے اور ان کی جگہ "جہاد" کا لفظ استعمال کیا جو (Struggle) کا ہم معنی ہے بلکہ اس سے زیادہ مبالغہ رکھتا ہے۔ انگریزی میں اس کا صحیح مفہوم یوں ادا کیا جا سکتا ہے:

"To exert one's utmost Endavour in furthering a cause"

"اپنی تمام طاقتیں کسی مقصد کی تحصیل میں صرف کر دینا"۔

"جہاد" کے لئے بھی "فی سبیل اللہ" کی قید اسی غرض کے لئے لگائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظام حکومت میں انقلاب برپا کرنے اور اس نظریے کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لئے جدوجہد کرنے اٹھے، تو اس قیام اور اس سربازی و جاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی غرض نہ ہونی چاہیے اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ قیصر کو ہٹا کر خود قیصر بن جائے، اپنی ذات کے لئے مال و دولت یا شہرت و ناموری یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں شامل نہ ہونا چاہیے اس کی قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیے کہ بندگان خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظام زندگی قائم کیا جائے اور اس کے معاوضہ میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ اس کو مطلوب نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (النساء:٧٦)

"ایماندار لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں"۔

طاغوت کا مصدر طغیان ہے جس کے معنی حد سے گزر جانے کے ہیں۔ دریا جب اپنی حد سے گزر جاتا ہے تو کہتے ہیں طغیانی آگئی ہے۔ اسی طرح جب آدمی اپنی جائز حد سے گزر کر اس غرض کے لئے اپنی طاقت استعمال کرتا ہے کہ انسانوں کا خدا بن جائے یا اپنے مناسب حصہ سے زیادہ فوائد حاصل کرے تو یہ طاغوت کی راہ میں لڑنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں راہ خدا کی جنگ وہ ہے جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ خدا کا قانون عدل دنیا میں قائم ہو، لڑنے والا خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسروں سے بھی اس کی پابندی کرائے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (القصص:۸۳)

"آخرت میں عزت کا مقام ہم نے ان لوگوں کے لئے رکھا ہے جو زمین میں اپنی بڑائی قائم کرنا اور فساد کرنا نہیں چاہتے۔ اور عاقبت کی کامیابی تو خدا ترس لوگوں کے لئے ہے"۔

حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا "راہ خدا کی جنگ سے کیا مراد ہے؟ ایک شخص مال کے لئے جنگ کرتا ہے، دوسرا شخص بہادری کی شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے۔ تیسرے شخص کو کسی سے عداوت ہوتی ہے یا قومی حمیت کا جوش ہوتا ہے اس لئے جنگ کرتا ہے۔ ان میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟"۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ کسی کی بھی نہیں۔ فی سبیل اللہ تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جو خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "اگر کسی شخص نے جنگ کی اور اس کے دل میں اونٹ باندھنے کی ایک رسی حاصل کرنے کی نیت ہوئی تو اس کا اجر ضائع ہوگیا"۔ اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لئے ہو، کسی شخصی یا جماعتی غرض کے لئے نہ ہو۔ پس جہاد کے لئے فی سبیل اللہ کی قید اسلامی نقطہ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔

1.5 جہاد فی سبیل اللہ کی وسعت

اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کا معنی بہت وسیع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے کسی قسم کی کوشش کرنا جہاد کہلاتا ہے، اس معنی میں اپنے نفس کی خواہشات کو

1.7 اقدامی قتال

اس سے مراد ایسا جہاد ہے جس میں مسلمانوں کی حکومت دنیا میں جس مقام پر ظلم و بربریت دیکھے اور محسوس کرے کہ وہاں کے عوام پر وہ حکومت ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے تو اس علاقہ کے عوام کو اس ظلم سے نجات دلانے اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ اور ظالموں کی حکومتیں ختم کرنے کیلئے جو جہاد کیا جائے گا وہ اقدامی جہاد یا قتال کہلائے گا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ سب سے بڑا ظلم کیا ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان:۱۳)

حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے

پھر اس جہاد یا قتال کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو دنیا سے ختم کر دیا جائے، اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب یا نظریات کو دنیا سے مٹا دیا جائے بلکہ اس قتال کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی ہے کہ دنیا سے ظلم اور ظلم کا خاتمہ ہو اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبہ:۲۹)

حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (البقرہ:۱۹۳)

تم ان سے جہاد کرتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

اگر کوئی قوم یا علاقہ کے لوگ اپنے ملک میں اپنے مذہب کے تحت پرسکون رہ رہے ہیں اور اس علاقہ میں ظلم و تشدد نہیں تو اس علاقہ پر اسلامی حکومت کو حملہ کرنے یا ان سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں، قتال یا جہاد بالسیف کا مقصد دنیا سے فساد، بدامنی اور ظلم کا خاتمہ کرنا ہے (6)، اس لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

نهى النبى ﷺ عن قتل النساء والصبيان، وقال لاتمثلوا ولا تقتلوا وليداً ولا شيخاً كبيراً

رسول اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اور کہا کہ مثلہ نہ کرو چھوٹے بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو

پھر فرمایا:

من ضیق منزلاً او قطع طریقاً او آذی مومنا فلا جہاد لہ(7)

جس نے گھروں میں بیٹھے لوگوں کو تنگ کیا، راستہ میں چلنے والوں کو لوٹا اور امن والے شہروں کو تکلیف دی اس کا کوئی جہاد نہیں ہے۔

سابقہ سطور کے مطالعہ سے جہاد کی حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ کسی جنگ، قتل و غارت گری یا لوٹ مار کا نام نہیں بلکہ مجموعی طور پر بنی نوع انسان کی اصلاح جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں حتی کہ اپنی اصلاح کے بھی مختلف طریقوں کا نام ہے، ان میں پر امن طریقہ، تبلیغ، امر با معروف و نہی عن المنکر، رشد و ہدایت، اصلاح نفس و عظ و نصیحت بھی جہاد ہیں اور پر خطر طریقہ ظالموں سے ٹکر لینا، ان سے جنگ کرنا، ان کی بیخ کنی کرنا بھی جہاد ہے۔ ان تمام طریقوں کو جہاد فی سبیل اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام میں ایک مسلمان اپنی پوری کوشش بروئے کار لا رہا ہوتا ہے اور پھر یہ تمام کوششیں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پورا کام جہاد ہے۔ انسان جس معروف کو بھی قائم کرنے اور جس منکر کو بھی مٹانے کی کوشش کرتا ہے وہ حقیقت میں خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

1.8 جہاد اور قتال میں فرق

جہاد کی تعریف کا آپ سابقہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں، اگر یہ کوشش پر امن ذرائع اور طاقت کے استعمال کے بغیر ہو، تو اس کے متعدد نام بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی ایک خاص شکل یہ ہے کہ طاقت کے ذریعہ خدا کے دین کو غالب و سربلند کیا جائے، دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کیا جائے اور خدا کے بندوں کو ایسے حالات فراہم کئے جائیں کہ وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اس کی عبادت کر سکیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات خدا کی زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے اور حق و صداقت کو سربلند کرنے کے لئے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جب دنیا عدل و انصاف کی پیاسی ہو، جب انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کے لئے درندہ بن جائے، جب قومیں اور نسلیں ظلم و زیادتی سے کراہ رہی ہوں اور جب خدا کے بندے

محض اس وجہ سے ستائے جائیں کہ وہ اس کو یاد کر رہے ہیں اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، اس وقت ان لوگوں کا خاموش رہنا جو اس ظلم کو مٹا سکتے ہوں بہت بڑا جرم ہے۔(9)

1.9 فرضیت جہاد :

رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ جب تک مکہ میں تھے اس حیثیت میں نہیں تھے کہ خدا کی زمین سے باطل کو مٹاتے اور دین حق کو قائم و غالب کرتے۔ کیونکہ وہ خود مظلوم تھے، کمزور تھے اور بے بس تھے، ان پر اس وجہ سے زیادتی ہو رہی تھی کہ وہ خدا کے دین پر عمل کرتے اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ ظلم جب اپنی آخری حد کو پہنچ گیا تو آپ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ ہجرت کے بعد مظلومیت کا دور ختم ہوا اور آپ کو اتنی طاقت حاصل ہوئی کہ خدا کی زمین سے بزور ظلم و زیادتی کو مٹا کر خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نظام عدل و قسط قائم کریں۔ اس وقت آپ کو طاقت کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس کام کے لئے قرآن نے قتال فی سبیل اللہ کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ یعنی ایسی جنگ جو صرف خدا کو خوش کرنے اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لئے لڑی جائے۔ یہ جنگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وسیع کام کا ایک جزء ہے۔ اس کا صریح حکم تو مدینہ میں دیا گیا لیکن اس کی بنیادی تعلیمات میں موجود تھی۔ کیونکہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا حکم مکہ میں نازل ہو چکا تھا، چنانچہ علامہ شاطبی اپنی کتاب الموافقات فی اصول الشریعہ میں فرماتے ہیں :

الجهاد الذی شرع بالمدینة فرع من فروع الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وهو مقرر بمکة(10)

"جہاد جو مدینہ میں شروع ہوا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فروع میں سے ایک فرع ہے اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم مکہ ہی میں صادر ہو چکا تھا"۔

مدینہ پہنچ کر بھی مسلمانوں کے وجود کو خطرہ محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف جنگ کی اجازت دی بلکہ ان کو اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

وَعَسٰی أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ:۲۱۶)

"تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اگر چہ وہ تمہیں پسند نہیں۔ (یہ ممکن ہے) کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو (اور یہ بھی ممکن ہے) کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

1.10 قتال کی اہمیت

قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل، صبر اور برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے حملے کو برداشت کرنے یا اس سے غفلت برتنے سے منع کیا ہے جو دین اسلام، اسلامی معاشرے یا سنہری قدروں کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام کو جاری کرنے کے لئے کیا جائے۔ اور یہ حکم ایسا سخت ہے کہ ہر مسلمان پر فرداً فرداً عائد ہوتا ہے بلکہ ایک لحاظ سے اس قتال (جہاد فی سبیل اللہ) کی فضیلت نماز اور روزے سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

1.11 جہاد میں شرکت کا حکم

سورہ توبہ کی ان آیات (نمبر 111,118) سے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی طاقت اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے پر تل جائے اور حکومت یا معاشرے کی طرف سے عام مسلمانوں کو پکارا جائے تو ایسے وقت میں اس حملے کو روکنے یا جہاد میں شرکت ایمان کی سچائی کی کسوٹی بن جاتی ہے۔ گویا ان حالات میں جہاد سے غفلت اسلام سے خارج ہونے یا مرتد ہونے کی حد تک جا پہنچتی ہے۔ تاہم یہ صورت صرف اس اسلامی معاشرے کے افراد کے لئے ہے جس پر باہر سے حملہ کیا گیا ہو۔ وہ مسلمان جو اس معاشرے سے دور رہتے ہوں ان پر فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر قریب کے مسلمان اس حملے کو روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو ان پر فرض عین باقی نہیں رہتا۔ وہ جہاد میں شرکت سے باز بھی رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے بھی ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے تو یہ ان مسلمانوں پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض حالات میں تو یہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر فرض ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیرونی حملے کو کامیابی کے ساتھ روکنے کے لئے اگر ایک جماعت اٹھ کھڑی ہو تو پھر یہ فرض کفایہ رہتا

ہے ورنہ فرض عین اور انتہائی خراب حالات میں یہ ایمان کی کسوٹی بن جاتا ہے۔(11)

حملے کی صرف ایک ہی صورت نہیں کہ ایک منظم غیر اسلامی حکومت باقاعدہ اعلان جنگ کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کہ انھیں فتح کر کے مٹا دے یا غلام بنائے یا ان کی مذہبی آزادی کو ختم کرے بلکہ اس کی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

ظلم کے جواب میں: قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر مسلمانوں پر کسی بھی قسم کا ظلم ہو تو اسے روکنے کے لئے میدان جنگ میں اترنا چاہیے مثلاً۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ(٣٩)الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (الحج:٣٩،٤٠)

"جن کے خلاف قتال (جنگ) کیا جا رہا ہے انھیں بھی (جوابی) جنگ کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے۔ محض اس لئے کہ وہ کہتے تھے اللہ ہمارا رب ہے"۔

یہ غالباً پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے ملتی جلتی آیت یہ ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ(١٩٠)وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ

(البقرہ ٢:١٩٠-١٩١)

اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ان کو مارو جہاں پاؤ اور ان کو نکالو جس طرح انھوں نے تمہیں نکالا ہے۔

ان دونوں آیات سے مندرجہ ذیل نہایت اہم نکات ملتے ہیں۔

1۔ جس مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جا رہی ہو تو ان پر جنگ کرنا (جہاد) لازم آتی ہے۔

2۔ اگر مسلمانوں سے ان کے گھر چھینے جائیں، انھیں ان کی جائیداد سے بے دخل کیا جائے اور انھیں محض اس لئے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو مسلمانوں کو بھی جنگ کرنا چاہیے۔

3۔ جب مسلمانوں پر محض اس لئے ظلم و ستم ڈھایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو انہیں بھی اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا چاہیے۔

4۔ دشمن اگر طاقت کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے گھروں اور سرزمین سے نکال دے یا مسلمانوں کے اقتدار اور غلبہ کو مٹا دے تو مسلمانوں کو نہ صرف ان مقامات کو واپس حاصل کرنے کیلئے جنگ کرنا چاہیے بلکہ اپنے دشمنوں کو ان مقامات سے نکال دینا چاہیے جہاں سے وہ نکالے گئے تھے۔

1.12 جہاد کی عقلی توضیح

انبیاء علیہم السلام جس قوم کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان پر وہ پہلے پوری طرح اتمام حجت اور تبلیغ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہدایت و رہنمائی کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ سب کچھ یہ پورا کر دیتے ہیں۔ اس میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ غیب کے پردے اٹھا دیے جائیں اور تمام حقائق کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرایا جائے۔ لیکن اس طرح کا کشف حجاب اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے خلاف ہے جو اس دنیا میں جاری ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل اور ارادہ کا امتحان کیا ہے اس وجہ سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ لوگ عقل سے سمجھ کر ایمان لائیں نہ کہ آنکھوں سے دیکھ کر۔ اس مقصد کے لئے انبیاء کے ذریعہ سے اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے کہ عقل کو جس قدر مدد پہنچانی ضروری ہے وہ پہنچا دی جائے۔ چنانچہ جو شخص کسی قوم میں نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے وہ اپنی سیرت کے لحاظ سے ان کے اندر کا بہترین آدمی ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے اوپر اعتماد کر سکیں۔ وہ ان کی زبان میں ان کو حق کی تبلیغ کرتا ہے تاکہ ہر شخص بے تکلف اس کی بات کو سمجھ سکے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے خود بھی اس حق پر عمل کرتا ممکن ہے نیز یہ کہ جو شخص دعوت دے رہا ہے کوئی مکر و فریب نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ جس بات کا داعی ہے اسی پر خود بھی عامل ہے۔ قوم کے اندر سے بہتوں کی اصلاح کر کے اور ان کو راہ حق پر چلا کر نیکی اور راست بازی کی زندگی کا وہ عملی مظاہرہ بھی کر دیتے ہیں تاکہ ہر شخص دعوت حق کی حقیقت کو آنکھوں سے بھی دیکھ لے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی طلب پر انبیائے کرام معجزے بھی دکھاتے ہیں تاکہ اتمام حجت کی کوئی شکل باقی نہ رہ جائے۔ جس قوم کے اندر حضرات انبیائے کرام یہ سب کچھ کر چکے ہیں اور اس کے باوجود لوگ اپنی

ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ اگر ایمان لانے والوں کی تعداد کفر کرنے والوں کی تعداد کی طرح معتدبہ ہوتی ہے تو اس صورت میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اہل کفر کے مقابل میں تلوار اٹھائیں اور طاقت کے زور سے ان کو حق کی اطاعت پر مجبور کریں۔

تلوار اٹھانے کا یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب تبلیغ اور اتمام حجت کا فرض جس حد تک ادا ہونا چاہئے ادا ہو چکتا ہے۔ اس فرض کے ادا ہو جانے کے بعد اسلام تلوار اٹھانے کو بالکل جائز قرار دیتا ہے، اس کو وہ جبر نہیں تسلیم کرتا، اور غور کیجئے تو اس میں جبر کا کوئی پہلو ہے بھی نہیں۔ جس شخص پر حق پوری طرح واضح کیا گیا ہے بلاشبہ اس شخص کے سامنے اگر تلوار اور اسلام رکھ دیئے جائیں اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ اسلام لا ورنہ تیرے لئے یہ تلوار ہے تو یہ اس پر جبر ہوگا لیکن جس شخص کے سامنے نبی نے آکر حق کو واضح کر دیا ہے اور اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لایا تو اب توضیح حق کی وہ کونسی صورت باقی رہ گئی ہے جو اس کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے؟ اس وجہ سے خدا کا قانون ایسے لوگوں کو اتمام حجت کے بعد کوئی مہلت نہیں دیتا۔

2- جہاد کی اقسام

سابقہ سطور میں آپ تفصیل سے جہاد کے موضوع کا مطالعہ کر چکے ہیں۔اس مطالعہ کے مطابق جہاد کی مختلف اقسام سامنے آتی ہیں۔ان میں سے چند اہم اقسام یہ ہیں:

2.1 جہاد بالنفس

ہر انسان کے اندر ایک سرکش نفس موجود ہے جو اسے نیکیوں سے روکتا ہے اور برائیوں کے لئے ابھارتا ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ اس کو قابو میں رکھا جائے۔اس طرح ہر انسان کے اندر ایک جنگ لگی رہتی ہے جو اس کی نفسانی خواہشات اور روحانی قوت کے درمیان ہوتی ہے۔اس جنگ میں جو طاقت بھی غالب آئے انسان اسی کا تابع ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نفسانی خواہشوں کا اسیر ہو جائے تو پھر وہ نہ اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ اچھا مسلمان۔اس لئے اسلام اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی منفی آرزوؤں اور نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کے عالم میں رہے۔اس سلسلہ میں ایک روایت جس کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا "بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرے"۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی برائیوں کو ختم نہیں کر لیتا، اس وقت تک نہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے اچھا فرد بن سکتا ہے اور نہ معاشرے کا اچھا شہری۔اس لئے سب سے پہلے جہاد اپنی کمزوریوں، اپنی خواہشات اور اپنی برائیوں اور گناہوں کے خلاف کرنا چاہیے۔

2.2 جہاد بالعلم

جہالت بہت بڑی برائی اور گمراہی ہے، جہالت تاریکی ہے۔جہالت فتنہ فساد کی جڑ ہے۔اس لئے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے اور یہ جہاد علم حاصل کر کے اور علم پھیلا کر کیا جا سکتا ہے۔انسان کا دل شکوک و شبہات کا مرکز ہے۔زور و جبر کے ساتھ ان کو دور نہیں کیا جا سکتا۔اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور دلیل بغیر عقل کے نہیں ہوتی اور عقل کے لئے علم ضروری ہے۔اسلام نے لوگوں کے دلوں کا زنگ، علم کی روشنی سے دور کیا، ان

کے شکوک کو علم اور حکمت کی تلوار سے دور کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان:٥٢)

"تو کافروں کی بات نہ مان اور ان سے جہد کر، جہاد اکبر (یعنی علمی دلائل سے) انہیں شکست دو۔(12)

2.3 مالی جہاد

مال کی محبت انسان کی فطرت میں ہے۔ وہ اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ وہ امیر سے امیر تر ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اسلام انسان کو کسب دولت سے منع نہیں کرتا مگر اس کے حصول کے ناجائز طریقوں سے روکتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی فاضل دولت ایسے لوگوں پر خرچ ہو جو اس سے محروم ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم تفصیلی بحث زکوٰۃ کے یونٹ میں کر چکے ہیں، یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مال خرچ کرنے کا ایک راستہ حق کی بلندی اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑائی کے لئے ہتھیار فراہم کر کے یا اسلامی لشکر کی مالی مدد کرنے کا بھی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"جس نے اللہ کی راہ میں اپنا مال بھیج دیا اور خود گھر بیٹھا رہا تو اسے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم اجر ملے گا۔ لیکن جو خود اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا اور اس میں اپنا مال خرچ کیا تو اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم ملیں گے"۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة:٢٦١)

"اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے کئی کئی گنا اجر دیتا ہے"۔(13)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"تمام صدقات سے افضل صدقہ یہ ہے اللہ کی راہ میں سایہ کے لئے سائبان لگا دینا، یا اللہ کی راہ میں خدمت گار مہیا کر دینا یا اللہ کی راہ میں نوجوان اونٹنی فراہم کر دینا"۔

اس حدیث شریف میں مالی جہاد کی مختلف شکلیں بیان کی گئی ہیں یعنی اسلامی جنگوں کی صورت میں لشکروں کی

مدد کے لئے خیمے فراہم کرنا یا کسی شخص کی خدمات خرید کر اسے بطور سپاہی جہاد پر بھیجنا یا اہل لشکر کے لئے سواری وغیرہ فراہم کرنا۔ اس طرح نقد رقم فراہم کرنا اور آلاتِ جنگ وغیرہ فراہم کرنا بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں مالی جہاد کے بارے میں کئی آیات آئی ہیں، مثلاً

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال ۸: ۷۲)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا"۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں جان کے جہاد کا حکم ہوا اس کے ساتھ ساتھ مالی جہاد کا بھی اکثر ذکر آیا ہے۔ بلکہ ہر جگہ جان کے جہاد سے پہلے مال کے جہاد کا بیان ہے۔ ارشاد ہوا:

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ ۹: ۴۱)

"ہلکے اور بھاری ہو کر جس طرح ہو نکلو اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الحجرات: ۱۵)

"بے شک مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور پھر اس میں شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا"۔

پھر ارشاد ہوا:

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً (النساء: ۹۵)

"اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ کی فضیلت دی ہے"۔

ان آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مالی قربانی کو جانی قربانی سے پہلے رکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مالی شرکت بہر حال جانی قربانی کی نسبت آسان ہے۔ نیز یہ کہ جانی جہاد کی ضرورت ہر وقت نہیں پڑتی جبکہ مالی جہد کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ پھر یہ کہ مال و دولت انسان کی کمزوری ہے۔ اسی لئے اس کو پہلے رکھا گیا ہے۔

2.4 لسانی جہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (الانفال ۸:۶۵)

"اے نبی! اہل ایمان کو قتال (جہاد) پر ابھارو۔"

جہاد پر ابھارنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مومنین کو جہاد کے فوائد بتائے جائیں، ان کو اللہ کی مدد کی بشارت دی جائے، انہیں صبر و شکر کی تلقین کی جائے، انہیں شہادت کی اہمیت اور حقیقت سے آگاہ کیا جائے، غرضیکہ زبان کے ذریعے جہاد کے بارے میں جو بھی ممکن ہو اس کے تمام پہلو سامنے لا کر ان کے اندر جہاد کی روح پھونکی جائے۔

جہاد کی یہ قسم لسانی جہاد میں آتی ہے۔ حضرت انسؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا "مشرکین سے جہاد کرو، اپنے مالوں سے، اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں سے"۔ اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ زبان سے دشمن کو ڈرایا جائے، اسے مار ڈالنے، گرفتار کرنے کی دھمکی دی جائے اور جنگ کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ دشمن کی رسوائی اور شکست کی اور مسلمانوں کی نصرت و فتح کی دعائیں مانگی جائیں۔

جہاد کے فوائد

2.5 خدا پرستی کا فروغ

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (۳۹) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (الحج:۴۰-۳۹)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔ کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان

کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے"۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے، تو خانقاہیں، گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

2.6 مظلوم و مقہور کی دستگیری :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (النساء:٧٥)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

کسی مسلمان کے لئے قانوناً اخلاقاً جائز نہیں ہے کہ وہ خاموش بیٹھے رہیں جبکہ دنیا کے کسی خطہ کے اندر مسلمان ستائے جا رہے ہوں۔ مسلمان عورتوں کی جان و آبرو سے کھیلا جا رہا ہو۔ معصوم بچوں کو نشانہ عذاب بنایا جا رہا ہو۔ کمزور اور بے بس افراد ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں۔ درندگی اور بہیمیت کا دور دورہ ہو۔ نہ کسی خدا پرست کی جان محفوظ ہو نہ خانہ خدا کا احترام باقی رہا ہو۔ انسانیت کے وہ تمام حقوق پامال کئے جا رہے ہوں جو دنیا کا ہر مذہب و ملت انسانوں کو دیتا ہے۔ عورتوں کی آبرو، معصوموں کی بوٹیاں بستیوں کا دھواں اور مسجدوں کی بربادی پکار پکار کر مسلمانوں سے امداد طلب کر رہی ہو۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو مظلومین کی حمایت و آزادی کیلئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ خدا کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

2.7 جارحیت کا جواب :

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ(١٩٠)وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ١٩١ - ١٩٠)

ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو، کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے۔ اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لئے کہ قتل اگرچہ برا ہے۔ مگر فتنہ اس سے بھی برا ہے۔

2.8 فتنہ اور استعمار کی بیخ کنی

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (البقرہ: ١٩٣)

تم ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

اہل ایمان کی پرکھ:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (آل عمران: ١٤٢)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (التوبہ: ١٦)

کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو جنھوں نے (اس کی راہ میں) جانفشانی کی اور اللہ اور اس رسول اور مومنین کے سوا کسی کو ولی دوست نہ بنایا۔

2.9 اہل ایمان کے دل کی ٹھنڈک

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ:۱۵)

کفار و مشرکین سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دلوائے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو مٹا دے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا ہے۔

3- قیدیوں کے احکام

اسلام نے اسیران جنگ کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے لیکن اسلامی قانون میں ان کیلئے صرف اتنی ہی رعایت نہیں ہے کہ وہ قتل نہ کئے جائیں بلکہ مزید برآں ان کے ساتھ انتہا درجے کی نرمی و ملاطفت کا بھی حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں اسیر اور مسکین و یتیم کو کھانا کھلانے کی تعریف آئی ہے اور اسے نیکوکاروں کا فعل قرار دیا گیا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا(۸)إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا(۹)إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (الدھر: ۸ تا ۱۰)

وہ خاص اللہ کی خوشنودی کیلئے مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض اللہ کیلئے تمہیں کھلاتے ہیں، کسی جزا یا شکریہ کے خواستگار نہیں ہیں، ہم تو صرف اس تنگی کے دن سے ڈرتے ہیں جس میں شدت تکلیف سے چہرے بگڑ جائیں گے۔

نبی ﷺ سپاہیوں اور قیدیوں کے بارے میں ہمیشہ حسن سلوک کی نصیحت فرماتے تھے۔ جنگ بدر میں جب وہ لوگ پکڑے ہوئے آئے جنہوں نے 13 برس تک آپ کو اور مسلمانوں کو تکلیفیں دے دے کر جلاوطنی پر مجبور کیا تھا تو آپ نے صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کریں۔ اس حکم کی تعمیل صحابہؓ نے اس طرح کی کہ ان کو اپنے سے اچھا کھانا کھلایا اور اپنے سے زیادہ آرام دیا۔ بعض صحابہؓ خود کھجوریں کھاتے تھے اور قیدیوں کو روٹی سالن کھلاتے تھے۔ قیدیوں کے پاس کپڑے نہ رہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ان کو کپڑے پہنائے حالانکہ وہ وقت مسلمانوں پر بے انتہا تنگی کا تھا۔ ان قیدیوں میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو بڑا فصیح اللسان تھا اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف زہریلی تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس کے دانت توڑ دیئے جائیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میں اس کا مثلہ کروں تو اللہ میرا مثلہ کرے گا" کچھ مدت قید رکھنے کے بعد آنحضرت نے آخر کار ان سب قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔

اسیران جنگ کے متعلق اسلام کا قانون یہ ہے کہ اختتام جنگ پر: نہیں یا تو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہائی دے دی جائے یا قید رکھ کر نیک سلوک کیا جائے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ
فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد:٤)

جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلے قتل کرو یہاں تک کہ جب ان کو مغلوب کر لو تو پھر قید کی بندش مضبوط کرو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ چاہے احسان کا معاملہ کرو یا فدیہ لے کر رہا کر دو۔

اس آیت کے مطابق رسول اکرم ﷺ اکثر فدیہ لے بغیر ہی اسیران جنگ کو رہا کر دیا کرتے تھے۔ جبال تنعیم میں مکہ کے (80) آدمیوں نے لشکر اسلام پر حملہ کیا اور سب کے سب گرفتار ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے انہیں پیش کیا گیا تو آپ نے سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ جنگ حنین میں ہوازن کے چھ ہزار قیدی بطریق احسان چھوڑ دیے گئے۔ یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آیا اور اسے بھی فدیہ کے بغیر رہائی بخشی گئی۔ اس سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ تاہم بعض اوقات فدیہ بھی لیا کرتے تھے، خصوصاً تنگی و عسرت کی حالت میں

اسلام نے اسیران جنگ کو غلام بنانے کی صرف اجازت دی ہے حکم نہیں دیا ہے۔ اس اجازت سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا مسلمانوں کا اختیاری فعل ہے، بایں ہمہ خلفائے راشدینؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ نہ اٹھانا افضل ہے مصر، شام، عراق، افریقہ، آرمینیا اور فارس کی فتوحات میں بے شمار مقامات عنوۃً (بزور شمشیر) فتح ہوئے اور ان کے لاکھوں آدمی گرفتار کیے گئے مگر ایک قلیل تعداد کے سوا کسی کو غلام نہیں بنایا گیا۔ متعدد مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ کسی امیر فوج نے لوگوں کو غلام بنا لیا اور خلیفہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے رہائی کا حکم دے دیا۔ بلاذری لکھتا ہے کہ مصر کے بعض دیہات شدید مقابلہ کے بعد فتح ہوئے اور مسلمانوں نے ان کے باشندوں کو غلام بنا کر حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو رہا کر کے ان کے وطن کی طرف واپس کر دیا اور حکم فرمایا کہ انہیں بھی عام قبطیوں کی طرح ذمی بنا لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنانا نہ ضروری تھا اور نہ افضل و احسن، بلکہ تبادلہ اساری کا دستور نہ ہونے کے باعث اس کو ایک ناگزیر برائی کے طور پر قبول کیا گیا تھا۔

4- مال غنیمت اور مال فے کے احکامات

مال غنیمت میں محتاجوں، معذوروں اور مسکینوں کی پرورش اور عام قومی ضروریات کیلئے پانچواں حصہ مقرر کیا گیا:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الانفال:۴۱)

جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم کو حاصل ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور اہل قرابت اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کا حصہ ہے۔

اس طریقے سے اموال غنیمت کا ایک معتدبہ حصہ نیک کاموں کیلئے الگ کر لیا گیا اور افراد فوج کے حصہ میں بہت کچھ کمی کر دی گئی۔

مال غنیمت کا اطلاق پہلے ہر اس مال پر ہوتا تھا جو ایک فوج دشمن کے ملک سے لوٹ لے، خواہ کسی طرح لوٹے، لیکن اسلام نے غنیمت صرف اس کو قرار دیا جو میدان جنگ میں دشمن کی افواج سے فاتح فوج کے ہاتھ آئے اس سے ایک طرف عام سلب و نہب جو پرامن غیر فوجی آبادیوں میں کیا جائے غنیمت کی جائز حدود سے خارج ہو جاتا ہے دوسری طرف وہ مال غنیمت کی تعریف سے نکل جاتا ہے جو جنگ کے بغیر صلح یا امان کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اس جس پر میدان جنگ کا معاملہ ختم ہونے کے بعد اسلامی فوج کا قبضہ ہو۔ نیز اس تعریف کی رو سے وہ تمام املاک بھی غنیمت کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں جو جنگی کارروائی کے نتیجہ میں دشمن حکومت کی ملک سے نکل کر اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئیں۔ اسلام نے اس دوسری قسم کے مال کو فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے حکومت اسلامیہ کی ملکیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(٦)مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر:٦-٧)

جو فے کا مال اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے اس پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے بلکہ اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے تسلط بخشتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سو ایسا مال جو اللہ اپنے رسول کو فے کے طور پر عطا فرمائے وہ اللہ اور اس کے رسول اور اہل قرابت اور یتامیٰ مساکین اور مسافروں کا حق ہے تاکہ وہ تمہاری مالداروں کے درمیان نہ گردش کرتا پھرے۔

اس آیت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ صرف اموال منقولہ غنیمت کے تحت آتے ہیں جن کو اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر (یعنی میدان جنگ میں لڑ کر) فوج نے حاصل کیا ہو۔ باقی رہے وہ اموال و املاک اور اراضی جو ایجاف خیل و رکاب کا بلا واسطہ نتیجہ نہ ہوں تو وہ حکومت اسلامیہ کی ملک ہیں اور خدا اور رسولؐ کے کاموں پر خرچ ہونے کیلئے ہیں۔

یہ حکم ابتداً صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کیلئے مخصوص سمجھا گیا تھا۔ مگر جب صحابہ کرامؓ نے غور کیا تو نظر آیا کہ "فے" کے حقداروں میں چھ نام گنائے گئے ہیں، اللہ، رسولؐ، ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل۔ ان میں سے صرف ایک "رسولؐ" دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ باقی اللہ کی والا یموت ہے اور ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل تا قیام قیامت موجود ہیں۔ پس تنہا رسول کے رخصت ہو جانے سے یہ پانچ حقدار کیوں کر بے حق ہو سکتے ہیں۔ پھر خود رسولؐ کا استحقاق بھی تنہا ان کی ذات کیلئے نہ تھا بلکہ اس کام کیلئے تھا جو وہ زندگی میں کرتے تھے اور وہ کام بدستور جاری ہے اس لئے "فے" میں سے رسولؐ کا حق بھی فوت نہیں ہوا۔ علاوہ بریں "فے" کو ان چھ حق داروں کا حق قرار دینے کی جو مصلحت بیان کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ یہ مال تنہا مالداروں ہی میں گشت نہ کرتا پھرے بلکہ قوم کے تمام طبقے مستفید ہوں، "کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" یہ مصلحت جس طرح رسولؐ کی زندگی میں تھی اسی طرح اب بھی باقی ہے اور جب تک دنیا آباد رہے باقی رہے گی۔ اس بنا پر یہ قانون قرار دیا گیا کہ "فے" کا مال خدا اور رسولؐ کے کاموں اور امت کے عام طبقوں کی خدمت کیلئے محفوظ رکھا جائے۔

5- صلح کے احکام

اسلامی جنگ کے شعائر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان کو ہر وقت صلح کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ چونکہ اسلام کی جنگ کا مقصد "جنگ" نہیں ہے بلکہ اصلاح اور امن و سلامتی ہے، اس لئے اگر مصالحت کے ذریعہ یہ مقصد حاصل ہونے کی کوئی صورت موجود ہو تو ہتھیار اٹھانے سے پہلے اس صورت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جنگ کی آخری حد وجوہ نزاع کے ارتفاع اور جنگ کی ضرورت باقی نہ رہنے کو قرار دیا ہے۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ٤) اور

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرة:١٩٣)

پس قرآن مجید ہم کو حکم دیتا ہے کہ اگر دشمن تم سے خود صلح کی درخواست کرے تو اسے کھلے دل سے قبول کر لو:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ(٦١) وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال: ٦١-٦٢)

اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہوں تو پروا نہ کرو کہ تمہارے لئے اللہ ہی کافی ہے، وہی ہے جس نے تم کو نصرت غیبی اور مومنوں کی کثرت سے تم کو تقویت دی۔

یہ بھی حکم ہے کہ اگر کوئی دشمن ہتھیار ڈال دے اور اپنی زبان سے یا زبان حال سے امان مانگے تو پھر تم کو اس پر ہاتھ اٹھانے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (النساء: ٩٠)

"اگر وہ تم سے ہاتھ کھینچ لیں اور جنگ نہ کریں اور صلح کی خواہش کریں تو ایسی حالت میں اللہ نے تم کو ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں دی ہے"۔

اسی طرح اگر دشمن قوم کے افراد اکے دکے مل جائیں اور امان مانگیں تو ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ امن کے ساتھ ان کو رہنے دینا چاہیے اور جب وہ اپنے ملک کی طرف واپس جانا چاہیں تو خیریت سے پہنچا دینا چاہیے :

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ (التوبہ:٦)

"اگر مشرکوں میں سے کوئی تمہاری پناہ میں آنا چاہیے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اس کو اس کے مامن تک پہنچا دو، یہ اس لئے ہے کہ وہ نادان لوگ ہیں"

ابتدا اس آیت کی غرض اشاعت اسلام تھی جیسا کہ ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے۔ فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ سے مراد یہ ہے کہ ان کو اپنی پناہ میں لے کر اللہ کا کلام سناؤ، اگر وہ اس طرح وعظ و نصیحت حاصل کریں اور اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے، اور اگر ان کے دل اسلام کیلئے نہ کھلیں تو ان کو قتل نہ کرو بلکہ امن و عافیت کے ساتھ ان کو ان کے وطن تک پہنچا دو۔

(واللہ اعلم)

خود آزمائی :

1۔ جہاد کا لغوی واصطلاحی مفہوم واضح کیجئے۔

2۔ جنگ اور جہاد میں کیا فرق ہے۔

3۔ فرضیت جہاد پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

4۔ جہاد کی اقسام اور مقاصد پر نوٹ قلمبند کیجئے۔

5۔ مال غنیمت اور مال فے کے احکام واضح کیجئے۔

6۔ صلح کے احکام پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

حوالہ جات

1۔ المنجد، باب جَهَدَ المَجْهَد

2۔ مودودی، الجہاد فی الاسلام، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1994/39، مزید دیکھئے

3۔ امام بخاری، کتاب الجہاد، باب جہاد فی سبیل اللہ

4۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد

5۔ حوالہ سابقہ

6۔ حوالہ سابقہ

7۔ مودودی، الجہاد فی الاسلام، 120/

8۔ سید سابق، فقہ السنہ، 656/2

9۔ سید سابق، فقہ السنہ، بیروت، دارالکتاب العربی، 1969، 649/2

10۔ الشاطبی، ابو اسحاق، الموافقات، مزید دیکھئے، الجصاص، احکام القرآن، تفسیر سورۃ 38/

11۔ حوالہ سابقہ

12۔ الجصاص، ابو بکر رازی، احکام القرآن، باب فرض النفیر والجہاد تفسیر سورہ التوبہ، 41/

13۔ حوالہ سابقہ

یونٹ نمبر.....7

قرض کفالہ، حوالہ اور وکالہ کے احکام

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی: ثناء اللہ حسین

یونٹ کا تعارف

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرض بھی ایک عقد یعنی معاہدہ ہے۔ قرض کے معاہدہ میں وہ بنیادی نکتہ جو اسے باقی تمام معاہدہ جات سے علیحدہ مقام عطا کرتا ہے وہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تعاون کا جذبہ ہے، کیونکہ قرض قاف کی زبر کے ساتھ کا معنی کاٹنا قطع کرنا ہے کیونکہ اس میں ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے مال کا کچھ حصہ دیتا ہے، اس یونٹ میں قرض کی لغوی و اصطلاحی تعریف قرضہ کی شرعی حیثیت، شرائط، قرض کے معاہدہ کی تکمیل میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی، کفالہ، حوالہ اور کفالہ میں فرق، کفالہ کی شرائط، حوالہ کی تعریف اور اقسام اور شرائط، وکالت کی شرعی حیثیت، وکیل کی حیثیت اور شرائط، وکالت کی اقسام واضح کیے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ قرض کی لغوی و اصطلاحی تعریف جان سکیں۔
2۔ قرضہ کی شرعی حیثیت اور شرائط جان سکیں۔
3۔ قرض کے معاہدہ کی تکمیل اور میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی پر تفصیل سے گفتگو کر سکیں۔
4۔ کفالہ کی تعریف جان سکیں۔
5۔ کفالہ اور حوالہ میں فرق کر سکیں۔
6۔ کفالہ کی شرائط جان سکیں۔
7۔ حوالہ کی تعریف اقسام اور شرائط جان سکیں۔

فہرست عنوانات

1- قرض

1.1 قرض کی لغوی تعریف

قرض قاف کی زبر کے ساتھ کا معنی، کاٹنا، قطع کرنا یا ترک کرنا ہے کیونکہ اس میں ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے مال کا کچھ حصہ دیتا ہے یعنی ایک طرح سے اپنے مال کو کاٹتا ہے اس لئے اسے قرض کہتے ہیں۔ قرض دینے والے کو قرض خواہ اور قرض لینے والے کو مقروض اور جو رقم دی جاتی ہے اسے قرضہ کہتے ہیں۔ عربی میں ایک فقرہ بولا جاتا ہے۔ "قرضت الشی عن شی" یعنی میں نے فلاں کو اس چیز کے ذریعہ ترک کر دیا۔(1)

جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے۔

وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ (الکھف: ۱۷)

اور جب غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں جانب سے کترا جاتا تھا

1.2 قرض کی اصطلاحی تعریف

مفسرین کی قرض کی اصطلاحی تعریف میں مختلف آراء ہیں لیکن ان میں سے مختصر اور جامع تعریف درج ذیل ہے۔

دفع المال المحمول علی سبیل التعاون لینتفع به و یرد مثله(2)

ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے قیمتی مال دینا تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور پھر اسی مقدار میں واپس بھی کر دے۔

1.3 قرض کا بنیادی نکتہ

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرض بھی ایک عقد یعنی معاہدہ ہے جس طرح باقیہ عقود یا معاہدہ جات مثلاً عقد اجارہ، عقد کفالۃ، عقد شرکہ وغیرہ ہیں۔ قرض کے معاہدہ میں وہ بنیادی نکتہ جو اسے باقی تمام

معاہدہ جات سے علیحدہ مقام عطاء کرتا ہے۔ وہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تعاون کا جذبہ ہے۔ قرض خواہ کسی انسان کو قرضہ کی رقم یا مال دینے کے بعد اس پر کوئی فائدہ یا اس سے کوئی معاوضہ نہیں لے گا بلکہ یہ مال مقروض کی معاونت کرتے ہوئے یک مشت یا بالاقساط یا کسی اور ذریعہ سے ادا کرے گا۔ اگر اس عقد میں منافع یا عوض کا عنصر شامل ہو جائے تو یہ قرض نہیں رہے گا۔

لفظ قرضہ خود بھی عربی زبان کا لفظ ہوتے ہوئے عربی میں اس کا ایک اور مترادف بھی بولا جاتا ہے جسے "سلف" کہتے ہیں۔ اس کا معنی بھی قرض ہے جس طرح حدیث میں وارد ہے۔

ان السلف یجری مجری الصدقة (3)

قرضہ یا سلف دینا صدقہ کے قائم مقام بھی ہوتا ہے۔

1.4 قرضہ کے لوازمات

مفسرین کے نزدیک قرضہ کے عقد میں پانچ لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ قرض کسی ایسے مال سے دیا جائے جسے اسلامی شریعت مال تصور کرے۔
2۔ وہ قرضہ ایک متعین وقت کے اندر قرض خواہ کو واپس کیا جائے۔
3۔ قرضہ کا مقصد مقروض کو نفع پہنچانا یا اس سے تعاون کرنا ہو۔
4۔ یہ معاہدہ یا عقد دونوں فریقین برضا و رغبت دلا کرا دا کریں۔
5۔ اس معاہدہ کے تمام شرائط کی پابندی بھی دونوں یا تمام فریق کریں۔ (4)

1.5 قرضہ کی شرعی حیثیت

قرضہ دینا مستحب ہے ہر انسان پر یہ بات واجب یا فرض نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو قرضہ دے یہ ایک احسان کا درجہ ہے کہ ایک انسان دوسرے کو قرضہ دے۔ کیونکہ یہ انسانی تعاون کی اعلیٰ مثال ہے کہ ایک آدمی اپنے کمائے ہوئے مال میں سے دوسرے شخص کو بغیر کسی دنیاوی فائدہ کی امید رکھتے ہوئے کچھ مدت کیلئے مال دے اس لئے

سابقہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ قرضہ دینا اسلامی شریعت میں صدقہ یا خیرات دینے کے برابر اجر رکھتا ہے۔(5)

1.6 اسلام میں مال کی تعریف

مفسرین کرام کے نزدیک ہر وہ چیز مال شمار ہوگی جس میں تین شرائط پائی جائیں۔

1۔ وہ چیز متقول ہو یعنی اپنی قیمت رکھتی ہو۔

2۔ اس چیز کو اسلامی شریعت نے بھی حلال قرار دیا ہو۔

3۔ وہ چیز کسی کے قبضہ میں بھی ہو۔

پہلی اور تیسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایک انسان کو ایک میل کے علاقہ کی ہوا یا کسی جنگل کے پرندے یا اس طرح کی کوئی چیز قرضہ پر دے تو یہ اشیاء مال شمار نہیں ہوں گی کیونکہ ایک تو ان کی کوئی قیمت نہیں ہوا پر کسی کا کنٹرول نہیں، جنگل کے پرندوں پر کسی کا کنٹرول نہیں اور دوسرا یہ کسی کی ملکیت یا قبضہ میں نہیں ہیں۔اس لئے اس قسم کی اشیاء اصطلاح میں مال متقول نہیں کہلائیں گی متقول مال وہ ہوگا جو لوگوں کی نظروں میں قیمت رکھتا ہو اور با قبضہ ہو۔

دوسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ مفسرین کے نزدیک شریعت میں بعض چیزیں حرام ہیں مثلاً خنزیر، شراب، مردار اور اس طرح حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال تو یہ اشیاء بھی مال شمار نہیں ہوں گی جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ (البقرة: ١٧٣)

اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو۔

سابقہ عنوان قرضہ کے لوازمات میں پہلی شرط کے مطابق اگر حرام اشیاء قرضہ میں دی گئی ہیں تو وہ عقد شمار نہیں ہوگا اور باطل ہو جائے گا کیونکہ وہ اشیاء مال ہی نہیں ہیں اور جب مال ہی نہ ہو تو قرضہ کا نظریہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔(6)

1.7 قرضہ اور دین میں فرق

اردو میں ایک لفظ ادھار بولا جاتا ہے جو نقد کا عکس ہے۔یعنی ایک شخص اپنا مال بیچتا ہے اور اس کے بدلہ کا ایک

سے رقم یا اس کا کوئی دوسرا عوض فوری طور پر حاصل کر لیتا ہے۔ اسے نقد مال بیچنا کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ شخص اپنا مال کسی کو دے اور اس کی قیمت کچھ مدت کے بعد حسب معاہدہ لے تو اسے ادھار مال بیچنا کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس ادھار کو دین دال کی زبر کے ساتھ کہتے ہیں۔ جب کہ اس کا برعکس لفظ عین بولا جاتا ہے جو عین کی زبر کے ساتھ ہے۔ مفسرین کے نزدیک قرض بھی دین کی ایک قسم ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے قرضہ کے معاہدہ میں لفظ قرض خاص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تاکہ یہ کاروباری قسم کے ادھار سے علیحدہ شمار ہو۔ دوسرا یہ کہ قرض میں قرض خواہ تعاون کے جذبہ سے دیتا ہے اور اسے کوئی دنیاوی لالچ نہیں ہوتا لیکن دین میں ادھار دینے والا دنیاوی منافع حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

اس طرح دین کل ہے اور قرض اس کی ایک قسم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (البقرۃ:۲۸۲)

اے لوگو جو ایمان لے آئے ہو جب کسی مقررہ مدت کیلئے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو۔

1.8 قرض خواہ کی شرائط

قرضہ کا معاہدہ کرنے والے میں درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ قرض دینے والا معاہدہ کے وقت عاقل و بالغ ہو۔

2۔ قرض دینے والا اس مال کا خود مالک ہو اگر اور کسی کے مال پر وکیل مقرر ہے یا کسی یتیم کے مال کا ولی یعنی سرپرست ہے تو اس کا مال کسی خاص حالات میں شدید ضرورت کی وجہ سے قرض دے سکتا ہے ورنہ اسے اس کی اجازت نہیں۔

3۔ قرض دینے والا قرضہ فریق ثانی کے حوالہ بھی کر دے یعنی اسے اس مال کا قبضہ بھی دے۔

4۔ قرض خواہ واپسی کا مطالبہ مدت پوری ہونے کے بعد کرے گا اس سے قبل نہیں کر سکتا اور نہ ہی قرضہ پر دی ہوئی چیز یا مال دوبارہ واپس لے سکتا ہے ہاں صرف ایک صورت میں کہ جب مقروض دیوالیہ ہو جائے اور قرض خواہ کی چیز اسی حالت میں اس کے پاس موجود ہو تو وہ اس چیز کو مدت سے قبل لے سکتا ہے۔ مثلاً اس نے ایک بھینس قرضہ کے طور پر دی کہ دو سال کے بعد اس کی اتنی رقم میں مجھے دے دینا لیکن تین ماہ کے

بعد مقروض دیوالیہ ہو گیا اور وہ شے اس کے پاس کھڑی تھی تو پھر قرض خواہ معینہ مدت سے قبل وہ شے اس سے واپس لے سکتا ہے۔

1.9 مقروض کی شرائط

مفسرین کرام کے نزدیک جس شخص کو قرضہ دیا جائے اس میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

1۔ مقروض عاقل و بالغ ہو اور معاہدہ کرنے کا اہل ہو۔

2۔ معاہدہ کی شرائط کے مطابق معینہ مدت کے بعد وہ مال خود واپس کر دے یا کسی کے ذریعہ کرا دے۔

3۔ اسے قرضہ کی ضرورت بھی ہو اور قرضہ کے بارے میں قانونی معاملات سے بھی آگاہ ہو۔

1.10 قرض کے معاہدہ کی تکمیل

قرضہ کے معاہدہ میں دو یا دو سے زیادہ فریق ہو سکتے ہیں یہ معاہدہ بھی ایجاب اور قبول سے مکمل ہوتا ہے۔ قرض خواہ پیشکش کرتا ہے یہ مقروض اس سے قرضہ کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ ایجاب ہو گیا اور دونوں طرف سے شرائط کے طے ہو جانے کے بعد ان کے پابند ہو جانے کا معاہدہ کر لینا قبول کہلاتا ہے۔

بس قبول کے بعد یہ معاہدہ مکمل ہو جائے گا لیکن جب مقروض رقم یا سامان وغیرہ اپنے قبضہ میں لے گا تو پھر یہ معاہدہ لازم ہو جائے گا گویا کہ معاہدہ کے بعد مال پر قبضہ بھی معاہدہ کی تکمیل کا بنیادی جز ہے۔

1.11 قرضہ کے معاہدے میں انسانیت

قرآن مجید میں قرضہ کے بارے میں کئی آیات وارد ہیں، بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی قرضہ مانگتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرۃ: ۲۴۵)

تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ محتاج نہیں بلکہ وہ تو عام انسانوں کو دینے والے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو لوگ ضرورت مند یا محتاج ہوں اس کی مالی معاونت صدقہ کے ذریعہ سے یا قرض کے ذریعہ سے کی جائے تو یہ گویا ان کو قرضہ دینا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ قرض خواہ کے مقام کو بڑھاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ وہ خالق کائنات کو قرضہ دے رہا ہے۔(7)

اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو قرضہ دے تو اس سلسلہ میں اسے اپنے اندر تعاون کے جذبات رکھنے چاہئیں اور اگر مقروض معینہ مدت میں کسی مجبوری کی وجہ سے نہ لوٹا سکے تو اسے مزید مہلت دے اور اگر قرض خواہ صاحب حیثیت ہے تو اسے چاہیے کہ مقروض کی تنگدستی اور خراب حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے قرضہ معاف بھی کر دے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔(8)

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ (البقرة: ۲۸۰)

اور تمہارا قرض دار تنگدست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح حدیث پاک میں آیا ہے۔

من سره ان يظله الله يوم لاظل إلاظله فليسر على معسر او ليضع عنه

جس شخص کو اس خواہش سے خوشی ہوتی ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا کہ وہ اس سایہ میں ہو تو وہ تنگدست مقروض کو رعایت دے یا اس سے قرضہ کو ختم کر دے۔(9)

1.12 قرض خواہ کو ہدایت

قرض خواہ قرضہ کے عوض میں کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ معاہدہ تعاون کے جذبہ کے تحت ہوتا ہے جس طرح حدیث ہے۔

كل قرض جر منفعة فهو ربا(10)

1۔ ہر وہ قرض جس کے ذریعہ قرض خواہ نفع اٹھاتا ہے سود شمار ہوگا۔

2۔ اسی طرح قرض خواہ مقروض سے کسی قسم کا تحفہ ہدیہ وغیرہ بھی نہیں لے سکتا۔

3۔ قرض خواہ مقروض سے قرض کی رقم سے زیادہ رقم بھی نہیں لے سکتا اور نہ ہی مطالبہ کر سکتا ہے۔

1.13 مقروض کو ہدایت

1۔ مقروض کو چاہیے کہ وہ مقررہ مدت کے اندر قرضہ واپس کرے۔

2۔ مقروض کو اگر قرضہ سے کچھ فائدہ حاصل ہوا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ قرضہ کی رقم سے کچھ زیادہ واپس کرے تاکہ قرض خواہ کے احسان کا بدلہ بھی اتر جائے۔ حدیث میں ہے

فان خیر الناس احسنھم قضاء (11)

لوگوں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرتے ہوئے قرضہ سے زیادہ ادا کریں۔ یہ زیادہ واپس کرنا مستحب ہے لیکن اگر یہ قرضہ کی شرط میں شامل کریں تو یہ شرط حرام ہے۔

1.14 میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر کسی قسم کا قرضہ ہو تو بعض مفسرین کی رائے کے مطابق اس کا جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھا جا سکتا۔ جب تک کہ اس کے قرضہ اتارنے کا بندوبست نہ ہو جائے۔ کیونکہ رسول اکرم نے ایک مرتبہ کسی صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے سے قبل صحابہ سے پوچھا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے تو لوگوں نے جواب دیا جی ہاں، تو آپ نے نماز جنازہ پڑھانے سے معذرت کر لی۔ اسی طرح حدیث میں وارد ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کی۔ میت کے مقروض ہونے کی صورت میں درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

1۔ اگر میت نے اپنے ترکہ میں مال چھوڑا ہے تو ورثاء اس مال میں سے قرض اتارنے کا اعلان کر دیں۔

2۔ اگر میت نے ترکہ میں مال نہیں چھوڑا تو اس کے خاندان وبرادری والے اس کے قرضہ کی ادائیگی کا ذمہ لیں۔

3۔ اگر خاندان برادری، قبیلہ بھی تنگدست ہے تو مفسرین کے نزدیک عام مسلمان اس کے قرضہ کا ذمہ لیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو کسی مسلمان کی گردن آزاد کرائے گا۔ یعنی اس کا قرضہ ادا کردے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن آزاد کریں گے۔

4۔ اگر درج بالا تینوں صورتیں نہ ہو ممکن نہ ہوں تو اسلامی حکومت اس کا قرضہ اتارنے کی ذمہ دار ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے حاکم ہر اس شخص کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اور اسی طرح آپ نے بھی فرمایا کہ جو شخص فوت ہو اور اس نے ترکہ میں مال چھوڑا تو وہ مال اس کے ورثاء کا ہے اور جو شخص معصوم اولاد، بیوی بچے چھوڑ کر تنگدستی کی حالت میں فوت ہوا اور اس کے ذمہ قرضہ ہے تو وہ قرضہ میں اتاروں گا۔

2- کفالہ

یہ لفظ کفل سے نکلا ہے جس کا باب نصر ینصر اس کا مصدر کفلاً بھی ہے اور کفالة بھی ہے اس سے مراد کسی بات کی ذمہ داری قبول کر لینا ہے۔ اس کا فاعل کافل فاء کی زیر کے ساتھ یعنی ضامن اور کفیل دونوں مستعمل ہیں عربی میں فقرہ استعمال ہوتا ہے۔ "رجل کفیل" امراۃ کفیلة و قوم کفیل۔ اس کی جمع کفلاء آتی ہے۔ (13-۸)

قرآن مجید میں بھی ہے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا (آل عمران: ٣٦)

اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ یعنی ان کی پرورش اور تربیت کا ذمہ دار مقرر کیا۔

گویا کہ لغوی اعتبار سے اس لفظ کے تین معنی ظاہر ہوتے ہیں۔

1- التحمل: یعنی کسی کا بار اٹھا لینا کسی کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا۔

2- التکفل: کسی کی کفالت، پرورش، تربیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لینا

3- المسئولیه: کسی انسان کے متعدد یا بعض معاملات کی جوابدہی اپنے ذمے لے لینا

ان تینوں معنوں میں لغوی طور پر ذمہ داری کا احساس عبارۃ النص سے واضح ہو رہا ہے اس لئے کفالت کو اردو میں ضمانت کے معنی میں بھی اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور ضامن، کفیل اور ضمانتی وغیرہ ہم معنی لفظ اور مترادفات شمار ہوتے ہیں اور فقہ القرآن میں کفالۃ اور ضمان ایک ہی عنوان کے تحت بیان کئے جاتے ہیں۔ (14)

2.1 کفالت کے اصطلاحی معنی

مفسرین نے کفالت کی اصطلاحی تعریف کو جامع اور مانع بنانے کیلئے مختلف طریقہ کار اختیار کئے ہیں لیکن ان تمام میں قدرے بہتر تعریف یہ ہے:

ضم ذمة الی ذمة فی المطالبه بنفس او دین أو عین (15)

ایک شخص، کئی شخص یا ادارہ کا کسی انسان سے کوئی چیز، قرضہ یا اسی انسان کو طلب کرنے کے مطالبہ میں کسی اور انسان کا ان معاملات کے سلسلے میں اس انسان کا ضامن بن جانا اور اس بات کا ذمہ لینا۔ متعلقہ شخص یہ مطالبہ پورا کرے گا کفالت یا ضمانت کہلاتا ہے۔

گویا کہ کفیل یا ضامن اس متعلقہ شخص کی ذمہ داری میں شریک ہو رہا ہے اس صورت میں مطالبہ کرنے والا شخص یا ادارہ دونوں سے اپنے مطالبات پورے کرنے کا تقاضا کر سکتا ہے اور اگر متعلقہ شخص اپنے معاہدہ سے روگردانی کرنے لگے یا علاقہ سے فرار ہو جائے تو پھر ساری ذمہ داری کفیل یا ضامن کے سر پر عائد ہوتی ہے۔(16)

کفالہ کے عناصر:

کفالہ بھی باقی عقود اور معاہدہ جات کی طرح ایک عقد اور معاہدہ ہے اس معاہدہ میں پانچ لازمی عناصر ہوتے ہیں۔

1۔ **المکفول له:** اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے حق لینا ہے اگر مال ہے تو اس کا مالک، اگر قتل کا کیس ہے تو وارث اور کوئی اور چیز کا مطالبہ ہے تو اس چیز کا مالک مکفول لہ کہلائے گا۔

2۔ **المکفول عنه:** اس سے مراد وہ انسان جس سے حق لینا ہے، یعنی مقروض، قتل کا ملزم یا جس کو کوئی چیز دی گئی ہو۔

3۔ **الکفیل:** اس سے مراد وہ شخص ہے جو مکفول عنہ کی ذمہ داری دے یعنی ضامن کہ وہ مقدمہ کی صورت میں بھاگے گا نہیں قرض وغیرہ کے معاملے میں معاہدہ کی پابندی کرے گا۔

4۔ **المکفول به:** اس سے مراد وہ مال، چیز یا انسان ہے جس کی کفالت کا ذمہ لیا جاتا ہے یا اس کی ضمانت دی جاتی ہے۔

5۔ **کفالت کے الفاظ:** اس کے معنی یہ ہیں کہ کفیل یا ضامن ذمہ لیتے ہوئے کیا الفاظ ادا کرتے ہیں۔

2.2 کفالت کی تعریف کے اجزاء

کفالت کی تعریف کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس تعریف میں تین بنیادی اجزاء ہیں۔

1۔ اس معاہدہ کے ذریعہ مکفول عنہ کے ذمہ حق ثابت ہو جاتا ہے۔

2۔ اس معاہدہ کے ذریعہ کفیل یا ضامن کے ذمہ بھی حق ثابت ہو جاتا ہے۔

3۔ مکفول لہ یعنی صاحب حق دونوں میں سے جس سے بھی چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ کفالت یا ضمانت سے مراد یہ نہیں ہے کہ اصل مقروض یا جس پر مقدمہ چل رہا ہے وہ تمام ذمہ داریوں سے مبرا ہو گیا بلکہ اصل ذمہ داری تو اس کی ہے۔ کفیل نے تو اس بات کی ضمانت دی ہے کہ یہ شخص اپنا حق معاہدہ کے مطابق ادا کر دے گا۔(17)

2.3 حوالہ اور کفالہ میں فرق

حوالہ بھی عقد کی ایک قسم ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ مختصراً یہ کہ عقد حوالہ میں ایک شخص اپنی ذمہ داری کا بوجھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جاتا ہے۔ لیکن کفالہ میں کفیل یا ضامن ذمہ داری میں تقریباً شریک ہو جاتے ہیں لیکن اصل ذمہ داری مکفول عنہ یعنی مقروض وغیرہ کی رہتی ہے، لہٰذا عقد کفالہ اور حوالہ میں کافی فرق ہے۔

2.4 کفالہ کی اقسام

عقد کفالہ کی اصلاحی تعریف کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی تین اقسام ہیں۔

1۔ کفالہ بالدین: اس میں لفظ دین دال کی زبر سے ہے جس سے مراد قرض، ادھار وغیرہ ہے اس میں کفیل کسی مقروض کے قرض کی ادائیگی کا ضامن بنتا ہے۔

2۔ کفالہ بالعین: عین سے مراد کوئی معین چیز یا شے وغیرہ ہے جو نظر آ رہی ہو، مثلاً گھر، گاڑی، بس، جانور، گھریلو ضرورت کی اشیاء وغیرہ، اس قسم میں کفیل اس اصل چیز کا ضامن بنتا ہے۔

3۔ کفالہ بالنفس: اس سے مراد کسی انسان کی ضمانت دینا ہے یعنی ایک مقدمہ میں کسی شخص پر الزام عائد ہوتا ہے اور اب خطرہ یہ ہے کہ یہ شخص روپوش ہو جائے گا یا ملک چھوڑ کر بھاگ جائے گا تو کفیل اس شخص کی عدالت میں حاضری کا ضامن بنتا ہے یا اس کی دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی بچے کی پرورش، نشو

نما اور تربیت کی ذمہ داری لینا جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی پرورش کی ذمہ داری لی تھی۔

2.5 کفالہ کی شرعی حیثیت

عقد کفالہ کے تمام اقسام کی اجازت قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جب ان کے بھائیوں نے دوسرے بھائی کو ساتھ لے جانے کا عہد دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِي مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ (یوسف:٦٦)

میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام سے مجھے پیمان نہ دے دو کہ اسے میرے پاس ضرور واپس لے آؤ گے۔

اسی طرح سورۃ یوسف میں جب سپاہی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پکڑنے آئے تو انہوں نے بھی ان سے عہد کفالت کیا کہ:

وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ (یوسف:٧٢)

اور جو شخص بادشاہ کا پیالہ لا کر دے گا اس کیلئے ایک بار شتر انعام ہے

اسی سورہ میں پھر ایک مقام پر برادران یوسف علیہ السلام کو عقد کفالہ کی ترغیب دیتے ہوئے اس طرح ضامن بنتے ہیں:

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ (یوسف:٧٨)

انہوں نے کہا کہ اے سردار اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔

اسی طرح سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ (البقرۃ:٢٨٢)

2) مکفول عنہ (مقروض وغیرہ) کی شرائط

1- مکفول عنہ قرض اتارنے کی خود استطاعت رکھتا ہو یا اس کے ورثاء استطاعت رکھتے ہوں، مفلوک الحال نہ ہو کہ قرضہ لے کر پھر اسے ادا نہ کر سکے۔ البتہ بعض مفسرین سابقہ حدیث سے استدلال کر کے اس موقف کے حامی ہیں کہ مفلوک الحال بھی قرضہ لے سکتا ہے۔

2- مقروض کا نام پتہ اور نشانیاں ضامن کو معلوم ہونی چاہئیں، یہ نہ ہو کہ کفیل کہے کہ اسلام آباد شہر میں سے جو بھی مقروض ہو میں اس کا ضامن ہوں۔ بعض مفسرین کی رائے میں اگر نام و پتہ وغیرہ معلوم نہیں لیکن مقروض کے قبیلہ یا نشانیاں معلوم ہو تو پھر بھی ضمانت دی جا سکتی ہے۔

3- مقروض کیلئے عقل، بلوغ یا اس کی رضا کوئی شرط نہیں کیونکہ قرضہ تعاون کے طور پر دیا جاتا ہے۔(20)

2.7 مکفول لہ (قرض دینے والا) کی شرائط

1- قرضہ دینے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ جب کوئی مال، چیز دے رہا ہو تو وہ چیز معلوم ہو کہ کیا ہے مجہول نہ ہو۔

2- بعض مفسرین کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ قرض دینے والا معاہدہ کی کفالت کے وقت مجلس میں موجود ہو، کیونکہ وہ قرضہ یا چیز دینے کے وقت اس کا مالک بنا رہا ہوتا ہے اور یہ ملکیت، ایجاب و قبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی لہذا اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔

3- قرضہ دینے والا عاقل بالغ ہو یعنی اسے اپنے مال میں تصرف اور خرچ کرنے کا حق ہو اور یہ حق صرف عاقل اور سمجھدار کو مل سکتا ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا (النساء: ٥)

اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو۔

3- حوالہ

حوالہ بھی عقود یعنی معاہدہ جات کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اس لئے اسے عقد حوالہ کہتے ہیں، یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور حائی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھایا جا سکتا ہے لیکن زیادہ حائی زبر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔(21)

3.1 حوالہ کے لغوی معنی

لغوی طور پر اس کا مادہ حول ہے جس سے حال یحیل بنتا ہے جس کا باب نصر ینصر ہے، اس سے مراد ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا ہے، کسی چیز کا درمیان میں حائل ہونا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں درج ہے۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ (الھود: ۴۳)

اور ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوگئی

اس سے ایک اور لفظ حول نکلا ہے جس سے مراد سال ہے جس طرح آیت ہے :

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرة: ۲۳۳)

تو مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں

سال کو بھی حول اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے اس لفظ کے مزید اور متعدد لغوی معنی میں یہ مضمون شامل رہتا ہے۔ عقد حوالہ سے مراد تبدیلی ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (فاطر: ۴۳)

تم اللہ کے طریقہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

نحوی طور پر لغت میں اس سے مراد کسی شے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے جس طرح شیشہ کو ایک کمرے یا مقام سے اٹھا کو دوسرے مقام پر رکھ دیا جائے اس کا مصدر احالہ ہے۔(22)

3.2 حوالہ کے اصطلاحی معنی

اصطلاحی طور پر حوالہ کے معنی درج ذیل ہیں۔

نقل دین عن ذمة الی ذمة أخری بدین مماثل له(23)

قرضہ کا ایک شخص سے دوسرے کی طرف اس سابقہ مصدر کے مطابق منتقل ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر زید نے عمر سے تین ہزار روپیہ قرضہ ایک سال بعد ادائیگی کی شرط پر حاصل کیا۔ زید کے بکر نے بھی تین ہزار روپیہ ادا کرنے تھے۔ سال کے بعد جب عمر نے زید سے قرضہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو عمر نے بکر سے کہا کہ اس کے ذمہ واجب الادا رقم وہ عمر کو ادا کرے اور عمر نے یہ مان لیا کہ وہ اب قرضہ کی رقم بکر سے لے لے گا اور اس سلسلہ میں وہ زید سے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہوتا ہے۔

تو یہ معاہدہ عقد حوالہ کہلاتا ہے جس میں ایک شخص اپنی ذمہ داری دوسرے کو منتقل کر دے۔(24)

3.3 حوالہ کے فریق

عقد حوالہ میں تین فریق ہوتے ہیں۔

1۔ محال 2۔ محیل 3۔ محال علیہ

محال قرض خواہ کو کہتے ہیں جسے دائن کے لفظ سے بھی پکارا جاتا ہے اور محیل مقروض یعنی مدیون کو کہتے ہیں یعنی جس سے قرضہ لینا ہوتا ہے اور محال علیہ تو تیسرے فریق کو کہتے ہیں جو قرضہ اپنے نام منتقل کرا کے قرض خواہ کو راضی کر لیتا ہے۔

یہ بات ملحوظ نظر رہے کہ عقد حوالہ میں تمام قسم کے قرضہ چاہے وہ کاروباری نوعیت کے ہوں یا تعاون کے جذبہ سے شامل ہیں ہوتے ہیں۔

3-4 حوالہ کی اقسام

مفسرین کرام نے حوالہ کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ حوالہ مقیدہ 2۔ حوالہ مطلقہ

حوالہ مقیدہ :

اس عقد میں محال علیہ، محیل کا مقروض ہوتا ہے اور محال کے محال علیہ سے مطالبہ پر محال علیہ محیل سے اس مطالبہ کی منتقلی کی استدعا کرتا ہے اور محیل اسے مان لیتا ہے اور محال بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے۔

حوالہ مطلقہ :

اس عقد میں محال علیہ، محیل کا مقروض نہیں ہوتا بلکہ ایک آزاد آدمی ہوتا ہے، لیکن وہ قرض خواہ کے مقروض سے مطالبہ کو اپنے سر لے لیتا ہے اور قرض خواہ کو کسی طریقہ کار سے آمادہ کر لیتا ہے کہ آئندہ وہ مقروض سے قرض کا مطالبہ نہیں کرے گا اور اب قرض خواہ یعنی محال کا قرضہ وہ خود ادا کرے گا۔

ان دونوں اقسام میں حوالہ مقیدہ میں مقروض ہر قسم کی ذمہ داری سے مبرا ہو جاتا ہے لیکن حوالہ مطلقہ میں مقروض ذمہ داری سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہو سکتا۔

3.5 حوالہ کی شرائط

عقد حوالہ میں دو قسم کی شرائط پائی جاتی ہیں ان میں چند وہ ہیں جن پر تمام مفسرین کرام متفق ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں متفق شرائط درج ذیل ہیں۔

1۔ عقد حوالہ میں قرضہ کی منتقلی حق، جنس، صفت، مدت اور مقدار میں برابر ہو، اگر کسی ایک چیز میں بھی برابری نہیں ہوگی تو وہ عقد حوالہ نہیں رہے گا بیع یا کسی اور قسم کا عقد بن جائے گا۔

مثلاً اگر زید عمر کی رقم جو اس نے ابراہیم کو ادا کرنی تھی عقد حوالہ کے ذریعہ اپنے ذمہ لیتا ہے تو زید جو پوری رقم یا چیز اسی صفت، اسی مدت اور اسی مقرر کے مطابق اپنے ذمے لے گا اس سے کم مقدار یا مدت میں اضافہ وغیرہ کی شرط عقد حوالہ میں باطل شمار ہوگی۔

2۔ جس رقم یا چیز کے بارے میں عقد حوالہ ہو وہ مقروض پر ثابت ہو۔ یہ صورت حال نہ ہو کہ مقروض قرض

کے معاملہ میں گومگو کا شکار ہو کہ یہ کاروباری قرضہ ہے تعاونی قرضہ اور اس کی مدت اور مقدار کتنی ہے اور اس صورت میں محال علیہ ذمہ داری اپنی طرف منتقل کرلے۔(25)

3۔ عقد حوالہ کے درمیان جس مال یا چیز سے متعلق یہ معاہدہ ہو رہا ہو وہ معلوم ہونا معلوم نہ ہو۔ مثلاً یہ بات کہ زید نے بکر کا جو کچھ دینا ہے وہ میرے ذمہ آیا جائز نہیں بلکہ یہ بات ضروری ہے کہ جس چیز کے پانے کے بارے میں یہ عقد ہو رہا ہو یا جس، قرض یا دین، قرض، ادھار کے بارے میں یہ عقد ہو رہا ہو وہ معلوم ہو۔

3.6 مختلف فیہ شرائط درج ذیل ہیں

1۔ محیل اور محال علیہ دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ یعنی مقروض اور اس کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے والے دونوں کی رضا ضروری ہے۔ اگر مقروض اس کے ذمہ لگالے لیکن وہ راضی نہ ہو تو پھر یہ عقد حوالہ صحیح نہیں ہوگا، جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے۔

لیکن بعض مفسرین کے نزدیک محال علیہ کا راضی ہونا اگر وہ صاحب استطاعت اور مالدار ہے ضروری نہیں اور اگر مقروض اپنا قرض اتارنے کے سلسلے میں محال علیہ کو قرضہ اتارنے کو کہتا ہے تو اس پر اس عقد حوالہ کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا أحيل احدكم على ملى فليحل(26)

جب محیل صاحب مال محال علیہ کو عقد حوالہ کا کہے تو اسے یہ عقد قبول کرلینا چاہیے اور اگر محال علیہ صاحب استطاعت نہیں، مالدار نہیں تو پھر اس کی رضا ضروری ہے۔

حوالہ کی عام شرائط

حوالہ کے تمام فریقوں میں درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ محیل یعنی قرضدار عاقل بالغ اور سمجھدار ہو

2۔ محال یعنی قرض خواہ بھی عاقل بالغ ہو

3۔ محال علیہ بھی عاقل وبالغ ہو

عقد حوالہ کب ختم ہو گا

عقد حوالہ درج ذیل صورتوں میں ختم ہو گا۔

1۔ یہ عقد فاسخ ہو جائے یعنی کوئی ایک فریق معاہدہ سے منحرف ہو جائے اور دوسرا فریق اسے قبول کر لے۔

2۔ محال علیہ معاہدہ پورا کر دے یا کسی اور طریقہ سے قرض خواہ کو مطالبہ سے دستبردار کرا دے۔

3۔ جب محال قرضہ کی ادائیگی کی ذمہ داری سے قرض خواہ کو اس کی آزاد مرضی سے کسی اور کو منتقل کر دے۔

4۔ جب قرض خواہ محال علیہ اپنی خوشی سے قرضہ معاف کر دے یا ختم کر دے۔

4- عقد وکالۃ

4.1 وکالۃ کے لغوی معنی

وکالۃ واؤ کی زبر کے ساتھ عربی زبان کا لفظ ہے اس لفظ کا مصدر وکالۃ بنتا ہے اور یہ وکل، یکل، وکلا کے وزن پر باب ضرب یضرب سے ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد اپنا کوئی کام کسی دوسرے شخص کو تفویض کرنا ہے، کسی دوسرے پر کسی معاملہ میں بھروسہ کرنا، اپنے امور کسی کے سپرد کرنا یا سونپنا ہے۔ اس لفظ سے اسم وکیل بنتا ہے جس سے مراد وہ شخص ہے جس کے سپرد چند امور لگائے گئے یا اس پر اس سلسلہ میں اعتماد کیا گیا جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران:۱۷۳)

ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے، دوسری جگہ آیت کریمہ ہے

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (النحل: ۹۹)

اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں

سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لغوی طور پر وکیل سے مراد وہ شخص ہے جس کے سپرد کوئی دوسرا شخص یا اشخاص اپنے کوئی کام یا کئی امور سرانجام دینے کی ذمہ داری لگا دیں اور اس سپرداری یا معاہدہ کو عقد الوکالۃ یا معاہدہ وکالت کہا جاتا ہے۔(27)

4.2 وکالۃ کے اصطلاحی معنی

اصطلاحی طور پر وکالت کی تعریف کو بہترین بنانے کیلئے مختلف مفسرین نے متعدد انداز اختیار کئے ہیں ان تمام تعریفوں میں یہ تعریف قدرے آسان اور بہتر ہے۔

ان يقيم الشخص غيره مقام نفسه في تصرف جائز معلوم على ان يكون الموكل ممن يملك

ایک انسان کا کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت شدہ چیز میں کسی جائز اور معلوم کام کے سرانجام دینے میں اپنا قائم مقام بنانا۔

اس کی ایک اور تعریف یہ بھی ہے۔

استنابة الانسان غيره مطلقاً أو مقيداً

ایک انسان کا کسی دوسرے انسان کا تمام معاملات میں یا کسی خاص معاملہ میں نائب بنانا

گویا کہ اپنے کسی کام کو سرانجام دینے کیلئے کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں مکمل اختیار دے دینا کہ اگر وہ چاہے تو یہ کام کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے وکالت کہلاتا ہے۔

4.3 عقد وکالۃ کے فریق

عقد وکالت میں تین قسم کے فریق ہوتے ہیں۔

1۔ موکل   2۔ وکیل   3۔ الموکل فیہ

موکل: یہ لفظ میم کی پیش اور کاف کی زیر کے ساتھ ہے، اس سے مراد وہ شخص یا انسان ہے جو اپنے کام یا اختیارات دوسرے کے سپرد کر کے اس کو ان امور میں مکمل طور پر بااختیار بنا دیتا ہے۔ مثلاً زید نے عید الاضحیٰ کے لئے ایک بکری خریدنی ہے اب وہ عمر کو دس ہزار روپیہ دے کر اسے کہتا ہے کہ میرے لئے اس رقم میں ایک صحت مند بکری لے آؤ۔ اب زید نے عمر کو بکری کی خریداری میں اپنا وکیل مقرر کیا ہے، اس لحاظ سے زید موکل کہلائے گا۔

وکیل: وکیل وہ انسان ہے جس کے سپرد کوئی دوسرا شخص اپنا کوئی کام چاہے وہ بیع و شراء سے متعلق ہو یا حقوق کی ادائیگی یا زیادتی سے متعلق ہو، ذمہ لگائے اور اپنے تمام یا بعض اختیارات اس کو منتقل کر دے سابقہ عنوان میں دی گئی مثال میں عمر، زید کے وکیل کے طور پر بکری کو خریدے گا لہذا عمرو وکیل شمار ہوگا اور اس معاہدہ کو عقد وکالۃ کا نام دیا جائے گا۔

موکل فیہ: یہ لفظ کاف کی زبر کے ساتھ ہے، اس سے مراد وہ کام یا امور ہیں جن کو مکمل کرنے یا سرانجام دینے کیلئے

ایک انسان دوسرے شخص کو وکیل بناتا ہے۔ سابقہ عنوان موکل والی مثال میں بکری کی خریداری موکل فیہ شمار ہو گا گویا کہ ہر وہ کام جس میں دوسرے کو نائب بنایا جائے موکل فیہ کہلاتا ہے۔

4.4 وکالت کی شرعی حیثیت

مفسرین کرام کے نزدیک وکالت شرعی طور پر بھی جائز ہے، اس کے جواز کے دلائل قرآن، حدیث، اجماع صحابہ اور تعامل امت سے دیئے جا سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب وہ جاگے تو ان تمام نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اپنے لئے کچھ رقم دیکر شہر میں کھانا لینے کی ذمہ داری سپرد کی۔ گویا کہ اسے کھانے کے معاملہ میں اپنا وکیل مقرر کیا جس طرح آیت ہے:

فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا (الکھف:١٩)

اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپے دے کر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی آپ نے اس وقت کے بادشاہ سے عرض کی کہ مجھے سلطنت کے کل اختیارات سونپ دیئے جائیں تو میں آپ کے معیار پر پورا اتروں گا آیت ہے:

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ (یوسف:٥٥)

ملک کے خزانہ میرے سپرد کیجئے۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے بھائی حضرت حکیم بن حزام کو اپنا وکیل بنا کر قربانی کا جانور خریدنے بھیجا اور آپ نے حضرت ابو رافع کو ام المومنین حضرت میمونہ بلالیہ سے نکاح کرنے کیلئے اپنا وکیل بنا کر بھیجا، مزید حضرت عمرو بن امیہ کو ام المومنین حضرت ام حبیبہ سے نکاح کے سلسلے میں وکیل بنا کر بھیجا۔(28)

4.5 وکیل کی حیثیت

جب ایک موکل کسی انسان کو وکیل بناتا ہے تو وہ وکیل اس کام، حق یا چیز کا مالک نہیں بن جاتا بلکہ اس کی

حیثیت امین کی ہوتی ہے اور وہ اس معاملہ میں صرف اتنا اختیار رکھتا ہے جس کی اجازت اسے موکل نے دی ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ چیز اس وکیل سے ضائع ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی جرمانہ یا اس کا نعم البدل مہیا کرنے کی ذمہ داری نہیں ہے ہاں اگر وہ جان بوجھ کر اس چیز کو ضائع کر دے تو پھر اس کا نعم البدل ادا کرنے کا پابند ہے، مزید وکیل موکل فیہ میں کسی اور کو وکیل نہیں بنا سکتا ہاں اگر مالک یعنی موکل اسے اجازت دے تو پھر وہ کسی اور کو اپنے وکیل کے طور پر مقرر کر سکتا ہے، مزید وکیل اس وقت تک رہے گا جب تک کہ موکل اسے دستبردار نہ کر دے۔ وہ فوت ہو جائے یا جو معاملہ سپرد کیا گیا تھا وہ حل ہو جائے۔

4.6 عقدِ وکالت کن امور میں جائز ہے

مفسرین کے نزدیک عقدِ وکالت ہر اس معاملہ میں جائز ہے جس کو سر انجام دینا یا جن کے کرنے کی اجازت شریعت نے اس شخص کو دی ہوئی ہے۔ عمومی طور پر خرید و فروخت اجارہ، نکاح، طلاق، خلع، رہن، شفعہ، وغیرہ میں جائز ہے۔

4.7 عقدِ وکالت کی شرائط

وکالت کے عقد میں متعدد شرائط ہیں جن میں سے بعض کا تعلق موکل چند کا وکیل اور کچھ کا موکل فیہ سے ہے۔

موکل کی شرائط:

موکل وکیل کو سپرد کردہ امور خود کو سر انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو یعنی

1۔ موکل عقلمند ہو، مجنوں، پاگل، خبطی وغیرہ نہ ہو

2۔ موکل بچہ نہ ہو کہ اسے اپنے نفع نقصان کا ادراک بھی نہ ہو

وکیل کی شرائط:

1۔ وکیل عقلمند ہو اور بالغ ہو۔

2۔ وکیل اپنے ذمہ سپرد شدہ کام کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے دعویٰ کیا تھا۔

3۔ مسلمان ہونا، نیک متقی پارسا ہونا وکیل کیلئے کوئی شرط نہیں

موکل فیہ کی شرائط

1۔ ذمہ شدہ امور مباحات میں سے نہ ہو۔ مثلاً جنگل سے لکڑیاں لانے کیلئے کسی کو وکیل بنانا یا پہاڑوں میں سے معدنیات نکالنے کیلئے کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں کیونکہ ان تمام اشیاء میں سب لوگ شریک ہیں اور جو اسے نکالے گا وہ اس کا مالک شمار ہو گا اس لئے جس چیز میں ایک شخص خود مالک بن سکتا ہے اس میں وہ کسی اور کا وکیل کیسے مقرر ہو گا۔

2۔ کسی سے قرضہ لینے کیلئے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ فوجداری معاملات میں حدود کی سزا کو نافذ کرانے کیلئے بھی وکیل مقرر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سزا تو مجرم پر نافذ ہو گی نہ کہ مجرم کی جگہ وکیل کو سزا دی جائے۔

4۔ موکل فیہ معلوم شے یا چیز ہونی چاہیے یا اس کا تعین ہونا چاہیے بالکل نامعلوم یا مستقبل کے امکانات کو مد نظر رکھ کر کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

5۔ عبادات میں بھی وکیل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

4.8 وکالت کی اقسام

عقد وکالت کی درج ذیل اقسام زیادہ مروج ہیں۔

1۔ وکالۃ مطلق　　2۔ وکالۃ مقیدہ

3۔ وکالۃ معلق　　4۔ وکالۃ موقت

1۔ پہلی قسم میں موکل کسی کے ذمہ اپنے تمام معاملات سپرد کر دیتا ہے، لیکن اس میں وکیل کے شرائط اور حدود طے ہو جانا ضروری ہے۔ معاملات میں مکمل جہالت جائز نہیں۔

2۔ دوسری قسم میں موکل کسی ایک خاص معاہدہ یا کام میں کسی دوسرے انسان کو اپنا وکیل مقرر کرتا ہے، اب وکیل اس معاہدہ یا کام کے علاوہ موکل کے کسی اور کام میں دخل نہیں دے سکتا۔

3۔ تیسری قسم میں وکالت کو کسی شرط کا پابند کر دیا جاتا ہے، مثلاً اگر فلاں شخص میری کار ڈھائی لاکھ میں بیچے تو میں اسے وکیل مقرر کرتا ہوں۔ اس قسم کی شرائط کے یہ عقد وکالہ معلقہ کہلائے گا مگر اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کی شریعت نے اجازت دی ہو غیر شرعی شرط کی وجہ سے یہ معاہدہ باطل تصور ہوگا۔

4۔ چوتھی قسم میں موکل کسی شخص کو کچھ خاص مدت کیلئے یا اپنے تمام امور یا بعض امور میں وکیل مقرر کرتا ہے اور وہ مدت ختم ہوتے ہی اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

4.9 عقد وکالت منعقد ہونے کا طریقہ

وکالت کا عقد بھی تمام عقود کی طرح ایجاب اور قبول کے ذریعہ مکمل ہوتا ہے یہ ایجاب و قبول واضح الفاظ سے بھی ہو سکتا ہے، کنایۃً بھی ہو سکتا ہے یا کوئی اور ذریعہ جو اس علاقہ میں معروف ہو ان کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اگر وہ شریعت سے متصادم نہیں۔

خود آزمائی :

1۔ قرض کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیجیے۔

2۔ قرضہ کی شرعی حیثیت بیان کریں۔

3۔ قرض کے معاہدہ کی تکمیل کی شرائط قلم بند کیجیے۔

4۔ میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلمبند کیجیے۔

5۔ کفالہ کا مفہوم واضح کیجیے۔

6۔ کفالہ اور حوالہ میں کیا فرق ہے۔

7۔ کفالہ کی شرائط قلمبند کیجیے۔

8۔ حوالہ کی تعریف اقسام اور شرائط پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجیے۔

9۔ وکیل کی شرعی حیثیت اور شرائط قلم بند کیجیے۔

حوالہ جات

1۔ المنجد، باب قرض

2۔ حوالہ سابقہ

3۔ الشوکانی، نیل الاوطار، کتاب القرض، باب فضیلہ

4۔ الرازی، ابوبکر جصاص، احکام القرآن، تفسیر سورۃ المائدۃ/1

5۔ حوالہ سابقہ، تفسیر سورۃ البقرہ/245

6۔ حوالہ سابقہ، تفسیر سورۃ البقرہ/173

7۔ حوالہ سابقہ، تفسیر سورۃ یوسف/72

8۔ حوالہ سابقہ، تفسیر سورۃ البقرہ/280

9۔ امام طبرانی، معجم الطبرانی الصغیر۔ کتاب القرض، مزید دیکھئے امام شافعی احکام القرآن بیروت دارالکتب العلمیہ 1991ء/141/1

10۔ شوکانی، نیل الاوطار، باب الزیادۃ التی عنہا

11۔ حوالہ سابقہ باب جواز الزیادۃ، مزید دیکھئے امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب المساقات

12۔ شوکانی نیل الاوطار۔ باب ضمان الدین المیت المفلس

13۔ حوالہ سابقہ (13-A) المنجد، باب کفل

14۔ جصاص، احکام القرآن، تفسیر سورۃ یوسف/72 وآل عمران/37

15۔ حوالہ سابقہ

16۔ حوالہ سابقہ

17۔ حوالہ سابقہ

18۔ ابوداؤد، ترمذی، کتاب القرض

19۔ الشوکانی، نیل الاوطار، باب ضمان دین المیت

20۔ حوالہ سابقہ

21۔ المنجد، باب حول، مزید دیکھئے، عبدالرحمن الجزیری، فقہ علی مذاہب اربعہ 211/3

22۔ حوالہ سابقہ

23۔ عبدالرحمٰن جزیری فقہ علی مذاہب اربعہ، 211/3

24۔ جصاص، احکام القرآن، تفسیر سورہ یوسف/73

25۔ حوالہ سابقہ

26۔ شوکانی، نیل الاوطار، کتاب الحوالہ والضمان

27۔ جصاص، احکام القرآن تفسیر سورۃ الکہف/19

28۔ شوکانی، نیل الاوطار، کتاب الوکالۃ باب ما یجوز التوکیل منہ

یونٹ نمبر... 8

گواہی کے احکام

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

یونٹ کا تعارف

لوگوں کے معاملات یا مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے گواہی ایک اہم سنگ میل ہے، گواہ فریقین کے درمیان انصاف کو قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں گواہوں کا بہت بڑا مقام ہے۔

شریعت اسلام میں گواہی اور گواہ کے لیے کچھ شرائط لازم قرار دی گئی ہیں جس کے بغیر گواہ کی گواہی صحیح تصور نہیں کی جا سکتی۔ اس یونٹ میں گواہی کے متعلق موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ گواہی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، قبولیت، گواہی کی شرائط، اداء شہادت کی شرائط، عورتوں کی گواہی، پھر ایک مستقل عنوان کے تحت نصاب الشہادۃ یعنی گواہوں کی تعداد کے بارے میں قرآن و سنت کے احکام واضح کئے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- گواہی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2- قبولیت گواہی کے بارے میں شریعہ اسلامیہ کا موقف واضح کر سکیں۔
3- تحمل شہادت کی شرائط بیان کر سکیں
4- اداء شہادت کی شرائط بیان کر سکیں۔
5- قاذف کی گواہی کے بارے میں احکام جان سکیں۔
6- شہادت کی شرعی حیثیت جان سکیں۔
7- حدیہ جرائم میں شہادت کی شرعی حیثیت جان سکیں۔
8- عورتوں کی گواہی کے احکام پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
9- نصاب الشہادۃ یعنی گواہوں کی تعداد پر گفتگو کر سکیں۔

فہرست

1۔ گواہی کے احکام

گواہی فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اس لفظ کو عموی طور پر گاف کی زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر اسے گاف کی پیش کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔(1) اس کے لغوی معنی ثبوت اور شہادت کے ہیں۔ اس لفظ سے فاعل گواہ بنتا ہے جس سے مراد گواہی دہندہ یعنی گواہی دینے والا اور شاہد ہے۔(2) لغات میں گواہ کی کئی اقسام ہیں مثلاً گواہ حاشیہ یعنی وہ گواہ جو کسی تحریر کے حاشیہ پر اپنے دستخط یا نشان کر دیتا ہے یا گواہ عینی اور سماعی جس نے اپنی آنکھ سے کوئی معاملہ دیکھا ہو یا سنی ہوئی بات کی گواہی دینے والا ہو۔(3)

اردو زبان میں گواہی کے لئے لفظ شہادت اور گواہ کے لئے شاھد کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ یہ دونوں لفظ عربی زبان کے ہیں اور قرآن مجید میں بھی گواہ اور گواہی کے لئے یہ دونوں لفظ بولے جاتے ہیں جس طرح وارد ہے:

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ (4) (النور:6)

ان میں سے ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے۔

دوسرے مقام پر آیا ہے

وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ(5) (البروج:3)

اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانی والی چیز کی۔

عربی زبان کے قواعد کے مطابق اس لفظ کا مادہ شھد ہے جس سے مراد حاضر ہونا، موجود ہونا ہے۔ اس کا مصدر شہادت بنتا ہے اور اس سے فاعل شاھد یعنی اپنی موجودگی میں کسی واقعہ کو دیکھ کر یا سن کر یا کسی اور ذریعہ سے محسوس کر کے بیان کرنے والا ہے۔ اسی مادہ سے ایک لفظ شہید ہے۔ اسلامی شریعت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں زندگی قربان کر دے۔ اس شخص کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ رحمت کے فرشتے اس کے غسل اور روح کو منتقل ہونے کے وقت موجود ہوتے ہیں اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔(6)

قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کو بھی گواہ کا لقب دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا(7) (الأحزاب:33)

ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر۔

1.1 گواہی کا اصطلاحی مفہوم

گواہی یا شہادت کے لغوی مفہوم آپ نے مطالعہ کر لئے شہادت کا اصطلاحی مفہوم درج ذیل ہے:

اخبار صادق في مجلس القضاء لاثبات حق الغير على الغير(8)

کسی فیصلہ کی مجلس میں اپنے علاوہ کسی فریق کے حق کی حمایت کرنے کے لئے سچی خبر پیش کرنا شہادت کہلاتا ہے۔

اس تعریف سے یہ امور واضح ہوتے ہیں۔

1۔ شہادت وہ خبر ہے جو فیصلہ کی مجلس میں دی جاتی ہے۔ اس مجلس سے باہر جو باتیں ہوں وہ شہادت نہیں کہلاتیں۔

2۔ شہادت اپنے حق میں نہیں دی جا سکتی۔

3۔ شہادت کسی اور فریق کے حق کو ثابت کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔

4۔ شہادت سچی خبر کا نام ہے جھوٹی خبر شہادت نہیں کہلائی جا سکتی۔(9)

ان تمام بحث سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ شہادت یا گواہی کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں۔

گویا کہ فیصلہ کی کسی مجلس چاہے وہ پنچایت کی صورت میں ہو یا عام محفل کی صورت میں یا عدالت کی صورت میں ہو اس میں جو شخص کسی فریق کے حق کو ثابت کرنے یا کسی فریق کے حق کی مخالفت کرنے کے لئے جو خبر پیش کرے جو سچی ہو اور اس نے آنکھوں سے دیکھی ہو یا کانوں سے سنی ہو یا کسی اور ذریعہ سے محسوس کی ہو۔ مزید اس حق سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو تو یہ خبر دینا گواہی یا شہادت اور خبر دینے والا گواہ یا شاہد کہلائے گا۔

1.2 قبولیت گواہی کی شرائط :

ان شرائط کے مطالعہ سے قبل شہادت کے مراحل کا جاننا از حد ضروری ہے۔ شہادت کے دو مراحل ہیں۔(10)

1۔ تحمل شہادت 2۔ اداء شہادت

پہلے مرحلہ میں ایک انسان کسی واقعہ، نظارہ یا گفتگو وغیرہ کو دیکھ کر، سن کر یا حواس خمسہ کے کسی اور ذریعہ سے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔

دوسرے مرحلہ میں انسان کے اپنے ذہن میں محفوظ شدہ شہادت فیصلہ کی مجلس میں فیصلہ کرنے والوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔(11)ان دونوں مراحل کے لئے شرائط مختلف ہیں۔

1.3 تحمل شہادت کی شرائط :

جب ایک انسان کوئی واقعہ یا گفتگو سن رہا ہوتا ہے تو اس کے اندر درج ذیل تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اس کے اندر یہ خصوصیات نہ ہوں تو اس کا تحمل جائز نہیں ہو گا۔

1۔ وہ شخص عقل مند ہو۔

2۔ وہ شخص دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی اندھا نہ ہو۔

3۔ وہ تحمل اس نے خود کیا ہو کسی اور سے اخذ نہ کیا ہو۔(12)

ان شرائط کی تشریح درج ذیل ہے

1۔ گواہ کا عقل مند ہونا

گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی واقعہ، گفتگو، نظارہ وغیرہ کو ذہن نشین یا دماغ میں محفوظ کرتے وقت عقل مند ہو۔ اس شرط کی وجہ سے پاگل، کم عقل اور بچے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں واضح کیا ہے کہ عادل آدمی کی گواہی قبول کرو اور عادل وہ ہے جو صاحب عقل ہے جس طرح

ارشاد ہے:

وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنكُمْ (13) (طلاق:2)

اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں۔

کسی واقعہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان صاحب عقل ہو، کیونکہ عقل کسی چیز کو ذہن نشین کرنے کاآلہ ہے۔ جس شخص میں یہ آلہ نہ ہو اور وہ مجنون، پاگل، خبطی یادیوانہ ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(14)

2۔ گواہ کا دیکھنے کی صلاحیت رکھنا

اس سے مراد کسی شاہد یا گواہ کا تحمل کے وقت آنکھوں والا ہوتا ہے، کیونکہ گواہی وہ شخص دے سکے گا جو کسی واقعہ کو آنکھوں سے دیکھے اور فریقین کا کلام سنے اگر اس نے دیکھے بغیر سنا ہے تو اس کی گواہی مکمل نہیں ہو سکتی، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے کسی شخص کی آواز کو کسی دوسرے کی آواز سمجھ لیا ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ گواہ کسی واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر ذہن میں محفوظ کرلے گا تو اس کا تحمل جائز ہو گا۔ اسی شرط کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (15) (بنی اسرائیل:36)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ صرف اس معاملہ کی گواہی دو جس کا تمہیں علم ہو اور جب ایک گواہ کسی چیز کو دیکھتا ہی نہیں تو اس کی گواہی کیسے دے سکے گا۔ اس لئے دیکھنے کی صلاحیت کا ہونا بھی گواہی کے تحمل کی بنیادی شرط ہے۔(16)

3۔ واقعہ کو اس نے خود دیکھ کر ذہن میں محفوظ کیا ہو

تحمل شہادت کی تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ ایک آدمی خود کسی واقعہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھے یا کسی بات کو اپنے کانوں سے خود سنے یا اسی طرح باقی حواس سے کوئی معاملہ خود محسوس کرے اور پھر اسے

اپنے ذہن میں محفوظ رکھے۔ اس لئے مفسرین نے شرط لگائی ہے کہ جب گواہی کی بات کے سننے سے متعلق ہو تو گواہ کہے کہ میں نے اپنے کانوں سے یہ سنا ہے اور جب کسی واقعہ کے دیکھنے سے متعلق ہو تو گواہ بیان دے کہ میں نے دیکھا ہے۔ اسی طرح جس حواس سے متعلق ہو اسی حواس کے محسوسات سے آگاہ کرے گا۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا علمت مثل الشمس فاشهد و الا فدع (17)

جب تم سورج کی مانند ہر چیز کو دیکھو تو گواہی دو ورنہ گواہی نہ دو۔

مندہ کا کسی واقعہ یا نظارہ کو دوسرے سے سن کر اس کے بارے میں گواہی دینا قطعاً ناجائز ہے۔ اور گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ واقعہ کو خود اپنے متعلقہ حواس سے اخذ کر کے اسے اپنے ذہن محفوظ کر لے۔ (18)

شہادت کے پہلے مرحلہ تحمل شہادت میں صرف یہی تین شرائط ہیں باقی گواہ کی شرائط کہ وہ مسلمان ہو، نیک ہو، بالغ ہو، غلام نہ ہو وغیرہ کا اس مرحلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے جس انسان کے اندر یہ تین شرائط موجود ہوں گی اس کا تحمل شہادت جائز شمار ہو گا۔

1.4 گواہی کے اداء کرنے کی شرائط

جب ایک انسان کسی واقعہ کو سابقہ عنوان میں بیان کردہ شرائط کے مطابق ذہن میں محفوظ کر لے گا تو اس کا تحمل صحیح ہو جائے گا اور یہ شہادت کا پہلا مرحلہ ہے۔ اب جب اسے اس واقعہ، نظارہ یا بات کو کسی فیصلہ کی مجلس میں کسی دوسرے کے حق کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس میں چند مزید شرائط ہوں۔ اس کے اس بیان کرنے کو گواہی کا دوسرا مرحلہ "گواہی کا اداء کرنا" یا اداء الشہادت کہتے ہیں۔ جب ایک انسان گواہی دے رہا ہو تو اس میں کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان میں سے پانچ شرائط پر تمام مفسرین متفق ہیں اور دو شرائط میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ متفق فیہ شرائط کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے جب کہ مختلف فیہ شرائط گواہ کا اداء کے دوران دیکھنے والا اور بولنے والا ہونا ہیں۔ یعنی وہ گواہی دیتے ہوئے نابینا یعنی اندھا اور گونگا نہ ہو۔ (19)

1.5 اداء شہادت کی متفق چند شرائط

گواہ میں ان پانچ شرائط کے پائے جانے پر تمام مفسرین متفق ہیں۔(20)

1۔ عقل 2۔ بلوغت 3۔آزادی (غلام نہ ہونا)

4۔اسلام 5۔ عدالت

1۔ عقل

گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو۔ سمجھ دار ہو، ذہین ہو۔ عقلمند سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے فرائض کو سمجھتا ہو اور اُسے اس بات کی سمجھ ہو کہ کون سی چیز اُس کے لئے نقصان کا باعث ہے اور کون سی شے اُس کو نفع دے گی۔ عقل کی شرائط پر تمام علماء کا اجماع ہے کیونکہ جو شخص عقلمند ہی نہیں وہ کسی واقعہ کو ذہن میں محفوظ کیسے کرے گا۔ یعنی تحمل شہادت کس طرح ہو گا اور جب تحمل ہی نہ ہوا تو اس کو ادء کس طرح کی جاسکتا ہے۔ اس لئے گواہ کا صاحب عقل ہونا ازحد ضروری ہے۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ گواہ عقل مند کس وجہ سے نہیں۔ جنون اور دیوانگی کی وجہ سے، نشہ کی وجہ سے یا بچپن اور طفولیت کی وجہ سے۔(21)

2۔ بلوغت

بلوغت سے مراد ایک گواہ چاہے وہ عورت ہو یا مرد کا جوان ہونا ہے۔ عموی طور پر بلوغت کی عمر اٹھارہ سال مقرر کی جاتی ہے لیکن اس میں مختلف علاقوں کے حساب سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ ہو، بچہ نہ ہو، بچہ کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ(22) (البقرة:282)

اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو

مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ (23) (طلاق:2)

اور اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو۔

ان دو آیات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بچہ نہ تو مرد شمار ہو گا اور نہ ہی عادل، یہی متن مزید حدیث میں وارد ہے۔

رفع القلم عن الثلاثة عن الصبی حتی یبلغ(24)

کراما الکاتبین تین گروہوں کے اعمال نہیں لکھتے۔ایک گروہ بچوں کا ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائیں۔

ہمارے معاشرے میں بھی عمومی طور پر بچوں کو کسی کے مالی حقوق کا نگران نہیں بنایا جاتا۔ مزید ان کے ذمہ ان کے اپنے والدین بھی کوئی ذمہ داری نہیں لگاتے۔ جب ایک بچہ اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا تو اس کی گواہی سے دوسروں کے حقوق کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔(25)

مفسرین ان عقلی و نقلی دلائل کی وجہ سے بچہ کی گواہی کو قبول نہیں کرتے اور ان کے نزدیک یہ امر ضروری ہے کہ گواہی دینے کے وقت یعنی اداء الشہادۃ کے مرحلہ میں گواہ کا بالغ ہونا ضروری ہے البتہ یہ شرط تحمل میں نہیں ہے۔

3۔ آزادی (غلام نہ ہونا)

قدیم مفسرین نے اس امر پر تفصیلی بحث کی ہے کہ گواہ آزاد ہونا چاہیے غلام نہ ہو، کیونکہ آزاد اپنی گواہی دینے میں کسی کے زیر اثر نہیں ہوتا لیکن غلام یا لونڈی اپنے مالک کے حکم کی تابع ہوتے ہیں۔ لہذا اس بات کا امکان ہے کہ مالک کے کہنے پر یا اس کے دباؤ کی وجہ سے وہ سچی بات فیصلہ کی مجلس میں نہ بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی غلام کی مثال اس طرح دی ہے:

ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لایقدر علی شئی (26)

اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتا ہے ایک تو ہے غلام جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

گویا کہ غلام کو کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ وہ ہر معاملہ میں اپنے آقا کے حکم کا پابند ہے۔ اپنے آقا کے حکم کی تابع فرمانی کرتے ہوئے اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ حقائق کو تبدیل کر دے۔ اس امکانی خطرہ کو مد نظر

رکھتے ہوئے مفسرین نے گواہ کے لئے آزاد مرد کی شرط لگائی ہے۔ لیکن اس شرط پہ اس لئے تفصیل بحث کی ضرورت نہیں کہ دورِ جدید میں غلامی کا سابقہ تصور ناپید ہے۔

4۔ اسلام

گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو کسی کافر کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں گواہی دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، سوائے اُن مخصوص احوال میں جس کا ذکر سورہ مائدہ کی آیت نمبر میں کیا گیا ہے اور وہ صرف ایک مرنے والے شخص کی وصیت سے متعلق ہیں جس کو سننے والا سوائے کافر کے کوئی نہ تھا۔ گواہ کے لئے یہ ایک لازمی شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ(27) (البقرة:282)

پھر اپنے مردوں میں دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔

اس آیت میں واضح طور پر حکم ہے کہ اپنے مردوں میں سے گواہ بناؤ یعنی گواہ مسلمانوں میں سے ہو۔ لہذا عمومی طور پر غیر مسلم کی گواہی مسلمانوں کے معاملات میں قابل قبول نہیں ہوگی(28)

کافروں کی گواہی

جمہور مفسرین کی رائے میں کافر کی شہادت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں سوائے اُن حالات کے جن کی نشاندھی سورہ المائدہ کی آیت نمبر 106 میں کر دی گئی، حتیٰ کہ کفار کے آپس میں ایک دوسرے کے معاملات میں بھی اُن کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اُن کے حقوق کو ثابت کرنے کے لئے بھی مسلمان گواہ ضروری ہے لیکن احناف مفسرین نے کفار کی گواہی کو کفار کے حق میں اداء کرنے کی اجازت دی ہے چاہے اُن کفار کا ایک دوسرے سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً عیسائیوں کو گواہی یہودیوں کے حق میں یا ہندوؤں کی گواہی مجوسیوں وغیرہ کے حق میں۔ لیکن اس میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ وہ گواہ اپنے دین میں عادل شمار ہوتا ہو۔ عادل کی تعریف آئندہ سطور میں آرہی ہے۔(29)

5- عدالت

تمام مفسرین گواہ کے بارے میں اس شرط پر متفق ہیں کہ گواہ عادل ہونا چاہیے۔ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ (30) (طلاق:2)

اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بناؤ جو تم میں سے صاحب عدل ہوں۔

لفظ عدل یا عدالت دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔ایک اسم صفت کے طور پر اور دوسرا اسم ذات کے طور پر۔اسم ذات کے طور پر اس سے مراد انصاف، دادرسی ہے لیکن اسم صفت کی صورت میں اس کے معنی میانہ روی، درمیانہ طریقہ، متوازن اور مستقیم کے ہیں، ابن رشد کے نزدیک اس کی کوئی واضح اور متفقہ تعریف نہیں کی جا سکتی۔(31)

اوپر بیان کردہ آیت میں بھی عادل سے مراد متقی اور پرہیز گار ہے۔یعنی وہ شخص جو فرائض کے ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ تمام احکام پر عمل کرنے اور نواہی سے رک جانے میں مصروف ہو عادل سمجھا جائے گا اور اس کی یہ تمام صفات عدالت کے نام سے موسوم ہوں گی۔

مفسرین گواہ کے لئے عادل ہونے کی شرط کو لازم شمار کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر وارد ہے :

مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ(32) (البقرۃ:282)

یہ گواہ ایسے ہوں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔اس شرط کو مدنظر رکھتے ہوئے فاسق و فاجر، گناہ کبیرہ کا مرتکب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے والا شخص عادل تصور نہیں ہوگا اور اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔(33)

فاسق کی گواہی

مفسرین کرام کے نزدیک فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔کیونکہ یونٹ کی ابتداء میں گواہی کی

تعریف میں پڑھ چکے ہیں کہ اس سے مراد سچی خبر دینا ہے اور فاسق ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری طرح سے پابندی نہیں کرتا بلکہ اکثر اوقات اُن احکام کو توڑتا رہتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے سے منع فرمایا جس طرح ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ(34) (الغافر: 28)

اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔

لیکن فاسق جھوٹ اور سچ میں تمیز نہیں کرتا اور کبھی کبھی یا اکثر اوقات جھوٹ بولتا رہتا ہے اس لئے اُس کی گواہی میں جھوٹ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ حالانکہ گواہی سچی خبر کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا(35) (الحجرات: 6)

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔

ان عقلی اور نقلی دلائل کی وجہ سے فاسق کی شہادت کو قبول نہیں کیا جاتا اور گواہ کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ وہ عادل ہو۔ عادل وہ شخص ہے جو فرائض اور اوامر کی تعمیل کرتا ہو، منکرات و فواحش سے گریزاں رہتا ہو، اقوال و معاملات میں حق کا طالب ہو اور غیر شرعی و غیر اخلاقی امور سے بچنے والا ہو۔ گویا کہ ہر وہ مسلمان جس کی نیکیاں اُس کی برائیوں سے بڑھ جائیں عادل کہلائے گا۔ اُس کے مزید ظاہری نشانیوں کے بارے میں حدیث میں وارد ہے:

من صلی الی قبلتنا وأكل ذبيحتنا فاشهدوا له بالایمان(36)

جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور ہمارا ذبح شدہ کھائے تو اُس کے صاحب ایمان کی گواہی دے دو۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

اذا رایتم الرجل یعتاد الصلوٰۃ فی المساجد فاشهدوا له بالایمان(37)

جب تم کسی شخص کو مسجد میں نماز پڑھنے کا عادی پاؤ تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔

تمام مفسرین ان دلائل کی وجہ سے گواہ کے عادل ہونے کو لازمی قرار دیتے ہیں اور فاسق، فاجر یا بدعتی وغیرہ کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔(38)

1.6 اداء شہادت کے مزید شرائط

اداء شہادت کے مرحلہ میں مزید کچھ شرائط ایسی ہیں جن کو مد نظر رکھ کر شہادت دی جائے گی۔ان میں یہ دو شرائط اُس وقت سے متعلق ہیں جب گواہ شہادت دے رہا ہو۔

1۔ گواہ اس بات سے اپنے کلام کا آغاز کرے "کہ میں اس واقعہ کی گواہی دے رہا ہوں" یعنی لفظ شہادت یا گواہی اپنے منہ سے نکالے۔

2۔ اس گواہ کے بیان دعویٰ کے موافق ہوں۔اُسے کے مخالف نہ ہوں، یعنی گواہی تو مشرق کے بارے میں مانگی جا رہی ہو اور گواہ مغرب کا ہی ذکر کرتا رہے۔

ایک شرط گواہی کے مقام کے بارے میں ہے اور وہ یہ ہے کہ گواہی فیصلہ کی محفل میں دی جانی چاہیے۔

جس چیز کے بارے میں گواہی دی جا رہی ہو اُس میں بھی دو شرائط ہیں:

1۔ گواہی معلوم چیز کے بارے میں ہو کسی ایسی چیز کے بارے میں نہ ہو جس کا دنیا میں وجود ہی نہ ہو۔

2۔ جس کے بارے میں گواہی دی جا رہی ہو گواہ کو اُس کے بارے میں مکمل معلومات ہوں، یعنی اگر گواہی سائنسی امور کے بارے میں ہے تو ایک اُجڈ دیہاتی کی گواہی قابل قبول نہیں ہو گی، کیونکہ سائنسی کلیات تو اس کی عقل وادراک سے بھی باہر ہیں تو ان کے بارے میں گواہی کیسے دے گا۔(39)

عدالت کی شرط کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر اُس شخص کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جو معاشرہ میں بدکار معروف ہو، جھوٹا، دغاباز، دھوکہ باز، اشیاء میں ملاوٹ کرنے والا، جادوگر، نشہ کرنے والا، تاش شطرنج کھیلنے والا اور اس قماش کے تمام لوگ عادل شمار نہیں ہوں گے اور ان کی گواہی قطعاً قبول نہیں کی جائے گی۔(40)

خود آزمائی :

- گواہی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور مشروعیت گواہی کی شرائط بیان کیجئے۔
- تحمل شہادت کا مفہوم و شرائط بیان کیجئے۔
- اداء شہادت کی شرائط اور احکام پر روشنی ڈالیں۔

2- قاذف کی شہادت

مفسرین میں ایک قسم کے گواہ کے لئے عادل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اور وہ قاذف ہے۔ قاذف وہ شخص ہے جس نے کسی شخص پر زنا یا اس قسم کے فعل بد کا الزام لگایا لیکن ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکا تو اس کو اس الزام لگانے کے سزا دی جائے گی جو اسی کوڑے ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہے۔(41) ایسے شخص کو قذف کہتے ہیں اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں ہے کہ اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو جس طرح وارد ہے :

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا(42) (النور:5)

اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ :

لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا محدود في الاسلام(43)

خیانت کرنے والا مرد ہو یا عورت اور جس کو اسلامی سزاؤں میں سے حد کی سزا دی جا چکی ہو، کی گواہی جائز نہیں ہے۔

ان دلائل کی وجہ سے احناف ہر اس شخص کی جسے قذف کی سزا مل چکی ہو گواہی کبھی بھی قبول نہیں کرتے چاہے وہ سزا مل جانے کے بعد توبہ بھی کر لے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد بھی کر لے۔(44) لیکن بقیہ مفسرین سورہ نور کی اسی آیت نمبر 5 کے بعد والے حصہ سے استدلال کرتے ہیں جو سزا پانے کے بعد توبہ کر لے وہ آیت یہ ہے :

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا (النور:5)

سوائے اُن لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں۔(45)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اُن کی رائے ہے کہ توبہ کے بعد قذف کے سزا یافتہ مجرم کی شہادت بھی قبول کی جائے گی اور وہ فاسق بھی شمار نہ ہو گا بلکہ عادل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی عدالت کو اس کے جرم قذف نے ختم کر دیا تھا۔ اب اس نے اس جرم کی سزا بھی پائی اور سچے دل سے توبہ تائب بھی ہو گیا تو جو وجہ عدالت کو ختم

کرنے والی تھی وہ باقی نہ رہی۔ اس لئے اب وہ عادل ہو گیا اور جو مسلمان عادل ہو اُس کی گواہی قبول کی جائے گی۔(46)

لیکن اس معاملے میں احناف کی رائے زیادہ وزنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ اُس کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور بعد کی آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر وہ توبہ کرلے تو میں قیامت کے دن اُس کا گناہ معاف کر دوں گا لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شخص عادل ہو گیا ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اُسے توبہ کے بعد عادل گردانتے تو اگلی آیت میں فرمادیتے کہ اب وہ فاسق نہیں رہا لہٰذا اُس کی گواہی قبول کرو لیکن پہلے حکم کا واضح ناسخ کوئی حکم نہیں ہے اس لئے قاذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔(47)

2.1 شہادت کی شرعی حیثیت

شرعی حیثیت سے مراد کسی فعل یا کام کا شریعت میں مقام کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ یعنی یہ کام کرنا فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا مباح ہے۔ یا اس کام سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی یہ حرام یا مکروہ ہے۔ گواہی کی شرعی حیثیت کا دو طرح سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔

1۔ گواہ کے لئے اس کی شرعی حیثیت

2۔ قاضی کے لئے اس کی شرعی حیثیت۔

مزید اس کی شرعی حیثیت میں حدیا اور تعزیری سزاؤں کے لحاظ سے بھی فرق ہے۔

جس طرح آپ سابقہ سطور میں مطالعہ کر آئے ہیں کہ شہادت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ تحمل کا اور دوسرا اداء کا۔ ان دونوں مراحل کے لحاظ سے گواہی بعض اوقات فرض ہو جاتی ہے اور کچھ اوقات میں فرض کفایہ کے مقام تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ اگر حادثہ، وقوعہ یا متنازعہ جگہ پر ایک آدمی کے علاوہ کوئی نہیں ہے تو تحمل شہادت فرض عین ہو جاتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ موجود ہیں تو پھر تحمل فرض کفائی بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اور شخص گواہی دینے کے لئے موجود نہیں تو گواہی کا اداء کرنا بھی فرض عین بن جاتا ہے۔(48) اور اگر باقی لوگ گواہی

دینے کے لئے تیار ہیں تو پھر گواہی دینا فرض کفایہ بن جاتا ہے۔

2.2 گواہی چھپانے کی وعید

لیکن اگر کسی شخص کو گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو پھر گواہی دینا فرض عین بن جاتا ہے جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا (البقرة:282)

گواہوں کو جب گواہ بننے کے لئے کہا جائے تو انھیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔(49)

مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ (البقرة:283)

اُسے چاہیے کہ امانت ادا کرے۔(50)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء:58)

مسلمانو اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔(51)

کیونکہ گواہی کے ابتدائی مرحلہ میں جب اسے ذہن میں محفوظ کر لیا گیا تو اب یہ گواہی اس شخص کے پاس ایک امانت شمار ہو گی اور جب فریقین میں سے کوئی اُسے اس امانت کو ادا کرنے کے لئے بلائے گا تو اس پر اس کا جواب دینا فرض عین ہو جائے گا۔ اور اگر وہ گواہی ادا نہیں کرے گا اور اُسے چھپائے گا تو یہ عمل گناہ کبیرہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرة:283)

اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔(52)

لیکن اگر گواہ کو شہادت دینے کے لئے بلایا نہیں جاتا اور گواہی دینے کے لئے متعدد گواہ بھی موجود ہیں تو پھر گواہی فرض کفایہ ہے۔(53)

2.3 حدیہ جرائم میں شہادت کی شرعی حیثیت

حدیہ جرائم میں شہادت کا حکم باقی تمام معاملات سے مختلف ہے۔ جس طرح ہم سابقہ سطور میں پڑھ آئے ہیں کہ شہادت کا ادا کرنا فرض کفایہ ہے لیکن حدیہ جرائم میں شہادت کو چھپانا اس کے ادا کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ اور اگر کسی حدیہ جرم کے موقعہ پر کچھ لوگ اور ایک آدمی موجود تھے اور انھوں نے وہ وقوعہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انھیں چاہیے کہ وہ اس گواہی کو چھپائیں چاہے انھیں بلایا بھی جائے۔ ہاں صرف ایک صورت میں حدیہ جرائم میں گواہی دینا فرض ہو جاتا ہے جب گواہ کی شہادت نہ دینے کی وجہ سے کسی بے گناہ آدمی کو سزا مل رہی ہو۔(54)

حدیہ سزاؤں میں گواہی کو چھپانے کے بارے میں حدیث میں وارد ہے۔

من ستر علی مسلم ستر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ (55)

جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کے عیب دنیا اور آخرت میں چھپائے گا۔

اسی طرح دور نبوی ﷺ میں ایک صحابیؓ نے حدیہ جرائم کے معاملہ میں کسی کے خلاف شہادت دی تو رسول اکرم ﷺ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا،

لو سترتہ بثوبك لكان خيراً لك (56)

اگر تو اس واقعہ کو ظاہر نہ کرتا اور مخفی ہی رہنے دیتا تو یہ تیرے حق میں بہتر تھا۔

اس وجہ سے احناف کے نزدیک چوری کے سوا تمام حدیہ جرائم میں شہادت میں چھپانا اور اس کا ظاہر نہ کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور چوری کی شہادت دیتے ہوئے گواہ یہ نہ کہے کہ ملزم نے چوری کی ہے بلکہ یہ کہے کہ اس نے یہ مال لیا ہے۔(57)

صرف دو مواقع پر حدیہ جرائم کے بارے میں شہادت دینا فرض ہو جاتا ہے ایک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عدم شہادت کی وجہ سے کسی کو ناحق سزا مل رہی ہو اور دوسرا جب کوئی شخص عادی مجرم بن جائے تو اس کا جرم چھپانا انسانیت کی توہین اور اس کو مزید جرائم کی طرف راغب کرنے کا باعث بنتا ہے اس لئے اس کے خلاف بھی

گواہی دینا فرض ہو جاتا ہے۔(58)

2.4 قاضی کے لئے گواہی کی شرعی حیثیت

قاضی یا جج کے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو گا تو اُس کا فیصلہ گواہوں کی بنیاد پر ہو گا اگر قاضی کے سامنے گواہ اپنی گواہی سے عہدہ برآء ہو جائیں تو اُس پر فرض ہے کہ وہ اُس بنیاد پر فوراً فیصلہ دے۔ اگر وہ گواہی کی بنیاد پر فیصلہ نہیں دیتا تو مفسرین کے نزدیک وہ گنہگار ہے اُس کو اُس کے عہدہ سے برخاست کر دینا چاہیے۔ گویا کہ قاضی کے لئے گواہی کو قبول کرنا فرض ہے۔(59)

2.5 عورتوں کی گواہی

اسلام بنیادی طور پر مرد و عورت کی برابری کا دعویدار ہے۔ اس فلسفہ کو سورہ احزاب کی آیت نمبر 35 میں واضح کیا گیا ہے۔ لیکن بعض حالات میں موقع کی مناسبت کو مد نظر رکھ کر بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس طرح ماں اور باپ میں سے ماں کے رتبہ کو باپ سے بڑھا دیا گیا، اسی طرح دنیا کے عملی معاملات میں فطری طور پر عورتوں کی عدم دلچسپی کو مد نظر رکھ کر اُن کی ذمہ داری اور حقوق مرد سے گھٹا دیئے گئے ہیں ان معاملات میں گواہی، میراث، عقیقہ، دیت وغیرہ اہم ہیں۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کے دائرہ کار مختلف رکھے ہیں اس لئے اُن کی ذمہ داریوں کو اُن کے دائرہ کار میں پورا اور اُن دائروں کے باہر کم کر دی ہیں۔ عورت کی ذمہ داری گھر کا میدان ہے اور مرد کی ذمہ داری باہر کا میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باہر کے میدان میں عورت کے حقوق بھی کم کر دیئے گئے۔ مثلاً کاروباری معاملات میں عورتیں بہت کم ہوتی ہیں اس لئے مالی لین دین کے معاملات میں عورت کی گواہی کا مقام مرد سے کم کر دیا گیا۔

عمومی طور پر مرد کو درج ذیل چھ مقامات پر عورت پر فضیلت دی گئی ہے:

1- عورت مرد کا جزو یعنی حصہ قرار دیا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا(60) (النساء:1)

اور اس جان سے اس کا جوڑا بنایا۔

2- عورت کو مرد کی ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔

3- عورت دین کے معاملہ میں بھی ناقص ہے۔

4- عورت عقل کے معاملہ میں بھی ناقص ہے جس طرح حدیث میں ہے :

ناقصات العقل والدين (61)

عقل اور دین میں ناقص ہیں

5- فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو بدنی قوت میں مرد سے ضعیف رکھا ہے (62)

6- میراث میں بھی عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے جس طرح قرآن میں ہے :

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ(63) (النساء:11)

مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

عورت کی گواہی کو ہم تین عنوانوں میں تقسیم کرتے ہیں :

1- حدیہ جرائم میں عورت کی گواہی۔

2- مالی معاملات میں عورت کی گواہی۔

3- بقیہ معاشرتی امور میں عورت کی گواہی۔

2.6 حدیہ جرائم میں عورت کی گواہی

اکثر مفسرین کی رائے میں حدیہ جرائم میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

ادرأو الحدود بالشبهات(64)

حدیں سزاؤں کو شبہ کی وجہ سے ساقط کردو۔

فقہاء کے نزدیک عورتوں کی گواہی میں ایک طرح کا شبہ ہے۔ مزید دور نبوی ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور میں حدود کے معاملات میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی۔ اس لئے اکثر مفسرین کے نزدیک حدیہ سزاؤں میں عورت کی گواہی مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی۔(65)

مشہور ظاہری مذہب کے پیشوا ابن حزم ظاہری کے نزدیک عورت کی گواہی حدود میں مرد کی طرح قبول کی جائے گی۔ ان کی رائے میں حدود کے معاملات میں بھی عورت کی گواہی مرد کی طرح قبول کی جائے گی، کیونکہ حضرت حماد نے حدود کے معاملات میں عورتوں کی گواہی کو قبول کیا ہے۔ مزید قرآن مجید میں واضح حکم ہے کہ:

لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ(66) (البقرة:282)

اگر گواہی کے لئے دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کرلو۔

اب اس حکم میں کہیں اس بات کو مخصوص نہیں کیا گیا کہ عورت کی حدود میں گواہی قبول نہ کی جائے بلکہ حکم عام ہے۔ لہذا عورت کی گواہی تمام معاملات چاہے وہ حدود ہوں یا غیر حدود قبول کی جائے گی اور اُسے رد نہیں کیا جائے گا۔(67)

2.7 مالی معاملات میں عورت کی گواہی

تمام مفسرین کرام اس امر پر متفق ہیں کہ مالی معاملات یا وہ امور جو مالی معاملات سے متعلق ہوں ان میں عورت کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس کی گواہی مرد سے نصف شمار ہوگی۔ یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار ہوگی۔ اگر کسی مسئلہ پر دو مرد موجود ہیں تو پھر عورت کو گواہی دینے کی ضرورت نہیں لیکن اگر گواہی کے لئے ایک ہی مرد ہے اور باقی عورتیں ہیں تو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دے کر اُن کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اس بارے میں اُن کی دلیل قرآن مجید کی وہ آیت ہے جو اس سے قبل پیرہ میں گزر چکی ہے۔(68)

2.8 بقیہ معاملات میں عورت کی گواہی

ان دو سابقہ عنوانات کے علاوہ باقی دو معاملات رہ جاتے ہیں۔ ان میں ایک ایسے حقوق جن کو غیر مالی کہا جاتا ہے مثلاً طلاق، نکاح، رضاعت وغیرہ۔ ان تمام امور میں احناف کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے ساتھ قبول کی جائے گی، کیونکہ حضرت عمرؓ اپنے دور میں اسی طریقہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، لیکن جمہور مفسرین کی رائے میں حدود کی طرح ان حقوق میں بھی عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ قرآن مجید میں عورت کی نصف گواہی کی اجازت صرف مالی امور میں دی گئی ہے، جو سورہ البقرہ کی آیت نمبر 282 میں واضح ہے۔ جمہور کے نزدیک عورت کو بنیادی طور پر اسلام میں شہادت کا حق ہی نہیں ہے۔ مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے استثنائی صورت حال کی وجہ سے اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ استثنائی حکم باقی معاملات پر روبہ عمل نہیں ہو سکتا، اس لئے حقوق کے معاملات میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(69)

دوسرے ایسے زنانہ امور جن میں عموی طور پر مردوں کی شرکت اور واقفیت کم ہوتی ہے۔ مثلاً عورتوں کی زنانہ بیماریاں، ولادت کے وقت نسب کا ثبوت، بکارت وغیرہ میں احناف مفسرین کے نزدیک ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔ لیکن جمہور کی رائے میں صرف دو عورتوں سے کم کی گواہی ان معاملات میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

ان تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مختلف مواقع پر عورت کی گواہی کی حیثیت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ کبھی دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے تو کبھی ایک عورت کی بھی حتیٰ کہ آخری پیرہ میں بیان کردہ امور میں صرف عورت کی گواہی ہی قبول کی جائے گی۔(70)

3- نصاب الشہادۃ

نصاب الشہادت سے مراد گواہوں کی تعداد ہے۔ یعنی مختلف اقدامات میں کتنے لوگوں کی گواہی سے فیصلہ ممکن ہے۔ بعض مقدمات یا معاملات ایسے ہیں جن میں ایک گواہ کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے۔ چند میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بعض میں دو مردوں کی گواہی سے کچھ میں چار مردوں کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے۔ اس طرح اس موضوع کو چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

3.1 ایک گواہ کی شہادت سے فیصلہ

احناف اور حنبلی مفسرین کے نزدیک ایک عورت کی گواہی زنانہ معاملات میں قبول کی جائے گی۔ مثلاً عورت کی بلوغت، بچہ کی ولادت، عورت کی اندرونی بیماریاں اور اس قسم کے تمام امور میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ دیا جائے گا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه(71)

ایک عورت کی گواہی ہر اس معاملہ میں جن میں مردوں کو دیکھنے سے روکا گیا ہے، جائز ہے۔

مزید فرمایا:

أجاز النبي ﷺ شهادة القابلة وحدها(72)

رسول اکرم ﷺ نے دایہ کی اکیلی گواہی کو قبول کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔

اسی طرح بے شمار ایسے مواقع ہیں جن میں آپ نے بھی ایک آدمی کو گواہی قبول کی اور اس کے مطابق فیصلہ کئے یا احکام صادر فرمائے۔ جن کی تفصیل ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب الطرق الحکمیہ میں دی ہے۔ حتیٰ کہ محدث ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس موضوع پر پورا ایک باب حدیثوں کا نقل کیا ہے۔(73)

3.2 ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے فیصلہ

ایسے تمام امور جو مالی معاملات سے متعلق ہوں یا اُن کے تابع ہوں مثلاً بیع، حبہ، وصیت، رہن، کفالہ وغیرہ میں تمام مفسرین کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی جس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ(74)
(البقرۃ: 282)

پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

ان تمام قسم کے معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے فیصلہ کئے جائیں گے۔(75) لیکن احناف کی رائے میں مالی معاملات اور دوسرے تمام معاملات جو معاشرتی حقوق سے متعلق ہوتی ہیں اُن میں بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ معاشرتی حقوق سے مراد نکاح، طلاق، عدت، رضاعت، حضانت وغیرہ ہیں۔ اُن کی رائے میں اس آیت میں حکم عام ہے۔ لہٰذا ہر اُس معاملہ میں جس میں شک کی وجہ سے ملزم کو بری کرنے کا حکم نہیں ہے۔ دو عورتوں کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ یہ تمام معاشرتی حقوق جنہیں غیر مالی معاملات کہتے ہیں ان میں عمومی طور پر عورتوں کی شرکت بھی رہتی ہے اور ان کا تعلق حدود کے باب سے بھی نہیں اس لئے دو عورتوں کی گواہی مالی معاملات اور حقوق والے معاملات میں مردوں کے ساتھ قبول کی جائے گی۔(76)

3.3 دو مردوں کی گواہی سے فیصلہ

دو مردوں کی گواہی تمام مالی غیر مالی معاملات میں جائز ہے۔ حتیٰ کہ حدیہ جرائم میں بھی دو مردوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ سوائے زنا کی حد کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ(77) (البقرۃ:282)

پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔

تمام مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ تمام حقوق دو مرد گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں اور زنا کے علاوہ تمام حدود مثلاً چوری، شراب خوری، ڈکیتی، قتل، قصاص، دیت وغیرہ بھی دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مالی امور اور طلاق، رجوع، نکاح، عتق، ایلاء، ظہار، نسب، ولایت، وکالت وغیرہ بھی دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہو سکتے ہیں اور یہ گواہی سب سے مکمل اور کامل گواہی ہے۔(78)

3.4 چار گواہوں کی شہادت سے فیصلہ

چار گواہوں کی شہادت سے زنا اور اس جیسے امور میں فیصلہ ہوگا۔ زنا کے جرم کا فیصلہ چار گواہوں کی شہادت سے ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ(79)

(النساء:15)

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ(80) (النور:4)

پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں۔

اسی طرح واقعہ افک کے بارے میں بھی ہے:

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ(81) (النور:13)

وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی حضرت ہلال بن امیہ سے کہا تھا جو اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگا کر دربار رسالت میں اسے سزا دلوانے کے لئے آئے تھے کہ:

اربعة شهود أو حدفي ظهرك (82)

اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ لاؤ ورنہ تمہیں اپنی کمر پر اسی کوڑے کھانے پڑیں گے۔

کیونکہ زنا فاحش ترین فعل ہے اور اس سے ماحول میں ایک معاشرتی زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ دامن عفت تار تار ہو جاتا ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے بھی گواہی کی اعلیٰ حد یعنی چار گواہ کی شرط قرآن مجید نے عائد کی ہے۔(83)

زنا کی طرح بقیہ جرائم مثلاً لواطت اور جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنے میں بھی جمہور مفسرین چار گواہ کی شرط عائد کرتے ہیں، کیونکہ یہ بھی زنا کی طرح فاحش ترین فعل ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک جانوروں کے معاملہ میں دو گواہ کافی ہیں جب کہ بقیہ بیان کردہ معاملات میں چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔(84)

3.5 چار گواہوں کے موقعہ پر عورتوں کی گواہی کی حیثیت

جمہور مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ حدود کے معاملات میں عورتوں کی گواہی قطعاً قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ عورتوں کی گواہی میں ایک قسم کا نقص ہے۔ اور یہ شک کے قائم مقام ہے اور حدود شک سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے زنا یا اس جیسے دوسرے جرائم میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(85)

لیکن ابن حزم ظاہری کے نزدیک عورتوں کی گواہی نصف گواہی کی حیثیت سے تمام امور میں چاہے وہ حدیہ ہوں یا غیر حدیہ قبول کی جائے گی۔ اس لئے ان کی رائے میں زنا کا فعل بھی تین مرد دو عورتوں، دو مرد چار عورتوں، ایک مرد چھ عورتوں یا اگر مرد کوئی نہیں تو آٹھ عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کی دلیل بھی سورہ بقرہ کی آیت نمبر 283 ہے جس پر سابقہ عنوان عورت کی گواہی میں بحث گزر چکی ہے۔(86)

3.6 شہادت سے منحرف ہو جانا

بسا اوقات گواہ اپنی گواہی فیصلہ کی مجلس میں دینے کے بعد اس گواہی سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اس کو مفسرین نے "الرجوع عن الشہادۃ" اپنی شہادت سے رجوع کر لینا، منہ موڑ لینا، منحرف ہو جانا اور اسے جھٹلا دینے کا

نام دیا ہے۔

ہم قبل ازیں مطالعہ کر چکے ہیں کہ شہادت کسی خبر کو فیصلہ کی مجلس میں بیان کرنے کا نام ہے۔ لیکن بعض اوقات گواہ کسی معاملہ میں غلطی کر بیٹھتا ہے یا عمداً جھوٹ بول دیتا ہے۔ لیکن بعد میں اسے اپنی غلطی یا جھوٹ کا احساس ہوتا ہے تو اس کے لئے مفسرین نے اپنی سابقہ گواہی کو منسوخ کر کے تازہ نئی گواہی دینے کا راستہ کھلا رکھا ہے۔

اس کا آغاز حضرت علیؓ کے دور خلافت سے ہوا تھا۔ جب ایک چور کو چند آدمی پکڑ کر لے آئے اور دو گواہوں نے شہادت دی کہ ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے جس کی وجہ سے چور کو قطع ید کی سزا دی گئی۔ چند دنوں کے بعد وہی لوگ ایک اور آدمی کو پکڑ کر لے آئے اور سابقہ دو گواہان بھی ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اصل چور یہ ہے ہم نے شکل کی مشابہت کی وجہ سے سابقہ شخص کو چور سمجھا تھا حالانکہ وہ چور نہیں ہے۔ اب آپ اسے سزا دیں۔(87) حضرت علیؓ نے دونوں گواہوں کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ اب میں تمہاری گواہی قبول نہیں کرتا لیکن تم پہلے چور کے ہاتھ کٹنے کی دیت ادا کرو۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے تو میں تمہارے ہاتھ کٹوا دیتا۔(88)

شہادت سے رجوع کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- شہادت میں غلطی کی وجہ سے۔

2- جھوٹی شہادت دینے کی وجہ سے۔

پھر یہ رجوع یا انحراف دو مقام پر ہو سکتا ہے۔

1 عدالت کے اندر۔

2 عدالت کے باہر۔

مزید اس رجوع کے تین اوقات ہو سکتے ہیں:

1- فیصلہ سنانے سے پہلے۔

2۔ فیصلہ سنانے کے بعد لیکن فیصلہ پر عملدرآمد سے پہلے۔

3۔ فیصلہ پر عملدرآمد ہونے کے بعد۔

ایک مسلمان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں کہ وہ جھوٹ بولے لیکن اگر اس سے یہ غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اولین فرصت میں اس سے توبہ کرلے اور اپنی سابقہ گواہی سے رجوع کر کے دوبارہ سچی گواہی دے۔ اور اگر اس سے غلطی ہو گئی ہے تو جب بھی غلطی کا احساس ہو فوراً اس کی اصلاح کرے اور غلط گواہی سے منحرف ہو کر سچی گواہی دے۔(89)

جہاں تک وہ مقام جہاں پر رجوع معتبر ہو سکتا ہے وہ صرف فیصلہ کی مجلس ہے۔ اگر ایک شخص عدالت میں گواہی دے اور باہر جا کر عام لوگوں سے اس کے برعکس کہے تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہوگا۔ اگر ایک گواہ اپنی گواہی سے منحرف ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عدالت میں بیان دے۔(90)

رجوع کے اوقات سے متعلق مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اگر رجوع فیصلہ سنانے سے پہلے ہوا ہے تو قاضی اُس کی گواہی منسوخ کر دے گا اور نئی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ اور اگر رجوع فیصلہ سنانے کے بعد اور عملدرآمد سے پہلے ہوتا ہے تو اس حالت میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اگر فیصلہ حدود و قصاص کے بارے میں ہے تو وہ سزا فوراً ساقط ہو جائے گی، کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اگر دوسرے معاملات مثلاً نکاح، طلاق، مالی معاملات کے بارے میں ہے تو فیصلہ برقرار رہے گا اور گواہ جرمانہ ادا کرے گا۔(91) اور اگر رجوع فیصلہ پر عملدرآمد ہو جانے کے بعد ہوتا ہے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کا رجوع صحیح ہو اور گواہی غلط ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کی گواہی صحیح ہو اور رجوع غلط ہو تو ان ہر دو صورتوں میں فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ اُس گواہ کو سزا دی جائے گا جس کا تعین عدالت کرے گی۔(92)

(واللہ اعلم)

خود آزمائی :

1- عورتوں کی گواہی، حدیہ جرائم اور مالی معاملات میں عورت کی گواہی پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

2- نصاب الشہادۃ کے بارے میں قرآن و سنت کا موقف واضح کریں۔

3- شہادت سے رجوع کے متعلق احکام واضح کریں۔

4- چار گواہوں کے مقدمہ پر عورتوں کی گواہی کی حیثیت واضح کریں۔

5- ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کی شرعی حیثیت بیان کریں۔

حواشی و حوالہ جات

-1 عبدالعزیز مولوی: لغات سعیدی، کانپور، مطبع مجیدی1936ء حرف الکاف

-2 حوالہ سابقہ

-3 فیروز سنز لمیٹڈ لاہور: فیروزاللغات 1962، حرف الکاف

-4 النور: 8

-5 البروج: 3

-6 افریقی ابن منظور: لسان العرب (تحقیق علی شیری) کویت دار احیاء التراث، العربی 1401ھ۔مادہ (شھد)

-7 الاحزاب: 45

-8 عثمانی ظفر احمد، احکام القرآن: 700 نیز ملاحظہ فرمائیں، السرخی شمس الائمہ۔ المبسوط: بیروت دارالمعرفہ 1400ھ: 112/16

-9 الجصاص امام ابو بکر: احکام القرآن: بیروت دارالکتب العلمیہ (ت۔ن) 599/1

-10 حوالہ سابقہ: 605/1، نیز ملاحظہ فرمائیں: ابن عربی، احکام القرآن بیروت، دارالمعرفۃ (ت۔ن) 256/1

-11 ابن قدامہ۔ المغنی علی مختصر الخرقی، مصر، مکتبہ الجمہوریہ۔ (ت۔ن) 168/9، نیز ملاحظہ فرمائیں عثمانی ظفر احمد۔ احکام القرآن۔ کراچی ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ 1413ھ، ج: 1/2، ص: 701، ابن عربی، احکام القرآن، 256/1

-12 الجصاص احکام القرآن 604/1 نیز ملاحظہ فرمایئے: وھبہ الزحیلی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ بیروت دارالفکر 1409ھ 558/6

-13 الطلاق: 2

-14 الجصاص، احکام القرآن 610/1، نیز ملاحظہ فرمائیں عثمانی، احکام القرآن ص: 700

-15 الاسراء: 1409ھ 558/6

-16 الجصاص۔ احکام القرآن: 605/1

17- سنن البیھقی۔ السنن الکبری، کتاب الشھادات، باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بہا۔

18- الشیرازی ابو اسحاق، المھذب، مصر، داراحیاء الکتب العربیہ (ت۔ن)2/335، نیز ملاحظہ فرمائیں، عثمانی، احکام القرآن: 700

19- ابن عربی مالکی، احکام القرآن: 1/251

20- الجصاص۔ احکام القرآن، 1/602-611، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن عربی، احکام القرآن، 1/25-255، الشافعی، احکام القرآن، بیروت، دارالکتب العلمیہ

21- قرطبی محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت۔ داراحیاء التراث العربی 1965۔3/390، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن عربی۔ احکام القرآن: 1/252

22- البقرہ: 282

23- الطلاق 2۔ قرطبی۔ تفسیر قرطبی: 3/390

24- ابوداؤد امام۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الحدود۔ باب فی مجنون یسرق أو یصیب۔

25- الجصاص۔ احکام القرآن 1/609، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورہ البقرہ: آیت: 282

26- النحل: 25

27- البقرہ: 282

28- مودودی ابوالاعلی، تفہیم القرآن، تفسیر سورہ البقرہ: آیت، 282 نیز مزید دیکھیں تفسیر سورہ المائدہ آیت: 106، نیز ملاحظہ فرمائیں عثمانی، احکام القرآن: ص: 702

29- ابن العربی، احکام القرآن، بیروت دارالمعرفہ۔ (ت۔ن) 1/252، نیز ملاحظہ فرمائیں، الصابونی محمد علی۔ صفوۃ التفاسیر بیروت۔ دارالقرآن: 1981۔ 1/164

30- الطلاق: 2

31- دانش گاہ پنجاب۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ تشریح لفظ، عدالت

32- البقرہ: 282

33- عثمانی شبیر احمد، موضح القرآن، کراچی انجمن اشاعت قرآن (ت۔ن) ص 61-724، نیز ملاحظہ فرمائیں، ابن

عربی، احکام القرآن، 255/1

34- الغافر: 28

35- الحجرات: 6

36- امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان

37- حوالہ سابقہ

38- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم۔ تفسیر سورہ البقرہ: آیت: 282، تفسیر سورہ الطلاق، آیت 2

39- قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 390/3

40- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ الطلاق آیت: 1

41- سورہ النور: 5

42- حوالہ سابقہ

43- ابوداؤد، امام سنن ابی داؤد، کتاب الشہادۃ باب من ترد الشھادۃ

44- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورہ النور، آیت: 5

45- النور: 5

46- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورہ النور، آیت: 5

47- عثمانی۔ احکام القرآن: ص 701

48- ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ آیت: 282، نیز ملاحظہ فرمائیں عثمانی۔ احکام القرآن، ص: 698

49- البقرہ: 282

50- البقرہ: 282

51- النساء: 58

52- البقرہ: 283

53- قرطبی، تفسیر قرطبی 398/3، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن عربی، احکام القرآن: 256/1

54- قرطبی تفسیر قرطبی، 398/3

75- ابن عربی، احکام القرآن، 253/1 نیز ملاحظہ فرمائیں ابن کثیر تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ آیت: 282

76- جصاص: احکام القرآن، 233/2، الشافعی، احکام القرآن: 131/2

77- البقرہ: 282

78- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ البقرہ: آیت 282

79- النساء: 15

80- النور: 4

81- النور: 13 نیز ملاحظہ فرمائیں، الشافعی محمد بن ادریس احکام القرآن، 130/2

82- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ النور: آیت: 11، نیز ملاحظہ فرمائیں عثمانی، اعلاء السنن 190/15

83- مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورہ النور آیت: 13، نیز ملاحظہ فرمائیں الشافعی احکام القرآن

84- الجوزیہ ابن قیم، الطرق الحکمیہ، ص: 145/، نیز دیکھیے، رستم باز شرح مجلہ/ 1002

85- تفصیل کے لئے دیکھیں اسی یونٹ کا سابقہ عنوان عورت کی گواہی

86- الظاہری، ابن حزم، المحلی۔ 395/6

87- السرخسی شمس الائمہ، المبسوط، بیروت، دارالمعرفۃ 1400-178/16

88- ابن قدامہ، المغنی لابن قدامہ، مصر، مکتبہ الجمہوریہ (ت۔ن) 163/9

89- السرخسی، المبسوط، 249/9

90- رستم باز، شرح المجلہ، ص: 1078

91- السرخسی المبسوط: 189/16

92- ابن قدامہ، المغنی: 249/4

یونٹ نمبر ... 9

فیصلوں کے احکام

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی:۔ ثناء اللہ حسین

یونٹ کا تعارف

انسانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، اس صورت میں فریقین کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور حقدار کو اس کا حق دلانا دنیا میں بنی نوع انسان کی بقاء کا ضامن ہے۔ اس یونٹ میں فیصلہ کا مفہوم، عدل، فیصلوں میں احسان کی روش، خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا طرز عمل، بے انصافی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی مذمت و سزا، حکومت کی ذمہ داری، اسلام کا نظام عدل و قضاء، قضاء کی شرعی حیثیت، قاضی کی اقسام، قاضی کی شرائط، اسلامی قانون کے چار اصول استنباط، قاضی کی صفات و خصوصیات، قاضی کی معزولی کے موضوعات واضح کیے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ قضا کا مفہوم جان سکیں۔
2۔ فیصلوں میں احسان کی روش پر گفتگو کر سکیں۔
3۔ بے انصافی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وعید جان سکیں۔
4۔ اسلام کا نظام عدل و قضاء پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلمبند کر سکیں۔
5۔ قاضی کی شرعی حیثیت جان سکیں۔
6۔ قاضی کی اقسام جان سکیں۔
7۔ قاضی کی شرائط جان سکیں۔
8۔ اسلامی قانون کے چار اصول استنباط پر گفتگو کر سکیں۔
9۔ قاضی کی صفات و خصوصیات جان سکیں۔

فہرست عنوانات

1۔ فیصلوں کے احکام

قرآن مجید ایک مکمل اور اکمل کتاب ہے جس میں زندگی کے تمام امور کے بارے میں ہدایات میسر ہیں۔

- انسانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ اس صورت میں فریقین کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اور حقدار کو اُس کا حق دلانا دنیا میں بنی نوع انسان کی بقاء کا ضامن ہے۔ قرآن مجید کیونکہ تمام معاملات انسانی فطرت کے مطابق حل کرتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی عدل و انصاف کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو از حد پسند کرتا ہے۔

لفظ فیصلہ جس کی جمع فیصلے ہے، کا مادہ فصل ہے جس سے مراد قطع کرنا، جدا کرنا دو چیزوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا یا ایک چیز کو دوسرے سے ممتاز کر دینا ہے۔ اس سے لفظ فیصلہ نکلا ہے جس سے مراد فریقین کے درمیان اختلاف یا نزاع کی صورت میں اُن کے حق کو واضح کر دینا ہے یا اُن کے درمیان اختلاف کی جڑ کو قطع کر دینا ہے۔ اسی سے لفظ فیصل بنا ہے جس سے مراد حاکم یا قاضی ہے جو حق کو واضح کرتا ہے یا اختلاف کو ختم کراتا ہے۔ (1)

عربی میں حقدار کو حق دلانے کے لئے عدل یا قسط کا لفظ بولا جاتا ہے۔ لفظ عدل ظلم و جور کا برعکس ہے یعنی حقدار کو حق دینا یا دلانا۔ اس طرح قسط کے معنی نصیب یعنی حصہ کے ہیں۔ اس سے مراد ہر فریق کو اُس کا حصہ دینا ہے۔ (2)

1.1 عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ترغیب اور اُس کی مدح

قرآن مجید میں اسلامی حکومت کا اہم فریضہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے۔ خلیفہ کو فصل خصومات یعنی مقدمات کا فیصلہ کرنے، نیز دیگر امور مملکت کی انجام دہی میں غیر جانب دار رہنا چاہیے۔ قرآن مجید میں انصاف کرنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ (النحل: ۹۰)

اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے

دوسری جگہ حکم دیا ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: ۵۸)

جب تم لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرو تو انصاف سے کیا کرو

یہ نہیں بلکہ تاکید کی گئی ہے کہ انصاف میں اپنی خواہشات کو دخل نہ دیں۔ ذاتی عناد اور دشمنی کے باعث انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدۃ: ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف ہر حال میں کرو، انصاف تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

حتیٰ کہ یہود مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں کون سا دقیقہ اٹھا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ متعدد بار قتل کرنے کے منصوبے بھی بنائے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود آپ کو حکم دیا گیا:

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدۃ: ۴۲)

اگر آپ یہود کے معاملات کا فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں (اس بات کو ذہن میں رکھیں) کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہاں عدل کے بجائے لفظ قسط استعمال ہوا ہے، قسط کے لغوی معنی ہیں ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق اس کا حصہ مل جانا۔ یعنی عدل کی وہ کامل شکل جس میں ہر حقدار کو اس کا پورا پورا حق مل جائے۔ فیصلہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ عدل اور قسط میں فرق یہ ہے کہ عدل کے مفہوم میں محض برابری اور مساوات پیدا کر دینا ہے، جبکہ قسط کا مفہوم اس سے ذرا نازک تر اور دقیق تر ہے۔ اس کے معنی پوری باریک بینی کے ساتھ حقوق کی ایسی تقسیم کہ ہر شخص کو اس کا جائز حصہ پورا پورا پہنچ جائے۔(3)

عدل کے مطابق فیصلہ کرنے کے بارے میں مزید قرآنی آیات یہ ہیں:

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (الاعراف: ۲۹)

"آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے کامل عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے"۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (النساء: ۵۸)

"بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔ اور یہ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں۔

یہاں قسط کے بجائے عدل کا لفظ استعمال کیا گیا۔ عدل کم سے کم درجہ ہے جو فیصلوں میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس سے کم تر درجہ ظلم کا ہے اور برتر درجہ قسط کا(4)

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل: ۹۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل کا، احسان کا، قرابت والوں کو دینے کا، اور منع کرتے ہیں کھلی بے حیائی سے، برائی سے اور ظلم و سرکشی سے اور تم کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم کو یاد دہانی رہے"۔

1.2 فیصلوں میں احسان کی روش

یہ ذہن میں رکھئے کہ عدل یہ ہے کہ جس کا جو حق واجب تم پر عائد ہوتا ہے ہم بے کم و کاست اس کو ادا کردیں، خواہ صاحب حق کمزور ہو یا طاقت ور اور خواہ وہ ہم کو مبغوض ہو یا محبوب۔

احسان عدل سے ایک زائد شے ہے، یہ صرف حق کی ادائیگی ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مزید برآں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔ ایتاء ذی القربیٰ احسان کی ایک نہایت اہم فرع ہے، قرابت مند عدل و احسان کے حقدار تو ہیں ہی، مزید برآں وہ بربنائے قرابت مزید انفاق کے مستحق ہیں۔ ہر صاحب مال کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر فیاضی سے خرچ کرنا چاہیے۔

مزید یہ کہ قرآن و سنت کا دیا ہوا قانون سب کے لئے یکساں ہے اور اس کی مملکت کے ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ کسی کے لئے بھی اس میں امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں

ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرماتا ہے کہ:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ: ۱۵)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں"۔

یعنی میں بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا یہ کام نہیں ہے کہ کسی کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے عدل و انصاف کا تعلق حق جس کے ساتھ ہو میں اس کا ساتھی ہوں اور حق جس کے خلاف ہو میں اس کا مخالف ہوں۔ میرے دین میں کسی کے لئے بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اپنے اور غیر بڑے اور چھوٹے شریف اور کمین کے لئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں جو کچھ حق ہے وہ سب کے لئے حق ہے۔ جو گناہ ہے وہ سب کے لئے گناہ ہے جو حرام ہے وہ سب کے لئے حرام ہے۔ جو حلال ہے وہ سب کے لئے حلال ہے۔ اور جو فرض ہے وہ سب کے لئے فرض ہے۔ میری اپنی ذات بھی قانون خداوندی کی اس ہمہ گیری سے مستثنیٰ نہیں۔ نبی ﷺ خود اس قاعدے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع و يتركون الشريف ، والذى نفس محمد بيده لو ان فاطمة بنت محمد فعلت ذالك لقطعت يدها(5)

"تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر محمد ﷺ اپنی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں:

رأيت رسول الله ﷺ يقيد من نفسه

"میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے"۔

اسلام میں عدل کی اہمیت کے بارے میں دوسرے خلیفہ راشدہ حضرت عمرؓ کا ایک خط بہت اہم ہے:

1.3 خلیفہ راشدہ حضرت عمرؓ کا طرز عمل

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو قضا کی شرائط اور آئین ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

"قضا ایک اہم ذمہ داری اور ایک قابل عمل سنت ہے، جس حق کو نافذ نہ کیا جائے اس کا زبان سے نکلنا بے سود ہے، ملاقات انصاف اور ہم نشینی میں مساوات کا خیال رکھو تاکہ کوئی معزز شخص ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور کمزور آدمی تمہارے عدل سے مایوس نہ ہو مدعی کے ذمے شہادت شرعی اور انکاری مدعی علیہ پر قسم ہے، دو مسلمانوں کے مابین اس طرح صلح کرانا چاہئے کہ حرام حلال نہ ہو اور حلال حرام نہ بن جائے۔ پہلے فیصلے کو آئندہ کے لئے لازمی نظیر نہ بناؤ بلکہ اگر غور و تدبیر کے بعد حق کی جانب راہنمائی ہو تو اس کو اختیار کرو کیونکہ حق کی جانب رجوع باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے۔ اگر کسی امر کے متعلق قرآن و حدیث سے راہنمائی حاصل نہ ہو تو عقل سے اجتہاد کرو اور امثال و نظائر پر قیاس کرو اگر مدعی کہے کہ شہادت موجود نہیں ہے تو اس کے لئے ایک وقت متعین کر دو اگر اس مدت کے اندر وہ شہادت پیش کر دے تو اس کا حق دلا دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دو۔ شک و شبہ سے بچنے کی یہی صورت ہے مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف گواہی دے سکتا ہے سوائے اس کے جسے حد کے کوڑے لگے ہوں، یا جھوٹی شہادت کا سزا یافتہ ہو یا جس کا نسب یا ولایت مجہول ہو، کیونکہ ان لوگوں کی گواہی غیر مقبول ہے، مقدمات کے فیصلے میں گھبراہٹ، پریشانی اور رنج کو پاس نہ پھٹکنے دو۔ حقیقت یہ ہے کہ حقدار کو اس کا حق دلوا دینے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ والسلام"۔(6)

حضرت عمرؓ جن لوگوں کو عامل بنا کر کہیں بھیجتے تھے ان کو خطاب کر کے کہتے:

"میں تم لوگوں کو امت محمد ﷺ پر اس لئے عامل مقرر نہیں کر رہا ہوں کہ تم ان کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو، لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو"۔(7)

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے جب شام فتح کیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا!

برائے خدا پانچ امور اپنے اوپر لازم رکھیے جن کی پاسداری آپ کے دین کی ضامن اور وہ قاردینی کا ذریعہ ثابت

ہوگی!

1۔ فریقین مقدمہ میں

i۔ مدعاعلیہ سے قسم لیجئے۔

ii۔ مدعی سے چند حاصل کیجئے یعنی ثبوت۔

2۔ فریقین معاملہ میں کمزور فریق سے ملاطفت کیجئے تاکہ اس کے دل سے ہراس دور ہو اور اس کی زبان پوری ترجمانی کر سکے۔

3۔ غریب الوطن کو تسکین دو ورنہ وہ اپنا دعویٰ چھوڑ کر چلا جائے گا۔

4۔ دوران تفتیش میں جو فریق یا گواہ آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہو، اس کی شہادت مشتبہ ہے۔

5۔ مقدمہ میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے کی صورت میں فریقین کے درمیان صلح کی کوشش کیجئے! والسلام۔(8)

اور جناب عمرؓ بن الخطابؓ نے ابو موسیٰؓ کو یہ ہدایات لکھ کر بھیجیں!

عوام اور خواص دونوں میں مساوات قائم رکھیئے۔ مبادا غریب حال طبقہ تمہارے انصاف سے مایوس ہو جائے اس صورت میں بڑے لوگ تمہاری پرواہ نہ کریں گے۔

امیر المومنینؓ! مجرم کو عدالت میں لانے والوں سے پہلے نفس معاملہ کے دونوں پہلوؤں پر غور و انصاف کی تاکید فرماتے۔ مبادا بے گناہ تعزیر سے متہم ہو جائے۔

جناب عمرؓ نے فرمایا "مومن کو مجرم کی حیثیت سے عدالت میں پیش کرنا احتیاط پر مبنی ہونا چاہیے"۔(9)

1.4 سابقہ انبیاء کو نصیحت

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقہ کو بھی قرآن مجید میں یہ نصیحت کی ہے:

يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ

شدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص: ٢٦)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ (نائب اور حاکم) بنایا ہے۔ تم لوگوں میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا۔ اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا۔ (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

اس آیت سے اسلام کے سیاسی و قانونی نظام میں عدل گستری کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کی ذمہ داریاں سپرد کرنے کے ساتھ ہی جو سب سے پہلا فریضہ ان پر عائد کیا وہ لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حق تھا۔ اسی وجہ سے مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلامی نظام عدل کا قیام اسلامی ریاست کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے یہ چیز فرض عین کا درجہ رکھتی ہے کہ اسلامی اصول کے مطابق ایک ایسی عدلیہ قائم کرے جو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کی ذمہ داریاں پوری کرے۔ دوسری طرف عامۃ المسلمین کے لئے یہ چیز یں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر کسی ملک میں عدالتیں قائم نہ ہوں یا قائم تو ہوں مگر اسلامی عدل کی بنیاد پر فیصلے نہ کر رہی ہوں تو پوری امت مسلمہ گناہ گار ہوگی۔

1.5 عوام کی ذمہ داری

عدل و انصاف کا قیام صرف حکمران ہی پر فرض نہیں ہے بلکہ عوام سے بھی حکومت الٰہیہ میں یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے شہادت چھپانے کی ہرگز کوشش نہ کریں گے۔ خواہ اس شہادت کی وجہ سے ان کے والدین اور دیگر قریبی اعزہ ہی کیوں نہ متاثر ہوتے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ خود اپنی جان کی پرواہ کر کے انھیں صحیح شہادت دینا چاہیے۔ فرمایا ہے کہ:

كُونُوا قَوّٰمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

(النساء: ١٣٥)

اے مسلمانو! تم خدا کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو خواہ یہ گواہی تمہارے یا تمہارے والدین اور تمہارے اعزا کے خلاف کیوں نہ ہو

1.6 بے انصافی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی مذمت وسزا

قرآنی تعلیمات کی یہ خصوصیت ہے کہ جب کسی مہتم بالشان کام کا حکم دیا جاتا ہے تو اس حکم کی عدم تعمیل میں جو قباحتیں مضمر ہوتی ہیں ان کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس حکم کی پیروی کرنے کے فوائد اور اس کی خلاف ورزی کرنے کے نقصانات دونوں نظروں کے سامنے رہیں۔ یہی حال عدل کا ہے۔ قرآن مجید نے عدل کی تاکید کی اور اس کے فوائد گنوائے تو ظلم کے مضر اثرات کی بھی نشاندہی کی تاکہ انسانی طبائع عدل کی طرف راغب اور ظلم سے متنفر ہو جائیں۔ ظلم کے متعلق کئی جگہ قرآن مجید میں اس بات سے مطلع کیا گیا ہے کہ ظالم گمراہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت ور ہنمائی سے وہ محروم ہوتا ہے۔

کبھی وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (آل عمران: ۸۶) فرمایا اور کبھی إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (الانعام: ۱۴۴) ارشاد ہوا ہے۔

ظاہر ہے جو قوم یا فرد ہدایت الٰہی سے محروم ہوں گے ان کا زیادہ دن تک برسر اقتدار رہنا امر محال ہے۔ یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ بلکہ وہ ظالموں کو اور بھی کفر و معصیت میں مبتلا ہونے کے مواقع فراہم کر دیتا ہے۔

ویضل اللہ الظالمین (ابراھیم: 28)

اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم حکام کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (لقمان: ۱۱)

اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ بالکل بے یار و مددگار اور بغیر کسی مونس و غم خوار کے رہ جاتے ہیں۔

وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ (الشوریٰ: ۸)

ظالم لوگوں کا نہ کوئی دوست ہوتا اور نہ مددگار

وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (ھود: ۱۸)

حالت نزع میں ان کی جو حالت ہوتی ہے اس کو قرآن مجید کے الفاظ میں سنئے:

وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (الانعام: ۹۳)

"کاش تو ظالموں کو اس وقت دیکھے کہ موت کی بے ہوشی ان پر طاری ہو۔ اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی"۔

اس عذاب کو جو ظالموں کو دیا جائے گا قرآن مجید نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہیں عذاب الھون کہا گیا ہے کہیں عذاب شر (برا یا سخت عذاب) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر عذاب الخلد (دوامی عذاب) بھی آیا ہے۔ عذاب الیم، عذاب کبیر اور عذاب عقیم بھی فرمایا گیا ہے۔ ظالموں کے بارے میں غالباً سب سے زیادہ دل ہلا دینے والی آیت یہ ہے:

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا (الکہف: ۲۹)

"ستمگروں کے لئے ہم نے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا منہ کو بھون ڈالے گا۔ برا پانی ہے اور آرام کے اعتبار سے بری جگہ ہے۔"

ان آیات کے علاوہ قرآن کریم میں اور بھی آیتیں ہیں جن میں ظالموں کے عبرتناک انجام، ان کی حسرت و ندامت، بے کسی اور بے بسی کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی گئی ہے۔ (10)

1.7 عدل، حکومت کی ذمہ داری و جواب دہی

ایک اور اہم قاعدہ جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال خدا اور مسلمانوں کی امانت ہیں جنہیں خدا ترس ایماندار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ اس امانت میں سے کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لئے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے اور جن لوگوں کے سپرد یہ امانت ہو وہ اس کے لئے جواب دہ ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (النساء: ۵۸)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے"۔

1.8 عدل کے بارے میں ارشادات نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالامام الاعظم الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته(12)

"خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اور مسلمانوں کا سب سے بڑا امیر دار جو سب پر حکمران ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ"۔

ما من وال يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش لهم الا حرم الله عليه الجنة.(13)

"کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا"۔

ما من امير يلي امر المسلمين ثم لا يجهد لهم ولا ينصح الا لم يدخل معهم في الجنة(14)

"کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے جان نہ

لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل ہو گا"۔

یا اباذر انك ضعیف وانها امانة وانها یوم القیامة خزی وندامة الا من اخذ بحقها وادی الذی علیه فیها(15)

"نبی ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا اے ابوذر، تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے۔ قیامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہو گا سوائے اُس شخص کے جو اس کے حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے"۔

من اخون الخیانة تجارة الوالی فی رعیته(16)

"کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے"۔

من ولی لنا عملا ولم تکن له زوجة فلیتخذ زوجة ومن لم یکن له خادم فلیتخذ خادما اولیس له مسکن فلیتخذ مسکنا اولیس له دابة فلیتخذ دابة لمن اصاب سوی ذالك فهو غال او سارق(17)

"جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر ہو وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے، اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور"۔

1.9 خلفاء راشدین کا طرز عمل

حضرت ابوبکرؓ صدیق فرماتے ہیں:

من یکن امیرا فانه من اطول الناس حسابا واغلظه عذابا ومن لا یکون امیرا فانه من ایسر الناس حسابا واهونه عذابا لان الامراء اقرب الناس من ظلم المؤمنین ومن یظلم المؤمنین فانما یخفر الله(18)

"جو شخص حکمران ہو اس کو سب سے زیادہ بھاری حساب دینا ہو گا اور وہ سب سے زیادہ سخت عذاب کے خطرے میں مبتلا ہو گا، اور جو حکمران نہ ہو اس کو ہلکا حساب دینا ہو گا اور اس کے لئے ہلکے عذاب کا خطرہ ہے کیونکہ حکام کے لئے سب سے بڑھ کر اس بات کے مواقع ہیں کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں پر ظلم ہو اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے وہ خدا سے غداری کرتا ہے"۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں :

لو هلك حمل من ولد الضان ضياعا بشاطى الفرات خشيت ان يسالنى الله.(19)

"دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے بازپرس کرے گا"۔

1.10 عمومی جائزہ

دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے معاملات عدل کے ساتھ زیادہ درست رہتے ہیں خواہ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قسم گناہوں کا ارتکاب بھی ہو بہ نسبت اس کے کہ لوگوں کے حقوق میں ظلم کیا جائے لیکن کسی گناہ میں ملوث نہ ہوا جائے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے :

ان الله يقيم الدولة العادلة وان كانت كافرة ولا يقيم الظالمة وان كانت مسلمة(20)

"اللہ تعالیٰ ایک عادل حکومت کو قائم و دائم رکھتا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور وہ کسی ظالم حکومت کو قائم نہیں رکھتا اگرچہ وہ مومن ہی ہو"۔

ایک دوسرا مقولہ ہے :

الدنيا تدوم مع العدل والكفر ولا تدوم مع الظلم والاسلم(21)

"دنیا عدل اور کفر کے ساتھ تو قائم رہتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہتی"۔

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے :

ليس ذنب اسرع عقوبة من البغى وقطيعة الرحم(22)

"سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر ایسا کوئی گناہ نہیں جس پر فوری سزا دی جائے"۔

پس ایک ظالم انسان اس دنیا میں ناکامی کا شکار ہوجاتا ہے خواہ آخرت میں کسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے دامن مغفرت و رحمت میں ہی جگہ پالے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر شے کا نظام عدل پر قائم ہے۔ جب تک امور دنیا عدل و انصاف کے ساتھ سرانجام پاتے رہیں گے، یہ دنیا قائم و دائم رہے گی۔

2- اسلام کا نظام عدل و قضاء

سابقہ سطور میں آپ اس بات کا مطالعہ کر چکے ہیں کہ قرآنی آیات کے مطابق اسلامی حکومت کی اہم ذمہ داری لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنا ہے اسی فریضہ کو ابن القیم جوزیہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

ان مقصوده اقامة العدل بين العباد و قيام الناس بالقسط(23)

"حکومت کا مقصد لوگوں میں عدل قائم کرنا اور عوام کو انصاف مہیا کرنا ہے"۔

اسلام نے لوگوں کے درمیان عدل کرنے کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے ایک نظام بھی تشکیل دیا ہے۔ جسے اسلام کا نظام عدل و قضاء کہا جاتا ہے جس کو دور حاضر میں عدلیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس نظام میں انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والے یا انصاف کرنے والے کو قاضی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس عہدہ کے بارے میں سخت ہدایات وارد ہوئی ہیں جن کا مطالعہ آپ سابقہ سطور میں کر چکے ہیں۔ حدیث میں بھی اس کے بارے میں کافی تفصیلات موجود ہیں۔ اس نظام میں اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عدلیہ کی آزادی اور بانا دستی کو یقینی بنائے۔

2.1 لفظ قضاء کے معنی

لفظ قضا لغت میں قضیٰ یقضیِ سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اصل میں قضای تھا عربی زبان کے ایک قاعدے کے مطابق یاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغت کی کتابوں میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں لیکن فریقین کے درمیان کسی تنازعے کا فیصلہ کرنا اس کا کثیر الاستعمال مفہوم ہے

قضیٰ بین الخصمین وعلیھا ای حکم بینھما و علیھا(24)

یعنی "اس نے فریقین کے درمیان تصفیہ کر دیا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کر دیا"

اسی اساسی مفہوم کی مناسبت سے فقہاء نے قضاء کی قانونی اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے۔

القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما انزل الله عز وجل(25)

"قضا کے معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے"۔

فصل الخصومات وقطع المنازعات.(26)

"جھگڑوں اور تنازعات میں فیصلہ کرنا"

الاخبار عن حكم شرعي على سبيل الالزام(27)

"شرعی فیصلہ سنانا اس طرح پر کہ اس کا نافذ کرنا لازم ہو جائے"۔

2.2 قضاء کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو حکم دیا ہے کہ "لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو"(المائدہ: ۴۸)

داؤد کو حکم دیا گیا تھا کہ "لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو"(ص ۲۶)۔

امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ انصاف قائم کرو اور اس پر قائم رہو(النساء ۱۳۵)۔

یہ آیتیں اور عدل وقسط کے متعلق اس بات کی دلیل ہیں کہ عدل کا قیام فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ قیام عدل اور حکم بالحق کا فرض قاضیوں کے تقرر کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اس فرض کی ادائیگی کے لئے "نظام القضاء" یعنی عدلیہ کا قیام اور قاضیوں کا تقرر بھی فرض ہے۔

2.3 عادل قاضی

عادل قاضی ایک قسم کی عبادت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی فیصلے کئے ہیں اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس منصب پر مقرر فرمایا۔ اسی طرح خلفاء راشدینؓ نے خود بھی لوگوں کے درمیان فیصلے کئے ہیں اور دوسرے صحابہؓ کو بھی بلاد وامصار میں قاضی بنا کر بھیجا ہے۔

دوسرا قاضی وہ ہوتا ہے جو اہلیت نہ رکھنے کے باوجود یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے، یا اسے خطرہ ہو کہ حکمران اور اس کے حکام مجھے بے لاگ انصاف نہیں کرنے دیں گے اور عدالت کے کام میں مداخلت کریں گے یا وہ قاضی دیدہ ودانستہ ظلم کر رہا ہو تو ایسے قاضی کی مذمت کی گئی ہے۔

2.4 قاضی کی اقسام

پھر قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں جائیں گے۔ جنت میں وہ قاضی جائے گا جو حق کو جانتا ہو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔ اور جو قاضی حق کو جانتے ہوئے قصداً فیصلہ دینے میں ظلم کرتا ہو وہ بھی جہنم میں جائے گا اور جو جاہل ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری قبول کر کے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

فقہاء اسلامؒ نے بھی اسی حدیث کی روشنی میں قضاء کی مذمت اور اس کی فضیلت کی احادیث میں یہی تطبیق کی ہے۔

یہ مذمت قضاء کی حدیث اس قاضی کے بارے میں ہے جو جاہل ہو یا عالم تو ہو مگر فاسق ہو یا اس قاضی کے بارے میں ہے جو اس منصب کا طالب ہو باوجود اس کے کہ اس کو اپنے اوپر یہ اعتماد نہ ہو کہ میں رشوت لینے سے بچ سکوں گا۔ بلکہ یہ خطرہ ہو کہ وہ رشوت لینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ دلائل کے درمیان یہی تطبیق ہے۔ ان کی مزید تفصیل درج ذیل ہے!

2.5 ظالم قاضی کے لئے وعید

سابقہ عنوان میں آپ قرآنی آیات کو مدنظر رکھ کر انصاف سے فیصلہ نہ کرنے کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ اب اس کی تفصیل حدیث کی روشنی میں کچھ اس طرح ہے۔ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت تک قاضی کے ساتھ رہتے ہیں جب تک وہ ظلم وزیادتی نہ کرے اور راہِ حق سے نہ ہٹے جہاں اس نے ظلم وزیادتی کی اور راہِ حق سے ہٹا اللہ تعالیٰ بھی اس (کی راہنمائی اور مدد) سے

پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور شیطان اس کو آن پکڑتا ہے۔

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: من طلب قضاء المسلمین حتی یناله، ثم غلب عدله جوره فله الجنة، ومن غلب جوره عدله فله النار(28)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں کے درمیان منصب قضاء کے حصول کی کوشش کی اور اس کو حاصل کر لیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا اس کے لئے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب رہا اس کے لئے آگ ہے۔

2.6 منصب قضاء کی طلب

سابقہ سطور کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ منصب قضاء کے حصول کی کوشش مطلقاً ممنوع یا حرام نہیں ہے بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث میں وضاحت موجود ہے، صرف وہ کوشش ممنوع ہے جو یا تو حصول دنیا کے لئے ہو، جس کا مقصد طالب جاہ اور طالب شہرت ہو یا جس کا مقصد لوگوں پر ناحق ظلم و ستم کرنا ہو ظلم پر عدل غالب رہنے کی ترکیب اس لئے استعمال فرمائی گئی کہ مکمل عدل اور مطلق عدل کا حصول کسی انسان سے ممکن نہیں، یہ صرف عادل مطلق اور منصف حقیقی کا کام ہے۔

2.7 قاضی اور رشوت

عن ابی حمید الساعدی قال: قال رسول الله ﷺ: هدایا الامراء غلول. (29)

"حضرت ابو حمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکام کو دیئے جانے والے ہدایا اور تحائف ناجائز مال ہیں"۔

غلول کے معنی ہیں ملاوٹ، ہیرا پھیری اور دھوکہ دہی سے کمایا ہوا مال، حکام اور امراء کو مختلف لوگ ہدایہ اور تحائف کے نام سے جو کچھ پیش کرتے رہتے ہیں وہ اگرچہ بظاہر ہدیہ یا تحفہ کے معصوم نام سے دیا جاتا ہے لیکن در حقیقت وہ رشوت کی ایک قسم ہوتی ہے۔ لہذا جو ہدیہ صرف اس وجہ سے دیا جائے کہ متعلقہ شخص کوئی اعلیٰ سرکاری

افسر، حاکم عدالت یا کارندہ ہے وہ رشوت ہے اور حرام ہے ہاں اگر کوئی ہدیہ ایسا ہو جو خاص اس شخص کو دیا جانا مقصود ہو اس میں اس کے عہدہ کے اثر ور سوخ کو دخل نہ ہو (جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص منصب پر فائز ہونے سے قبل بھی اس شخص کے اس طرح کے ہدایا قبول کرتا رہا ہو) تو یہ ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

2.8 نااہل قاضی کے تقرر کا وبال

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے (یعنی حکمران یا حاکم نے) ایک جماعت میں سے کسی شخص کو حاکم مقرر کیا اور اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہے جو اللہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ ہے تو ایسا تقرر کرنے والے شخص نے اللہ سے خیانت کی، اللہ کے رسول سے خیانت کی اور اہل ایمان سے خیانت کی۔

یہ ایک عام روایت ہے جو تمام سرکاری تقرریوں کے لئے ہے، عدالتی تقرریوں کا معاملہ تو بہت ہی اہم اور نازک ہے اس لئے کسی نااہل کی عدالتی منصب پر تقرری شدید وبال کا موجب ہوگی۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے (اسلامی فوج کا سردار مقرر کر کے) شام بھیجا تو فرمایا: اے یزید دیکھو تمہاری رشتہ داریاں بہت (پھیلی ہوئی) ہیں، ہو سکتا ہے کہ تم امارت اور افسری میں ان کو ترجیح دے ڈالو، تمہارے بارے میں مجھے اس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا والی بنایا جائے اور وہ ان پر کسی شخص کو محض ذاتی دوستی یاری کی وجہ سے مقرر کر دے تو اس پر اللہ کی لعنت، اللہ تعالیٰ اس سے نہ کوئی کفارہ قبول کریں گے نہ بدلہ، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

2.9 جاہل قاضی کا انجام

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو قسم کے قاضی جہنم میں ہوں گے اور ایک قسم کا جنت میں، جو قاضی حق کے مطابق فیصلے کرے گا وہ جنت میں

جائے گا، جو قاضی ظلم و جور کے فیصلے کرے گا وہ جہنم میں ہو گا اور جو قاضی اپنی جہالت اور لاعلمی سے فیصلے کرے گا وہ (بھی) جہنم میں ہو گا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ جو جاہل ہے اس کا کیا قصور ہے؟ فرمایا اس کا قصور یہ ہے کہ اس کو علم حاصل کر لینے سے قبل قاضی نہیں بننا چاہیے تھا۔

2.10 عوام کا قاضیوں کے ساتھ رویہ

امام نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا فرض ہے کہ (حکام اور ارباب اقتدار کے فیصلوں کو) سنے اور اطاعت کرے، چاہے اس کو پسند ہوں یا ناپسند، جب تک کہ اس کو کسی گناہ اور نافرمانی کے کام کا حکم نہ دیا جائے، لیکن اگر اس کو کسی گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سنے اور نہ اطاعت کرے۔

اسلامی شریعت میں کسی عدالت، حکومت، قاضی، افسر یا سرکاری غیر سرکاری کارندہ کو یہ اجازت نہیں کہ شریعت کے خلاف کسی حکم کی لوگوں سے پیروی کرائے۔ جو شخص شریعت کے خلاف کوئی حکم دے گا وہ نہ سنا جائے گا اور نہ اس کی اطاعت کی جائے گی۔ ہاں جب تک عدالتیں، حکومتیں، قاضی، افسران وغیرہ شریعت کے مطابق اور شریعت کی حدود کے اندر رہ کر احکامات دیتے رہیں گے ان کو سننا اور ان پر عمل کرنا ہر شخص کا دینی فریضہ ہو گا جس کی خلاف ورزی کرنے پر دنیا کی سزا کے ساتھ ساتھ وہ آخرت کے عذاب کا بھی مستوجب ہو گا۔

2.11 قاضی کی شرائط:

جس شخص کو قاضی مقرر کیا جائے اس میں یہ سات شرائط موجود ہونی چاہئیں۔

1۔ بالغ مرد ہو، اس لئے کہ نابالغ پر تو خود کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا تو وہ دوسروں پر کس طرح کوئی حکم نافذ کر سکتا ہے۔ اور عورتوں کو ان مناصب کا اہل قرار نہیں دیا گیا ہے جو فیصلوں سے متعلق ہوں۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن امور میں عورتوں کی شہادت درست ہے ان میں ان کی قضاء یا فیصلہ بھی درست ہے۔ امام ابن جریرؒ کے نزدیک جملہ احکام میں عورت کی قضا درست ہے۔ مگر اجماع امت اور فرمان الٰہی کی

موجودگی میں ان کا قول قابل ترجیح نہیں ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (النساء: ۳۴)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ تعالی نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے"

2۔ ہوشیار، سمجھدار اور دور اندیش ہو اور غفلت اور نسیان سے محفوظ ہو تا کہ الجھے ہوئے سخت معاملات کو سلجھا سکے۔

3۔ آزاد ہو، اس لئے کہ غلام کو تو اپنے اوپر بھی اختیار نہیں ہوتا تو اسے دوسروں پر اختیار کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور نیز یہ کہ جب غلامی کی وجہ سے شہادت کامل نہیں ہے تو تنفیذ احکام اور عہدہ قضاء پر تقرر کا بھی اہل نہیں ہو گا، یہی حکم مکاتب، مدبّر اور جزوی غلام کا ہے کہ یہ سب مکمل آزادی سے محروم ہیں مگر غلام مفتی بن سکتا ہے۔ روایت حدیث بھی کر سکتا ہے۔ اور آزاد ہو جانے کے بعد قاضی بھی بن سکتا ہے۔ اگرچہ آزاد کرنے والے کو حق ولایت حاصل ہے مگر یہ کسی منصب کے حصول میں معتبر نہیں ہے۔

4۔ مسلمان ہو، اس لئے کہ شہادت کے لئے بھی اسلام کی شرط ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۱۴۱)

"اللہ تعالی نے کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے"۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر مسلم اپنے ہم مذہب لوگوں کا قاضی بن سکتا ہے۔ چونکہ اکثر سلاطین عموماً غیر مسلموں کا جج انہی غیر مسلموں سے مقرر کر دیتے ہیں اس لئے یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے مگر درحقیقت غیر مسلم قاضی نہیں بن سکتا بلکہ صرف سردار بن سکتا ہے کہ اس کے ہم قوم خود ہی اس کی بات مان لیں، یہ نہیں کہ اس کا حکم ازروئے شریعت نافذ ہو جاتا ہو، بلکہ اگر اس کے ہم قوم اپنے فیصلے اس کے پاس نہ لے کر جائیں تو اسلامی حکم کا نفاذ راجح ہو گا۔

5۔ اسلام کے نظام حکومت میں ہر قسم کے حاکم کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ وہ عادل (پارسا) ہو۔ اور اسلامی قانون میں عدالت (پارسائی) سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آدمی سچا ہو، امانت دار ہو، پرہیزگار ہو، اس کی سیرت بے داغ اور اس کا کردار غیر مشتبہ ہو، خوشی اور ناراضی میں مغلوب نہ ہوتا ہو اور دین و دنیا کے تمام امور میں مروت برتتا ہو۔ ان صفات کی موجودگی کے بعد ہی کوئی شخص شہادت کا اہل قرار پاتا ہے اور یہی وہ صفات ہیں

جن کی موجودگی کے بعد کوئی شخص اسلامی نظام حکومت میں کوئی منصب پانے کا اہل بنتا ہے جس شخص میں یہ صفات موجود نہ ہوں وہ نہ گواہی دے سکتا ہے اور نہ حاکم بن سکتا ہے اور خصوصاً قاضی بھی نہیں بن سکتا۔

6۔ سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں پوری طرح موجود ہوں، تاکہ وہ پوری طرح حقوق کی صحت کو ثابت کر سکے اور مدعی اور مدعی علیہ میں فرق اور اقرار کرنے والے اور انکار کرنے والے میں امتیاز کر سکے اور جس کا حق ہو اسے اس کا حق مل سکے۔ لہذا اندھے کا قاضی بننا باطل ہے۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک اندھے کی گواہی بھی درست ہے اور اس کی حکومت (فیصلہ دینا) بھی درست ہے۔ بہرے کے متعلق بھی یہی اختلاف ہے۔ اس کے برعکس اعضائے جسم کی سلامتی امامت کے لیے تو شرط ہے مگر قضاء کی شرط نہیں ہے۔ اس لحاظ سے معذور قاضی ہو سکتا ہے مگر منصب کے وقار کے مدنظر مناسب یہی ہے کہ قاضی وہی شخص مقرر کیا جائے جس کے تمام اعضاء سلامت ہوں۔

7۔ علوم شرعیہ کے اصول سے مکمل واقفیت اور جزئیات میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو۔

3- اسلامی قانون کے چار اصول استنباط

اسلامی قانون کے اصول چار ہیں۔

پہلا اصول : کتاب اللہ ، قاضی اس کا ایسا عالم ہو کہ تمام آیات کے ناسخ اور منسوخ، محکم اور متشابہ ، عام اور خاص اور مجمل اور مفسر سے خوبی واقف ہو۔

دوسرا اصول سنت رسول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی تمام فرامین نبوت ﷺ اور افعال نبوت ﷺ سے اس طرح واقف ہو کہ ان کی سندوں ، ان کے تواتر و عدم تواتر وغیرہ تمام حالتوں سے آشنا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کون سی حدیث صحت کے کس معیار پر ہے اور یہ کہ وہ کس خاص موقعے سے متعلق ہے۔

تیسرا اصول۔ اجماع ہے۔ یعنی یہ کہ قاضی ان مسائل سے واقف ہو جن پر علمائے سلف کا اجماع ہے اور ان مسائل سے بھی آگاہ ہو جن میں فقہائے کرام کا اختلاف رائے رہا ہے تاکہ اجماعی مسائل میں وہ اجماع پر عمل کرے اور اختلافی مسائل میں اجتہاد کر سکے۔

چوتھا اصول۔ قیاس ہے۔ یعنی یہ کہ قاضی قیاس کے اصول سے آشنا ہو تاکہ جن جزئیات میں شریعت کا کوئی حکم موجود نہیں ہے ان میں سے وہ ایسے اصولوں سے جو نص کے ذریعے بیان ہوئے ہیں اور اجماعی مسائل سے قیاس کر سکے۔ اور اس طرح وہ غیر معمولی واقعات کا حکم معلوم کر سکے۔

جو شخص ان مذکورہ اصول اربعہ سے واقف ہو وہ اہل اجتہاد میں شمار ہو گا اور اس کا قاضی اور مفتی بنایا جانا درست ہے۔ اور جو شخص پوری طرح ان چاروں اصولوں سے آشنا نہیں ہے تو وہ نہ مرتبہ اجتہاد پر فائز ہے اور نہ اس کا قاضی یا مفتی بننا جائز ہے۔

اگر کسی غیر مجتہد کو قاضی مقرر کر دیا گیا تو اس کا تقرر باطل ہو گا خواہ اس کے فیصلے صحیح کیوں نہ ہوں اور اس کی عدالت سے جاری شدہ احکام کالعدم قرار پائیں گے اور اس کی ذمے داری خود اس پر اور اس کے تقرر کرنے والے پر ہو گی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر مجتہد کا قاضی بننا درست ہے اور وہ مقدمات کا فیصلہ مفتی سے فتویٰ لے کر کر سکتا

ہے۔ مگر بہر حال جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تقلید شریعت میں ضرورتاً روا رکھی گئی ہے اور خود کسی حکم پر عمل کرنے میں تو صحیح ہے مگر دوسروں پر حکم نافذ کرتے وقت صحیح نہیں ہے۔(30)

"حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا والی بنایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے، حضرت معاذؓ نے فرمایا، کتاب اللہ کے ذریعے، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر وہاں بھی مطلوبہ حکم نہ ملے، انہوں نے فرمایا، پھر سنت رسول ﷺ کے ذریعے، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر وہاں بھی مطلوبہ حکم نہ ملے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول ﷺ کے قاصد کو رسول ﷺ کی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دی"۔(31)

3.1 قاضی کی صفات و خصوصیات

قال عمر بن عبدالعزیز : لاینبغی ان یکون قاضیا حتی یکون فیہ خمس ، ایتهن اخطانه كانت فیه خللا: یکون عالما بما كان قبله، مستشیر الاهل العلم ، ملغیا الرثغ یعنی طمع. حلیما عن الخصم، محتملا للائمة(32)

"حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں: کسی شخص کے لئے اس وقت تک قاضی بننا مناسب نہیں جب تک اس میں پانچ خصوصیات نہ ہوں، ان میں سے جس خصوصیت میں بھی کمی ہوگی منصب قضاء (کے تقاضوں کی بجاآوری) میں خلل واقع ہو جائے گا"۔

1۔ سابقہ فیصلوں کا علم ہو۔

2۔ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔

3۔ حرص سے بچنے والا ہو۔

4۔ فریقین کے معاملہ میں بردبار ہو۔

5۔ ملامت (اور تنقید) کو برداشت کرنے والا ہو (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے میں کسی کے کہنے سننے کی پروا نہ کرنے والا ہو)۔

ان پانچ خصوصیات میں پہلی دو کو تو قانونی طور پر لاگو کیا جا سکتا ہے، مگر آخری تین کو کسی قانونی ضابطہ کے ذریعہ لاگو کرنا مشکل ہے۔ یہ سربراہ حکومت کا کام ہے کہ وہ از خود اس کا خیال رکھے کہ دوسری ضروری صفات و خصوصیات قاضی میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

3.2 قاضی کی معزولی

اگر تقرر کے وقت قاضی عادل تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو وہ معزولی کا مستحق تو ہے لیکن خود بخود معزول متصور نہ ہو گا، یہی رائے ہمارے عام (حنفی) علماء کی ہے۔ لیکن حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کو معزول کر دے۔ ہاں اگر اس کے تقرر کے وقت حکومت نے یہ شرط رکھ دی تھی کہ فاسق ہو جانے کی صورت میں وہ خود بخود معزول متصور ہو گا تو اس صورت میں وہ فاسق ہوتے ہی معزول قرار پا جائے گا۔

اگر قاضی پاگل ہو جائے، دائمی بے ہوشی میں مبتلا ہو جائے، اندھا ہو جائے، اس کی اہلیت اجتہاد جاتی رہے، اس کی یادداشت ختم ہو جائے، اس پر غفلت یا نسیان کا غلبہ ہو جائے تو ان سب صورتوں میں اس کے فیصلے نافذ العمل نہیں ہوں گے۔

اسی طرح اگر وہ فاسق ہو جائے تو صحیح تر رائے یہی ہے کہ اس کے فیصلے نافذ العمل نہیں رہیں گے۔ اگر یہ امور اس سے زائل بھی ہو جائیں تو بھی اس کی ولایت بحال نہیں ہو گی۔

سربراہ مملکت کے لئے قاضی کو معزول کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسا کوئی خلل اس میں پیدا ہو گیا ہو۔ اگر ایسا کوئی خلل پیدا نہیں ہوا لیکن کوئی شخص اس سے زیادہ بہتر اور افضل موجود ہے، یا ویسا ہی ایک اور شخص موجود ہے اور موجودہ قاضی کو معزول کر کے اس دوسرے شخص کے تقرر میں کوئی بڑی مصلحت مثلاً کسی فتنہ اور افراتفری کی روک تھام مقصود ہے تو بھی سربراہ مملکت قاضی کو معزول کر سکتا ہے۔ ان کے علاوہ صورتوں میں سربراہ مملکت کے لئے قاضی کو معزول کرنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر وہ معزولی کا حکم جاری کر ہی ڈالے تو وہ نافذ العمل تو ہو ہی جائے گا۔

ہمارے ہاں صحیح تر رائے یہ ہے کہ قاضی کو جب تک معزولی کا حکم نامہ نہ پہنچے وہ معزول متصور نہیں ہو گا۔

اگر سربراہ مملکت نے قاضی کو یہ لکھا کہ جب میری تحریر پڑھ لو گے اس وقت سے معزول ہو گے تو جس وقت بھی وہ اس

کو پڑھے گا اس وقت سے معزول متصور ہوگا، اسی طرح اگر اس کو پڑھ کر سنا دیا جائے تو بھی وہ اسی وقت سے معزول ہو جائے گا۔

قاضی کی موت یا معزولی کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی معزول سمجھے جائیں گے جن کو قاضی نے کسی متعین وقتی ذمہ داری پر مقرر کیا ہو، مثلاً کسی متوفی کا ترکہ فروخت کرنے کے لئے وغیرہ۔ صحیح رائے یہ ہے کہ اگر سربراہ مملکت نے قاضی کو اس بات کی اجازت نہ دی ہو کہ وہ سربراہ مملکت کی طرف سے کسی عہدہ دار کو مقرر کر سکتا ہے تو اس صورت میں قاضی کی موت یا معزولی کی صورت میں اس کے مقرر کردہ کارندے معزول متصور ہوں گے۔ ہاں اگر قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا ہو کہ وہ سربراہ مملکت کی طرف سے عدالتی کارندوں کا تقرر کر سکتا ہے تو پھر یہ کارندے قاضی کی موت یا معزولی کی صورت میں معزول نہ ہوں گے۔

سربراہ حکومت کے مر جانے کی صورت میں قاضی معزول نہ ہوگا۔ اسی طرح قاضی کے مر جانے کی صورت میں اس کا مقرر کردہ یتیموں کا نگران اور اوقاف کا متولی بھی معزول نہ ہوگا۔

3.3 قاضی کو کون معزول کر سکتا ہے؟

جس قاضی کا تقرر سربراہ مملکت (امام) نے کیا ہو اس کو سربراہ مملکت ہی معزول کر سکتا ہے۔ قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ امام کے مقرر کردہ کسی ماتحت قاضی کو معزول کرے۔ الا یہ کہ اس معاملہ میں اس (بڑے قاضی) کو سربراہ مملکت کا نائب قرار دیا گیا ہو۔ لیکن اگر کسی ماتحت قاضی کا تقرر بڑے قاضی نے کیا ہو اور اس کو امام نے معزولی و تقرر دونوں کا اختیار دیا ہو تو وہ اپنے مقرر شدہ قاضی کو معزول کر سکتا ہے لیکن وہ معزولی کے اسباب واضح کرے گا۔ لیکن اگر کسی ماتحت قاضی کا تقرر بڑے قاضی نے کیا ہو اور اس کو امام نے معزولی و تقرر دونوں کا اختیار دیا ہو تو وہ اپنے مقرر شدہ قاضی کو معزول کر سکتا ہے۔ لیکن وہ معزولی کے اسباب واضح کرے گا۔

(واللہ اعلم)

خود آزمائی :

1۔ قضاء کا مفہوم واضح کیجئے۔

2۔ فیصلوں میں احسان کی روش پر نوٹ قلمبند کیجئے۔

3۔ بے انصافی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وعید پر ایک تفصیلی نوٹ قلمبند کیجئے۔

4۔ اسلام کا نظام عدل و قضاء پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلمبند کیجئے۔

5۔ قاضی کی شرعی حیثیت واضح کیجئے۔

6۔ قاضی کی اقسام بیان کریں۔

7۔ قاضی کی شرائط قلمبند کیجئے۔

8۔ اسلام میں قانون کے چار اصول استنباط پر ایک جامع نوٹ لکھیں۔

9۔ قاضی کی صفات و خصوصیات اور معزولی کے احکام واضح کیجئے۔

حوالہ جات

1 رازی محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح بیروت دار العلم تفصیلی مادہ فصل

2 محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام بیروت دار ابن کثیر 1999، 486/2، 571-598

3 حوالہ سابقہ

4 محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام

5 بخاری، کتاب الحدود، باب کراھیہ الشفاعۃ فی الحدود 96/3

6 الدارقطنی، سنن الدار قطنی، باب الاقضیہ و الاحکام، مزید دیکھئے
ابو یوسف امام، کتاب الخراج، فصل فی تفصیل السواد

7- حوالہ سابقہ، کتاب خراج

8- حوالہ سابقہ، کتاب خراج

9- حوالہ سابقہ، کتاب خراج

10 محمد سایس، تفسیر آیات الاحکام، 486/2

11- متفق علیہ بحوالہ منہاج الصالحین، عز الدین بلیق، 441/1

12- متفق علیہ بحوالہ منہاج صالحین، عز الدین بلیق، 441/1

13- صحیح مسلم، متفق علیہ بحوالہ منہاج الصالحین، عز الدین بلیق، 441/1

14 مسلم و طبری، بحوالہ منہاج الصالحین 438/

15 حوالہ سابقہ

16 ابن تیمیہ امام، الحسبۃ فی الاسلام، فصل نمبر 8

17 حوالہ سابقہ، الحسبۃ فی الاسلام، فصل نمبر 8

18 حوالہ سابقہ، الحسبۃ فی الاسلام، فصل نمبر 8

19 الجوزیہ ابن قیم، الطرق الحکمیہ، ص 17/

20- الرازی، مختار الصحاح، مادہ قضی

21 کاسانی، بدائع الصنائع قاہرہ، دار العلم، 1327ھ 225/6

یونٹ نمبر 10

کسب کمائی اور تجارت کے احکام

تحریر:۔ مفتی منظور احمد

نظر ثانی:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

کسب سے مراد وہ طریقہ ہے جس سے انسان اپنا رزق حاصل کرتا ہے۔ یہ آپ کو قرآن سے دور کرنے ... قرآن مجید میں کثرت سے ایسی آیات ملتی ہیں۔ جن میں کسب کا مفہوم ... بیان کیا گیا ہے۔ اس یونٹ میں کسب کا مفہوم، کسب معاش کے درجات، کسب حلال کے فضائل، کسب حلال کی اور حرام کمائی کی صورتیں ...

احکام تجارت: تجارت کے آداب، شرکت کے احکام، مضاربت، بیع ... تجارت کی ممنوعہ صورتیں، نقود کی خرید و فروخت کے احکام، غصب کے احکام، رہن، حجر اور یتیم کے مال میں تصرف کے احکام ... بیان کئے گئے ہیں اور آخر میں مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے مختلف کتابوں کی فہرست ... شامل کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- کسب کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2- کسب معاش کے درجات جان سکیں۔
3- کسب حلال کی صورتیں جان سکیں۔
4- حرام کمائی کی صورتیں جان سکیں۔
5- تجارت کا مفہوم اور احکام جان سکیں۔
6- شرکت کا مفہوم اور احکام جان سکیں۔
7- مضاربت کا مفہوم اور احکام جان سکیں۔
8- بیع اور ربا کے احکام جان سکیں۔
9- تجارت کی ممنوعہ صورتیں جان سکیں۔
10- نقود کی خرید و فروخت کے احکام جان سکیں۔
11- غصب کا مفہوم اور احکام جان سکیں۔
12- رہن، حجر اور یتیم کے مال میں تصرف کے احکام جان سکیں۔

فہرست

1۔ کسب کا معنی

1.1 لغوی معنی

کسب، کسب یکسب، باب ضرب یضرب سے مصدر ہے جس کا معنی ہوتا ہے "تلاش کرنا"، "کوشش کرنا" اور "کمانا"۔

1.2 اصلاحی معنی

اصلاح میں کسب سے مراد وہ طریقہ ہے جس کو انسان اپنا کر نفع حاصل کرے یا اپنے آپ سے نقصان کو دور کرے۔

1.3 کسب کے متعلق آیات کا مطالعہ

قرآن مجید میں کثرت سے ایسی آیات ملتی ہیں جن میں کسب کا حکم اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں ان آیات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (الانبیاء:11)

"اور ہم نے دن کو کمانے کے لیے بنایا"۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعة:11)

"جب نماز جمعہ پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) ڈھونڈو"۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل:12)

"اور بہت سے لوگ زمین میں پھرتے ہیں اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرنے کو"۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (الأعراف:10)

"اور ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور اس میں تمہارے لیے روزیاں مقرر کیں، تم بہت کم شکر کرتے ہو"۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرة:198)

''تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ تلاش کرو تم فضل (رزق) اپنے رب کا''۔

وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ (بنی اسرائیل: 13)

''اور ہم نے دن کی نشانی دیکھنے کے لیے بنائی تاکہ تم اپنے رب کا فضل (رزق) تلاش کرو''۔

1.4 کسب کے بارے میں احادیث کا مطالعہ

کسب و کمائی کی فضیلت و اہمیت احادیث میں بہت کثرت سے ملتی ہے جن میں سے چند احادیث آپ زیر نظر سطور میں مطالعہ کریں گے۔

طلب الحلال فريضة بعد الفريضة

حلال مال کو طلب کرنا دوسرے فرائض کی ادائیگی کے بعد فرض ہے''۔

ما اكل أحد طعاما خيرا من آن ياكل من عمل يده ان نبي الله داؤد عليه السلام كان ياكل من يده

''اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے''۔

لأن يحتطب احدكم حزمة على ظهره خيراه من أن يسأل أحدا فيعطيه او يمنعه

''آدمی اپنی پشت پر لکڑیاں لادکر انہیں بیچ کر کماتے یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے پھر وہ اسے دے یا نہ دے''۔

ان الله يحب المؤمن المحترف

''اللہ تعالیٰ حرفت والے مؤمن کو پسند کرتے ہیں''۔

''نبی کریم ﷺ نے ایک دن حضرت سعد بن معاذ سے مصافحہ فرمایا تو آپ نے ان کے ہاتھوں میں سختی محسوس کی، آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لیے اپنے باغ میں کدال اور پھاوڑے چلاتا ہوں تو آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ چوم لیا اور ارشاد فرمایا یہ ہتھیلیاں اللہ جل شانہ کو بھی پیاری ہیں۔

''نبی کریم ﷺ کے سامنے سے ایک شخص گزرا صحابہ کرام نے اس کی جسمانی قوت کو دیکھ کر کہا یا رسول اللہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ آدمی خدا کی راہ میں نکلا ہوا ہوتا، آپ نے یہ سن کر فرمایا: اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کی خاطر طلب معاش

فرض

انسان پر کسب و کمائی اس وقت فرض اور ضروری ہوتی ہے جبکہ اس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جس سے وہ خود کھانے کی ضرورت پوری کر سکے اور اپنے اہل و عیال کو کھلا سکے۔ اگر ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ایک دن کمانا فرض نہیں ہوگا اور اگر ایک ماہ کا کھانا موجود ہے تو ایک ماہ تک کمانا فرض نہیں ہوگا غرض جتنے دن کا کھانا موجود ہے اتنے دن تک کمانا فرض نہ ہوگا۔

حرام

اگر کوئی شخص فخر و غرور اور اپنی شان و شوکت دکھانے کے لیے کماتا ہے تو چونکہ فخر و غرور اور دکھاوا حرام ہے لہٰذا اس نیت سے کمانا بھی حرام ہوگا جس کی وجہ سے انسان سخت گناہگار ہوتا ہے۔

مستحب

اگر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد اس نیت سے کمایا جائے کہ اس مال سے مسکینوں، فقیروں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کروں گا تو ایسی کمائی مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے۔

مباح

اگر کوئی شخص اپنی ضرورت سے زائد اس نیت سے کماتا ہے کہ اس مال سے میں اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کروں گا تو اس نیت سے کمانا مباح ہے یعنی اس میں نہ تو شرعاً کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی ثواب۔

2- فرض کمائی کی چند صورتیں

جن صورتوں میں انسان پر کمانا فرض ہوتا ہے مفسرین نے ان کی وضاحت کچھ اس طرح فرمائی ہے:

- اپنی ضروریات کے لیے

اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا کمانا جس سے انسان اپنی کمر سیدھی کر سکے فرض ہے کیونکہ اس کے بغیر اپنے وہ فرائض جن کا شرعاً اس کو حکم ہے ادا نہیں کر سکتا اور شریعت کا اصول ہے کہ جس چیز پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ چیز بھی فرض ہوتی ہے، اگر کوئی شخص مجبوری کی حالت میں ہو مگر اس کے باوجود بھی وہ کچھ نہ کمائے اور مر جائے تو سخت گناہگار ہوگا۔

اہل وعیال کے لیے

جس طرح اپنی ذات کے لیے کمانا فرض ہے، ایسے ہی اپنے اہل وعیال یعنی بیوی بچوں کے لیے بھی کمانا فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

- اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

"تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کے لیے مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو"۔ (سورۃ الطلاق)

والدین کے لیے

اگر بوڑھے حاجت مند والدین ہیں اور ان کا کوئی دوسرا سہارا نہیں تو ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کمانا بھی فرض ہے۔

وہ رشتہ دار جن سے شریعت نے صلہ رحمی کا حکم دیا

وہ رشتہ دار جن سے شریعت نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور رشتہ دار عورت یا بچہ ہے، ان کے گذارے کا نہ کوئی سامان ہے اور نہ وہ کمانے پر قادر ہیں تو ان کا خرچہ ان کے قریبی رشتہ داروں پر فرض ہے، اگر ایک ہی درجے کے کئی رشتہ دار ہوں اور صاحب وسعت بھی ہوں تو خرچ سب پر تقسیم کر کے ان کے گذارے کا خرچہ دیا جائے گا۔

3- کسب حلال کے فضائل

قرآن و حدیث میں کسب حلال کے بہت سے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں جن کا ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک آیت میں لوگوں کو حلال اور پاکیزہ مال کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرۃ: 168)

"اے لوگو! زمین میں پائی جانے والی حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔"

ایک دوسری آیت میں رسولوں کو حلال مال کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب رسولوں کو یہ حکم ہے تو عوام کو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون: 52)

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

ايما رجل اكتسب حلالا من مال فاطعم نفسه او كسبها او ممن دونه من خلق الله تعالى كان له به زكوة

"جس شخص نے حلال مال کما کر اپنے کھانے یا پہننے میں خرچ کیا، اپنے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی کو کھلایا پہنایا تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ اپنے اہل و عیال اور خادم پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔"

طلب الحلال واجب على كل مسلم

"حلال مال کمانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔"

من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسئلة و لقطعنا على جاره وسعيا على عياله جاء يوم القيمة ووجهه كالقمر ليلة البدر

"جس شخص نے مال و دولت کو حلال طریقے سے کمایا تاکہ لوگوں سے سوال کرنے سے بچے، ہمسائے پر مہربانی کرے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات پورے کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔"

طوبی لمن طاب کسبه

''خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جس کی کمائی پاک ہو''۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے حضورﷺ سے مستجاب الدعوات (جس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے) بننے کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

اطب طعمک تستجب دعوتک۔

اپنا کھانا پاکیزہ اور حلال رکھو تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔

4- کسب حلال کی صورتیں

شریعت نے انسان کے لیے حلال کمائی کی کئی صورتیں مقرر فرمائی ہیں ذیل میں ان کا سرسری تذکرہ اور تعارف کیا جاتا ہے۔

4.1 جہاد

لغوی معنی

جہاد کا لغوی معنی ہوتا ہے جدو جہد اور کوشش کرنا۔

اصطلاحی معنی

اصلاح میں جہاد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کافروں سے لڑنا۔

جہاد میں غلبہ کی صورت میں کفار سے مال غنیمت حاصل ہوتا ہے جسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے، چنانچہ جہاد کو کسب کا اعلیٰ درجہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کو حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام نے اختیار کیا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

جعل رزقي تحت ظل رمحي و جعل الذلة والصغار علي من خالف أمري

''میرا رزق میرے نیزے کے سات تلے رکھا گیا ہے، اور جس نے میری مخالفت کی اس کے لیے ذلت و رسوائی مقرر کی گئی ہے۔ اس کے لیے شرطیہ ہے کہ جہاد کرتے وقت مال حاصل کرنے کی نیت نہ ہو، جیسا کہ ماقبل میں گذرا''۔ (بخاری)

4.2 صناعت

لغوی معنی

صنعت اور صناعۃ کا لغوی معنی ہوتا ہے بنانا اور کام کرنا۔

اصطلاحی معنی

اصلاح میں صنعت وصناعت کا معنی ہوتا ہے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز بنا کر اسے فروخت کر کے اس سے روزی کمانا، کئی انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ پیشہ اپنایا، چنانچہ حضرت آدمؑ کا پیشہ لوہے کی صنعت تھی، حضرت داؤدؑ لوہے کی زرہیں بنا کر فروخت کرتے اور اس سے نفع کمایا کرتے تھے قرآن مجید میں آیا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ (الانبیاء: 80)

''اور ہم نے انہیں تمہارے فائدے کے لیے زرہیں بنانا سکھائیں''۔

حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم چرخہ کاتا کرتی تھیں جو حضرت عیسیٰؑ کا ذریعہ معاش تھا اور حضرت زکریا بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔

4.3 زراعت

لغوی معنی

زراعت اور زرع کا لغوی معنی ہوتا ہے کھیتی بونا۔

اصطلاحی معنی

اصلاح میں اس کا معنی ہوتا ہے کھیتی باڑی کر کے اپنی روزی کا بندوبست کرنا۔

یہ پیشہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے جنت سے زمین پر اترنے کے بعد اختیار کیا اور صحابہ کرام کی کثیر تعداد خصوصاً انصاری صحابہ کا یہی معمول اور پیشہ تھا۔

4.4 غراستہ

لغوی معنی

غراسۃ اور غرس کا لغوی معنی ہوتا ہے درخت لگانا۔

اصطلاحی معنی

اصلاح میں اس سے مراد ہے درخت لگا کر اس آمدنی روزگار کا انتظام کرنا۔ صحابہ کرام بالخصوص انصاری صحابہ کا یہ پیشہ تھا کیونکہ ان کے کھجور کے باغات تھے، حدیث شریف میں آتا ہے:

او بهيمة الا كانت له به صدقة (مسلم ج 2 ص 15)

جو بھی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کچھ کھا لیتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

4.5 اجارۃ

لغوی معنی

اجارۃ مصدر ہے جس کی اصل اجو ہے جس کا معنی ہوتا اپنے کام کا بدلہ اور عوض۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں اجارۃ کا معنی ہوتا ہے اپنے وقت اور بدن کی خدمات پیش کر کے اس کا معاوضہ وصول کرنا، مثلاً کوئی شخص تعلیم کو اپنا مشغلہ بنا کر اس کی تنخواہ سے گزارا کرتا ہے یا کوئی اور ملازمت اختیار کر کے اس کی تنخواہ سے اپنے روزگار کا انتظام کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرا کر اجرت وصول کی، حضور اقدس ﷺ نے بھی بکریاں چرائیں اور مزدوری کا نمونہ اُمت کے سامنے پیش فرمایا۔ کسی کی وکالت کر کے اس کی فیس وصولی کرنا، جھاڑ پھونک تعویذ کر کے اجرت لینا، وغیرہ بہت سے پیشے اس میں آتے ہیں۔

4.6 قراض

قراض کا معنی ہوتا ہے کسی شخص سے قرض وصول کرنا۔ یہ بھی کسب کی ایک صورت ہے کہ حاجت اور ضرورت کے وقت کسی سے قرض لے کر اس سے کوئی کاروبار کرنا اور اپنی ضروریات پورا کرنا اور پھر دوسرے کا قرض واپس کر دینا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں سے مال اس نیت سے لے لیتا ہے کہ انہیں واپس کر دوں گا تو اللہ اس کے لیے

اور تنگی کی صورت پیدا فرما دیتے ہیں اور جو اس نیت سے لیتا ہے کہ لے کر واپس نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بربادی کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔

4.7 وراثت

وراثت سے مراد وہ مال ہے جو کسی شخص کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے وارث کو ملتا ہے، اسے بھی کسب حلال کی اقسام میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ وارث کو یہ مال اگرچہ بغیر کسی محنت کے ملتا ہے تاہم جس سے ملا ہے اسے تو کمائی کی صورت میں ہی حاصل ہوا ہے۔

4.8 تجارت

تجارت بھی کسب حلال کا ایک اہم ذریعہ ہے اکثر صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین کا ذریعہ معاش تجارت تھا، جن کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (سورۃ النور 37)

"وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت، ذکر اللہ، نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی"۔

تجارت کے بارے میں مزید تفصیل ان شاء اللہ مستقل طور پر پیش کی جائے۔

4.9 حرام کمائی پر وعیدیں

قرآن و حدیث میں حرام کمائی کے بارے میں سخت سزائیں اور وعیدیں ذکر کی گئی ہیں جن میں چند کا ذکر مندرجہ ذیل سطور میں کیا جاتا ہے۔

جو شخص حرام و حلال کی پرواہ کیے بغیر کماتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پرواہ کیے بغیر اسے جس دروازے سے چاہیں گے

جہنم ڈال دیں گے۔

جو گوشت حرام مال سے پرورش پاتے وہ جہنم میں جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

جو شخص حرام مال کمائے گا اگر اس مال سے صدقہ دے تو وہ قبول نہ ہوگا اور اگر اسے چھوڑ کر مرے تو دوزخ کے دروازے تک کا اس نے توشہ چھوڑا۔

قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے لائے جائیں گے جن کے ساتھ تہامہ پہاڑ کی طرح نیکیاں ہوں گی مگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں انہیں کوئی حیثیت نہ ملے گی اور پھر انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے، روزے بھی رکھتے ہوں گے اور زکوۃ بھی ادا کرتے ہوں گے، حج بھی کرتے ہوں گے مگر اس سب کے باوجود جب بھی کوئی ذرا سا حرام مال آیا اسے بے دریغ لے لیتے ہوں گے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے نامہ اعمال کو ضائع کر دیں گے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ پاک ہے اور پاک مال ہی قبول کرتا ہے، اس نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو پیغمبروں کو دیا۔ چنانچہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۚ

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو"۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

"اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ"۔

پھر آپ ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں، بدن پر غبار لگا ہوا ہو، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب یا رب" کہتا ہو اور اس کا کھانا حرام ہو، پینا حرام ہو اور لباس حرام ہو اور اس کی غذا بھی حرام ہو تو ان سب چیزوں کے باوجود اس کی دعا کیسے قبول ہو؟

5- حرام کمائی کی صورتیں

حرام کمائی کی متعدد صورتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔

ظلم کے ذریعے یتیم کا مال دبالینا اور اسے استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔

(سورۃ النساء:10)

''جو لوگ یتیموں کا مال ظلم اور ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے''۔

دوسرے جگہ ارشاد ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۔ (النساء:2)

''اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کردو اور ان کے پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے ناقص اور بُرے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھاؤ کیونکہ یہ بہت بڑا اور سخت گناہ ہے''۔

5.1 وراثت میں سے عورت کا حصہ نہ دینا

وراثت میں سے عورت کے حصے پر قبضہ لینا اور اسے استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ قرآن مجید میں عورت کا حصہ نہ دینے یا شریعت کے مقرر کردہ حصے سے کم دینے یا اس کی رضا ورغبت کے بغیر اس کے مال کی طمع اور حرص میں آکر اس سے نکاح کرلینے تاکہ اس کا مال ہاتھ آجائے، حصہ دیتے وقت اسے تنگ کرنا اور ٹال مٹول کرنا تاکہ وہ اپنا حصہ چھوڑ دے ان تمام صورتوں سے منع فرمایا گیا ہے اور اس طرح سے حاصل کردہ مال بھی حرام ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۔ (النساء:19)

''اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ''۔

5.2 رشوت

رشوت بھی حرام کمائی اور آمدنی کا ایک ذریعہ ہے جس سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے قرآن مجید میں یہود اور علماء یہود کی مذمت کرتے ہوئے بیان فرمایا گیا ہے:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

(المائدة: ۶۲-۶۳)

"آپ دیکھیں گے کہ ان (یہود) میں اکثر گناہ و زیادتی اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں بے شک یہ بہت برا کر رہے ہیں، ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے یہ بہت برا کام کر رہے ہیں"۔

اس آیت میں سحت سے مراد مفسرین کے نزدیک رشوت کا مال ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي

رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی، کسی حقدار کے حق کو باطل کرنے یا کسی ناحق بات کو ثابت کرنے کے لیے مال لینا جیسے رشوت ہے، ایسے ہی کسی کے لیے جائز یا ناجائز سفارش کر کے ہدیہ یا تحفہ کے نام سے کوئی رقم یا کوئی اور چیز وصول کرنا بھی رشوت میں شامل ہے جو کہ حرام ہے۔ البتہ کوئی شخص مظلوم ہے رشوت دیے بغیر اس کا حق مارا جاتا ہے یا اس کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے تو اس تکلیف سے بچنے کے لیے وہ رشوت دے سکتا ہے، لیکن لینے والے کے لیے ہر حال میں لینا گناہ ہے۔

5.3 چوری اور ڈکیتی سے حاصل شدہ مال

چوری اور ڈکیتی کے ذریعے بھی مال کمانا شرعاً حرام ہے اور اس قسم کے افعال کو قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ اور زمین میں فتنہ و فساد قرار دیا گیا ہے اور اس پر سخت سزائیں مقرر فرمائی ہیں کیونکہ اس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ آزادی سے تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے اور ان پر کسب و کمائی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

5.4 خیانت سے حاصل کردہ مال

کسی مال یا کام میں خیانت کر کے مال کمانا بھی شرعاً حرام ہے مثلاً مال غنیمت سے خیانت کے ساتھ کچھ مال لے لینا، ڈیوٹی پوری نہ دینا اور تنخواہ پوری لے لینا یہ سب خیانت کی صورتیں ہیں اس طریقے سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء:58)

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچاؤ''۔

5.5 سود کی کمائی

سود لینا اور دینا شرعاً ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے لہٰذا اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہے جس پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جس کی تفصیل انشاءاللہ عنقریب ذکر کی جائے گی۔

5.6 فریب یا دھوکہ بازی

کسب مال کے ناجائز اور باطل طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ فریب اور دھوکہ بازی سے مال حاصل کیا جائے مثلاً عیب دار چیز کا عیب بتائے بغیر اسے عمدہ چیز کی قیمت میں فروخت کرنا، گھٹیا کوالٹی کی چیز کو اعلیٰ کوالٹی کی ظاہر کر کے فروخت کرنا، ملکی چیز پر غیر ملکی کمپنیوں کا نام و مہر لگا کر فروخت کرنا، گاہک کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر مطلوبہ چیز کی جگہ دوسری چیز دے دینا، دوسرے کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر اپنی ظاہر کر کے فروخت کرنا یہ سب فریب کی صورتیں ہیں جو کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ فریب اور دھوکہ بازی کو قرآن و حدیث میں منافقین کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ (سورۃ النساء:142)

5.7 حرام اشیاء کی آمدنی

جن چیزوں کو شریعت نے حرام اور ناپاک قرار دیا ہے ان کی تجارت اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام

ہے مثلاً شراب، خنزیر، مردار اور اس کے اجزاء، خون، جاندار چیز کی تصاویر اور مورتیاں، بت مجسمے، اور ناچ گانے کے آلات وغیرہ، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ (المائدۃ:3)

''تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو''۔

5.8 قمار اور جوے کی آمدنی

قرآن مجید میں میسر بھی منع کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدۃ:91)

''بے شک شراب، جوا، بت اور جوے کے تیر سب ناپاک اور شیطانی عمل ہیں لہٰذا ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح ملے''۔

مفسرین کے نزدیک میسر سے مراد قمار (جوا) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے معاملہ کیا جائے جس میں یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سارا مال مل جائے اور یہ بھی احتمال ہو کہ اپنی اصل سرمایہ پونجی بھی ضائع ہو جائے۔

5.9 انسان اور اس کے اعضاء کی تجارت

انسان خواہ مرد ہو یا عورت، کافر ہو یا مسلمان، زندہ ہو یا مردہ اس کی یا اس کے اعضاء کی خرید و فروخت ناجائز اور اس کے اعزاز و اکرام کے منافی ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی حرام ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل:70)

''اور تحقیق ہم نے عزت بخشی انسانوں کو اور انہیں سوار کیا خشکی و سمندر میں''۔

حضور اقدس ﷺ نے ایسے کے خلاف قیامت میں خود مقدمہ لڑنے کا اعلان فرمایا جو کسی شخص کو فروخت کر کے اس

سے پیسے کمائے۔

5.10 شرعاً حرام کاموں سے حاصل ہونے والی آمدن

جو کام شرعاً حرام ہیں ان سے حاصل ہونے والی اجرت بھی شرعاً حرام ہے اور اس کا استعمال ناجائز ہے مثلاً زنا کی اجرت، نوحہ کر کے اجرت وصول کرنا، گانے بجانے اور ناچنے کی اجرت، کاھن کا غیب کی خبریں بتا کر اجرت اور شیرینی لینا وغیرہ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (لقمان:6)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو فضول باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بغیر علم کے روکیں اور اسے مذاق واستہزاء بنائیں''۔

'لھو الحدیث' سے مراد گانا بجانا اور گانے بجانے والی باندیاں ہیں، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''گانے بجانے والی باندیوں کو نہ بیچو، نہ خریدو اور نہ انہیں گانا بجانا سکھاؤ اور ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں''۔

اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (الخ-30)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (اس) کتے کی قیمت (جس کا پالنا ناجائز ہے) زرنیہ کی اجرت اور کاھن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: مندرجہ ذیل کا جواب "ہاں/نہیں" میں دیجئے۔

1- کسب اصطلاحی معنی ہے اپنے کے حصول اور نقصان سے بچنے کا طریقہ۔ (ہاں/نہیں)

2- وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کا معنی ہے ہم نے دن کو سونے کے لیے بنایا۔ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر ۲: مندرجہ ذیل کا جواب 'صحیح/غلط' میں دیجئے

1- اللہ تعالیٰ صرفت والے شخص کو پسند نہیں کرتے۔ (صحیح/غلط)

2- کسب کا سب سے افضل ذریعہ جہاد ہے۔ (صحیح/غلط)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل جملوں میں خالی جگہ کو پر کیجئے اور اس کے لیے بریکٹ میں دیے گئے الفاظ استعمال کیجئے۔

1- ریاکاری کے لیے مال کمانا.................. ہے۔ (فرض، مکروہ، حرام)

2- جہاد کا لغوی معنی ہے .... کرنا۔ (کوشش کرنا، کمانا، تکلیف برداشت کرنا)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل سوالوں کا بریکٹ دیے گئے مختصر جوابات میں سے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

1- سورۃ المائدہ کی: ۶۳ میں اَلسُّحْتُ سے مراد کیا ہے؟ (سود، رشوت، جواء)

2- خون فروخت کر کے حاصل ہونے والی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ (حلال، مکروہ، حرام، جائز)

3- کسب معاش کے کتنے درجات ہیں۔ (دو، چار، پانچ)

6- احکام تجارت

6.1 تجارت کا معنی

"ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ کرنا" تجارت کہلاتا ہے۔

6.2 تجارت کے متعلق آیات واحادیث

تجارت کے متعلق آیات واحادیث اختصار کے ساتھ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء: 29)

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تو باہمی رضامندی سے ہو"۔

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسی کمائی حلال وطیب ہے تو آپ نے فرمایا:

عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور۔

"انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر نیکی خرید وفروخت (جس میں جھوٹ وفریب نہ ہو)"۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء

"سچا تاجر جو امانت دار ہو وہ انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا"۔

التاجر الصدوق تحت ظل العرش یوم القیمۃ

"سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا"۔

ان التجار یبعثون یوم القیمۃ فجارا الا من اتقی اللہ وبر وصدق

"قیامت کے دن تاجر لوگ گنہگاروں کی صف میں ہوں گے مگر وہ شخص جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کا معاملہ کرے اور سچ بولے"۔

6.3 تجارت کے آداب

مفسرین نے تجارت کے بہت سے آداب تحریر کیے ہیں جن کا لحاظ رکھنا تجارت میں برکت کا باعث ہے اور انہیں نظرانداز کرنا بے برکتی کا سبب ہے وہ آداب مختصراً یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

1 مال کی بے جا تعریف یا قسم سے بچنا

مال فروخت کرتے وقت اس کی بے جا تعریف یا قسم کھانے سے بچنا چاہیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے اپنی تجارت کو فروغ دے وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے اور انہیں پاک صاف کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

2 صبح کے وقت تجارت کے لیے نکلنا

صبح سویرے تجارت کے لیے نکلنا تجارت میں برکت کا باعث ہے حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کے لیے سویرے کے وقت کام کرنے میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔

3 مال کا عیب نہ چھپانا

خریدار سے مال کا عیب نہیں چھپانا چاہیے کیونکہ یہ دغا بازی ہے اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ بازی کی وہ ہم میں سے نہیں۔

4 تنگدست کو مہلت دینا

اگر کسی تنگدست آدمی کے ساتھ معاملہ ہو تو اسے مال کی ادائیگی میں مہلت دینا بھی تجارت کے آداب میں سے ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

5 وزن کے وقت پلڑا جھکا کر رکھنا

مال کا وزن کرتے وقت دونوں پلڑے برابر بھی رکھ سکتے ہیں لیکن حضور اقدس ﷺ نے سامان والے پلڑے کو جھکا کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ سامان وزن سے زیادہ کم نہ ہو کیونکہ کم تولنے والوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۙ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ

”ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے جو دیتے وقت کم تولتے ہیں اور لیتے وقت زیادہ تولتے ہیں“۔

7- تجارت کی قسمیں اور ان کے احکام

بنیادی طور پر تجارت کی تین قسمیں بنتی ہیں:

1- شرکت 2- مضاربت 3- بیع وشراء (خرید وفروخت)

اس لیے اب ان کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

7.1 شرکت

لغوی معنی

شرکت کا لغوی معنی ہوتا ہے ملنا یا ملانا۔

اصطلاحی معنی

ابتداءً شرکت کی دو قسمیں بنتی ہیں جن میں سے ہر ایک کی تعریف الگ الگ ہے:

1- شرکت ملک 2- شرکت عقد

1- شرکت ملک

شرکت ملک کا مطلب یہ ہے کہ کئی لوگ مشترکہ طور پر کسی مال کے مالک بن جائیں۔ مثلاً کئی لوگ مل کر کوئی مال خرید لیں، یا انہیں مشترکہ پر ہبہ کیا گیا، یا وہ مشترکہ طور پر اس کے وارث بن گئے۔

اس شرکت کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس مال میں اگر نفع ہو تو ہر ایک کے اصل مال میں حصہ کے مطابق اسے ملے گا اور اگر نقصان ہو تو وہ بھی ایک کے حصہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

2- شرکت عقد

شرکت عقد کہتے کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی اصل مال اور نفع میں باقاعدہ شرکت کا معاہدہ کر لیں کہ ہم مال ملا کر کاروبار کرتے ہیں جو نفع ہوگا وہ آپ میں تقسیم کر لیں گے۔ اس شرکت کی پھر چار قسمیں بنتی ہیں:

1- شرکت مفاوضہ 2- شرکت عنان 3- شرکت صنائع 4- شرکت وجوہ۔

1- شرکت مفاوضہ

شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ شریک اس طرح شراکت کریں گے ان کا مال، حقوق تجارت، عمل نفع بالکل برابر ہوں۔ اس میں ہر شریک ہر معاملہ میں دوسرے شریک کا وکیل بھی ہوتا ہے اور ہر قسم کے نقصان میں ضامن بھی ہوتا ہے، یہ شراکت بہت کم ہوتی ہے۔

2- شرکت عنان

شرکت عنان یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک کا سرمایہ، کام اور نفع برابر ہو بلکہ کم زیادہ ہو۔ اس میں ہر شریک دوسرے کی طرف سے وکیل ہوتا ہے، لہٰذا جو بھی کوئی معاملہ کرے گا وہ دوسرے کی طرف سے بھی ہوگا، البتہ ذمہ داریوں اور حقوق کا ضامن وہی ہوگا جس نے معاملہ کیا دوسرا اس کا ضامن نہ ہوگا۔

3- شرکت صنائع

شرکت صنائع کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ آدمی جن کے پاس سرمایہ نہیں البتہ مال تیار کرنے کی مشینیں اور آلات موجود ہیں وہ سب مل کر اپنے آلات اور مشینوں کے ذریعے شراکتی کام شروع کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بھی نفع نقصان ہوگا وہ اس میں شریک ہوں گے۔

4- شرکت وجوہ

اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگ جن کے پاس نہ سرمایہ ہے اور نہ آلات واسباب، وہ اپنی کاروباری مہارت اور معاشرے میں ذاتی اثر و رسوخ کی بنیاد پر دوسروں سے مال ادھار لے کر شراکتی کاروبار شروع کر دیں اور نفع ونقصان میں شرکت اختیار کرلیں۔

شرکت کی یہ تمام صورتیں جائز ہیں اور ان میں نفع اسی تناسب سے تقسیم ہوگا جو تمام حصہ داروں نے اتفاق رائے سے طے کیا ہے مثلاً تہائی یا چوتھائی یا آدھا آدھا وغیرہ اور اگر نقصان ہوا تو وہ ہر حصہ دار پر اس کے سرمائے کے اعتبار سے ڈالا جائے گا۔

7.2 مضاربت

لغوی معنی

مضاربت کا لغوی معنی ہوتا ہے چلنا پھرنا۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں مضاربت کا معنی ہے دو آدمیوں کے درمیان یہ معاہدہ کہ سرمایہ ایک کا ہوگا اور محنت دوسرے کی اور نفع دونوں میں 1/2 یا 1/3 یا 1/4 کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔

مضاربت میں جس کا سرمایہ ہو اسے رب المال، جس کی محنت ہو اسے عامل اور مضارب اور مال کو راس المال اور سرمایہ کہتے ہیں۔

7.3 احکام

1- مضاربت میں نفع طے شدہ تناسب کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے اور اگر نقصان ہو جائے تو سب سے پہلے اسے نفع میں سے پورا کیا جاتا ہے اگر نقصان نفع سے بڑھ جائے تو باقیہ نقصان اصل سرمائے سے پورا کیا جائے گا۔

2- مضاربت میں عامل کو وہی کام کرنا جائز ہے جس کی سرمایہ دار کی طرف سے اجازت دی گئی ہے اس سے تجاوز کرنا خیانت متصور ہوتی ہے اس صورت میں اگر کوئی نقصان ہو گیا تو اس کا ذمہ دار خود عامل ہوگا۔

3- اگر سرمایہ دار کی طرف سے ہر قسم کی تجارت کی اجازت ہو تو عامل ہر طرح کی تجارت کا مجاز ہوگا۔

8- بیع

لغوی معنی

بیع کا لغوی معنی ہوتا ہے بیچنا یا خریدنا۔

اصطلاحی معنی

بیع کا اصطلاحی معنی ہے:

مبادلة المال بالمال بالتراضي

"آپس کی رضامندی سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا"۔

بیع کے ارکان

اگر بیع کا معاہدہ زبانی یا تحریری ہو تو اس میں دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے جنہیں بیع کے ارکان کہا جاتا ہے:

1 ایجاب یعنی ایک شخص کا دوسرے کو اپنی چیز فروخت کرنے یا اس سے خریدنے کی پیش کش کرنا۔

2 قبول یعنی دوسرے شخص کا اس پیش کش کو قبول کر لینا۔

ایجاب کے بعد اگر اسی مجلس میں قبول کر لیا جائے تو سودا مکمل ہو جاتا ہے، سودے کے مکمل ہو جانے کے بعد بائع (بیچنے والے) یا خریدار میں سے کوئی اپنی یک طرفہ مرضی سے اس سودے کو ختم نہیں کر سکتا بلکہ بائع کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ فروخت شدہ چیز خریدار کے حوالے کر دے اور خریدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقررہ قیمت بائع کے حوالے کر دے۔

اگر بیع زبانی یا تحریری نہ ہو بلکہ عملی اشارے سے ہو مثلاً بائع خریدار کو سامان دے دے اور خریدار اسے قیمت دے دے اس طرح بھی بیع صحیح ہو جاتی ہے خواہ زبان سے ایجاب وقبول نہ ہو یا ایک طرف سے کلام ہو اور دوسرا کچھ نہ کہے، جیسے آجکل عام طور پر دوکاندار اور گاہکوں کے درمیان معاملہ ہوتا ہے۔

بیع کی قسمیں

علماء فقہ القرآن نے بیع کی کئی اقسام ذکر کی ہیں جن کا تعارف ذیل میں کر دیا جائے گا:

1- بیع مطلق

کسی چیز کو زر یعنی رائج کرنسی کے بدلے فروخت کرنا، بیع مطلق کہلاتا ہے، عام طور پر تنہا لفظ بیع اسی قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

2- بیع مقایضہ

ایک چیز کو کسی دوسری چیز (جو زر نہ ہو) کے بدلے فروخت کرنا، بیع مقایضہ ہے مثلاً گندم کو جو کے بدلے فروخت کیا جائے۔

3- بیع الصرف

کرنسی کا کرنسی سے تبادلہ کرنا بیع الصرف کہلاتا ہے مثلاً روپے کا تبادلہ روپے یا ڈالر کے بدلے کیا جائے۔

4- بیع المساومہ

باہمی رضامندی سے کسی بھی متفقہ قیمت کے عوض کسی چیز کو فروخت کرنا بیع المساومہ کہلاتا ہے۔ عام طور پر اسی بیع کا رواج پایا جاتا ہے۔

5- بیع مرابحہ

کسی چیز کی قیمت خرید یا لاگت بیان کرنے کے بعد مزید نفع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا بیع المرابحہ ہے۔

6- بیع تولیہ

کسی چیز کی قیمت خرید یا لاگت بیان کر کے اسی قیمت یا لاگت کے عوض فروخت کرنا بیع تولیہ کہلاتا ہے۔

7- بیع وضیعہ

کسی چیز کی قیمت خرید یا لاگت بیان کر کے اسے قیمت خرید یا لاگت سے کم میں فروخت کرنا بیع وضیعہ کہلاتا ہے۔

بیع میں اختیارات کا بیان

خرید و فروخت بائع (فروخت کنندہ) اور خریدار کو کچھ اختیارات ملتے ہیں ذیل میں ان اختیارات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

خیار شرط

خیار شرط کا لغوی معنی ہوتا ہے اختیار کی شرط لگانا۔ اصطلاح میں خیار شرط کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرتے وقت بائع یا خریدار دونوں یا ان میں سے کوئی ایک یہ شرط لگا سکتے ہیں کہ یہ چیز میں نے فروخت کی لیکن اتنے متعین دن تک مجھے سودا برقرار رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ہے یا خریدار کہے کہ میں نے یہ چیز خریدی لیکن اتنے متعین دن تک مجھے اختیار ہے کہ میں سودا برقرار رکھوں یا ختم کر دوں۔

جس شخص نے اختیار رکھا ہے اختیار کی مدت میں وہ سودا ختم کر دے تو سودا ختم ہو جائے گا۔ اپنا اختیار واپس کر دے یا پوری مدت میں اسے استعمال نہ کرے تو سودا پکا ہو جائے گا اور اختیار ختم ہو جائے گا۔

خیار عیب

خریدی ہوئی چیز میں اگر خریدار کو ایسا عیب نظر آجائے جو تاجروں اور ماہرین کے نزدیک عیب شمار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں کمی آجاتی ہے تو خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے واپس کر دے۔ اسے خیار عیب کہا جاتا ہے۔

خیار وصف

اگر کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کی گئی کہ اس میں فلاں صفت یا خصوصیت پائی جاتی ہے مگر بعد میں خریدار کو معلوم ہوا کہ اس میں یہ صفت نہیں پائی جاتی تو خریدار کو سودا ختم کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اس اختیار کو 'خیار وصف' کہتے ہیں مثلاً کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ جاپانی ہے مگر وہ جاپانی نہیں تھا تو خریدار سے واپس کر سکتا ہے۔

خیار رؤیت

اگر کسی چیز کو بغیر دیکھے خریدا گیا تو سودا مکمل ہو جانے کے بعد جب خریدار اسے دیکھے تو اسے پسند نہ آنے کی صورت میں اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ سودا ختم کر دے، اگرچہ دیکھنے سے پہلے اس نے زبانی طور پر اس چیز پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہو، اس اختیار کو 'خیار رؤیت' کہتے ہیں۔

خیار غبن

اگر بائع نے خریدار کو دھوکے سے کوئی چیز اتنی قیمت پر فروخت کر دی کہ وہ قیمت اس چیز کے کسی تاجر کے نزدیک صحیح نہیں تو خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ سودا ختم کر دے اسے 'خیار غبن' کہا جاتا ہے۔

9- اقالہ (سودا ختم کرنے) کا بیان

لغوی معنی

اقالہ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو زائل اور دور کرنا۔

اصطلاحی معنی

بائع اور خریدار کا باہمی رضامندی سے سودا ختم کر دینا۔

اقالہ کی شرائط

اقالہ کے صحیح ہونے کی کئی شرائط ہیں:

1- بائع اور خریدار دونوں اقالہ پر راضی ہوں۔

2- سابقہ قیمت پر ہی اقالہ کیا جائے اس میں کمی زیادتی نہ ہو۔

3- جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ موجود ہو اگر وہ ضائع ہو چکی ہے تو اقالہ نہیں ہو سکتا۔

10- تجارت کی ممنوعہ صورتیں

شریعت نے تجارت کی چند صورتوں سے منع فرمایا ہے ذیل میں آپ ان کا مطالعہ کریں گے۔

بیع المزابنہ

بیع المزابنہ کا معنی ہے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو اترے ہوئے پھلوں کے بدلے اندازے سے فروخت کرنا۔

بیع المحاقلہ

کٹی ہوئی کھیتی کو فصل میں لگی ہوئی کھیتی کے بدلے اندازے سے بیچنا بیع المحاقلہ کہلاتا ہے۔

بیع الملامسہ

خریدار بائع سے یہ کہے کہ تیری مختلف چیزوں میں سے جس کو میں ہاتھ لگا دوں اس کی بیع اور سودا مکمل ہو جائے گا۔

بیع المنابذہ

بائع خریدار سے کہے کہ جس چیز کا بھاؤ تاؤ ہو رہا ہے میں اسے جس وقت تیری طرف پھینک دوں اس کی بیع اور سودا مکمل ہو جائے گا۔

بیع المعاومہ

باغ کے پھلوں کی ایک سال یا کئی سال تک بیع کر دینا مثلاً بائع یہ کہے کہ تین سال تک جو پھل باغ میں آئے گا میں آج ہی وہ پھل فروخت کرتا ہوں۔

بیع حبل الحبلہ

مادہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس بچے کے بچے کی پہلے سے بیع کر دینا۔

بیع الغرر

غرر کا لغوی معنی ہے دھوکہ، مراد اس سے ایسی چیز کو بیچنا ہے جسے بیچنے والا خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہیں مثلاً ہوا

میں اڑتے ہوئے پرندے کو فروخت کر دینا۔

بیع قبل القبض

کسی قابل نقل چیز کو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے بیچ دینا۔

جمعہ کی اذان کے بعد بیع

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید و فروخت ناجائز ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعة: 9)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی کرو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔"

بیع الماء

دریاؤں، سمندروں اور نہروں کا پانی جس سے ہر شخص کو استفادہ کا حق حاصل ہے اسے بیچنا بھی ممنوع ہے البتہ ذاتی پانی ہو تو اسے بیچنا جائز ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت

مسجد میں سامان لا کر اس کی خرید و فروخت کرنا بھی ناجائز ہے۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: مندرجہ ذیل سوالات کے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

1 بیع مبرور کا کیا معنی ہے۔ (سچی بیع، جھوٹی بیع، وہ بیع جس میں فریب ہو)

2 سچا تاجر قیامت کے دن کہاں ہوگا۔ (بادل کے سائے میں، عرش کے سائے میں، اللہ کی رحمت میں)

سوال نمبر ۲: بریکٹ میں دیئے گئے الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

1 خرید و فروخت کے وقت قسم کھانا تجارت کے .... میں سے ہے۔ (برکات، طریقوں، آداب)

2 شرکت عقد کی .... قسمیں ہیں۔ (پانچ، چار، دو)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب "ہاں/نہیں" میں دیجئے۔

1 کیا مضاربت میں سرمایا کاری ایک شخص اور محنت دوسرے کی ہوتی ہے؟ (ہاں/نہیں)

2 کیا باہمی رضامندی سے کسی بھی متفقہ قیمت کے بدلے میں فروخت کرنا 'بیع مطلق' کہلاتا ہے (ہاں/نہیں)

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'صحیح/غلط' میں دیجئے۔

1 عیب کی وجہ سے خریدار کو حاصل ہونے والے اختیار کو 'خیار مجلس' کہتے ہیں۔ (صحیح/غلط)

2 باغ کے پھلوں کی ایک یا کئی سال تک بیع کر دینے کو 'بیع المعاومۃ' کہتے ہیں۔ (صحیح/غلط)

3 اقالہ کا معنی ہے باہمی رضامندی سے سودا کو جاری اور برقرار رکھنا۔ (صحیح/غلط)

11- نقود کی خرید و فروخت کے احکام

11.1 تعریف

شریعت کی اصطلاح میں نقود سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعے عام طور پر اشیاء کا تبادلہ اور ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جیسے پہلے زمانہ میں سونا چاندی تھے خواہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا درہم و دینار کی کرنسی کی شکل میں اور موجودہ زمانہ میں کاغذی کرنسی ہے۔

11.2 احکام

نقود کی خرید و فروخت کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

1 سونے کا سونے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو اس میں دو باتیں ضروری ہیں:

الف: دونوں طرف سے وزن کے اعتبار سے برابری پائی جائے کمی بیشی نہ ہو مثلاً ایک طرف سے ایک تولہ سونا ہو اور دوسری طرف سے دو تولہ چاندی۔

ب: تبادلہ نقد ہو یعنی مجلس ختم ہونے سے پہلے دونوں جانبوں سے عوض پر قبضہ کر لیا جائے کسی بھی جانب سے ادھار نہ ہو ورنہ ناجائز ہوگا۔

2 اگر سونے کا تبادلہ چاندی سے ہو تو اس میں وزن کے اعتبار سے برابری تو ضروری نہیں کمی بیشی جائز ہے البتہ نقد اس صورت میں بھی ضروری ہے ادھار جائز نہیں۔

3 اگر سونے یا چاندی میں ملاوٹ ہو اور سونا چاندی ملاوٹ و کھوٹ سے زیادہ نہ ہوں تو ان کا حکم اصل سونے چاندی والا ہوگا اور اگر ملاوٹ و کھوٹ زیادہ ہو تو اس کا حکم سونے چاندی والا نہیں ہوگا۔

4 ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ ہو مثلاً روپے کا تبادلہ روپے سے ہو تو اس میں بھی ایک تو برابری ضروری ہے کمی زیادتی سود ہے مثلاً ایک سو روپے کا تبادلہ ایک سو روپے میں کیا جائے دوسرے نقد یعنی ضروری ہے ادھار جائز نہیں۔

5 اگر مختلف ملکوں کی کرنسیوں کا آپس میں تبادلہ ہو مثلاً روپے کا ڈالر سے تو اس میں کمی زیادتی جائز ہے جیسے ایک طرف سے پچاس روپے اور دوسری طرف سے ایک ڈالر ہو تو جائز ہے، البتہ نقد ضروری ہے۔ ادھار جائز نہیں۔

11.3 خرید و فروخت میں شرط عائد کرنا

اگر خرید و فروخت میں کوئی شرط لگائی جائے تو اس کی چار قسمیں بنتی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 وہ شرط جو عقد (یعنی طے پانے والے معاملے) کے تقاضے کے خلاف ہو اور اس میں یا تو فروخت کرنے والے کا نفع ہو مثلاً بائع یہ کہے کہ میں تمہیں فلاں چیز فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم میرے باغ کو ایک ماہ تک پانی لگاؤ گے۔ یا خریدار کا نفع ہو مثلاً خریدار کہے تم سے فلاں چیز خریدتا ہوں بشرطیکہ تم اتنے دن میری خدمت کرو گے یا جس چیز کے بارے میں معاملہ ہوا ہے وہ اگر انسان ہو تو اس کا نفع مثلاً کسی غلام کو بیچا گیا اور یہ شرط لگائی کہ تم اسے روزانہ قورمہ کھلاؤ گے۔ ایسی شرط لگانے سے عقد اور معاملہ فاسد اور ناجائز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا۔

2 ایسی شرط لگانا جو عقد اور معاملہ کے تقاضہ کے مطابق ہو مثلاً یہ شرط لگانا کہ بائع خریدار کو بیع (خریدی جانے والی چیز) حوالے کرے گا، عقد بیع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ یہ چیز خریدار کے حوالے کی جائے، ایسی شرط لگانا جائز ہے اس سے معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

3 ایسی شرط لگانا جو معاملے کو پختہ کرنے کے لیے مناسب ہے مثلاً معاملہ کرتے وقت خریدار نے کہا کہ میں قیمت ایک ماہ کے بعد ادا کروں گا، بائع نے کہا مجھے منظور ہے بشرطیکہ تم مجھے کوئی ضامن دو جو اس بات کی ذمہ داری لے کہ اگر تم قیمت نہ ادا کی تو وہ ادا کرے گا، ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے اور اس سے بھی معاملہ متاثر نہیں ہوتا۔

4 ایسی شرط لگانا جو عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے لیکن تاجروں کے ہاں وہ شرط باقاعدہ معاملے کا حصہ ہوتی ہے اور معاملہ کرتے وقت اسے لازماً ملحوظ رکھا جاتا ہے، ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے مثلاً کسی نے کوئی چیز خریدی اور یہ شرط لگائی بائع ایک سال تک اس کی مفت سروس کرے گا، مفت سروس کرنا عقد کا تقاضا تو نہیں مگر تاجروں کے ہاں چونکہ معروف ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔

11.4 سودی کاروبار

آیات واحادیث کا مطالعہ

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرة: 275)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے ایسے حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر حواس باختہ کر دیا ہو، اس لیے کہ وہ کہتے ہیں بیع بھی (نفع کے اعتبار سے) سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور ربوٰ کو حرام قرار دیا''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرة: 279-280)

''اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو تا کہ فلاح پاؤ''۔

درهم ربو ياكله الرجل وهو يعلم اشد من ستة وثلثين زنية

''سود کا ایک درہم اگر کوئی شخص جانتے ہوئے کھائے تو اس کا گناہ چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ سخت ہے''۔

الربا سبعون جزء ايسرها ان ينكح الرجل امة

''سود کے ستر سے (زیادہ) شعبے ہیں اور ادنیٰ ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا''۔

ربوٰ کا معنی

ربوٰ کا لغوی معنی ہے زیادتی اور اضافہ۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں لفظ ربوٰ دو معنوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

1- ربوا النسيئة

نسیئۃ کا معنی ہے ادھار، ربو النسیئۃ کا معنی ہے وہ قرض جس کی واپسی کوئی خاص مدت مقرر کی گئی ہو اور اس مدت کے مقابلے میں مقروض سے کچھ زیادتی اور اضافے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ اس کو ربو القرآن (قرآن والا سود) بھی کہتے ہیں کیونکہ اسے قرآن مجید نے حرام ٹھہرایا ہے۔

2- ربو الفضل

فضل کا معنی ہے زیادتی اور اضافہ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کے آپس میں تبادلے کے وقت کمی زیادتی کرنا یا ادھار معاملہ کرنا۔ اسے "ربو الحدیث" (حدیث والا سود) بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں چھ چیزوں کے باہم تبادلے کے وقت جانبین سے کمی زیادتی اور ادھار سے منع کیا گیا ہے:

الف) سونا

ب) چاندی

ج) گندم

د) جو

ذ) کھجور

ر) نمک

لیکن یہ حکم ہر اس چیز میں ہوگا جس میں دو خصوصیتیں پائی جائیں:

1 اسے اپنی ہم جنس چیز کے بدلے فروخت کیا جائے مثلاً گندم کو گندم کے بدلے۔

2 وہ چیز ناپ یا تول کر بیچی جاتی ہو۔

اگر ایسی دو چیزوں کے تبادلے کے وقت کمی بیشی یا ادھار کا معاملہ کیا گیا تو یہ بھی سود ہے جو حدیث کی رو سے حرام ہے۔

سود کی مزید چند صورتیں

علماء نے سود کی کچھ مزید صورتیں بھی ذکر کی ہیں وہ یہ ہیں:

1- شرکت کا سود

یعنی ایک شریک دوسرے کے لیے معین نفع مقرر کردے اور باقی تمام نفع و نقصان اپنے ذمہ لے لے، تو معین نفع سود ہوگا۔

2- ناجائز خرید و فروخت

یعنی بیع کی تمام ناجائز صورتوں کا حکم بھی سود والا ہے، ان پر بھی سود والا گناہ ہوگا۔

3- رھن

رہن یعنی گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا بھی سود کے حکم میں شامل ہے۔

12- غصب کے احکام

12.1 غصب کی تعریف

لغوی تعریف

غصب، غصب یغصب غصبا باب ضرب یضرب سے مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے کسی سے زبردستی چیز لے لینا خواہ وہ مال ہو یا نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں غصب کا معنی ہوتا ہے کوئی ایسی چیز جو شرعاً مال گنی جاتی ہو اس پر مالک کی اجازت کے بغیر ناجائز قبضہ جما لینا۔ غصب کرنے والے کو 'غاصب' جس سے چیز غصب کی گئی ہے اسے 'مغصوب منہ' اور جو چیز لی گئی ہے اسے 'مغصوب' کہا جاتا ہے۔

آیات واحادیث کا مطالعہ

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۱۸۸)

''اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کے ساتھ کوئی حصہ جانتے ہوئے کھاؤ''۔

ناحق اور باطل طریقے میں جہاں دوسرے ذرائع شامل ہیں وہاں غصب اور زبردستی مال لینا بھی شامل ہے۔

الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه

''خبردار ظلم نہ کرو، خبردار کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے''۔

من اخذ شبرا من الأرض ظلما فانه یطوقه یوم القیمة من سبع ارضین

''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی مذاق میں یا بیچ ہتھیانے کی نیت سے نہ اٹھائے لہٰذا جو بھی اپنے بھائی کی لاٹھی اٹھائے اسے واپس کردے''۔

لا یاخذ أحدکم عصا أخیه لا عب جاوا فمن أخذ عصا اخیه فلیر دھا الیه

"تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی مذاق میں نہ چھینے کی نیت سے نہ اٹھائے، لہٰذا جو بھی اپنے بھائی کی لاٹھی اٹھائے اسے واپس کردے"۔

من انتھب نھبة فلیس منا

"جس شخص نے کوئی مال غصب کیا وہ ہم میں سے نہیں"۔

12.2 احکام غصب

اگر کسی دوسرے کی کوئی چیز غصب کر لی تو اس پر مندرجہ ذیل احکام مرتب ہوں گے۔

1- غاصب نے غیر کا مال سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر اگر اپنے لیا تو وہ سخت گناہگار ہوگا۔

2- اگر وہ مال غاصب کے پاس بعینہٖ موجود ہے تو اسے واپس کرنا ضروری ہے اور اگر ضائع ہو چکا ہے تو اس کا تاوان ادا کرنا ضروری ہے۔

3- اگر مغصوب (غصب کیا ہوا) مال غاصب کے پاس ہے مگر اس میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہو چکی ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو وہ غاصب کو دے دے اور خود اس کی قیمت وصول کرے اور اگر چاہے تو وہ مال اسی حالت میں واپس لے لے اور اس میں جتنا نقصان اور کمی ہوئی ہے وہ غاصب سے وصول کرے۔

4- اگر کسی کے مکان یا زمین پر قبضہ کر کے اس میں رہائش اختیار کی یا اسے کاشت کیا تو جس کی وجہ سے اس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تو اس زمین و مکان کی واپسی کے ساتھ اس میں جو کمی واقع ہوئی ہے اس کا تاوان ادا کرنا بھی ضروری ہوگا۔

5- اگر مغصوب چیز میں کوئی اضافہ ہو گیا مثلاً کمزور جانور غصب کیا اور وہ موٹا تازہ ہو گیا، اس کا دودھ اتر آیا۔ درخت پر پھل لگ گئے تو یہ اضافہ غاصب کے پاس امانت ہوگا، اگر اس کی زیادتی سے یہ اضافہ ضائع ہو گیا یا مالک نے مغصوب چیز مانگی مگر غاصب نے دینے سے انکار کر دیا اور پھر وہ ضائع ہو گئی تو اس کا تاوان بھی غاصب پر واجب ہوگا۔

6- حاکم کی اجازت کے بغیر اگر کسی نے گانے بجانے کے آلات ضائع کر دیئے تو اس پر اس کا تاوان ادا کرنا واجب ہوگا۔

خود آزمائی:

سوال نمبر۱: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'صحیح/غلط' میں دیجئے۔

1- نقدین سے مراد وہ اشیاء ہیں جن سے چیزوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ (صحیح/غلط)

2- سونے کا چاندی سے تبادلہ ہو تو جانبین سے برابری ضروری ہے۔ (صحیح/غلط)

سوال نمبر۲: بریکٹ میں دیے گئے الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

1- ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ ہو تو ... ضروری ہے۔ (ادھار، نقد، قبضہ)

2- جو شرط عقد کو پختہ کرنے کے لیے مناسب ہو ... ہے۔ (ناجائز، جائز، فضول)

سوال نمبر۳: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب 'ہاں/نہیں' میں دیجئے۔

1- جو شرط عقد کے تقاضے کے مطابق ہو کیا وہ شرط ناجائز ہے؟ (ہاں/نہیں)

2- کیا ربو کا لغوی معنی گھٹنا اور کمی کا ہوتا ہے؟ (ہاں/نہیں)

سوال نمبر۴: مندرجہ ذیل سوالوں کے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

1- سود کے ایک درہم کا گناہ کتنی مرتبہ زنا کرنے کے برابر ہے۔ (۲۰ مرتبہ، ۳۰ مرتبہ، ۳۶ مرتبہ)

2- 'ربو الفضل' کو 'ربو الحدیث' کیوں کہتے ہیں۔ (اسے حدیث نے حرام کیا، اسے قرآن نے حرام کیا، یہ فقہ میں حرام ہے)

سوال نمبر۵: مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیجئے۔

1- جس کی کوئی چیز غصب کی گئی ہو اسے کیا کہتے ہیں؟

2- کیا حاکم کی اجازت کے بغیر گانے بجانے کے آلات توڑ ڈالنے کا تاوان واجب ہوتا ہے؟

13.1 رہن کے احکام

1 خواہ کوئی شخص حالت سفر میں ہو یا اپنے وطن میں مقیم ہو دونوں صورتوں میں رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے جب اپنی زرع یہودی کے پاس رہن رکھوائی تو آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔

2 عقد رہن (رہن کے معاملہ) کے منعقد ہونے کے لیے ایجاب اور قبول ضروری ہے اور اس کے مکمل اور پختہ ہونے کے لیے مال مرہون پر قبضہ کرنا ضروری ہے، جب تک قبضہ کیا جائے اس پر رہن کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

3 رہن کے جائز ہونے کے لیے کئی شرائط مفسرین نے عائد کی ہیں وہ یہ ہیں:

ا) مال مرہون تقسیم شدہ ہو مشترک نہ ہو لہٰذا اگر کوئی مال دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اور انہیں سے ایک شخص اپنا حصہ رہن رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ مال کو تقسیم کر کے وہ اپنا حصہ رہن رکھوائے ویسے ہی مشترک مال کو رہن رکھوانا جائز نہیں۔

ب) مال مرہون رہن رکھنے والے کے تعلق سے بالکل فارغ ہو ورنہ اس کا رہن رکھنا جائز نہیں مثلاً اپنا مکان رہن رکھا مگر اس میں اپنا سامان بھرا ہوا ہے تو سامان نکال کر اسے فارغ کر کے مرتہن کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

ج) مال مرہون بنیادی طور پر کسی ایسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو جو رہن میں شامل نہیں ورنہ رہن جائز نہ ہو گی، مثلاً کوئی شخص درخت پر لگے ہوئے پھل درختوں کے علاوہ رہن رکھتا ہے تو یہ جائز نہیں البتہ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر رہن رکھا جا سکتا ہے۔

4- رہن ایسے مال کے بدلے رکھنا جائز ہے جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو مثلاً قرض، خریدتے ہوئے مال کی قیمت کے بدلے رہن رکھنا، ایسا مال جو انسان کے ذمہ واجب الادا نہیں ہوتا اس کے بدلے رہن رکھنا ناجائز ہے جیسے امانت، عاریت (مانگ کر لیا ہوا مال)۔

5- اگر باہمی رضامندی سے یہ طے کیا گیا کہ مال مرہون کا قبضہ کسی ثالث شخص کو دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، راہن کا سا ثالث کو قبضہ دینا اور مرتہن کی طرف سے اس کا قبضہ لینا جائز ہے۔

13.1 رہن کے احکام

1 خواہ کوئی شخص حالت سفر میں ہو یا اپنے وطن میں مقیم ہو دونوں صورتوں میں رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے جب اپنی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھوائی تو آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔

2 عقد رہن (رہن کے معاملہ) کے منعقد ہونے کے لیے ایجاب اور قبول ضروری ہے اور اس کے مکمل اور پختہ ہونے کے لیے مال مرہون پر قبضہ کرنا ضروری ہے؛ جب تک قبضہ کیا جائے اس پر رہن کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

3 رہن کے جائز ہونے کے لیے کئی شرائط مفسرین نے مقرر کی ہیں؛ وہ یہ ہیں:

ا) مال مرہون تقسیم شدہ ہو مشترک نہ ہو لہذا اگر کوئی مال دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اور انہی سے ایک شخص اپنا حصہ رہن رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ مال کو تقسیم کر کے وہ اپنا حصہ رہن رکھوائے ویسے ہی مشترکہ مال کو رہن رکھوانا جائز نہیں۔

ب) مال مرہون رہن رکھنے والے کے تعلق سے بالکل فارغ ہو ورنہ اس کا رہن رکھنا جائز نہیں مثلاً اپنا مکان رہن رکھا مگر اس میں اپنا سامان بھرا ہوا ہے تو سامان نکال کر اسے فارغ کر کے مرتہن کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

ج) مال مرہون بنیادی طور پر کسی ایسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو جو رہن میں شامل نہیں ورنہ رہن جائز نہ ہو گی مثلاً کوئی شخص درخت پر لگے ہوئے پھل درختوں کے علاوہ رہن رکھتا ہے تو یہ جائز نہیں البتہ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر رہن رکھا جا سکتا ہے۔

-4 رہن ایسے مال کے بدلے رکھنا جائز ہے جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو مثلاً قرض، خریدتے ہوئے مال کی قیمت کے بدلے رہن رکھنا، ایسا مال جو انسان کے ذمہ واجب الادا نہیں ہوتا اس کے بدلے رہن رکھنا جائز ہے جیسے امانت، عاریت (مانگ کر لیا ہوا مال)۔

-5 اگر باہمی رضامندی سے یہ طے کیا گیا کہ مال مرہون کا قبضہ کسی ثالث شخص کو دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، وہ ان کا سا ثالث کو قبضہ دینا اور مرتہن کی طرف سے اس کا قبضہ لینا جائز ہے۔

6- اگر مال مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا تمام حق وصول کر لیا، اگر مال مرہون کی قیمت اس حق سے زیادہ ہو تو جتنی قیمت زیادہ ہے وہ مرتہن کے پاس امانت سمجھی جائے گی اور ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر کوئی تاوان مرتہن پر واجب نہ ہوگا۔

7- رہن کا مالک چونکہ راہن ہوتا ہے لہٰذا رہن پر آنے والے تمام اخراجات راہن کے ذمہ ہوں گے مثلاً رہن کوئی جانور ہے تو اس کے کھانے پینے کے اخراجات راہن کے ذمہ ہوں گے، اور رہن کے تمام منافع بھی راہن کو ملیں گے مثلاً جانور نے بچہ دیا، جانور کا دودھ، جانور کی اون اور جانور پر سواری کا حق راہن کو ہوگا مرتہن کے لیے یہ تمام قسم کے منافع ناجائز ہیں۔ البتہ اگر مرتہن، مالک کی اجازت سے رہن پر خرچ کر رہا ہے تو جتنا اس نے خرچ کیا ہے اتنا نفع وہ رہن سے اٹھا سکتا ہے۔ مثلاً اس نے سو روپے کا خرچ کیا تو سو روپے کا دودھ استعمال کر سکتا ہے۔

8- راہن اپنا واجب الادا قرض مرتہن کو ادا کر دے تو عقد رہن اختتام پذیر ہو جائے گا، ایسے ہی اگر راہن قرض ادا کیے بغیر مر جائے تو بھی عقد رہن ختم ہو جائے گا، اب اگر راہن کا مقرر کردہ نائب موجود ہے تو وہ اگر نہیں تو عدالت اس کا نائب مقرر کرے گی جو رہن کو بیچ کر اس کا قرض ادا کرے گا اور بقیہ مال اس کے ورثاء کو واپس کر دے گا۔

13.2 حجر کے احکام

اس عنوان کے تحت آپ حجر کے احکام کا مطالعہ کریں گے۔

تعریف:

حجر کی تعریف ذیل میں ملاحظہ کی جائے:

لغوی تعریف

لغت میں حجر باب ضرب یضرب سے مصدر ہے جس کا معنی ہے کسی شخص کو کسی بھی کام سے روک دینا۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں حجر کا معنی ہے کسی شخص پر اس کے زبانی معاملات اور تصرفات کے نافذ ہونے کی پابندی لگا دینا، کہ اس

کے زبانی معاملات و تصرفات نافذ نہیں ہوں گے۔ ویسے شخص کو محجور کہا جاتا ہے۔

آیات واحادیث کا مطالعہ

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا. (النساء: 5)

''اور تم کم عقلوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گذارے کا سبب بنایا ہے اور ان مالوں سے انہیں کھلاتے رہو اور انہیں پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو''۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ.

(النساء: 6)

''اور تم یتیم کو آزمالیا کرو یہاں تک جب وہ بالغ ہو جائیں اور انہیں تم کچھ تمیز محسوس کرو تو انہیں ان کے مال دیدو''۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ.

(البقرۃ: 282)

''پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے عقل یا کمزور ہے یا خود نہیں بتلاسکتا تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ بتلادے''۔

ان النبی ﷺ حجر علی معاذ مالہ و باعہ فی دین کان علیہ

''نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ پر مال کی پابندی لگائی تھی اور ان پر واجب قرض کی ادائیگی کے لیے ان کا مال فروخت کیا تھا''۔

13.3 حجر کے اسباب واحکام

کن وجوہ سے کسی پر حجر (پابندی) عائد کی جاسکتی ہے اور اس کے احکام کیا ہیں ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

1 صغر: صغر سے مراد انسان کی ولادت سے لیکر اس کے بالغ ہونے تک کا زمانہ ہے اس حالت انسان کا صغیر کہا جاتا ہے لہذا ایسا بچہ جس میں خرید وفروخت اپنے نقصان کی عقل وتمیز نہ ہو، خواہ وہ یتیم ہو یا نہ ہو اپنا بچہ ہو یا دوسرے کا اسیر شرعاً حجر کہا جاسکتا ہے، حجر کے بعد وہ کوئی بیچے یا خریدے جس میں اس کا واضح نقصان ہو، اپنی بیوی کو طلاق دے، اپنے غلام کو آزاد کرے یا کسی شخص کے لیے مال کے اپنے او پر واجب الادا ہونے کا اقرار کرے تو اس کے یہ

تصرفات معتبر نہیں ہوں گے۔اگر کوئی ایسا معاملہ کرے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا پہلو ہو تو وہ معاملہ اس کے ولی کی اجازت دور سے پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دیدے تو معاملہ صحیح ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔

2 مجنون: مجنون سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل سب ہو چکی ہو اور پاگل ہو گیا ہو۔ایسے شخص کو چونکہ اپنے نفع و نقصان کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے اس پر بھی شرعاً حجر کیا جا سکتا ہے۔حجر کے بعد اس کے زبانی تصرفات کا بھی وہی حکم ہے جو صغیر کے تصرفات کا بیان کیا گیا۔

3 غلام: اگر کسی شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو تو وہ اس پر بھی حجر کر سکتا ہے اور اس کی خرید و فروخت پر پابند عائد کر سکتا ہے،حجر کے بعد غلام اگر کوئی خرید و فروخت کا ایسا معاملہ کرے جس میں نقصان ہو تو وہ معتبر نہ ہوگا اور اگر اس میں نفع اور نقصان دونوں احتمال ہوں تو وہ آقا کی رائے اور اجازت پر موقوف ہوگا اگر کسی کے لیے اپنے اوپر مال کے واجب الاداء ہونے کا اقرار کرے تو مال کی ادائیگی فی الحال واجب نہ ہوگی بلکہ آزاد ہو جانے کے بعد اس سے اس مال کا مطالبہ کیا جائے گا۔اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق ہو جائے گی۔

4 سفیہ: سفیہ سے مراد وہ شخص ہے جو کم عقل ہونے کی وجہ سے اپنے نفع و نقصان کو نہ جانتا ہو اور غیر ضروری و فضول جگہوں میں اپنا مال خرچ کرتا ہو،بعض علماء کے نزدیک اس کے مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اس پر حجر اور پابندی لگائی جا سکتی ہے۔

5 مفلس و مقروض: اگر کسی شخص پر بہت زیادہ قرضے واجب ہو چکے ہوں اس کے پاس ان کی ادائیگی کی طاقت نہ ہو مگر اس کے باوجود وہ لوگوں سے مسلسل ادھار معاملات کرتا جا رہا ہو تو اس پر بھی حجر کیا جا سکتا ہے تاکہ لوگوں کے اموال ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

6 فاسق: اگر کوئی شخص فاسق و فاجر ہے اور کثرت سے اپنا مال خلاف شرع کاموں میں لگاتا ہے اور فضول خرچیاں کرتا ہے تو بعض علماء نے اس پر حجر عائد کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

7 مغفل: اگر کوئی شخص مال کے معاملات میں بہت ہی زیادہ غافل ہے اور بے پرواہی سے مال خرچ کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو جا رہا ہے تو بعض علماء اس پر حجر کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

13.4 یتیم کے مال میں تصرف کے احکام

یونٹ کے اس حصے میں آپ یتیم کے مال میں تصرف کے احکام کا مطالعہ کریں گے۔ پہلے یتیم کی تعریف ملاحظہ ہو۔

یتیم کی تعریف

لغوی تعریف

یتیم، یتم مصدر سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "منفرد" یعنی "اکیلا" جو اپنے والدین میں سے کسی ایک سے جدا ہو۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں یتیم سے مراد وہ نابالغ بچہ ہے جس کا والد فوت ہو چکا ہو، اگر چہ والدہ موجود ہو۔ اگر بالغ ہو جائے تو اس پر یتیم کی تعریف صادق نہیں آتی۔

آیات واحادیث کا مطالعہ

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرة:221)

"اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا خرچ ان کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا ہے بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے"۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (النساء:2)

"اور یتیموں کے مال جو تمہاری تحویل میں ہوں ان کے حوالے کر دو اور ان کے پاکیزہ مال کو اپنے برے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا کر کھاؤ کیونکہ یہ بڑا سخت گناہ ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء:10)

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم اور ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے"۔

اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ وما ھن؟ قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ إلا بالحق واکل الربو واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات

"سات تباہ کن گناہوں سے بچو، لوگوں نے سوال کیا وہ گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو، جس جان کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، کافروں سے مقابلہ کرتے ہوئے بھاگ جانا، پاک دامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا"۔

عن عائشۃ ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف، قالت أنزلت فی والی الیتیم أن یصیب من مالہ اذا کان محتاجا بقدر مالہ بالمعروف

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ (النساء کی یہ) آیت جو مالدار ہو تو (یتیم کے مال سے) بچا رہے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھائے، یتیم کے ولی کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب وہ محتاج ہو تو دستور کے موافق اس کے مال سے لے سکتا ہے"۔

13.5 تصرف کے احکام

علماء فقہ القرآن نے یتیم کے مال میں تصرف کے مندرجہ ذیل احکام ذکر فرمائے ہیں:

1- اگر کسی کی زیر کفالت کوئی یتیم بچہ ہو اور اس کا مال ہو تو جب تک وہ بالغ نہ ہو اور سن شعور کو نہ پہنچے اس کے مال میں سے اس کی ضروریات پوری کرنے کے بعد بقیہ مال کی حفاظت کی جائے، حفاظت کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کا حصہ الگ کر کے اسے تجارت میں لگا دیا جائے یا جمع رکھا جائے۔

2- یتیم کے مال کو اپنے مال میں ملائے رکھنا اور اس میں سے یتیم کے اوسط درجے کے اخراجات منہا کرتے رہنا اور نفع نقصان میں اپنے ساتھ یتیم کو بھی شامل رکھنا جائز ہے جبکہ اس کا مقصد نیک نیتی اور یتیم کا فائدہ ہو۔

3- یتیم کے مال کو بیچنا یا اس سے کوئی مال خریدنا، اسے شرکت میں لگانا یا کسی کو مضاربت پر دینا یا اس میں خود مضاربت

کر کے نفع کمانا اور اسے بھی نفع میں شریک رکھنا جائز ہے جبکہ اس کا مقصد بھی یتیم کا فائدہ ہو۔

4- ولی یتیم کے مال کو خود خرید بھی سکتا ہے اور اس کے مال کے بدلے اپنا مال اسے بیچ بھی سکتا ہے بشرطیکہ اس میں یتیم کا نفع اور اس کی بھلائی مقصود ہو۔

5- یتیم کو اگر کوئی شخص مال تحفہ کے طور پر دے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ وہ یتیم کی طرف سے وہ تحفہ قبول کرے اور اس پر قبضہ کرے۔

6- جو شخص یتیم کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں وقت اور محنت خرچ کرتا ہے وہ محتاج و فقیر ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش اس کا نہ ہو تو وہ یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ایک مناسب مقدار لے سکتا ہے اور اگر ضرورت مند نہ ہو تو اس کے لیے یتیم کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں۔

7- مدرسوں اور یتیم خانوں میں جو چندہ یتیموں کے لیے آتا ہے اس کو یتیموں پر خرچ نہ کرنا یتیم کے مال کو ہضم کرنے کی ایک صورت ہے۔

8- ولی کے یتیم کا مال بطور قرض کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

9- اگر یتیم بچی بالغ ہو جائے اور اس کے پاس مال ہو تو اس کا ولی اپنے لڑکے یا کسی رشتہ دار سے نکاح کرنے پر اسے اس وجہ سے مجبور کرے کہ اس کا مال ہاتھ آجائے یہ جائز نہیں۔

10- یتیم بچی بالغ ہو جائے تو خوبصورت اور مالدار بھی ہو ولی خود یا اپنی اولاد کے ساتھ نکاح پر مجبور کرے جبکہ اسے یا اس کی اولاد کو واقعی نکاح کی رغبت نہ ہو صرف حسن اور مال مقصود ہو یہ بھی جائز نہیں۔

11- یتیم اگر بالغ ہونے کے بعد برضا و رغبت ولی اور سرپرست کے ساتھ کاروبار اور دوسری چیزوں میں شریک رہنا چاہیں تو جائز ہے۔

خود آزمائی:

سوال نمبر ۱: مندرجہ ذیل سوالوں کے صحیح جواب منتخب کیجئے۔

1- یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کی والدہ فوت ہو چکی ہو۔ (ایک منافق، ایک مشرک، ایک یہودی)

2- رسول اللہ ﷺ نے کس کے پاس اپنی زرع رہن رکھوائی تھی۔ (چھ، تین، چار)

سوال نمبر ۲: بریکٹ میں دیئے گئے الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

1- رسول اللہ ﷺ نے .... پر پابندی لگائی تھی۔

(حضرت ابو ہریرہ، حضرت معاذ، حضرت سعد)

2- سفیہ اسے کہتے ہیں جو .... ہونے کی وجہ سے اپنے نفع و نقصان کو نہ جانتا ہو۔

(کم عقل، بے عقل، بچہ)

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب "صحیح، غلط" میں دیجئے۔

1- یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کی والدہ فوت ہو چکی ہو۔ (صحیح، غلط)

2- یتیم کا ولی اگر مالدار ہو تو وہ یتیم کا مال اپنی ضروریات میں خرچ نہیں کر سکتا۔ (صحیح، غلط)

جائزے کے سوالات

1- کسب کے بارے میں تین آیات اور تین احادیث بمعہ ترجمہ کے پیش کیجئے۔
2- کسب کے درجات اور فرض کمائی کی صورتیں تفصیل سے تحریر کیجئے۔
3- کسب حلال کی صورتوں پر ایک مختصر اور جامع نوٹ تحریر کریں۔
4- کسب حلال کے فضائل اور کسب حرام کے مفاسد پر مشتمل ایک تحریر مرتب کیجئے۔
5- تجارت کے آداب اختصار کے ساتھ تحریر کیجئے۔
6- تجارت کی اقسام پر مشتمل ایک مفصل نوٹ تحریر لکھئے۔
7- بیع کے اندر ملنے اختیارات کی وضاحت کیجئے۔
8- نقود کی خرید وفروخت کے احکام وضاحت سے لکھئے۔
9- ربٰو کا معنی اور اس کی صورتیں تحریر کیجئے۔
10- رہن کے جائز ہونے کی شرائط وضاحت سے تحریر کیجئے۔
11- حجر کے اسباب واحکام پر ایک مفصل نوٹ تحریر کیجئے۔
12- حجر کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد اس کے مال میں تصرف کے بارے میں آیات واحادیث کا خلاصہ لکھئے۔
13- خرید وفروخت شرط عائد کرنے کی صورتیں لکھئے۔
14- رھن کے کم از کم پانچ احکام کی وضاحت کیجئے۔
15- غصب کی لغوی واصطلاحی تعریف بیان کرنے کے بعد اس کے چند احکام تحریر کیجئے۔

ماخذ

1- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱۹۶۱ء

2- پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، التفسیر المظہری، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

3- الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، جامع الترمذی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

4- جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، نشر ادب الحوزۃ، ۱۴۰۵ھ۔

5- الجصاص، احمد بن علی، ابوبکر، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور۔

6- الخطیب محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، مجلس اشاعت المعارف، ملتان۔

7- صدیقی، محمد حسین، اسلام کا قانون تجارت، مکتبہ بنوریہ، کراچی بحوالہ جیرانی۔

8- کاندھلوی، محمد ادریس مولانا، التعلیق الصبیح، مکتبہ عثمانیہ، لاہور۔

9- الکاندھلوی، محمد زکریا، مولانا، فضائل تجارت ۹۳، دارالاشاعت، کراچی۔

10- القرطبی، محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، دار احیاء القرآت العربی، بیروت۔

11- القرطبی محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، احیاء التراث العربی۔ ۱۹۸۵ء

12- المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترہیب، مطبعۃ السعادۃ، مصر۔

13- محمد بن یزید، ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ص ۱۵۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

14- الہندی، علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ۔ ۱۹۸۵ء

نکاح کے احکام

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

یونٹ کا تعارف

نکاح کسی عورت اور مرد کے درمیان ایک شرعی معاہدہ ہے۔ عربی زبان میں اس معاہدہ کو عقد الزواج بھی کہتے ہیں۔ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق در حقیقت انسانی تمدن کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی تعلق سے بقائے نسل اور خاندان کا استحکام ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تمدن و معاشرت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اس یونٹ میں نکاح کے فوائد، اقسام اور حکم، نکاح کی شرعی حیثیت، حق مہر اور مہر کی اقسام، لونڈی سے نکاح، شریک حیات کے انتخاب کا طریقہ، ولی کا فریضہ اور نکاح سے متعلق احکام واضح کئے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- نکاح کی تعریف اور اہمیت بیان کر سکیں۔
2- نکاح کے فوائد پر جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔
3- نکاح کی اقسام بیان کر سکیں۔
4- وجوب نفقہ کے احکام جان سکیں۔
5- شریک حیات کے انتخاب کا طریقہ جان سکیں۔
6- ولایت کا معنی اور اقسام بیان کر سکیں۔
7- ولی کا فریضہ اور حق مہر کو قلمبند کر سکیں۔

فہرست عنوانات

1- نکاح

نکاح عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ نکح ینکح نکحاً بنتا ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد جذب ہو جانا، وابستہ ہونا یا پیوستہ ہوتا ہے جس طرح عرب میں ایک فقرہ مستعمل ہے۔ نکح الأرض مطراً زمین نے بارش کو جذب کر لیا۔(1)

اصطلاحی طور پر اس کی تعریف یہ ہے:

الارتباط الشرعی بین الرجل و المرأة للا تتناس والتناسل(2)

عورت اور مرد کے درمیان ایسا شرعی ربط جس کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں اور نسل انسانی کو بڑھائیں۔

نکاح کسی عورت اور مرد کے درمیان ایک شرعی معاہدہ ہے اور اس کے ذریعے وہ دونوں ایک جوڑا بن رہے ہوتے ہیں، اس لئے عربی میں اس معاہدہ کو عقد ازدواج بھی کہتے ہیں کیونکہ زوج کے معنی بھی جوڑا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا (یسین:٣٦)

وہ پاک ذات ہے جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (روم:٢١)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جانوں میں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔

لہذا نکاح اور زواج دونوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں اور ان سے مراد جوڑا بن کر جنسی خواہشات کی تکمیل کرنا اور اللہ تعالی کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

1.1 اسلامی نظریہ

عورت اور مرد میں ازدواجی تعلق قائم کرنا نکاح کہلاتا ہے۔ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق در حقیقت انسانی

تمدن کا سنگ بنیاد ہے۔ اس تعلق سے بقائے نسل کا اہتمام ہوتا ہے اور خاندان نیز تمدن و معاشرت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ کوئی فرد بھی بچپن، جوانی یا بڑھاپے میں ازدواجی قانون سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا بلکہ وہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور اس سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسے بچپن میں ماں باپ سے، جوانی میں بیوی سے اور بڑھاپے میں اولاد سے واسطہ پڑے گا۔ غرض قانون ازدواج، قوانین تمدن میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ وسیع الاثر ہے۔ ازدواجی تعلقات سے کنبہ اور خاندان ظہور میں آتے ہیں۔ خاندان ہی میں بچوں سے محبت کرنے والے، ہمدرد، خیر خواہ اور خیر اندیش لوگ مل سکتے ہیں۔ بچوں کی پرورش، خبر گیری اور تربیت ماں باپ اور خواتین ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے بچے کو ہر لحاظ سے خود اپنے سے بہتر حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہر گھر میں ایسا کرنے سے پوری نسل سابقہ نسل سے بہتر بنتی رہتی ہے۔ اور یہ تمام جدوجہد اخلاص پر مبنی ہوتی ہے۔

1.2 نکاح کے فوائد:

مفسرین کرام نے نکاح کے بے شمار فوائد ذکر کئے ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

1۔ رابطہ و وابستگی

نکاح کے ذریعے مرد و زن میں وابستگی اور ربط کو پائیداری اور استقلال حاصل ہوتا ہے جس سے کنبہ، خاندان اور معاشرہ کے جملہ لوازمات بطریق احسن میسر ہوتے ہیں۔ پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی بنیاد قائم ہوتی ہے گھریلو زندگی میں سکون اور راحت پیدا ہوتی ہے۔ حقوق و فرائض سے زوجین میں قوت عمل پیدا ہوتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی امور بہتر طریق سے سر انجام پاتے ہیں۔

2۔ سکون

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(اعراف:۱۸۹)

وہی ہے جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا۔ اور اس کے لئے خود اسی کی جنس سے ایک جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔

3۔ محبت اور رحمت

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ أَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ أَنْفُسِکُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوا إِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم:۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لم تر للمتحابین مثل النکاح

جیسے میاں بیوی میں نکاح کے ذریعہ محبت ہو جاتی ہے ایسی کوئی محبت دیکھنے میں نہیں آئی (ابو داؤد)

4۔ زوجین میں تعلق

هُنَّ لِبَاسٌ لَکُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ (البقرہ:۱۸۷)

وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔(3)

لباس کا کام پردہ داری، زینت اور حفاظت جسم ہے۔ مرد اور عورت میں نکاح سے ایسا تعلق پیدا ہونا چاہیے جیسا جسم اور لباس میں ہوتا ہے ان کے دل ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں، ایک دوسرے کی ستر پوشی کریں اور ایک دوسرے کی عزت اور اخلاق کو برے اثرات سے محفوظ رکھیں۔ اسی میں فریقین، کنبہ، خاندان اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔(4)

1.3 نکاح کی اقسام

نکاح کی عموی طور پر دو اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

1۔ ابدی نکاح 2۔ وقتی نکاح

ابدی نکاح سے مراد ایسا نکاح جس میں فریقین اس نظام کے ذریعہ دائمی زندگی گزارنے کا عہد کریں اور نکاح کے معاہدہ میں کسی مدت، کچھ ماہ، دو سال، تین سال یا دس سال وغیرہ کا ذکر نہ ہو۔

وقتی نکاح سے مراد ایسا نکاح جس میں فریقین ایک خاص معینہ مدت تک اکٹھے رہنے کا معاہدہ کریں اور اس مدت کے گزرنے کے بعد وہ نکاح خود بخود ختم ہو جائے اس نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔

ثانی الذکر نکاح مسلمانوں میں سے ایک فرقہ اہل تشیع کے نزدیک جائز ہے اور باقی تمام اسے جائز تصور نہیں کرتے کیونکہ اسلام میں نکاح کے مقاصد میں سے ایک مقصد اولاد پیدا کر کے ان کی تربیت کرنا اور اسے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنانا ہے اس لئے دوسری قسم اس مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتی اور ان کے نزدیک یہی وجہ اس کے ناجائز ہونے کی ہے۔

1.4 نکاح کا حکم

قرآن مجید میں زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو، ضروری شادی کریں، کہ عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب یہی ہو سکتا ہے۔ رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (النور:۳۲)

"اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی"۔

ایامیٰ۔ ایم کی جمع ہے، اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو ایم بھی کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ اس کو بھی ایم کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا "رجل ایم" بھی کہا جاتا ہے اور امراۃ ایم بھی۔

اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد و عورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے۔ جن کو شادی کی ضرورت ہو، حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے، اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، اور پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو، اور اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے

ہیں اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں ان کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا کہ جو شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتے کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے جس پر آگے بحث ہو گی۔

اس آیت سے اتنی بات بہر حال کھل کر معلوم ہو گئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے اور شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

1.5 نکاح کی شرعی حیثیت

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے اور کوئی شبہ نہیں۔ احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حد برداشت سے جب باہر ہو جائے اور خطرہ شرعی حدود کے توڑ دینے کے سامنے آ جائے یعنی ظن غالب زنا میں مبتلا ہو جانے کا ہو تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لئے واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر بے تابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنتِ مؤکدہ ہے اسی طرح اگر ظن غالب ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہ ہو جائیں گے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے، بلکہ حقوق زوجیت کے متعلق عجز کا جسے یقین ہو، ایسے آدمی کیلئے تو نکاح حرام ہے۔

محرمات

مفسرین کرام کے نزدیک عقد نکاح کی شرائط صحت دو ہیں۔

1۔ دو گواہوں کی موجودگی 2۔ عورت مرد کیلئے حلال ہو (5)

پہلی شرط تو واضح ہے دوسری شرط سے مراد یہ ہے کہ عورت کی اس مرد کے ساتھ کوئی ایسی رشتہ داری نہ ہو جن کے مابین جنسی تعلق قائم کرنا قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہو، اگر یہ صورت حال ہو گی تو وہ عورت اس مرد کیلئے

اور مومنوں کیلئے نہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر رکھے ہیں یہ اس لئے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو اللہ بہت بخشنے اور بڑے رحم والا ہے۔
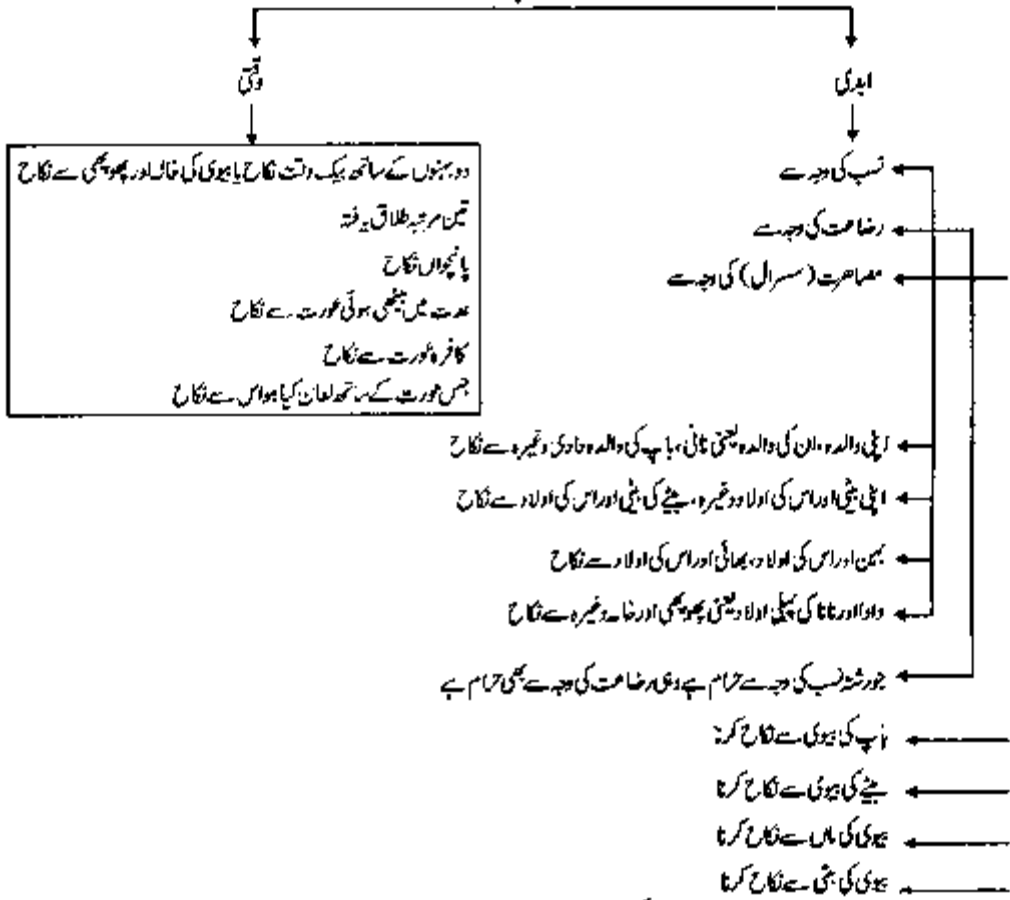
ابدی حرام رشتوں کے درمیان کبھی بھی عقد زواج قائم نہیں ہو سکتا لیکن وقتی حرام رشتوں کی وجہ جب ختم ہو جائے گی تو نکاح کی اجازت ہے۔

مثلاً ایک بہن کے ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح حرام ہے لیکن اگر پہلی کو طلاق دے دی جائے تو پھر دوسری سے نکاح جائز ہے یہی صورت حال پھوپھی اور خالہ کے ساتھ ہے اسی طرح باقی تمام وقتی حرام رشتوں کی مثال ہے۔(5-A)

2- حق مہر

مہر کی تعریف

وہ مال جو مرد نکاح کے وقت عورت کو اپنے عقد زوجیت میں داخل ہونے کے عوض ادا کرتا ہے۔ اس حق المہر بھی کہتے ہیں اور صداق بھی کہتے ہیں۔(6)

قرآن مجید میں ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً

اس لئے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو

2.1 حق مہر کی اقسام

حق مہر کی دو اقسام ہیں۔

1- مہر مسمّٰی 2- مہر مثل

1- مال کی وہ مقدار جو عقد زواج کے موقعہ پر فریقین طے کر لیں اور اسی وقت ادا کر دی جائے یا بعد میں ادا کرنے پر اتفاق ہو۔

2- ایسا نکاح جس میں حق مہر کی مقدار کا تعین نہ کیا جائے تو اس صورت میں عورت اپنے خاندان کی دوسری لڑکیوں کے مہر کے برابر حق المہر وصول کرے گی۔ کیونکہ یہ مال باقی تمام کے حق المہر کے برابر ہوتا ہے، اس لئے اسے مہر مثل کہتے ہیں۔

اگر مہر فوری طور پر ادا کر دیا جائے تو اسے معجّل کہتے ہیں میم کی پیش کے ساتھ اور اگر بعد میں کسی وقت ادا کیا جائے تو اسے غیر معجّل یا موجل کہتے ہیں۔

عورت پر جو حقوق زوجیت مرد کو حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ اگرچہ اصل فطرت کے لحاظ سے مرد ہی قوامیت کا مستحق ہے، مگر بالفعل یہ مرتبہ مرد کو اس مال کے معاوضہ میں ملتا ہے جو وہ مہر کی صورت میں ادا کرتا

ہے۔ قرآن کریم میں اس سے متعلق ہدایت دیتا ہے کہ:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً

عورت کے مہر خوشدلی کے ساتھ ادا کرو (النساء : ۴)

اسی سورۃ میں آگے چل کر مزید فرمایا:

فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (النساء : ٢٤)

نکاح کے وقت مرد اور عورت کے درمیان جو مہر طے پاتا ہے اس کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے۔ اگر وہ اس کے ادا کرنے سے انکار کردے تو عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے۔ یہ ایک ذمہ داری ہے کہ جس سے سبکدوش ہونے کی کوئی صورت مرد کے لئے اس کے سوا نہیں ہے کہ:

1۔ عورت یا تو اس کو وصول کرے

2۔ یا اس کی ناداری کا لحاظ کرکے خوشی سے معاف کردے

3۔ یا اس پر احسان کرکے برضا و رغبت اپنے حق سے دستبردار ہوجائے۔(۷)

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النساء : ٤)

اگر عورتیں خوشدلی کے ساتھ مہر میں کچھ معاف کردیں تو اس کی مزے سے کھاؤ

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء : ٢٤)

اگر مہر متعین ہوچکنے کے بعد اس میں کم زیادہ پر باہمی رضامندی سے کوئی تغیر کرلو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں

2.2 اسلام سے قبل عورت کا حق مہر

اسلام نے مرد کو حکم دیا ہے کہ جس عورت سے اس کا نکاح ہوا ہے اسے لازماً مہر ادا کرے۔ مہر کے بغیر نکاح اس کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ نکاح میں عورت کو مہر دینے کا تصور اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں بھی تھا لیکن اہل عرب نے عملاً اس سے محروم کر رکھا تھا۔ اس کی مختلف شکلیں تھیں۔

1۔ عورت کا سرپرست اس کے مہر کو اپنی ملکیت سمجھتا اور جو مہر ملتا اور اس پر قبضہ کرلیتا۔ وہ یوں لڑکی کو باعث

عار سمجھتے تھے اور اس کی پیدائش سے ان پر غم واندوہ کے بادل چھا جاتے تھے لیکن اس پہلو سے وہ ان کے لئے ایک طرح سے خوشی کا سبب بھی تھی کہ اس کے مہر سے ان کی دولت میں اضافہ ہو گا۔ چنانچہ وہ لڑکی کو "النافجہ" (اضافہ کرنے والی) کہتے تھے۔ اور اس کی پیدائش پر ان الفاظ میں مبارک باد دی جاتی تھی "ھنیالک النافجہ" مبارک ہو تمہارے لئے دولت بڑھانے والی۔ مہر میں چونکہ وہ اونٹ لیتے تھے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ لڑکی کی جب شادی ہوگی تو اس کے مہر میں جو اونٹ ملیں گے اس سے تم اپنے اونٹوں کی تعداد بڑھاؤ گے۔

2۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی آدمی مر جاتا اور اس کی بیوی موجود ہوتی تو اس کی دوسری بیوی کا لڑکا یا کوئی رشتہ دار ایک چادر اس عورت پر یہ کہہ کر ڈال دیتا کہ مرنے والے کے مال کی طرح میں اس عورت کا بھی وارث ہوں۔ اس سے اس عورت پر اس کا حق مسلم ہو جاتا۔ نہ تو کوئی دوسرا اس کا دعویٰ کر سکتا تھا اور نہ خود عورت اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکتی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تو قدیم مہر ہی کی بنیاد پر اس سے شادی کر لیتا اگر کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرتا تو اس کے مہر پر قبضہ کر لیتا اور اسے بالکل اس سے محروم کر دیتا۔

3۔ کبھی اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے کم مہر بھی دیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کوئی یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ اس کی خوبصورتی اور مال و دولت کی وجہ سے خود اس سے نکاح کرنا چاہتا تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح نہیں کراتا تھا بلکہ خود نکاح کر لیتا اور اسے اتنا مہر نہیں دیتا جتنا کہ دوسرا شخص اسے دینے کے لئے تیار ہوتا۔ قرآن نے اس سے منع کیا ہے اور کہا کہ اگر ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنا چاہو تو انھیں پورا مہر دو ورنہ کسی دوسری عورت سے شادی کر لو۔

4۔ دور جاہلیت میں عورت کا مہر ختم کرنے کی ایک صورت وہ بھی تھی جسے حدیث میں شغار کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی سے اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ اس کے عوض اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دے دے اور ادلا بدلے کی شادی میں دونوں لڑکیوں میں سے کسی کا مہر نہ ہو۔

اسلام نے جاہلیت کے اس طریقہ کو ختم کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

نھی رسول اللہ ﷺ وسلم عن الشغار (8)

"رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے"۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

لا شغار فی الاسلام(9)

"اسلام میں شغار نہیں ہے"۔

2.3 فرضیت مہر

قبل ازیں نکاح کے بیان میں بوقت نکاح مہر مقرر کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اور بموجب معاہدہ اس کا ادا کرنا بھی فرض ہے۔ مرد کسی صورت میں بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ادا کرنے سے انکار کرے تو عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے۔

احق الشروط ان توفوا بہ ما ستحللتم بہ الفروج (10)

شرطوں میں سے وہ شرط پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہے جس کے ذریعے تم عورتوں کی عصمت کے مالک بنے ہو۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدہ:۱)

مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل:۳٤)

اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ قیامت میں عہد کی باز پرس ہوگی۔

مومن کا وعدہ قرض کی طرح واجب الادا ہے اور مومن کا وعدہ ایسا ہے جیسے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے سب بہتر بندے وہ ہوں گے جو خوش دلی سے وعدہ وفا کرتے ہیں۔ اسی طرح حکم خداوندی ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:٤)

اور عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔

2.4 مہر میں کمی بیشی اور معافی

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء:٢٤)

اگر تم معاہدہ مہر کے بعد اس میں کم زیادہ پر باہمی رضامندی سے کوئی تصفیہ کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النساء:٤)

پھر اگر وہ خوش دلی کے ساتھ مہر میں سے کچھ معاف کر دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ۔

عورت مہر کی ادائیگی میں مرد کو مہلت دے سکتی ہے۔ اس کی غربت کا لحاظ کر کے اس کو خوشی معاف کر سکتی ہے۔ بہ رضا و رغبت اپنے حق سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ عورت خلع کے معاوضہ میں بھی مہر چھوڑ سکتی ہے۔ (10-A)

2.5 مہر کی حد

شریعت میں مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ اس لئے قانون کے ذریعے اس کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ مہر کے متعلق کچھ اصول اور مثالیں موجود ہیں۔

قلیل مہر

خیر الصداق ایسرہ عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بہترین مہر وہ ہے جو معمولی ہو"۔ (11)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے

خیار نساء امتی احسنھن وجھا وارخصھن مھرا۔

میری امت کی بہترین عورتیں وہ ہیں جو اچھی صورت کی ہوں اور ان کا مہر بھی کم ہو۔

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کیا۔ کافی دیر کھڑی رہی۔ ایک آدمی کھڑا ہوا کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول ! اگر آپ کو حاجت نہیں تو میرا

اس سے نکاح کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا، تیرے پاس اس کے مہر کے لئے کوئی چیز ہے۔ کہنے لگا نہیں مگر یہ میری چادر فرمایا تلاش کر۔ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ اس نے تلاش کیا کچھ نہ پایا نبی ﷺ نے فرمایا کیا تیرے پاس قرآن سے کچھ سورتیں حفظ ہیں۔ اس نے کہا۔ ہاں فلاں فلاں سورت۔ فرمایا میں نے تیرا اس سے نکاح کیا۔ اس چیز سے جو تیرے پاس قرآن سے ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ فرمایا، جا میں نے تیرا اس سے نکاح کیا اس کو قرآن سکھادے۔(12)

جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کے حق مہر میں اپنے دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور کے دیئے۔ تو اس نے اس عورت کو اپنے اوپر حلال کر لیا۔(13)

عامرؓ بن ربیعہ سے روایت ہے بنو فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں پر نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو فرمایا، کیا اپنے نفس کے بدلے دو جوتوں کے مال سے تو راضی ہو گئی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تو جائز رکھا۔(14)

انسؓ سے روایت ہے۔ ابو طلحہ نے ام سلیم سے نکاح کیا۔ ان کا مہر اسلام لانا تھا۔ ام سلیم ابو طلحہ سے پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ ابو طلحہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ام سلیم نے کہا میں مسلمان ہوتی ہوں مگر تو مسلمان ہو گا۔ تو نکاح کروں گی۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گیا۔ ابو طلحہ کا اسلام لانا ہی مہر مقرر ہوا۔(15)

من اعطى في صداق امراته مل كفيته سويقا او تمرا فقد استحل.

جس شخص نے اپنی عورت کے مہر میں دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور دے دیں پس اس نے حلال کر لیا اپنی عورت کو اور بغیر اس کے اس کی بیوی حلال نہیں۔

مخلص صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا مہر پونے سول ماشے سونا قرار پایا تھا۔ حالانکہ آپ بہت زیادہ امیر تھے۔ چونکہ نکاح سادہ طریقے سے کیا گیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ سے بہترین تعلقات کے باوجود حضور ﷺ کو ان کے نکاح کی خبر اگلے روز وہ بھی دریافت کرنے پر ہوئی۔(16)

نصف مہر

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ:۲۳۷)

اور اگر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو اور ان کے لئے مہر ٹھہرا چکے تھے تو مقرر کردہ مہر کا آدھا لازم

ہو گیا۔ مگر یہ عورت درگزر کرے یا خاوند جس کے اختیار میں نکاح کی گرہ ہے۔

عورت کی طرف سے درگزر سے مراد یہ ہے کہ وہ نصف بھی معاف کر دے۔ اور مرد کی طرف سے درگزر یہ ہے کہ جو مہر مقرر ہوا تھا پورا دے دے۔ اور اگر تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھا واپس نہ لے بلکہ سب مہر چھوڑ دے۔ مرد درگزر کرے تو تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ نکاح کرنے، باقی رکھنے اور طلاق دینے پر مختار ہے۔ زوجہ کی طرف سے تو فی الحال کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اس لئے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ درگزر کرے۔ جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو عورت کے لئے کوئی عدت نہیں۔ خاوند مر جانے کے اوپر گو خاوند نے صحبت بھی نہ کی ہو، مگر وہی عدت ضروری ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرة:٢٣٦)

اگر تم عورت کو اس وقت طلاق دے دو کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور ان کا مہر بھی مقرر نہ کیا ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ نیکی کرنے والوں پر لازم ہے کہ ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق، اور تنگی والے پر اس کے موافق، جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے۔

اس صورت میں نکاح درست ہے۔ عورت کو مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی تو مہر کچھ لازم نہ ہو گا۔ لیکن مرد کو لازم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنے پاس سے عورت کو کچھ دے دے۔ (16-A)

3- لونڈی سے نکاح

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:٢٥)

پس لونڈیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت پر نکاح کرو۔ اور مناسب طور پر ان کے مہر ادا کرو۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ارشاد ہے

اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو خیر لونڈیوں سے ہی سہی۔ اور صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مفسرین کے نزدیک مسلمان لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے لیکن چونکہ یہ عنوان دور جدید سے مطابقت نہیں رکھتا اس لئے اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔

3.1 نان و نفقہ کا حق

ھی لغة ما ینفقه الانسان علی عیاله و شرعا ھی الطعام و الکسوة و السکنی

"لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے"۔

شوہر پر دوسرا فرض نفقہ ہے۔ قانون اسلام نے زوجین کے حدود عمل کی واضح طور پر نشاندہی کر دی ہے۔ شادی سے پہلے لڑکی کی پرورش کی ذمہ داری باپ کی ہے۔ شادی کے بعد اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے۔ شریعت کی رو سے بیوی امیر ہو یا غریب اس کا نان و نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں صاحب حیثیت ہوں تو بیوی کا نفقہ اسی کی حیثیت کے مطابق ہو گا بیوی غریب اور شوہر مالدار ہو تو اس کا نفقہ غریب اور امیر کے نفقہ کے درمیان یعنی غریب کے نفقہ سے زیادہ اور امیر کے نفقہ سے کم ہو گا۔ لیکن اگر بیوی مالدار اور شوہر غریب ہے تو مرد اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا اور باقی اس کے ذمہ قرض ہو گا جسے وہ حسب سہولت ادا کرے گا۔

عورت اگر صاحب حیثیت ہے تو اس کے لئے خادم بھی فراہم کیا جائے گا۔ بیوی شوہر کے رشتہ داروں

کے ساتھ مل کر رہنا نہ چاہے تو وہ الگ مکان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ یہ اس کا قانونی حق ہے اور شوہر کے لئے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اس ذیل میں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہی ہوگا کہ شوہر کی خدمت اور گھر کا کام کاج عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ یہ سب کچھ کرتی ہے تو یہ اس کا اخلاق اور حسن سلوک ہے۔ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

3.2 وجوب نفقہ

قوام ہونے کی صورت میں مرد کا کام کمانا، اور اہل کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرنا ہے۔ نیز قرآنی احکام کے مطابق مہر کے ساتھ ساتھ نفقہ مہیا کرنا بھی مرد کے فرائض میں شامل ہے۔ عورت کا یہ حق کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اس سے دستبردار ہو جائے یا سرکشی کی مرتکب ہو۔ اگر شوہر اس ذمہ داری کو قبول نہ کرے تو عورت قانونی چارہ جوئی کے ذریعے یہ حق حاصل کر سکتی ہے۔ اگر مرد انکار کرے یا استطاعت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

اذا انفق الرجل علی اهله يحتسبها فهو له صدقة(17)

جب آدمی اپنے گھر والوں پر آخرت میں اجر پانے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ بنتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

"مملوک کے لئے اس کے مالک کے ذمہ کھانا کھلانا، لباس دینا اور اس سے اتنا ہی کام لینا ہے جس کی اس میں طاقت ہے"۔

3.3 بیوی کا نفقہ

شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت کچھ ذمہ داری عائد کی ہے، ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ "بیوی" کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے، اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کر دے جو اس کے لئے ضروری ہیں تاکہ وہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کر سکے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ (الطلاق: ۷)
"جس کو گنجائش ہے خرچ کرے اور جس کو آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے، خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں دیتا"۔

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا ہے، بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے اندازہ سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا

(البقرہ: ۲۳۳)

"اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ اُن کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے۔ کسی شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی"۔

بتایا ہے کہ بیوی کے "نفقہ" کا بار شوہر پر اس لئے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت اور نشوونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خود بچہ کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا۔

پہلے ابواب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بیوی کا حق یہ بھی ہے:

ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن (18)

"کہ تم ان (بیویوں) کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرو"۔

3.4 مقدار نفقہ

قرآن مجید میں نفقہ کی حد مقرر نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ صورت ناقابل عمل تھی۔ بلکہ نفقہ کے متعلق ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (البقرہ: ۲۳۶)

یعنی مالدار پر اس کی اطاعت کے مطابق نفقہ ہے۔ اور مفلس پر اس کی اطاعت کے مطابق

غریب اپنی استطاعت سے زیادہ نفقہ دے ہی نہیں سکتا۔ لیکن، لہٰذا آدمی بھی اگر عورت کو اپنی استطاعت سے کم نفقہ دے گا تو گنہگار ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "بابرکت نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔ یعنی جس کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مصارف کے لئے مرد کو پریشان نہ کرے۔ بلکہ جو کچھ مل جائے، اس پر قناعت کرے"۔

حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہند بنت عتبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں کہ میرے شوہر کنجوس آدمی ہیں، خوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کا کافی ہو، یہ رودادِ سنا کر دریافت کیا:

فهل علي حرج ان اطعم من مال الذي له عيالنا

"اگر میں ان کے مال سے بال بچوں کو کھلاؤں تو اس میں کیا کوئی حرج ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف(19)

"اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لئے کافی ہو"۔

3.5 آنحضرت ﷺ کا نظم نفقہ

خود سرور کائنات ﷺ کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواج مطہرات کے نفقہ کا نظم فرمایا کرتے، بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لئے خاص کر رکھا تھا جسے فروخت کر کے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کر دیتے۔

ان النبی ﷺ کان یبیع نخل بنی النضیر و یحبس لا ھله قوت سنتھم(20)

"نبی اکرم ﷺ نخل بنی نضیر کو فروخت فرما دیا کرتے اور اس کی قیمت اپنے اہل و عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے جمع فرما دیتے"۔

مفسرین نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے، اور بیوی مالدار ہو، غریب ہو، جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے

زیر فرمان ہے نفقہ دولایا ہے۔ نفقہ کا ما حصل کھانا، کپڑا اور مکان ہے (20-A)

عورت کا کام گھر میں بیٹھنا اور خانگی زندگی کے فرائض انجام دینا ہے۔ اور مرد کا کام کمانا اور اپنے اہل و عیال کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرنا ہے۔ یہ دوسری چیز ہے جس کی بنا پر شوہر کو اپنی بیوی پر **فضیلت کا ایک درجہ** دیا گیا ہے اور یہ چیز قوامیت کے مفہوم میں داخل ہے۔ قوام کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو کسی شے کی نگہبانی اور خبر گیری کرنے والا ہو اور اسی حیثیت سے اس پر اقتدار رکھتا ہو۔

اگر شوہر نفقہ دینے کی ذمہ داری ادا نہ کرے تو قانون اس کو ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ اور بصورت انکار یا بصورت عدم استطاعت اس کا نکاح فسخ کر دے گا۔ لیکن نفقے کی مقدار کا تعین عورت کی خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ مرد کی استطاعت پر ہے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا ہے کہ

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (البقرہ:۲۳۶)

"مالدار پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق"۔

یہ نہیں کہ غریب آدمی سے وہ نفقہ وصول کیا جائے جو اس کی حیثیت سے زیادہ ہو۔ یا مالدار آدمی وہ نفقہ دے جو اس کی حیثیت سے کم تر ہو۔

4- شریکِ حیات کے انتخاب کا طریقہ

قرآن مجید میں جہاں نکاح کا حکم ہے وہاں یہ بات بھی عمومی طور پر واضح کی گئی ہے کہ بہترین عورتیں کون سی ہیں اور اس وضاحت کی روشنی میں حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے بہت تفصیل سے شریک حیات کو منتخب کرنے کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآن مجید میں عمومی بیان ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے، مزید فرمایا:

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (البقرہ:۲۲۱)

ان آیات سے مفسرین نے یہ بات واضح کی ہے کہ نیک نیت، پاکدامن اور پاکیزہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے فضلیت عطا کی ہے، اس لئے حدیث میں وارد ہے۔

تنكح المراة لا ربع لما لها ولحسبها ولجما لها ولد ينها فاظفر بذات الدين تربت يداك.(21)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔ اس کے مال کی بنیاد پر، اس کی خاندانی شرافت کی بنیاد پر، اس کی خوبصورتی کی بنیاد پر، اور اس کے دین کی بنیاد پر، تو تم دیندار عورت کو حاصل کرو۔ تمہارا بھلا ہو"۔

ہو سکتا ہے کہ عورت کا حسن ان کو تباہ کر دے۔ مالدار ہونے کی صورت میں ان کا مال ان کو سرکشی میں مبتلا کر دے۔

معقل بن یسار نے کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

تم اس عورت سے نکاح کرو، جو شوہر سے محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو، اس لئے کہ میں تمہاری

کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا"۔(22)

عبدالرحمٰن بن سالم بن عتبہ بن ساعدہ انصاری اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کنواری عورتوں سے نکاح کرو۔ اس لئے کہ شیریں کلام بہت بچے جننے والی اور تھوڑے پر راضی رہنے والی ہوتی ہیں۔(23)

انسؓ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس امر کا خواہشمند ہو کہ وہ خدا سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے۔ اس کو چاہیے کہ وہ آزاد کنواری عورتوں سے نکاح کرے۔(24)

ابوامامہ کہتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ خدا کا مومن بندہ خدا سے تقویٰ (خوف) کے بعد جو چیز سب سے بہتر اپنے لئے انتخاب کرتا ہے، وہ نیک بخت عورت ہے (ایسی عورت) جس کو وہ کسی بات کا حکم دے تو وہ فوراً اس پر عمل کرے۔ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کا دل خوش کرے۔ اس کو قسم دے تو وہ اس قسم کو پورا کرے۔ اور وہ غائب ہو تو اپنی عصمت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔(25)

ولامة سوداء ذات دین افضل (26)

"اور سیاہ رنگ کی باندی جو دیندار ہو اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی عورت سے بہتر ہے"۔

4.1 رشتہ کا معیار

اذا خطب الیکم من ترضون دینه و خلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر(27)

نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب تمہارے پاس شادی کا پیغام کوئی ایسا شخص لائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑی خرابی پیدا ہو گی"۔

اس حدیث میں شادی کے معاملہ میں دین و اخلاق کو خوبصورتی، خاندانی شرافت اور مال و جائیداد پر ترجیح دی گئی ہے۔ دین و اخلاق کی اہمیت کھو دینے سے مسلمان معاشرہ میں بڑی خرابی واقع ہو گی۔

4.2 معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو

اس لئے رسول الثقلین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں "دینداری" کو معیار بناؤ۔ مال و دولت، حسن و جمال اور حسب و نسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جنھیں اس باب میں معیار قرار دیا جائے بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور دانشمندیت پر نگاہ رکھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: "حسن و جمال اور دولت اور ثروت" کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو ان سے بگڑنے کے اندیشے ہیں، تم دینداری کو اولین وجہ ترجیح بناؤ کہ کان کٹی لونڈی دیندار عورت بہر حال بہتر ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

ولكن تزوجوهن على الدين(28)

"اور لیکن عورتوں سے شادی، ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو"۔

باصلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے، شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے۔ ایسی عورت میں بے جا کبر و غرور نہیں پیدا ہوتا، بچوں کی تعلیم و تربیت کا پورا دھیان رہتا ہے۔ پڑوسیوں قرابت داروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے۔ محلہ پڑوس کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں وراس طرح شوہر کا گھر پر وقار بن جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہو گئی، ایک شکر گزار دل، دوسرا ذاکر زبان تیسرے مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھے ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو۔

ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کامل درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لئے معین اور مددگار ہو۔

4.3 اخلاق واعمال سے صرف نظر اور اس کا نتیجہ

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر لوگوں کا نقطہ نگاہ اخلاق و اعمال کے بجائے صرف جاہ و مرتبہ اور حسن و جمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا؟ شر و فتن کے چشمے ابل پڑیں گے، امن و امان کا خطرہ میں گھر جائے گا اور عزت و آبرو

ناپید ہو جائے گی۔ بہت سی لڑکیاں ایسی گھروں میں بیٹھی نظر آئیں گی جن کو شوہر میسر نہ ہوگا اور جب بے شوہر کی عورتیں بے کار ہوں گی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطنت کا پورا موقع ملے گا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اذا خطب الیکم من ترضون دینہ و خلقہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض(29)

"تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص پیام نکاح لے کر پہنچے جس کا دین واخلاق تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر دو، ورنہ زمین میں فتنہ وفساد پھیل پڑے گا"۔

5- ولایت کے معنی

ولایت کا لفظ ولی سے نکلا ہے جس سے لغوی طور پر مراد سرپرست، دوست وغیرہ ہے لیکن اصطلاحی طور پر عقد نکاح میں اس سے مراد زوجین کے علاوہ جس شخص کے پاس عقد زواج یا عقد نکاح کو نافذ کرنے کی طاقت ہو ولی کہلائے گا۔

5.1 ولی کی اقسام

ولی یا ولایت کی دو اقسام ہیں:

1۔ کامل ولی (ولایت اجباری)　　　2۔ ناقص ولی (ولایت اختیاری)

1　ایسا ولی جو اپنی ولایت میں اکیلا ہو اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو، مزید وہ خود اس امر کا اختیار رکھتا ہو کہ نکاح کا عقد کرے اور اسے نافذ بھی کردے۔ اس قسم کی ولایت قریبی رشتہ دار مثلاً والد، دادا، چچا وغیرہ کی شمار کی جاتی ہے۔

2　ایسا ولی جو عقد کرے اور اس کے نافذ کرنے میں کسی دوسرے کے مشورے کا پابند ہو اور اسے اکیلا یہ معاہدہ کرنے کا اختیار نہ ہو۔

اس قسم میں ہر وہ شخص آسکتا ہے جو فریقین کی رضا سے ولی مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ عقد زواج کریں۔

5.2 ولی کو مشورہ کا حق

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقرباء اس شعبہ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معقول مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیے۔ مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے، شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی رائیں پختہ ہوتی ہیں اور محبت و شفقت میں ڈوبی ہوئی باایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے

کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

5.3 عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار

عورتیں جن کو سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا، جتنا سمجھا جاتا ہے، بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے، نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔(29-A)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لاتنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن(30)

"شوہر دیدہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے"۔

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ارشاد نبویؐ ہے:

الایم احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها فی نفسها واذنها صماتها۔(31)

"شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے"۔

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الثیب احق نفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها و اذنها صماتها۔(32)

"وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذات خود ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔

ان حدیثوں میں جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشا کیا ہے، عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے یا ان کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس کو ذرا بھی فہم و عقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کی شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کیے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جا سکتی۔

5.4 ولی کا فریضہ

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرے پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے، حد یہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم و شفیق ہوتا ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرلے، پھر اس کی شادی اس پسند کے مطابق کرے۔

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے وہیں لڑکی کی حیا اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ پاس ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے۔ اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے، استیمار اور استیذان سے اسی طرف اشارہ ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ سکوت باکرہ جواز کے درجہ میں اس کے لئے اچھا ہے کہ عورت کو یہ مسئلہ معلوم ہو۔

5.5 عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبویؐ میں

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت خزام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کر دی، حضرت خنساء کو یہ رشتہ پسند نہ آیا دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی، رحمت عالم ﷺ نے حضرت خنساء کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا (33)

دوسرا واقعہ عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت، رحمت ﷺ کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے، آنحضرتؐ نے اس عورت کو اختیار دے دیا، جی چاہے رکھو، جی چاہے رد کر دو۔ (34)

5.6 باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں

ایک واقعہ بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبویؐ میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے، اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضور ﷺ سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر شادی کر دے۔ حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شئی (35)

"لیکن میں نے عورتوں کو یہ بتا دینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ میں نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے"۔

عبدالرحمن بن یزید اور مجمع بن یزیدؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خدام کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی، ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی، اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو باطل قرار دیا اور پھر اس عورت نے ابو لبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔(36)

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ بالغ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے اور ساری کدو کاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت، محبت و مودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ حسن و خوبی انجام پذیر ہوں۔

5.7 ولی کو حق مشورہ اور اس کا لحاظ

نابالغ لڑکی کا نکاح البتہ اس کی اجازت کے بغیر ولی کر سکتا ہے، اس کے باب میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی، مگر باپ کا اختیار مضبوط ہے کہ بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کا خود اپنا بیان ہے کہ میری شادی نبی کریم ﷺ سے اس وقت ہوئی جب میری عمر چھ سال کی تھی۔

بہر حال نکاح کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لئے جو کچھ کیا جائے خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے، ولی بھی اپنی حد تک اطمینان کی شکل پیدا کر لیں اور جس کی شادی ہو رہی ہے وہ بھی سکون قلب پالیں۔

یہاں ایک اور بات سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ آج کل گزشتہ دور کا ردِ عمل یہ ہو رہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتیٰ کہ والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے، کوئی شبہ نہیں کہ "شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے" مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ "جوش" کے ساتھ "ہوش" نہایت ضروری ہے اور شادی کا جہاں جنسی میلان کی تسکین سے تعلق ہے اس کے ساتھ شادی کا تعلق گھر، خاندان، قوم اور ملک سے بھی ہے۔ "حال کے ساتھ" "مستقبل پر نگاہ رکھنا بھی ہر دور اندیش کا فریضہ ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب ہوگا کہ شادی کے معاملہ میں والدین یا جو ولی ہوں ان کا مشورہ بڑی حد تک ضروری ہے۔

5.8 ہر حال میں بالغہ کی رائے قابل ترجیح ہے

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ عورت کی رائے معلوم کر کے ولی اس کی شادی کا انتظام کرے، اگر کسی لڑکے سے عورت شادی کرنے سے انکار کر دے تو اس کی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے۔ قرآن پاک نے جس سکون و طمانیت کو مقصد اولی قرار دیا ہے بغیر عورت کی رضا کے غیر ممکن ہے۔ طلاق، خلع وغیرہ مسائل اسی لئے وضع کئے گئے ہیں۔

6- بیویوں سے خلوت کے آداب

نکاح کے عنوان میں قرآنی تعلیمات کے مطابق زن و شو کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی نسل انسانی کے اجرا کا یہ ذریعہ ہے، یہ تو خیر عام بات ہے، قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہین منت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی، دوسرا طبی نفع بھی کہ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت و سرور، یہ تیسرا فائدہ ہے۔ ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے۔

علامہ ابن القیم نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہیے، ورنہ جس طرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا۔ یہی حشر کل پرہیز کا بھی ہوگا۔ محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ ترک مقاربت سے اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔(37)

ایک موقع پر علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

وربما غلبت على الرجل شهوته فيتضرر بالتاخير في بدنه او قلبه او في بصره.(38)

"مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے، اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی، بینائی کو بھی"۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے کیونکہ ضرورت کے وقت جنسی خواہشات کو جائز طریقہ سے پورا نہ کیا جائے تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی دینی و دنیوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

6.1 جائز جنسی تعلقات کی آزادی

شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں، اس سلسلہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے۔ اس میں دن رات کی کوئی قید نہیں نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

6.2 صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت

پورے سال ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے جس میں روزہ دونوں پر فرض ہے اور حالت روزہ میں مقاربت کی اجازت نہیں ہے پھر بھی باہم گفتگو اور باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہر حال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے، افطار کے بعد اور ان وقتوں کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہے رمضان میں بھی آزادی عطا کی گئی، خود قرآن ہی میں صراحتہً فرمادیا گیا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ (البقرة:۱۸۷)

"روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو"۔

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد یہ پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح جس طرح کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرة:۱۸۷)

"سو تم ان سے میل ملاپ کرو اور جو تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو اور کھاؤ پیو، اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح کا ممتیز ہو جائے سیاہ خط سے"۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان کے علاوہ دوسرے کسی بھی روزہ میں عورت کو حکم ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت حاصل کئے روزہ نہ رکھے۔

6.3 حیض و نفاس

دو موقعے اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے۔ ایک حیض کا وقت ہے جو خون غیر حاملہ کو ہر مہینہ آیا کرتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور کم سے کم تین دن، دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت کو

جب ولادت ہوتی ہے اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے۔ ان دنوں میں بھی مقاربت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ عرض کیا جا چکا کہ یہ گندگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ قرآن پاک نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (البقرة:۲۲۲)

"لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے وہ گندی چیز ہے پس تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔

اس حیض و نفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہو جاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ ان مواقع کے علاوہ اگر کوئی شرعی قباحت پیش نہیں آتی تو ہر وقت زوجین کو اس معاملہ میں آزادی دی گئی ہے، اس سے زیادہ آزادی اس باب میں اور کیا مل سکتی ہے۔ (A-38)

6.4 عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان

قرآن پاک نے زن و شو کے باہمی تعلقات کے لئے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ ہے اور دونوں کے باہمی داعیات فطرت کی تکمیل کے لئے جو طرز تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے۔ ابھی اوپر کی آیت میں یہ حصہ گزر چکا ہے:

هن لباس لكم و انتم لباس لهن (البقرة:۱۸۷)

"وہ (عورتیں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو"۔

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لئے پوشاک قرار دیا گیا ہے۔ عورت مرد کی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کے ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح عورت مرد کے لئے زینت ہے اور مرد عورت

کے لئے لباس کو جب جی چاہتا ہے آدمی زیب تن کر لیتا ہے۔ اس میں محبت اور یگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے جو ازدواجی تعلق کی جان ہے۔ لباس کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں۔ ایک دوسری آیت میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد ہے:

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ (البقرۃ:۲۲۳)

"تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو، آؤ"

6.5 بیوی کے جذبات کا پاس

یہ تو ایک ضمنی بات تھی بتانا یہ تھا کہ شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے، اس کے تمام داعیات و جذبات کا پاس کرے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے، ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی۔

فواللہ لو لا اللہ تخشی عواقبہ | لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کے عتاب کا خوف نہ ہوتا تو بلا شبہ اس چارپائی کے کنارے جنبش میں ہوتے۔

حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا۔ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے، حضرت عمرؓ پر اس سچے جذبہ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے (جو حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں) پوچھا، عورت بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے۔ حضرت حفصہؓ نے فرمایا، چار مہینے، یہ معلوم کر کے حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا:

لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منہا(39)

"جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے"۔

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے، اگر زیادہ مدت کے لئے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلاء کا ذکر ہے۔ کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت، یا چار ماہ یا زیادہ مدت کے لئے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کی طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہوگی۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآءُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرة:۲۲٦)

"جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے سو اگر یہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے رحمت فرمائیں گے اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں"۔

6.6 جنسی میلان میں حکم کی بجاآوری

جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا الرجل دعا زوجته لحاجته خلت له وان كانت على التنور(40)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو وہ فوراً اس کے لئے حاضر ہو جائے گو وہ تنور پر بیٹھی روٹی پکا رہی ہو"۔

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ مانا جائے گی تو گنہگار ہوگی۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت ان تجى لعنتها الملائكة حتى تصبح(41)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں"۔

ایک دفعہ آپ نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو رب العزت اور فرشتے اس وقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔
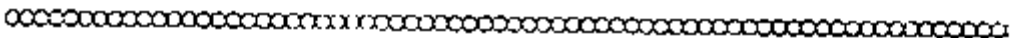
خود آزمائی:

1۔ نکاح کی تعریف اہمیت پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔
2۔ نکاح کے فوائد قلمبند کیجئے۔
3۔ مہر کی تعریف اور اقسام بیان کریں۔
4۔ وجوب نفقہ کے احکام قلمبند کیجئے۔
5۔ ولایت کے معنی اور اقسام بیان کریں۔
6۔ ولی کے فریضہ اور حق کو قلمبند کریں۔

حوالہ جات

1 الجصاص، احکام القرآن بیروت، دار الکتب العلمیہ (ت ن) 141/2

2 عبدالرحمن الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، کتاب النکاح، مزید دیکھئے، محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام بیروت، دار ابن کثیر، 420/2-269/1-199

3 ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح

4 مودودی تفہیم القرآن، تفسیر سورہ الروم/21

5 الجصاص، احکام القرآن، 141/2 مزید دیکھئے بلیق عزالدین منہاج الصالحین بیروت، دار الفقر 334/1987

5-A محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام، 430-423/2

6 ابن کثیر تفسیر ابن کثیر، النور مزید دیکھئے محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام، 318/2

7 سید سابق فقہ السنۃ بیروت دار الکتاب العربی 1987، 141 مزید دیکھئے، محمد سایس تفسیر آیات الاحکام 369/2

8 ابن کثیر تفسیر ابن کثیر النساء/2

9 حوالہ سابقہ النساء مزید دیکھئے محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام، 371/2

10 امام مالک موطاء امام مالک کتاب النکاح باب ملا یجوز من النکاح

11 حوالہ سابقہ مزید دیکھئے ابن حجر عسقلانی، بلوغ المرام حدیث نمبر 981

12 بلیق عزالدین، منہاج الصالحین/332 مزید دیکھئے، محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام 371/2

12-A محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام 433/2

13 حوالہ سابقہ

14 امام مالک، موطاء، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الصداق والحباء

15 ابن حجر عسقلانی بلوغ المرام، ریاض، مکتبہ دار السلام، کتاب النکاح باب الصداق

16 ایضاً

16-A ایضاً

17 ایضاً

18 ایضاً

19 امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب کیف یدعی للمتزوج

20 عسقلانی، بلوغ المرام کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء
21 محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام 283/1-383/4
21-A عسقلانی بلوغ المرام، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء
22 بلیق عزالدین، منہاج الصالحین 242/1، مزید دیکھئے محمد علی سایس تفسیر آیات الاحکام، 583/4
23 امام بخاری صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب حسن نفقۃ الرجل نخ
23-A محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام، 375/1
24 عسقلانی، بلوغ المرام، کتاب النکاح حدیث نمبر 962
25 عسقلانی، بلوغ المرام، کتاب النکاح حدیث نمبر 962
26 بلیق منہاج الصالحین 333/1
27 عسقلانی الترغیب والترھیب، بیروت مکتبہ الغزالی 1981ء، النکاح، باب الترغیب فی النکاح ہذا ب الدین
28 بلیق منہاج الصالحین 331/1
29 منتقی الاخبار
30 بلیق منہاج الصالحین حدیث نمبر 332/1
31 بلیق منہاج الصالحین حدیث نمبر 331/1
32 بلیق منہاج الصالحین حدیث نمبر 332/1
32-A محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام، 319/3
33 عسقلانی، بلوغ المرام، کتاب النکاح، حدیث نمبر 978
34 ایضاً، حدیث نمبر 979
35 حوالہ سابقہ
36 بلیق، منہاج الصالحین 334/1
37 جوزیہ ابن القیم، زاد المعاد، 146/3
38 امام نووی، شرح صحیح مسلم، 450/1
38-A محمد علی سایس، تفسیر آیات الاحکام، بیروت دار ابن کثیر
39 رد المختار، 433/2
40 مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء
41 بخاری، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اذا باتت المراۃ مہاجرۃ

یونٹ نمبر ۔ 12

طلاق وخلع کے احکام

تحریر: ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

نظر ثانی: ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

خاندان کا وجود مرد اور عورت کے ملاپ سے ہے جس کا شرعی، قانونی اور صحیح ترین طریقہ نکاح ہے، شریعت نے جہاں مرد اور عورت کو ایک بندھن میں باندھنے کیلئے نکاح شروع کیا تو وہیں اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ اگر وہ دونوں نکاح کے اس بندھن کو بوجوہ قائم نہ رکھ سکیں تو اس مسئلہ سے نکلنے کا کوئی راستہ ہونا چاہیے۔ دنیا کے دیگر مذاہب کو دیکھیں تو ان میں مرد و عورت کے تعلق کے حوالہ سے افراط و تفریط نظر آتی ہے۔

اسلام اس بارے میں کھلی آزادی دیتا ہے کہ طلاق بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے اور نہ ہی اس معاملہ میں اس کا رویہ بے لچک ہے کہ مرد و عورت ہر حال میں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔

اسلام نے دین متوسط ہونے کے ناطے اس اہم مسئلہ میں توازن کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اسلام طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر مخصوص حالات میں اور بعض شرائط کے ساتھ اگر زوجین یہ محسوس کریں کہ وہ عقد نکاح کو مزید قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اسلام ایسے حالات میں طلاق کا راستہ کھلا چھوڑتا ہے لیکن اسلام اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ اس کی تعلیمات یہ ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو طلاق سے پرہیز کیا جائے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ طلاق کی تعریف اور مفہوم بیان کر سکیں۔
2۔ طلاق کے احکام بیان کر سکیں۔
3۔ طلاق کے الفاظ سے واقف ہو سکیں۔
4۔ طلاق مسنون کا مفہوم غرض و غایت اور طلاق مسنون کے احکام جان سکیں۔
5۔ طلاق بدعت کا مفہوم اور غرض و غایت اور طلاق بدعت کے احکام بیان کر سکیں۔
6۔ عدت کا مفہوم جان سکیں۔
7۔ عدت کے احکام بیان کر سکیں۔
8۔ خلع کے احکام بیان کر سکیں۔

فہرست

1۔ طلاق کے احکام

انسانی معاشرہ کی سب سے بڑی اکائی ریاست اور سب سے چھوٹی لیکن اہم ترین اکائی خاندان ہے۔ خاندان کا وجود مرد اور عورت کے ملاپ سے ہے جس کا شرعی، قانونی اور صحیح ترین طریقہ نکاح ہے۔ افزائش نسل اور فطری شہوانی جذبات کی پاکیزہ طریقے سے تسکین کے لیے نکاح کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ انسانی اجتماعی زندگی میں نکاح اہمیت کا حامل ہے تو طلاق کی ضرورت و اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں مرد و عورت کو ایک بندھن میں باندھنے کے لیے نکاح مشروط کیا گیا ہے تو وہیں اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر وہ دونوں نکاح کے اس بندھن کو بوجوہ قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو اس مسئلہ سے نکلنے کا کوئی راستہ ہونا چاہیے۔

دنیا کے دیگر مذاہب کو دیکھیں تو ان میں مرد و عورت کے تعلق کے حوالہ سے افراط و تفریط نظر آتی ہے۔ ہندو مذہب طلاق کے نام سے ناآشنا ہے۔ ان کے ہاں مرد و عورت کے درمیان نکاح کا تعلق ناقابل تنسیخ ہے۔ اگرچہ اب ہندو قانون میں طلاق کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق کی مطلق اجازت ہے۔ البتہ عورت کو خلع کا حق صرف اس صورت میں حاصل ہے جب مرد کا زناکار ہونا ثابت ہو جائے۔ مسیحیت میں بھی ہندو مذہب کی طرح نکاح ناقابل تنسیخ عقد ہے۔ البتہ بعد میں یہ طے کیا گیا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے مگر یہ علیحدگی محض جسمانی ہوگی اور نکاح بدستور قائم رہے گا۔ اس لیے کہ "جسے اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے"۔ اس طرح زوجین میں سے کوئی ایک فریق نکاح ثانی نہیں کر سکتا۔ نکاح و طلاق کے مسئلہ میں مسیحیوں کے دو فرقوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اول الذکر ازدواجی تعلق کو ناقابل انقطاع مانتا ہے جب کہ ثانی الذکر فرقہ اسے قابل انقطاع تصور کرتا ہے۔

دین اسلام مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلق میں اتنی سختی بھی پیدا نہیں کرتا کہ اگر بوجوہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہ رہ سکیں تو ان میں علیحدگی کی کوئی راہ نہ ہو۔ اسلام نہ ہی اس بارے میں کھلی آزادی دیتا ہے کہ طلاق بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے اور نہ ہی اس معاملہ میں اس کا رویہ بے لچک ہے کہ مرد و عورت ہر حال میں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ کھلی آزادی اور قطعی پابندی دونوں صورتوں میں معاشرہ میں بے حیائی

اور زناکاری کو فروغ حاصل ہو گا۔

1.1 طلاق حلال چیزوں میں ناپسندیدہ چیز

اسلام نے دین متوسط ہونے کے ناطے اس اہم مسئلہ میں توازن کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اسلام طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر مخصوص حالات میں اور بعض شرائط کے ساتھ۔ خرید و فروخت کے معاملات کے برعکس نکاح و طلاق کو محض مرد اور عورت کی رضامندی پر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ شریعت اسلامی نے نکاح کی طرح طلاق کے لیے بھی قواعد و ضوابط مقرر کر دیے ہیں۔ اگر زوجین یہ محسوس کریں کہ وہ عقد نکاح کو مزید قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اسلام ایسے حالات میں طلاق کا راستہ کھلا چھوڑتا ہے۔ لیکن اسلام اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ اس کی تعلیمات یہ ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو طلاق سے پرہیز کیا جائے۔ اسے پسندیدہ نہیں کہا گیا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل چند نصوص شریعت سے لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جادو کی مذمت میں فرمایا:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (البقرة ۲:۱۰۲)

پس وہ (لوگ) ان دونوں (فرشتوں ہاروت اور ماروت) سے وہ (جادو) سیکھتے ہیں جس سے وہ میاں اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں جدائی کرا دینا بہت بری بات ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابغض الحلال الی اللہ عز و جل الطلاق (1)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تزوجوا و لا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش (2)

شادی کرو اور طلاق نہ دو، طلاق سے عرش ہل جاتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکروں کو دنیا میں فساد کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ فساد پھیلانے والا ابلیس کے سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی ابلیس کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے: تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر کوئی آکر کہتا ہے: میں نے فلاں شخص کو نہ چھوڑا حتی کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ ابلیس اسے کہتا ہے: ہاں تم نے کام کیا ہے۔ راوی اعمشؒ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت جابرؓ نے یہ بھی کہا: ابلیس اسے اپنے سینے سے چمٹا لیتا ہے۔

1.2 طلاق مباح ہے

جب مرد اور عورت کے لیے بھلائی کی کوئی صورت سوائے رشتہ ازدواج ختم کرنے کے نہ رہے تو پھر اسلام طلاق کی اجازت دیتا ہے اور قوانین نکاح کی طرح طلاق کے لیے بھی قوانین وضع کرتا ہے۔ اسلام میں طلاق مباح ہے۔

1.3 طلاق کی تعریف

لغت میں طلاق کا معنی ہے کسی بندش کو کھولنا خواہ یہ بندش محسوس ہو جیسے گھوڑے کی بندش یا غیر محسوس ہو جیسے نکاح کی بندش۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ شوہر اور بیوی میں علیحدگی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ شریعت اسلامیہ میں بھی یہ لفظ اسی مخصوص معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ لہذا اصطلاح میں طلاق کا مطلب نکاح کا زائل ہو جانا یا خاص الفاظ کے ساتھ عقد نکاح میں نقصان لاحق ہو جاتا ہے۔ نکاح زائل ہونے سے یہ مراد ہے کہ عقد نکاح ختم ہو جائے اور آئندہ کے لیے بیوی شوہر پر حرام ہو جائے۔ ایسا بیوی کو تین طلاقیں دینے سے ہوتا ہے۔ عقد نکاح میں نقصان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی طلاق جس سے عقد ٹوٹنے میں کمی رہ جائے۔ ایسا طلاق رجعی کی صورت میں ہوتا ہے۔

1.4 نکاح سے قبل طلاق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الأحزاب ۳۳:۴۹)

اے جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے انھیں ہاتھ لگانے سے قبل انھیں طلاق دے دو تو تمھیں کچھ اختیار نہیں ہے کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔ انھیں کچھ فائدہ دے کر اچھے انداز سے رخصت کر دو۔

اس آیت کے لفظ "ثُمَّ" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح سے قبل طلاق جائز نہیں ہے۔

علمائے سلف کے ایک گروہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب اس سے قبل نکاح ہو گیا ہو۔ نکاح سے پہلے طلاق صحیح ہے اور نہ ہی وہ واقع ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ

یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر آیا ہے۔ حضرت علی، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، سعید بن مسیبؒ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، اور علی بن الحسن زین العابدینؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور کثیر علمائے سلف وخلف کی یہ رائے ہے۔ شیعہ علماء کے نزدیک بھی نکاح سے قبل طلاق نہیں دی جا سکتی۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا طلاق قبل النكاح(3)

نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا طلاق قبل نكاح و لا عتق قبل ملك(4)

نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے اور ملکیت سے پہلے آزادی نہیں ہے۔

حضرت حسینؓ سے ایسے شخص سے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت کو یہ کہا: اگر میں تم سے شادی کروں تو تمہیں طلاق۔ امام حسینؓ نے فرمایا: یہ کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے نکاح کا ذکر طلاق سے پہلے کیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ اب جب بھی وہ شخص اس عورت سے نکاح کرے گا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ ابن ہمامؒ حنفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس مسلک کے مطابق حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے اقوال مروی ہیں۔ ان کے علاوہ قاسم بن محمد، عمر بن عبدالعزیز، شعبی، زہری، عطاء، سعید بن مسیب، حماد اور قاضی شریح کے اقوال سے بھی تائید ہوتی ہے۔ احناف نے حدیث (لا طلاق قبل نکاح) (نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی) کی سند پر اعتراض کیا ہے۔

اگر ایک شخص یہ مطلقاً کہے کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے، تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مابین اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اسے طلاق ہو جائے گی۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا "میں جس عورت سے بھی شادی کروں گا اسے طلاق ہے"، فرمایا: اس نے جیسا کہا اسی طرح ہو گا۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس عورت کو طلاق نہیں ہو گی اس لیے کہ اس نے طلاق کے الفاظ ادا کرتے وقت کسی خاص عورت کا تعین نہیں کیا۔

1.5 طلاق کے الفاظ

قرآن مجید میں طلاق کے تین نام آئے ہیں۔

1) طلاق: إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق ٦٥:١)

جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔

2. فراق: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (الطلاق ٦٥: ٢)

پس جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں معروف طریقے سے روک لو یا معروف طریقے سے انہیں جدا کر دو۔

3. سراح: إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ٣٣: ٢٨)

اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ فائدہ دوں اور اچھے انداز سے رخصت کر دوں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے مندرجہ بالا تین ناموں میں سے کسی ایک نام کے ساتھ مخاطب کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس کی نیت کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہے۔

طلاق صریح یا کنایہ دونوں الفاظ میں ہو سکتی ہے۔ ہر وہ لفظ صریح ہے جس میں لفظ طلاق کسی بھی شکل میں موجود ہو۔ مثلاً "تم طالق ہو"، "تم مطلقہ ہو"، "میں نے تمہیں طلاق دی" وغیرہ۔ طلاق کے لیے ان کے علاوہ استعمال ہونے والے الفاظ کنایہ ہوں گے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ طلاق کے صریح الفاظ تین ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں یعنی طلاق، سراح اور فراق۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صریح طلاق کے الفاظ بہت زیادہ ہیں۔

صریح الفاظ کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ محض لفظ ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کنایہ الفاظ سے دی جانے والی طلاق میں نیت دیکھی جائے گی۔

1.6 طلاق کی مسنون تعداد

قرآن مجید میں طلاق کی مسنون تعداد بیان کی گئی ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرة ۲: ۲۲۹)

طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے روکنا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اس آیت کے الفاظ (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ)(طلاق دوبار ہے) کا ظاہر اگرچہ خبر ہے لیکن اپنے معنی میں یہ حکم ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسے تھے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی طلاقیں چاہتا دے دیتا تھا اور وہ عورت اس کے پاس رہتی تھی۔ وہ جب چاہتا دوران عدت اس سے رجوع کر لیتا تھا۔ عہد نبوی میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تو تمہیں بساؤں گا اور نہ ہی تمہیں چھوڑوں گا۔ اس کی بیوی نے پوچھا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا: میں تمہیں طلاق دوں گا اور عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کر لوں گا اور اسی طرح کرتا رہوں گا۔ وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئی اور یہ بات بتائی۔ حضرت عائشہؓ خاموش رہیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے آپ کو بتایا۔ آپ خاموش رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آئندہ سے لوگوں نے طلاق کا حساب رکھنا شروع کر دیا، جس نے طلاق دی تھی اس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اس نے بھی۔

اسلام نے حد بندی کر دی کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس طرح کل تین طلاقوں کی تعداد مقرر ہو گئی۔ اس آیت نے تین سے زائد طلاق کو منسوخ کر دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا: اس آیت میں دو طلاقیں بیان ہوئی ہیں، تیسری طلاق کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: (اَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) میں۔ یعنی تعلق زوجیت کے مکمل انقطاع کا جو کام تیسری طلاق سے ہوتا تھا وہی کام اس عمل سے ہو جائے گا کہ وہ عدت کے اندر رجوع نہ کرے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة ۲:۲۳۰)

پھر اگر اس نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دی تو اب اسے وہ عورت حلال نہیں ہے جب تک وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔

اگر خاوند نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یوں اسلام کل تین طلاقوں کی اجازت دیتا ہے، اس سے زیادہ کی نہیں۔

2- طلاق کا مسنون طریقہ

قرآن مجید کی آیت:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرۃ ۲: ۲۲۹)

اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص تین طلاق دینا چاہے تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ تینوں طلاق علیحدہ علیحدہ دے۔ سورۃ الطلاق کے آغاز میں طلاق کے احکام بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا (الطلاق ۶۵: ۱)

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے خود پر ظلم کیا۔ وہ نہیں جانتا شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد نئی صورت پیدا کردے۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے ان الفاظ " لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا " (شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد نئی صورت پیدا کردے) سے ضمنی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کا منشا یہ ہے کہ اگر طلاق دینے کی نوبت آہی جائے تو ایسی طلاق دی جائے جس میں رجوع کرنے کی گنجائش رہے۔ اس کی مسنون صورت یہ ہے کہ صاف الفاظ میں صرف ایک طلاق دی جائے اور اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ مت بولے جو نکاح کو قطعی طور پر منقطع کرنے پر دلالت کرتا ہو۔ مثلاً یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ یا یہ کہے کہ اب میرا تمہارے ساتھ نکاح کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ اگر ایسے الفاظ صریح طلاق کے ساتھ کہے جائیں یا طلاق کی نیت کے ساتھ یہ الفاظ کہے جائیں تو اس سے رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ شرعی طور پر یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے جس سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

2.1 تین طلاقیں اکٹھی دینا

قرآن مجید کی آیت ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) (البقرۃ: ۲۲۹) لہٰذا تین طلاقیں اکٹھی دینا حرام ہے۔ سنت یہ

ہے کہ طلاق ایک ایک کر کے دی جائے۔

محمود بن لبید کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

أیلعب بکتاب اللّٰہ و انا بینھم اظھر کم

کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل جا رہا ہے؟

حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت دینا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا سبب بنا ہے اور صحابہ کرامؓ نے ایسے شخص کو مستوجب قتل سمجھا، مگر یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طلاق کو رجعی طلاق قرار دے کر بیوی اس کے حوالے کر دی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: تم میں سے ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور حماقت پر سوار ہو جاتا ہے، پھر نادم ہو کر کہتا ہے: اے ابن عباسؓ! اے ابن عباسؓ! (یعنی کوئی تدبیر بتاؤ)۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق ٦٥:٢)

یعنی جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے (مشکل سے نکلنے کے لیے) کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کرے گا، جب کہ تم نے خوف خدا کا لحاظ ہی نہیں رکھا۔ میں تیرے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں پاتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے (یعنی ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں)۔ تیری بیوی تم سے جدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت (یعنی طہر) کے آغاز میں دو۔ حضرت ابن عباسؓ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں جانا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانوں میں اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں دو برس تک ایسا تھا کہ جب کوئی شخص بیک وقت تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار

کی جاتی تھی۔

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے جلدی کرنا شروع کر دی ہے اس میں جس میں انہیں مہلت ملی تھی، سو ہم بھی اسے نافذ کر دیں تو مناسب ہے۔ پھر انہوں نے اسے لوگوں پر جاری کر دیا۔ یعنی جو یک وقت تین طلاق دے گا تو تینوں واقع ہوں گی۔

حضرت ابن عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو یک وقت تین طلاق دی ہو تو آپ اس شخص کی پٹائی کرتے اور دونوں کے درمیان تفریق کرا دیتے۔ ان تمام صحابہ کرامؓ سے یہ ثابت ہے کہ اکھٹی تین طلاق دینا منع ہے اور اس کے خلاف کسی صحابی سے کوئی روایت منقول نہیں ہے، لہٰذا یہ اجماع ہے۔

روایات و حدیث میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے کر نافذ کرنا متعدد واقعات سے ثابت ہے۔ ایسی طلاق جو تین کے لفظ سے دی گئی یا تکرار طلاق تین کی نیت سے کیا گیا ہو وہ عہد رسالت میں بھی تین ہی قرار دی جاتی تھیں۔ ایک قرار دینے کا تعلق ایسی طلاق سے ہے جس میں ثلاث کی تصریح نہ ہو یا تین طلاق دینے کا اقرار نہ ہو بلکہ تین بطور تاکید کے کہنے کا دعویٰ ہو۔ حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی سہولت کے بے جا استعمال سے روکا ہے، معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کے خلاف کا یہاں کوئی شائبہ نہیں ہے۔

یک وقت تین طلاق دینے کے حرام ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اسی طرح اس امر پر بھی جمہور سلف کا اجماع ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاق کا طریقہ اگر چہ حرام ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ایسا کرے تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی اور آپس میں نکاح جدید بھی حلال نہیں ہوگا۔ مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ یک وقت دی گئی تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ کسی فعل کے حرام ہونے سے اس کے آثار کے وقوع پذیر ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جیسے کوئی کسی کو بے گناہ قتل کر دے تو قتل کا فعل حرام ہونے کے باوجود مقتول بہر حال مر ہی جائے گا۔ اسی طرح تین طلاق یک وقت حرام ہونے کے باوجود تینوں طلاق کا واقع ہونا لازمی امر ہے۔ قرآن مجید، سنت اور اجماع امت ایسی طلاق کے واقع ہونے کو واجب کر رہے ہیں، اگر چہ ایسا کرنا گناہ ہے۔

بعض حنابلہ کا یہ قول ہے کہ اکھٹی تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اس لیے کہ حضرت ابن

عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد نے اپنی بیوی کو ایک ہی جگہ بیٹھے تین طلاقیں دے دیں۔ پھر انھیں اس پر رنج ہوا۔ بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کس طرح طلاق دی؟ حضرت رکانہؓ نے عرض کی: میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ایک ہی طلاق ہے، لہٰذا تم اس سے رجعت کر لو۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا یہی موقف ہے۔

شیعہ علماء کے نزدیک اگر کسی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیں تو یہ ایک طلاق ہو گی۔

2.2 مطلقہ ثلاث کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة ۲:۲۳۰)

پھر اگر اس نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دی تو اب اسے وہ عورت حلال نہیں ہے جب تک وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نافذ کیا ہے کہ دو طلاق کے بعد تیسری طلاق پر عورت شوہر کے لیے حرام ہو جائے گی۔ یہاں یہ فرق نہیں رکھا کہ یہ دو طلاق ایک طہر میں دی ہیں یا دو مختلف طہروں میں۔ لہٰذا تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی خواہ شوہر نے یہ طلاق مسنون طریقے سے دی ہوں یا غیر مسنون طریقہ سے، مباح طور پر دی ہوں یا ممنوع طور پر دی ہوں۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب تک دوسرا خاوند اس عورت سے مباشرت نہ کر لے اس وقت تک وہ پہلے سابقہ خاوند کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس کی دلیل سنّت ہے۔ قرآن مجید کے جس معنی پر سنت دلالت کرے وہ معنی سب پر مقدم ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، پھر دوسرے شوہر نے بھی اسے طلاق دے دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا:

لا حتی یذوق عُسیلتها کما ذاق الاول٥

نہیں، جب تک اس کا شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہو لے جیسے پہلا شوہر لطف اندوز ہوا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شخص نے اپنی باکرہ بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ ان سب کا یہ جواب تھا کہ وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے (پھر دوسرا شخص اسے طلاق نہ دے لے)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ عورت تم سے جدا ہو گئی۔

2.3 خیار طلاق

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اس بات کا اختیار دے دیا جائے کو وہ خود کو اختیار کرلے یا شوہر کو۔ خیار اپنی ذات میں خود طلاق نہیں ہے، نہ صریحاً اور نہ ہی کنایتاً۔ احناف کہتے ہیں کہ تخییر سے تین طلاقیں نہیں ہوں گی خواہ شوہر نے ان کا ارادہ کیا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ اختیار دے کہ وہ اسے اختیار کرے یا اپنی ذات کو، تو کیا یہ طلاق ہو گی اور اگر ہو گی تو کتنی طلاق شمار ہو گی؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حضرت علیؓ کی رائے میں اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنی ذات کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائن ہو گی۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں کوئی طلاق نہیں ہے اور دوسری صورت میں ایک بائن طلاق ہو گی۔ یہی رائے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ نے اختیار کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی زوجات مطہرات کو اختیار دیا تھا تو ان سب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اختیار کیا تھا اور یہ اختیار طلاق نہیں کہلایا تھا۔ احناف نے اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول اختیار کیا ہے:

خیرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخترناه، فلم يعد ذلك علينا طلاقا(5)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کو اختیار کر لیا۔ اسے ہم پر طلاق شمار

نہیں کیا گیا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک اگر عورت اپنی ذات کو اختیار کر لے تو ایک طلاق رجعی اور اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس پر کوئی طلاق نہیں ہوگی۔

حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے میں شوہر کا انتخاب کرنے پر کوئی طلاق نہیں ہے اور اپنی ذات کا انتخاب کرنے پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اگر شوہر نے اسے کہا "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" اور عورت نے خود کو اختیار کر لیا تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق ہوگی۔

امام مالکؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کا قول اختیار کیا ہے۔ امام مالکؒ کی رائے ہے کہ خیار کے مسئلے میں اگر عورت خود کو اختیار کر لے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس مسئلے میں اگر طلاق کا ارادہ نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

فقہاء نے خیارِ طلاق کی صورت میں اسے بالاتفاق اس وقت طلاق شمار کیا ہے جب عورت خود کو اختیار کر لے۔

2.4 طلاق کا مسنون وقت

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق ٦٥:١)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی امت سے کہہ دیں کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو

اس آیت کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کیا گیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب کا رخ تمام مسلمانوں کی طرف موڑ دیا ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کا مطلب مسلمانوں کی امت کو خطاب ہے۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف و تکریم کے طور پر خطاب ہے اور تبعاً امتِ مسلمہ سے خطاب کیا گیا ہے۔

اس آیت میں طلاق دینے کے مسنون وقت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ بیویوں کو عدت میں یعنی حیض سے پہلے طہر کی حالت میں طلاق دی جائے۔ عدت میں طلاق دینے کا ایک یہ معنی ہے کہ عورت کو ایسے طہر میں طلاق دو جس میں اس سے مباشرت نہ کی ہو یا یہ معنی ہے کہ حمل کی حالت میں طلاق دو جب حمل ظاہر ہو چکا ہو۔ یہی وہ عدت ہے جس پر عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

- حیض والی عورتوں کو مسنون طلاق دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ طلاق کی احسن صورت یہ ہے کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے مباشرت سے قبل اسے طلاق دے کر اس سے الگ رہے۔ پھر جب عدت گزر جائے اور وہ اسے تین طلاقیں دینا چاہے تو ہر طہر میں مباشرت سے قبل اسے ایک طلاق دے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ہمیں ابراہیم نخعیؒ کے واسطہ سے صحابہ کرامؓ سے یہ پہنچا ہے کہ وہ یہ پسند کرتے تھے کہ عدت گزرنے سے قبل ایک سے زیادہ طلاق نہ دی جائے اور ان کے نزدیک یہ طریقہ ہر طہر میں ایک طلاق دے کر تین طلاق دینے کے طریقہ سے افضل تھا۔

- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اگر لوگ طلاق دینے کا درست طریقہ اپنا لیتے تو کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد نادم نہ ہوتا۔ درست طریقہ یہ ہے کہ حالت طہر میں مباشرت کیے بغیر ایک طلاق دے یا حمل میں طلاق دے جب حمل ظاہر ہو چکا ہو۔ اب اگر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر لے اور اگر اسے چھوڑنا چاہے تو چھوڑ دے۔

امام مالکؒ کے مطابق طلاق سنت یہ ہے کہ طہر میں مباشرت سے قبل ایک طلاق دی جائے۔ وہ تین طہر میں تین طلاقیں دینا ناپسند کرتے ہیں۔ اگر شوہر رجوع نہ کرنا چاہے تو وہ عورت سے علیحدہ رہے یہاں تک کی ایک طلاق کی عدت گزر جائے۔

- امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلاق سنت یہ ہے کہ مرد ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ طہر میں تین طلاق دینا بھی شوہر پر حرام نہیں ہے۔ اگر وہ عورت سے مباشرت کیے بغیر حالتِ طہر میں اسے کہے: تجھے تین طلاق سنت ہے تو اسے تین طلاقیں مل جائیں گی۔

شیعہ فقہ کے مطابق بھی طلاق سنت یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دی جائے جس میں مباشرت نہ کی ہو، پھر بیوی کو قروء یعنی طہر گزارنے دے۔ جب اس کے طہر گزر جائیں تو وہ عورت مرد کی طرف سے مطلقہ بائن

ہو جائے گی۔وہ عورت چاہے تو اس سے نکاح کر لے اور چاہے تو نہ کرے۔اسی طرح مرد چاہے تو عورت کے قروء یعنی طہر گزرنے سے قبل اس سے رجوع کر لے۔مرد طلاق اور رجوع دونوں پر گواہ کرے گا۔

"لِعِدَّتِهِنَّ" میں لام بمعنی وقت کے ہے،یعنی عدت کے اوقات میں عورتوں کو طلاق دو۔یہ شافعی فقہاء کے نزدیک ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدخولہ حائضہ کو اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں صحبت نہ کی ہو۔حنفی فقہاء کے مطابق لام عاقبت یعنی نتیجہ کے لیے ہے۔اس سے یہ مراد ہے کہ عورتوں کو طلاق دو تو اس کے نتیجہ میں عدت ہونا لازم ہے،یا لام کا تعلق محذوف لفظ سے ہے یعنی عورتوں کو طلاق دو کہ وہ عدت کا استقبال کریں یعنی طلاق کے بعد عدت شروع کریں۔

عدت کا لفظی معنی عدد شمار کرنا ہے اور اصطلاح میں یہ وہ مدت ہے جس میں عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد نکاح ثانی سے رکی رہتی ہے۔

2.5 طلاق بدعت

طلاقِ بدعت یہ ہے کہ بیوی کو اس کے حیض یا نفاس میں طلاق دی جائے یا اسے ایک وقت تین طلاقیں دی جائیں۔اگر شوہر نے ایسا کیا تو طلاق لازم ہو جائے گی۔

2.6 حیض میں طلاق

قرآن مجید کی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ "(البقرۃ:۲۲۹)اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے حالتِ حیض میں دو طلاق دے دیں تو یہ دونوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واقع ہونے کا حکم دیا ہے۔جس نے حالتِ حیض اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تو وہ ایک طلاق شمار ہو گی۔سعید بن جبیر نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک طلاق شمار کی گئی تھی۔البتہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے،اس کے بعد رجوع کر لینا واجب ہے۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو

حالتِ حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

مرہ فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد و ان شاء طلق قبل ان یمس فتلك العدة التی امر الله ان تطلق لها النساء(7)

اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر وہ اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے، پھر اگر چاہے تو اس کے بعد اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دیے جانے کا حکم دیا ہے۔

یہ حدیث قرآن مجید کی آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" کی تفسیر ہے اور اس سے مندرجہ ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

1۔ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

2۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس طلاق (اگر وہ قابلِ رجعت ہو) سے رجوع کرنا واجب ہے۔

3۔ جس طہر میں طلاق دی جائے اس میں عورت سے مباشرت نہ کی ہو۔

حالتِ حیض میں اور اس طہر میں طلاق دینا جس میں عورت سے مباشرت کی ہو، اس لیے حرام ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عدت طویل ہو جائے گی جو کہ عورت کے لیے باعثِ تکلیف ہے کیوں کہ جس حیض میں طلاق دی وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ ایامِ حیض پورے ہونے کے بعد کا طہر بھی خالی گزرنے کے بعد جو حیض آئے گا اس سے عدت شروع ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق بھی حیض کے بقیہ ایام جو عدت سے پہلے گزریں گے وہ مدتِ عدت میں زیادہ ہو جائیں گے۔

یہ حکم ان عورتوں کے لیے ہے جن پر حیض اور طہر کے اعتبار سے عدت گزارنا لازم ہے۔ جن عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے انہیں حالتِ حیض میں طلاق دینا جائز ہے۔ جیسے وہ عورت جس سے مباشرت نہیں ہوئی یا وہ عورت جسے کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا۔ ایسی عورتوں کی عدت حیض یا طہر کے بجائے مہینوں کے اعتبار سے تین ماہ ہے۔ ان کو کسی بھی حالت میں طلاق دی جائے، جائز ہے۔ یعنی نابالغہ اور آئسہ کو صحبت کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے۔ (تفسیر مظہری ۱۱/۷ ۳۳)

شیعہ امامیہ کہتے ہیں کہ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے طلاق بالکل نہیں واقع ہوتی۔

2.7 مذاق میں طلاق دینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرة ۲:۲۳۱)

جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری کرنے کو آئے تو یا انہیں بھلائی سے روک لو یا انہیں بھلائی سے الگ کر دو۔

اسی آیت میں آگے فرمایا:

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا (البقرة ۲: ۲۳۱)

اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل مت بناؤ۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر تم رجوع نہیں کرنا چاہتے تو اپنی بیوی کو طلاق دے کر بھلائی سے علیحدہ کر دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ہنسی کھیل کا ذریعہ مت بناؤ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نے بھی واضح طور پر فرمادیا ہے۔

من طلق او أعتق او نكح او انكح جاداً او لاعباً فقد جاز عليه(8)

جس نے سنجیدگی سے یا ہنسی مذاق میں طلاق دی یا غلام آزاد کیا یا نکاح کیا یا نکاح کرایا تو یہ اس پر ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث جدهن جد و هزلهن جد النكاح و الطلاق و الرجعة(9)

تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں آدمی سنجیدگی سے کرے یا ہنسی مذاق میں، وہ صحیح ہوں گی: طلاق، نکاح اور بیوی سے رجوع۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر یہ کہا کہ میں نے تو مذاق کیا

تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طلاق واقع ہو گئی۔

حضرت ابو الدرداء کا قول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ پہلے طلاق دے دیتے پھر یہ کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

خاندان کا قیام ایک صحت مند معاشرہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ معاشرہ کا انحصار خاندان پر ہوتا ہے۔ خاندان کی تشکیل بچوں کا کھیل نہیں بلکہ سنجیدہ اور ذمہ دارانہ کام ہے۔ اسے ہنسی مذاق کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ اسی لیے ہنسی مذاق میں بھی کیے گئے نکاح اور دی گئی طلاق کو نافذ کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ کام کرنے لگے تو اسے خوب سوچ سمجھ کر کرے اور اس کے نتائج و عواقب قبول کرنے کے لیے تیار رہے۔ مذاق کی طلاق کو نافذ کر کے اس سلسلہ میں عورت پر کیے جانے والے ظلم کا سدباب بھی ہو گیا ہے۔

2.8 حالت نشہ میں طلاق دینا

جس نے شراب وغیرہ پی کر نشہ کیا اور نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔

2.9 جبر و اکراہ کے تحت طلاق

جبر و اکراہ کے تحت دی گئی طلاق واقع ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، سعید بن مسیبؒ، قاضی شریحؒ، ابراہیم نخعیؒ، زہریؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ حالت اکراہ میں دی گئی طلاق درست ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، عکرمہؒ، طاؤسؒ اور جابر بن زیدؒ کے نزدیک حالت اکراہ میں دی گئی طلاق جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اکراہ کی حالت میں دی گئی طلاق لازم نہیں ہو گی۔ شیعہ فقہ کے مطابق

بھی مضطر اور مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

زبردستی میں دی گئی طلاق کو طلاق قرار نہ دینے والوں کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (النحل ۱۰۶)

مگر وہ شخص کہ جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔

احناف کے نزدیک طلاق کے مسئلہ میں سنجیدہ شخص اور مذاق کرنے والا دونوں کا حکم یکساں ہے۔ دونوں ارادتاً طلاق کی بات زبان پر لاتے ہیں، لیکن ایک کا ارادہ زبان پر لائے ہوئے لفظ کے حکم کو واقع کرنا ہوتا ہے جب کہ دوسرا شخص ایسا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود دونوں صورتوں میں حکم واقع ہو جاتا ہے اور سنجیدگی اور مذاق دونوں میں کہی گئی طلاق موثر ہو جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حکم ختم کرنے میں نیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح مجبور اور مکرہ شخص طلاق کے الفاظ تو قصداً زبان پر لاتا ہے مگر وہ ان الفاظ کے حکم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس حکم کی نیت کا نہ ہونا اس حکم کو ختم کرنے میں موثر نہیں ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ طلاق واقع ہونے کی شرط یہ ہے کہ مکلف ایسے الفاظ ادا کرے جن سے طلاق واقع ہو جائے۔ لہٰذا مجبور اور مکرہ شخص نے طلاق والے الفاظ ادا کر دیے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث جدهن جد و هزلهن جد النكاح و الطلاق و الرجعة

تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں آدمی سنجیدگی سے کرے یا ہنسی مذاق میں، وہ صحیح ہوں گی:

طلاق، نکاح اور بیوی سے رجوع۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین امور میں سنجیدہ اور غیر سنجیدہ دونوں کو برابر حیثیت دی ہے۔ سنجیدہ آدمی اپنے لفظ کا ارادہ کرتا ہے اور اس کا حکم لاگو کر دیتا ہے۔ غیر سنجیدہ شخص لفظ کا ارادہ تو کرتا ہے مگر اس کا حکم لگانے کا وہ کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ سنجیدہ اور غیر سنجیدہ دونوں اشخاص اپنے قول کا ارادہ کرتے ہیں لہٰذا دونوں پر طلاق کا حکم ثابت ہوگا۔ حالتِ اکراہ والا شخص بھی اپنے لفظ کا حکم واقع ہونے کا ارادہ نہیں کرتا مگر وہ اپنے قول کا ارادہ کرتا ہے۔ لہٰذا مجبور و مکرہ شخص ہازل و غیر سنجیدہ شخص کی طرح ہے۔

3- طلاق پر گواہ کرنا

سورت الطلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ۶۵:۲)

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انھیں یا تو معروف کے مطابق اپنے نکاح میں رکھو یا معروف کے مطابق انھیں الگ کر دو۔ اور آپس میں سے دو عادل گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

"فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ" یعنی وہ عورتیں جنھیں طلاق رجعی دی جا چکی ہو اور وہ عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں اور اس وقت تک ان کے شوہروں نے سنجیدگی سے طے کر لیا ہو کہ انہوں نے رجوع نہیں کرنا اور نکاح ختم کرنا ہے تو پھر عورتوں کو معروف کے موافق چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ ایسی عورت عدت پوری ہوتے ہی خود بخود نکاح سے نکل جائے گی اور اپنے نفس کی خود مختار ہو گی۔

"فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" "معروف" کا لفظی معنی پہچانا ہوا طریقہ ہے۔ اس سے مراد وہ طریقہ ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہو اور جو مسلمانوں میں عمومی طور پر پہچانا جاتا ہو۔ وہ معروف طریقہ یہ ہے کہ اگر تم عورت کو طلاق دینا ہی طے کر لو تو اسے ذلیل و خوار کر کے اور برا بھلا کہہ کر گھر سے مت نکالو بلکہ اسے حسن سلوک سے رخصت کرو۔

"وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ" اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے دو عادل گواہ گواہی دیں۔ اس حکم کے واجب یا مستحب ہونے پر فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق (رجعی) دیتا ہے اور پھر (رجوع کی خاطر) اس سے صحبت کرتا ہے لیکن نہ تو طلاق پر کسی کو گواہ بناتا ہے اور نہ رجوع پر (تو ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟) حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا: تم نے طلاق بھی خلاف سنت دی اور رجوع بھی خلاف سنت کیا۔ طلاق پر گواہ بناؤ اور رجعت پر گواہ بناؤ، اور آئندہ ایسا مت کرنا (یعنی آئندہ گواہ کے بغیر نہ تو طلاق

دینا اور نہ ہی رجوع کرنا)۔

عطا کا قول ہے کہ نکاح، طلاق اور رجعت دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، لیکن اگر مجبوری ہو تو اور بات ہے۔

لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک طلاق پر گواہی کا یہ حکم مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ شیعہ علماء کہتے ہیں کہ گواہوں کے بغیر طلاق نہیں ہوگی۔

3.1 طلاق کے بعد رجوع

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (البقرة ۲: ۲۲۸)

اور (اگر طلاق رجعی ہو تو) ان کے خاوند اس مدت (تین حیض) میں انہیں لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں، اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت تک طلاق بائن نہیں تھی بلکہ سب طلاقیں رجعی رہتیں، حتیٰ کہ اگر خاوند سو مرتبہ بھی طلاقیں دے دیتا تو پھر بھی اسے حق رجوع تھا۔ پھر شریعت میں یہ حکم نازل ہوا "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" (البقرة ۲: ۲۲۹) اور رجوع کا حق دو طلاقوں تک محدود کر دیا گیا۔ اگر تین طلاقیں ہو جائیں تو شوہر کا حق رجعت ختم ہو جائے گا۔

جس نے "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" (البقرة: ۲۲۹) کے تحت دو مرتبہ طلاق دے دی تو اس کے لیے اب دو راستے ہیں: "فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ" (البقرة: ۲۲۹) اب یا تو بیوی کو اچھے طریقے سے روک لے یا بھلائی کے ساتھ اسے چھوڑ دے۔ اسے پہلی طلاق کے بعد بھی رجوع کا حق ہے اور دوسری طلاق کے بعد بھی۔ اگر اس نے رجوع کر لیا تو سابقہ نکاح ہی پر رشتۂ زوجیت بحال ہو جائے گا۔

"اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ" یعنی شوہر اپنی عورتوں کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں، جب تک عدت ختم نہ ہوئی ہو، خواہ عورت رضا مند ہو یا نہ ہو۔

"اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا" یعنی جس شوہر نے طلاق دی اسے اپنی بیوی سے مدت عدت میں رجوع کرنے کا پورا حق ہے اگر خاوند کا ارادہ اصلاح اور بھلائی کا ہے۔ طلاق کی اصلاح رجوع کرنے سے ہے۔ اگر اس کا ارادہ بھلائی اور اصلاح کا نہیں ہے تو پھر وہ بیوی کو تنگ کرنے کے لیے رجوع مت کرے بلکہ "تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ" کے تحت وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ تسریح کا معنی کھول دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ تعلق زوجیت ختم کرنے کے لیے مزید کسی طلاق کی ضرورت نہیں ہے بغیر رجعت کے عدت گزرنے کے ساتھ ہی تعلق زوجیت از خود ختم ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا (البقرة ۲: ۲۳۱)

جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری کرنے کو آئے تو یا انہیں بھلائی سے روک لو یا انہیں بھلائی سے الگ کر دو۔ انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم کرنے کے لیے مت روکو۔ جو ایسا کرے گا اس نے خود پر ظلم کیا۔ اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل مت بناؤ۔

اور فرمایا:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ٦٥: ٢)

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو دستور کے مطابق اپنے نکاح میں رکھو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو۔ اور آپس میں سے دو عادل گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

اوپر یہ بیان کیا گیا تھا کہ دو مرتبہ طلاقیں دینے کے بعد شوہروں کو دوران عدت رجوع کا حق ہے اگر ان کا ارادہ اصلاح اور بھلائی کا ہو۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو رجوع کا حق ایک اور شرط کے ساتھ مباح قرار دیا

ہے اور وہ معروف کی شرط ہے:

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

تو انہیں بھلے طریقے سے روک لو

رجوع کا مقصد عورت کو تکلیف اور نقصان پہنچانا اور اس پر ظلم کرنا نہ ہو جیسا کہ فرمایا

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا

انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم کرنے کے لیے مت روکو

اس آیت کی تفسیر میں مسروقؒ، حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ اور ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد رجوع کے ذریعہ عورت کی عدت کو طویل بنا دینا ہے اور وہ اس طرح کہ جب وہ انتہائے عدت کے قریب ہو تو رجوع کر کے پھر اسے طلاق دے دے اور وہ از سر نو عدت گزارے۔ پھر جب وہ اختتام عدت کے قریب پہنچے تو پھر رجوع کر لے۔ اگر شوہر اس طرح غیر معروف طریقے سے رجوع کرے تو وہ گناہ گار ہو گا۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

جو ایسا کرے گا اس نے خود پر ظلم کیا

آیت "وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شوہر خواہ عورت کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی غرض سے رجوع کرے لیکن اس کا رجوع صحیح ہو گا۔ البتہ قرآن ایسے شخص کو ایسا ظالم قرار دیتا ہے جس نے خود اپنے آپ ہی پر ظلم کیا ہے۔ ایسے رجوع سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل مت بناؤ۔

قرآن مجید کی آیات

" فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ "(البقرة ۲: ۲۲۹) اور " فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ "(البقرة ۲: ۲۳۱)

میں امساک کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی مباشرت ہے اور اس کے متعلقات مثلاً لمس، بوس و کنار اور شہوت کے ساتھ شرم گاہ کو دیکھنا وغیرہ پر بھی امساک میں شامل ہے۔ شوہر ان میں سے کوئی کام بھی کرے گا تو وہ

ممسک ہوگا، اس لیے کہ آیت "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" میں عموم ہے۔ جس نے رجوع کی نیت سے اپنی مطلقہ بیوی سے مباشرت کی تو یہ "امساک بالمعروف" ہے۔ اگر شوہر کا یہ کہنا "میں نے تجھ سے رجوع کیا" معروف ہے اور جائز ہے تو وطی کرنا زیادہ جائز ہے۔ رجوع کی نیت نے وطی کو مباح کر دیا۔

حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک رجوع قول اور فعل دونوں سے ہو سکتا ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ رجوع صرف قول ہی سے صحیح ہے۔ اگر شوہر نے رجوع کی نیت کے بغیر مطلقہ کا بوسہ لیا یا مباشرت کی تو یہ رجوع نہیں ہوگا اور مرد گناہ گار ہوگا۔

جس نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دی، اس نے ایک بچہ جنم دیا اور دوسرا پیٹ میں ہو تو وہ عورت جب تک پیٹ میں موجود آخری بچہ کو جنم نہیں دے لیتی اس کے شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ اس کی موافقت میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال ہیں۔

تیسرا حیض ختم ہونے کے بعد غسل نہ کرنے تک عورت عدت میں ہے اور اس کا شوہر حق رجوع رکھتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: میرے شوہر نے مجھے طلاق دی، پھر مجھے دو حیض آئے اور تیسرا شروع ہوگیا حتی کہ تیسرے حیض کا خون بھی رک گیا۔ میں نہانے کے لیے غسل خانہ میں داخل ہوئی اور اپنے کپڑے اتارے۔ اتنے میں میرا شوہر آیا اور کہا: میں نے تیری طرف رجوع کیا۔ ابھی میں نے اپنے اوپر پانی نہیں انڈیلا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: یا امیر المومنین! میری رائے ہے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے کیوں کہ وہ عورت ابھی حائضہ ہے، ابھی اس کے لیے نماز حلال نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میری بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو اس کے شوہر کی طرف لوٹا دیا۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اسے بتا دیا۔ پھر عدت پوری ہونے سے قبل عورت سے رجوع کر لیا لیکن اسے اس کی اطلاع نہیں دی۔ جب وہ آیا تو عورت دوسری شادی کر چکی تھی۔ اس شخص نے سارا معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم یہ پاؤ کہ اس عورت کے شوہر نے اس سے خلوت صحیحہ نہیں کی تو تم اس عورت کے زیادہ حق دار ہو۔ اگر اس نے عورت سے خلوت صحیحہ کر لی ہے تو پھر اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: جس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تو اسے رجوع کا حق حاصل ہے۔ پھر عدت

پوری ہونے سے قبل بیوی کی طرف رجوع کر لینے پر دو گواہ بنا تا ہے۔ وہ عورت اس رجوع سے لاعلم ہوتے ہوئے شادی کر لیتی ہے اور دوسرا خاوند اس سے خلوت صحیحہ کر لیتا ہے تو اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان جدائی کرادی جائے گی اور وہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹادی جائے گی۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علیؓ کا قول لیا ہے اور یہ ہمیں پہلے قول یعنی حضرت عمرؓ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

رجوع کر لینے سے قبل شوہر مطلقہ کے ہمراہ سفر نہیں کر سکتا، نہ اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ سکتا ہے، نہ بلا اجازت اس کے کمرے میں آسکتا ہے، البتہ دوسروں کی موجودگی میں وہ مطلقہ کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہے۔ مطلقہ اس کے لیے بناؤ سنگھار اور آرائش کر سکتی ہے، زیور پہن سکتی ہے۔

3.2 رجوع پر گواہ کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ٦٥:٢)

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو دستور کے مطابق اپنے نکاح میں رکھو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو۔ اور آپس میں سے دو عادل گواہ کر لو اور اللہ کی رضا مندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

اوپر بیان ہوا، عطاءؒ کا قول ہے کہ نکاح، طلاق اور رجعت دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، لیکن اگر مجبوری ہو تو اور بات ہے۔ جصاصؒ کہتے ہیں کہ عطاءؒ کا قول اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ گواہ قائم کرنے کا حکم احتیاطاً اس لیے دیا گیا ہے کہ بعد میں فریقین ایک دوسرے کو جھٹلا نہ سکیں۔ عطاءؒ نے اپنے قول میں طلاق کا ذکر بھی کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ طلاق گواہوں کے بغیر واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ابو قلابہؒ کے نزدیک اگر شوہر رجوع کرنے پر گواہ نہ کرے تو رجوع کا عمل درست ہوگا۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق رجعت پر گواہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ (وَاَشْهِدُوا) میں ظاہر یہ ہے کہ مطلق امر وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق رجعت پر گواہ شرط نہیں ہے۔ اس آیت کا یہ حکم استحباب پر مبنی ہے اس لیے کہ رجوع کے لیے بیوی کی طرف سے قبول ضروری نہیں ہے لہٰذا گواہی بھی ضروری نہیں ہے۔

شیعہ علماء کے نزدیک گواہی کے بغیر رجوع ہو جائے گا لیکن بعد میں گواہ کر لے تو یہ افضل ہے۔

رجعت پر گواہی کے کئی فائدے ہیں مثلاً اگر عورت کی طرف سے رجعت کے خلاف کوئی دعویٰ ہو تو اس گواہی سے کام لیا جا سکے۔ اگر رجعت پر گواہ نہ بنائے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص عدت گزر جانے کے بعد بھی یہ دعویٰ کر دے کہ اس نے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا تھا۔ ایسے مفاسد کے انسداد کے لیے قرآن مجید نے رجعت پر گواہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

3.3 ہنسی مذاق میں رجوع کرنا

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور فرمایا ہے:

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ (البقرۃ ۲: ۲۲۹)

تو اچھے طریقے سے روکنا

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرۃ ۲: ۲۳۱)

تو انہیں بھلے طریقے سے روک لو

لیکن ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کر دی:

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (البقرۃ ۲: ۲۳۱)

اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل مت بناؤ

اس آیت سے جہاں یہ دلیل ملتی ہے کہ مذاق اور سنجیدگی دونوں صورتوں میں دی گئی طلاق درست ہے وہاں یہی حکم رجوع کرنے پر بھی نافذ ہوتا ہے۔ نیز مراتی کو ہنسی مذاق بنانے سے ممانعت کا ذکر "فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (تو انہیں بھلے طریقے سے روک لو) اور "سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (انہیں بھلے طریقے سے الگ کر دو) کے بعد ہوا ہے۔ یہ حکم "وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا" رجوع اور طلاق دونوں کی طرف لوٹے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد الطلاق و النکاح و الرجعة(10)

تین چیزیں ایسی ہیں جو زاد نبی کی جائیں یا مذاق میں وہ صحیح ہوں گی: نکاح، طلاق اور رجوع۔

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ مذاق میں کیا گیا رجوع بھی نافذ ہوگا۔

3.4 غیر مدخولہ کو طلاق

قرآن مجید میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الأحزاب ٣٣:٤٩)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں ہے جسے تم شمار کرو۔ تم انہیں کچھ نہ کچھ ضرور دو اور انہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔

یہاں صحبت (خواہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً جیسے خلوت صحیحہ) کو کنایتاً ہاتھ لگانا کہا گیا ہے۔ اس آیت کا حکم مسلمان عورتیں اور اہل کتاب عورتیں جن سے مسلمانوں نے نکاح کیا ہو، دونوں کے لیے ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ مومنات کے ذکر سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ مسلمان عورتوں ہی سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے

مناسب ہے۔یہ آیت بتاتی ہے کہ عورت کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے قبل ہی طلاق دی جا سکتی ہے۔

"فَمَتِّعُوْهُنَّ" متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور استعمال کرتی ہے۔ اس میں شلوار، کرتا، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن چھپا سکے، شامل ہے۔ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ اور اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے۔اگر شوہر اور بیوی دونوں مالدار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں تو اعلیٰ قسم کے کپڑے دیے جائیں، اگر وہ دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیے جائیں اور اگر ایک امیر اور دوسرا غریب ہو تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔

"سراحًا جميلًا" یعنی خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کرو۔اس میں یہ پابندی لگا دی گئی کہ زبان سے مطلقہ کو سخت بات نہ کہی جائے اور طعن و تشنیع نہ کی جائے۔

3.5 قبل از تعین مہر، غیر مدخولہ عورت کو طلاق

قرآن مجید میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرۃ۲:۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو چھوئے بغیر یا ان کے لئے مہر مقرر کیے بغیر انہیں طلاق دے دو، البتہ انہیں کچھ فائدہ ضرور دے دو۔آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق حسب دستور فائدہ دے۔یہ احسان اور بھلائی کرنے والوں پر لازم ہے۔

یہ آیت ایک انصاری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے ایک عورت سے شادی کی، اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا اور اسے چھوئے بغیر اسے طلاق دے دی تھی۔

اس آیت کی رو سے بیوی کو قبل از تعیینِ مہر اور قبل از دخول طلاق دینا جائز ہے اور خاوند پر کوئی مہر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔لیکن ایسا کرنے میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے، اس لیے ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا گیا مرد

حسب استطاعت عورت کو "متعہ" یعنی فائدہ ضرور دے۔ قرآن مجید نے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے بلکہ یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق حسب دستور فائدہ دے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس صورت میں مطلقہ کو کچھ دینا مرد پر واجب ہے۔ آیت "حقا علی المحسنین" میں "حقا" اور "علی" کے الفاظ استحباب کے منافی ہیں اور امر میں اصل وجوب ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور امر استحبابی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کم از کم فائدہ لباس یعنی پہننے کے کپڑے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر فریقین اس متعہ کی مقدار میں جھگڑا کریں تو عورت کے خاندان کے مہر کا نصف عورت کو دلایا جائے گا۔

متعہ کی کس قدر مقدار دینا واجب ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ تین کپڑے دیے جائیں: ایک کرتہ، ایک اوڑھنی اور ایک چادر اس قسم کے کپڑوں میں سے جو اس جیسی عورتیں پہنتی ہوں، اور یہ اس کی کم از کم مقدار ہے۔ امام ابو حنیفہؒ عورت کے حال و حیثیت کا اعتبار کرتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مرد کا حال و حیثیت معتبر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ

آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔

امام مالکؒ کے نزدیک متعہ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ حد معروف نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق یہ حاکم کے اختیار پر ہے کہ وہ جس قدر مناسب سمجھے عورت کو دلائے۔ امام شافعیؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اتنا دینا چاہیے کہ اسے مال کہا جا سکے۔ ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ تیس درہم سے کم نہ ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق متعہ کی مقدار یہ ہے کہ اتنا کپڑا دیا جائے جس میں نماز جائز ہو جائے اور وہ دو کپڑے ہیں ایک کرتہ اور ایک اوڑھنی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک عورت کو طلاق دینے کے بعد متعہ میں ایک حبشی لونڈی دی تھی اور حضرت حسن بن علیؓ نے ایک عورت کو متعہ میں دس ہزار درہم دیے تھے۔

امام شعبیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص عورت کو ایسا فائدہ نہ دے تو کیا وہ شخص گرفتار کیا جائے گا؟ امام

شعبیؒ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نے کسی کو اس بارے میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھا، اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی ایسے شخص کو ضرور گرفتار کرتے۔

3.6 بعد از تعین مہر، غیر مدخولہ عورت کو طلاق

قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (البقرۃ ۲: ۲۳۷)

اور اگر تم عورتوں کو چھونے سے پہلے اور مہر مقرر کرنے کے بعد انہیں طلاق دے دو تو مہر مقرر کا نصف مہر دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ عورتیں خود معاف کر دیں یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔ تم باہمی فضیلت وبزرگی مت بھولو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

اس آیت سے یہ حکم ملتا ہے کہ غیر مدخولہ عورت جس کا مہر مقرر کیا جا چکا ہو، اسے اگر طلاق دی جائے گی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب خاوند اور بیوی تنہائی میں جمع ہو گئے اگرچہ ہم دخول نہ ہوا تو پورا مہر واجب ہو جائے گا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب شوہر دروازہ بند کر لے اور پردہ گرا دے اور اس کے بعد بیوی کو طلاق دے دے تو وہ پورے مہر کی حق دار ہو گی۔ ان صحابہ کرامؓ نے "مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ" سے مراد خلوت لی ہے۔

اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا(۲۰)وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ (النساء ٤: ٢٠،٢١)

اور جب تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور پہلی بیوی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو تم اس میں کچھ مت لینا۔ کیا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟ اور تم دیا ہوا مال کیوں کر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو

یہ آیت دو پہلوؤں سے دلالت کر رہی ہے۔ ایک یہ کہ اس آیت کے الفاظ ہیں:

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

تو تم اس میں کچھ مت لینا

دوسرے یہ کہ اس آیت کے الفاظ ہیں:

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ

اور تم دیا ہوا مال کیوں کر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو

امام لغت فراء کا قول ہے کہ افضاء خلوت کو کہتے ہیں خواہ ہم بستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لغوی مسائل میں امام فراءؒ کی بات حجت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ افضاء خلوت کے لیے اسم ہے۔ خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ مرد کو عورت سے لطف اندوز ہونے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے خلوت حاصل ہونے کے بعد عورت سے کچھ لینے سے منع فرمایا ہے۔

عبدالرحمان بن ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من كشف خمار امراة و نظر اليها وجب الصداق دخل بها او لم يدخل(11)

جس نے عورت کا دوپٹہ اتار دیا اور اسے دیکھ لیا تو مہر واجب ہو گیا، خواہ عورت کے ساتھ دخول ہوا یا نہ ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق عورت کو نصف مہر ملے گا اگرچہ مرد اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا ہو۔

امام شافعیؒ نے یہ قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کا بھی یہی تقاضا ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ محض خلوت و تنہائی سے مہر لازم نہیں ہو جائے گا۔

یہاں مقرر شدہ مہر سے مراد وہ مہر ہے جو عقدِ نکاح کے وقت مقرر کیا گیا ہو۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت کسی عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور مباشرت سے قبل ہی اسے طلاق دے دی گئی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے مہر مثل نہیں ملے گا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اسے نصف مہر ملے گا۔

"اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ" (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) سے مراد خاوند ہے۔ قاضی شریحؒ کہتے ہیں کہ ان سے حضرت علیؓ نے پوچھا "اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ" سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: اس سے مراد عورت کا ولی ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ خاوند ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا جدید قول ہے۔ اس لیے کہ دراصل نکاح توڑنا یا اسے باقی رکھنا خاوند ہی کے اختیار میں ہے۔ جس طرح ولی کو جس کا وہ ولی بنایا گیا ہے اس کا مال دینا جائز نہیں ہے اسی طرح وہ مہر معاف کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔

حضرت ابن عباسؓ کی رائے میں یہاں عورت کا ولی مراد ہے، یعنی باپ، بھائی اور وہ لوگ جن کی اجازت کے بغیر وہ نکاح نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ ولی ہی نے اسے یہ حق دیا تھا تو ولی اس میں تصرف کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے اس سے مراد شوہر لیا ہے۔

شیعہ علماء بھی یہاں ولی مراد لیتے ہیں۔ یہ امام باقرؒ اور امام صادقؒ سے روایت کیا گیا ہے۔

3.7 مدخولہ یا غیر مدخولہ ہونے کا تعین

عورت کے ساتھ جماع ہوا یا نہیں ہوا، اس کا تعین دو طریقوں سے ممکن ہے، ایک یہ کہ کمرہ کا دروازہ بند پایا گیا ہو اور دوسرا یہ کہ فریقین اقرار کریں۔

اگر جماع نہ ہوا ہو، بیوی کہے کہ میرے ساتھ جماع ہوا ہے اور شوہر اس سے انکار کرے تو وہ حلف اٹھائے گا اور عورت پر عدت لازم ہو گی اور مرد پر نصف مہر ساقط ہو جائے گا۔ اگر شوہر کہے: میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس پر سارا مہر واجب ہو گا اور عورت پر کوئی عدت نہیں ہو گی۔

اگر جماع ہوا ہو۔ عورت کہے: اس نے میرے ساتھ جماع نہیں کیا تو اس پر عدت واجب ہو گی اور مرد سے مہر لیا جائے گا۔ اب مرد کے لیے دو صورتیں ہیں یا تو وہ رجوع کرے یا عدت پوری ہونے دے۔

3.8 دورانِ عدت مطلقہ کو رہائش

اس بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (الطلاق ۶۵:۱)

تم انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو یقیناً اس نے اپنا ہی برا کیا۔

اور فرمایا:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (الطلاق ۶۵:۶)

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

بعض علمائے سلف اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ مبتوتہ یعنی وہ مطلقہ جس کو طلاق کے بعد خاوند کے پاس رجوع کا حق باقی نہ رہا ہو اسے عدت مکمل ہونے تک رہائش مہیا کرنا خاوند کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں وہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ جن کے شوہر نے آپ کو تین طلاقیں دے دی تھیں، بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کے شوہر نے انہیں طلاق دی اور ان کے لیے تھوڑا سا خرچہ بھیجا۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتاؤں گی اور اگر میرے لیے نفقہ ہے تو پھر میں اپنی ضرورت کے مطابق لوں گی اور اگر میرے لیے نفقہ نہ ہوا تو میں کچھ نہیں لوں گی۔ پھر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک متفقہ طور پر طلاق بائن والی عورت جب تک عدت میں ہے اسے رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید کی آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" (الطلاق 1:65) مطلقہ بائنہ کو بھی شامل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ" (الطلاق 6:65) لہٰذا اس آیت کے حکم میں مطلقہ بائنہ اور مطلقہ رجعیہ دونوں شامل ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ہر مطلقہ خواہ اسے ایک طلاق ہو یا تین، کے لیے رہائش ہے۔

شیعہ فقہ میں جسے تین طلاقیں دی جاچکی ہوں اس کے لیے رہائش نہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیت "لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ" (تم انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو) میں لفظ "بُيُوتِهِنَّ" (ان عورتوں کے بیوت یعنی گھر) فرما کر یہ اشارہ دے دیا گیا ہے کہ جب تک عورت کی رہائش کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے، عورت کو اس گھر میں رہنے کا حق ہے۔ یہ حق صرف طلاق دینے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایام عدت تک وہ عورت اسی گھر میں رہنے کا حق رکھتی ہے۔ عدت مکمل ہونے سے قبل عورت کو اس گھر سے نکال دینا حرام ہے۔

شوہر اسے رہنے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق اپنے گھر میں جگہ دے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر گھر میں زیادہ جگہ نہ ہو تو وہ اسے رہنے کے لیے مکان کا کوئی کونہ ہی دے دے۔

اگر وہ عورت کسی کھلی برائی "فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ" کا ارتکاب کرے تو پھر اسے گھر سے باہر نکالا جاسکتا ہے۔ لفظ "فاحشۃ" میں ممنوعات کے ارتکاب کی بہت سی صورتیں شامل ہیں۔ اس میں زنا بھی شامل ہے اور یہ بھی شامل ہے کہ اگر عورت اپنے فعل اور باتوں سے خاوند یا کے گھر والوں کو تنگ کرے۔ وہ زبان دراز اور جھگڑالو ہو تو وہ شوہر اور اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کو گھر سے نکال دیں۔ اگر عورت میں ایسی بات نہیں ہے تو پھر اسے تکلیفیں پہنچا کر تنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ تمہاری تکلیفوں سے مجبور ہو کر مکان چھوڑ کر چلی جائے۔

مطلقہ عورت کے لیے عدت کا زمانہ خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دینے میں یہ مصلحت ہے کہ شاید اس دوران خاوند کا خیال بدل جائے، وہ طلاق دینے کے ارادے پر نادم ہو اور اپنی بیوی سے رجوع کرے۔

3.9 مطلقہ کا دوران عدت گھر سے نکلنا

حنفی فقیہ جصاصؒ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے۔ احناف کے نزدیک طلاق بائن والی عورت دوران عدت وہ اپنے اس گھر سے باہر نہیں نکلے گی جس میں وہ طلاق سے پہلے رہائش پذیر تھی نہ دن کے وقت اور نہ رات کو۔ وہ کسی دوسرے گھر منتقل نہیں ہوگی۔ احناف نے مطلقہ کو دوران عدت سفر سے بھی روکا ہے۔

قرآن مجید میں حکم ہے:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق ٦٥:١)

تم انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

مطلقہ عورت کو گھر سے نکلنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ دوران عدت طلاق یافتہ عورت کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہوتی ہے۔ البتہ ایک صورت ہے:

إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ (الطلاق ٦٥:١)

ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں

کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب بھی ایک عذر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کے باہر نکلنے کو مباح کر دیا ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک بھی طلاق رجعی اور طلاق بائن یافتہ عورت دوران عدت گھر سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی نہ دن کے وقت اور نہ رات کسی اور جگہ گزار سکتی ہے۔

شیعہ فقیہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ کہتے ہیں کہ یہاں عورت کو گھر سے نکالنا یا اس کا نکلنا وہ ہے جو ناپسندیدگی سے ہو اور اس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت کی ہے۔ اگر کوئی عورت اجازت سے اپنے والدین کے گھر جائے یا وہ کسی حق کے لیے باہر نکلے تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی ہے اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ اس کے شوہر نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ بیاتب کہا جائے گا اگر یہ ناپسندیدگی سے ہو اور عورت اس گھر واپس نہ آنا چاہتی ہو۔

" وَلَا يَخْرُجْنَ" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کے لیے دوران عدت گھر سے بلا ضرورت باہر نکلنا

جائز نہیں ہے۔البتہ ضرورت، محظورات کو مباحات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔مطلقہ بائنہ کسی مجبور کن ضرورت کے لیے دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات کو باہر نہیں نکل سکتی۔اس پر علماء کا اجماع ہے۔

ضرورت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔مثلاً گھر گر جانے کا خوف، چوری کا اندیشہ، مکان کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونا، مکان اتنا تنگ ہو کہ اس میں مرد و عورت علیحدہ علیحدہ نہ رہ سکتے ہوں یا شوہر بد چلن ہو وغیرہ وغیرہ۔علامہ ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ عورت کا گھر میں ٹھہرے رہنا لازمی شرعی حکم ہے۔لیکن عورت کسی ہنگامی یا معاشی ضرورت کے تحت باہر نکل سکتی ہے۔اسی طرح اگر اسے گھر میں بے پردگی کا خوف ہو تو اس کا گھر سے نکلنا سنت کی رو سے جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کی خالہ کو طلاق ہوئی۔آپ کی خالہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے باغ کی کھجوریں توڑیں۔ایک شخص نے ان کو جھڑکا۔وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بلى فجدّى نخلك فانك عسى ان تصدقي او تفعلي معروفا(12)

کیوں نہیں، تم جاؤ اور اپنے باغ کی کھجوریں توڑو، اس لیے کہ شاید تم اس میں سے صدقہ دو یا کوئی اور بھلائی کا کام کرو۔

یہ حدیث امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے موقف کی دلیل ہے کہ معتدہ اپنی ضروریات کے لیے دن کے وقت گھر سے نکل سکتی ہے البتہ رات کو اپنے گھر ہی میں قیام کرے گی۔امام مالکؒ کے نزدیک یہ حکم رجعیہ اور بائنہ دونوں کے لیے ہے۔امام شافعیؒ نے طلاق رجعی کی صورت میں کہا ہے کہ مطلقہ دن اور رات دونوں میں گھر سے باہر نہیں نکلے گی، البتہ مبتوتہ دن کے وقت گھر سے باہر جا سکتی ہے۔

3.10 دوران عدت مطلقہ رجعیہ کو نفقہ

جس عورت کو ایسی طلاق دی جا چکی ہو جس میں خاوند کو طلاق سے رجوع کا اختیار باقی ہو تو اس مطلقہ کا نفقہ اور رہائش سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ایک کے تحت شوہر پر واجب ہے، اس لیے کہ ابھی تک نکاح برقرار ہے۔

3.11 مطلقہ مبتوتہ کو نفقہ

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقہ بائنہ کو نفقہ نہیں دیا جائے گا لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو پھر اسے نفقہ ملے گا۔ امام مالکؒ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اگر شوہر آسودہ حال ہو تو پھر اس پر معتدہ بائنہ کا نفقہ لازم ہے اور اگر وہ تنگ دست ہے تو پھر اس پر یہ لازم نہیں ہے۔ ان کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس کی مذکورہ بالا روایت ہے۔

شیعہ فقہ میں بھی مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان عورتوں کا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہے۔

ان کا یہ موقف ہے کہ جس طرح رہائش کا حق تمام مطلقات کے لیے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی تمام مطلقات کے لیے واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (الطلاق ۶:۶۵)

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ۔

یہ آیت اس لیے دلیل ہے کہ اس آیت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک قراءت یہ ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ

یعنی جس تم رہتے ہو وہاں انہیں بھی ٹھہراؤ اور اپنی طاقت کے مطابق ان پر خرچ کرو۔

ایک قراءت دوسری قراءت کے لیے مفسر ہوتی ہے۔ لہذا جس طرح تمام مطلقات کا حق رہائش شوہروں پر لازم ہے اسی طرح ان کا نفقہ بھی ایام عدت تک شوہروں پر لازم ہے۔

اس کی تائید حضرت عمرؓ اور کئی دوسری صحابہ کرامؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی مندرجہ بالا روایت رد کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بھول گئی یا یاد رکھا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟۔

حضرت اسامہؓ کے سامنے جب حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا ذکر ہوتا تو حضرت اسامہؓ اپنے ہاتھ

میں پکڑی چیز کو غصہ سے زمین پر دے مارتے تھے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ :سے (مطلقہ ثلاث کو) رہائش اور نفقہ ملیں گے۔

حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ سے مروی احادیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ ثلاث کے لیے دوران عدت رہائش اور نفقہ ٹھہرایا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت خبر واحد ہے جس کی راویہ پر سلف نے نکیر کی ہے۔ اخبار آحاد کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ اس پر سلف نے نکیر نہ کی ہو۔

حنفی فقیہ جصاصؒ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ

(الطلاق ٦٥:٦)

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ اور انھیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

تین وجوہ سے مبتوتہ کے لیے نفقہ واجب ہونے پر دلیل ہے :

ایک یہ کہ رہائش فراہم کرنے کا تعلق حق مال سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ ثلاث کے لیے فراہمی رہائش کو بذریعہ نص قرآنی واجب کر دیا ہے کیوں کہ یہ آیت مبتوتہ اور رجعیہ دونوں کو شامل ہے۔ یہی چیز وجوب نفقہ کی بھی متقاضی ہے کیوں کہ رہائش کا تعلق مال سے متعلقہ حق سے ہے اور یہ نفقہ کا حصہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کے الفاظ "وَ لَا تُضَارُّوهُنَّ" میں ستانے کی ممانعت ہے اور ستانے کا عمل جس طرح رہائش میں ہوتا ہے اسی طرح نفقہ میں بھی ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آیت کے الفاظ "لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ" تنگ کرنے کا عمل نفقہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شوہر پر واجب کہ وہ مطلقہ ثلاث پر خرچ کرے اور اس ضمن میں اسے تنگ نہ کرے۔

3.12 حاملہ مطلقہ کا نفقہ

قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ٦٥:٦)

اور اگر یہ (مطلقہ عورتیں) حمل سے ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک انھیں خرچ دیتے رہو۔

علماء کے مابین اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ جس حاملہ کو تین یا اس سے کم طلاق دی جا چکی ہو اس کا نفقہ اور رہائش واجب ہے، جب تک ان کے ہاں وضع حمل نہ ہو جائے۔ حاملہ مطلقہ کے نفقہ کا الگ ذکر اس لیے کر دیا گیا ہے کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے۔ کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اس پر حاملہ مطلقہ کا نفقہ بھی مدت عدت جتنا ہے بلکہ وضع حمل تک اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا۔

3.13 دوران عدت نفقہ کی مقدار

قرآن مجید میں ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (الطلاق ٦٥:٧)

کشائش والا اپنی کشائش کے موافق خرچ کرے اور جس پر رزق تنگ کیا گیا ہے تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اسے دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تنگی کے بعد آسانی کرے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ شوہر اپنی مالی حالت کے مطابق بیوی پر دوران عدت خرچ کرے گا۔ اس صورت میں بیوی کی حیثیت اور حالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کی حیثیت و حالت دیکھی جائے گی۔ اگر شوہر مال دار ہے تو وہ زیادہ نفقہ دے گا، خواہ بیوی غریب ہو۔ اگر شوہر غریب ہے تو اس پر غریبانہ نفقہ واجب ہے، خواہ بیوی مال دار ہو۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ بعض دوسرے فقہاء کی رائے اس کے

خلاف بھی ہے۔

امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق شرعی طور پر نفقہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ اس کا تعین مرد اور عورت کی حالت پر موقوف ہے۔ اگر دونوں خوش حال ہیں تو نفقہ زیادہ ہونا چاہیے، اگر دونوں تنگ دست ہیں تو کم سے کم جتنی مقدار کافی ہو اتنی مقرر کر دی جائے۔ زیر نظر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بجائے مرد کی مالی حالت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس کی مال داری اور ناداری کے مطابق نفقہ کی مقدار متعین کی جائے۔ "لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ" کا یہی مفہوم ہے۔

بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرة٢:٢٣٦)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو چھوئے بغیر یا ان کے لئے مہر مقرر کیے بغیر انہیں طلاق دے دو، البتہ انہیں کچھ فائدہ ضرور دے دو۔ آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق حسب دستور فائدہ دے۔ یہ احسان اور بھلائی کرنے والوں پر لازم ہے۔

☆ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ٣٣:٤٩)

اے جو ایمان لائے ہو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جو وہ گزاریں گی۔ پس تم انہیں متعہ دو اور اچھے طریقے سے ان کو رخصت کردو۔

☆ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرة٢: ٢٤١)

اور طلاق یافتہ عورتوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

ان آیات میں "فَمَتِّعُوهُنَّ" میں متعہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ امر ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ "حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" ایجاب کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان میں لفظ "حَقًّا" سے بڑھ کر کوئی اور تاکید کا معنی نہیں دیتا اور اس ایجاب کی تاکید "حقا على المحسنين" سے ہو رہی ہے۔

اسی طرح "حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ" کے ایجاب کی تاکید "حقا على المتقين" سے ہو رہی ہے۔ "وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ" سے بھی متعہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ خواتین کے لیے متعہ مقرر کردیا ہے اور جو چیز کسی کے لیے مقرر کردی جائے وہ اس کی ملکیت ہوتی ہے جس کے مطالبہ کا اسے حق ہوتا ہے۔

آیت "عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ" بھی وجوب متعہ کی متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعہ کو مرد کی حیثیت کے مطابق مقرر کردیا ہے، اسے مطلق نہیں چھوڑا کہ مرد جو چاہے کرے۔

4.2 مقدار متعہ کے تعین میں کس کا اعتبار ہو گا؟

وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ (البقرة۲:۲۳٦)

آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق حسب دستور فائدہ دے۔ یہ احسان اور بھلائی کرنے والوں پر لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متعہ کی مقدار متعین کرنے میں دو شرائط عائد کی ہیں: مرد کی مالی خوشحالی اور تنگدستی کا اعتبار کرنا اور معروف طریقے کا لحاظ رکھنا۔ ان دونوں شرائط کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے متعہ کی مقدار طے کی جائے گی۔ احناف کہتے ہیں کہ متعہ مقرر کرتے وقت مرد کی حیثیت کے ساتھ ساتھ عورت کی حیثیت کا بھی اعتبار کیا جائے۔

4.3 واجب متعہ کی مقدار

مطلقہ عورت کو دیے جانے والے متعہ کی کوئی متعین مقدار نہیں ہے۔ اس کا انحصار ہر زمانہ میں متعارف اور معتاد مقدار پر ہے اور اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ابو مجلزؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے مقدار متعہ سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں آسودہ حال ہوں اور فلاں فلاں لباس دیتا ہوں۔ ابو مجلزؒ کہتے ہیں کہ میں نے حساب لگایا تو ان کی قیمت تیس دراہم بنی۔ احناف کہتے ہیں کہ متعہ تین کپڑوں یعنی قمیص، دوپٹہ اور ازار ہے جو باہر نکلنے کی صورت میں بدن پوشی کے لیے کام آسکے۔

4.4 مطلقہ کو دیا ہوا مال / مہر واپس لینا

قرآن مجید طلاق کی صورت میں عورت کو دیا ہوا مال واپس لینے سے منع کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (النساء٤:٢٠)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو بہت سارا مال دیا ہو

تو اس میں سے کچھ مت واپس لو۔ کیا تم اسے ناحق اور صریح گناہ سے لینا چاہتے ہو۔

مزید فرمایا:

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (النساء٤:٢١)

اور کیوں کر تم اسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ان آیات میں یہ واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ اب تم مطلقہ سے اپنا مال کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ بھی ہو چکی ہے۔ عورت نے اپنا نفس شوہر کے سپرد کر دیا ہے۔اس نے جو مال مہر یا تحفہ کی صورت میں بیوی کو دیا ہے وہ اس کی مالک بن چکی ہے۔ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ ہبہ کریں اس کی واپسی شرعاً جائز نہیں ہے۔ازدواجی تعلق ہبہ کی واپسی میں مانع ہے۔

دیا ہوا مال خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، مرد کی طرف سے اس کا مطلقہ سے واپسی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔لفظ "قنطار" کی تفسیر میں علامہ ابن العربی نے علماء کے دس اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ سب کسی چیز کی کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔

مطلقہ کو اس غرض سے تنگ کرنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مجبور ہو کر اپنا مال چھوڑ دے۔اس سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (الطلاق٦٥:٦)

اور تم انہیں (مطلقہ عورتوں کو) تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

یعنی مطلقہ عورتوں کو تکلیفیں پہنچا کر تنگ نہ کرو کہ وہ تم سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنا حق مہر چھوڑ دیں۔لیکن ایک صورت میں شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس لے۔اس صورت کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت سے پتا چلتا ہے:

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (النساء٤:١٩)

اور ان کو اس غرض سے نہ روکے رکھو کہ تم ان سے اپنا کچھ دیا ہوا واپس لو، سوائے اس کے کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

"اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ "یعنی اگر وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں جس کی وجہ سے شوہر اسے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ شوہر اسے اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک وہ عورت اس کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس نہ کر دے یا واجب الاداء مہر کو معاف نہ کر دے۔

الفاظ "فَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ" کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

اگر عورت سے کسی فاحشہ کا ارتکاب نہ ہوا ہو اور شوہر اپنی طبعی خواہش سے ایک بیوی چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے صورت میں شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دیا ہوا مال واپس لے یا واجب الاداء مہر معاف کرنے پر عورت کو مجبور کرے۔ طلاق دے دینے کے بعد مرد کا مطلقہ کے مال سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ وہ اس کا مال اینٹھنے یا اسے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح سے باز رکھنے کے لیے اسے روک نہیں سکتا۔

5- عدت کا حساب رکھنا

قرآن مجید میں حکم ربانی ہے:

وَاحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الطلاق ۶۵:۱)

اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے۔

یہاں ان عورتوں کی عدت شمار کرنے کا حکم ہے جن سے مباشرت ہو چکی ہو۔ بیویوں کو ان کی عدت میں طلاق دینے کے حکم کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ عدت کا حساب رکھو کہ یہ کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔ ایسا نہ ہو کہ عدت کا زمانہ لمبا کر کے عورت کو نکاح ثانی کے حق سے روکے رکھو۔ اس بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

عدت کا حساب امام ابو حنیفہ کے نزدیک زمانہ حیض سے ہوگا اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زمانہ طہر سے ہوگا۔

عدت کو شمار کرنے کے اس حکم کے مخاطب کون ہیں؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ وہ شوہر ہیں، دوسرے یہ کہ یہ خطاب بیویوں کو ہے اور تیسرا یہ کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں خطاب شوہروں کو ہے اس لیے کہ "طَلَّقْتُمْ"، "اَحْصُوْا" اور "لَا تُخْرِجُوْهُنَّ" سب شوہروں سے متعلق ہیں۔ لیکن بیویاں بھی اس حکم میں شوہروں کے ساتھ داخل ہیں، کیوں کہ دوران عدت بہت سارے امور مرد اور عورت کے درمیان مشترک ہیں مثلاً نفقہ، رہائش وغیرہ۔ اس حکم کے خطاب میں حاکم و قاضی بھی شامل ہے اس لیے کہ اسے فیصلہ کرنے یا فتویٰ دینے میں عدت کا حساب رکھنا ہوگا۔

عدت کا حساب رکھنے کے حکم میں اگرچہ مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں۔ عام طور پر جو احکام مرد اور عورت میں مشترک ہیں ان میں عموماً مذکر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں تبعاً داخل سمجھی جاتی ہیں۔

5.1 کتمانِ حمل و حیض کی ممانعت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرة ۲: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں خود کو (نکاح ثانی سے) تین حیض آنے تک روکے رکھیں۔ اور اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے شکموں میں جو تخلیق کیا ہے اسے چھپائیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی مطلقہ عورت جب وہ اس کے پاس ہو، سے یہ پوچھے کہ وہ حاملہ ہے؟ یا حائضہ ہے؟ تو اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اسے چھپائے، نہ وہ حیض چھپائے اور نہ حمل چھپائے۔ اگر پوچھنے پر اپنا حمل یا حیض چھپائے تو وہ کتمان کی مرتکب اور گناہ گار ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ وہ عورت اپنے حمل یا حیض کو چھپانے پر گناہ گار ہے خواہ اس سے نہ بھی پوچھا گیا ہو۔

رحموں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو چھپانے کی جو ممانعت آئی ہے اس کے لیے اللہ اور آخرت پر ایمان لانا شرط نہیں ہے بلکہ اس ایمان کا ذکر تاکید کے لیے کیا گیا ہے۔

5.2 غیر مدخولہ مطلقہ کی عدت

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا (الأحزاب۳۳: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں ہے جسے تم شمار کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے واضح ہوا کہ جس عورت کو مس کرنے سے قبل ہی طلاق مل جائے ایسی مطلقہ کے

لیے کوئی عدت نہیں ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں کسی اختلاف کو نہیں جانتا۔

5.3 مدخولہ مطلقہ کی عدت

قرآن مجید کی آیت ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرۃ ۲: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں خود کو (نکاح ثانی سے) تین حیض آنے تک روکے رکھیں

(قُرُوْءٍ) یہ "قرء" کی جمع ہے۔یہ مشترک لفظ ہے جو حیض اور طہر دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عمرؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے نزدیک قرء سے مراد طہر کا زمانہ ہے۔شیعہ علماء بھی قرء سے طہر مراد لیتے ہیں جو دو حیضوں کے درمیان ہوتا ہے۔

ان فقہاء کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے، پھر وہ اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے، پھر اگر چاہے تو اس کے بعد اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے۔یہی وہ عدت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دیے جانے کا حکم دیا ہے۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے کہ عدت سے مراد طہر ہے، حیض نہیں۔آیت کے لفظ "لعدتھن" میں لام کے معنی وقت کے ہیں، یعنی ان کی عدت کے وقت میں طلاق دو۔اس حدیث میں اس عدت کا اشارہ اس طہر کی طرف ہے جس میں عورت سے صحبت نہ کی گئی ہو۔لہٰذا ظاہر ہوا کہ آیت میں قروء سے مراد طہر ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی یہ بھی دلیل ہے کہ عدد "ثَلٰثَةَ" کی تاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ معدود مذکر ہے۔یہ مذکر اسی صورت میں ہوسکتا جب اس سے مراد طہر ہو۔اگر اس سے حیض (حیضۃ) مراد لیا جائے تو وہ مونث ہوگا۔

خلفائے راشدین، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، تابعین میں سے سعید بن مسیبؒ، ابن جبیرؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، حسن بصریؒ،

اوزاعیؒ، ربیعہؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق قرء سے مراد حیض ہے۔ عدت کا مقصد استبرائے رحم ہے اور استبرائے رحم پر دلالت حیض کرتا ہے، طہر نہیں۔

5.4 اگر مطلقہ کو حیض آنا بند ہو جائے

اگر سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے مطلقہ کا حیض کسی سبب سے بند ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک جب تک اس حیض نہ آ جائے اس کی عدت ختم نہیں ہو گی اور تکمیل عدت کے لیے تین حیض کا آنا ضروری ہو گا۔ یہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن مسعود، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ حضرت عمرؓ کے مطابق ایسی مطلقہ نو ماہ تک انتظار کرے، جب بھی حیض نہ آئے تو اس کے بعد تین ماہ کی عدت گزارے۔ یہی قول امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کو طلاق کے بعد حیض آنا بند ہو گئے اور وہ نہیں جانتی کہ حیض کس وجہ سے بند ہوئے تو وہ ایک سال عدت گزارے گی۔ اس میں نو ماہ حمل کی غالب مدت ہے جو استبرائے رحم معلوم کرنے کے لیے ہے۔ اگر حمل معلوم نہ ہو تو پھر اس کے بعد وہ عورت آئسہ کی عدت تین ماہ گزارے گی اور یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔

اگر مطلقہ کو دو حیض آئے اور تیسرا حیض آنے سے قبل وہ سن ایاس کو پہنچ گئی اور خون بند ہو گیا تو وہ از سر نو تین ماہ کی عدت گزارے گی۔

5.5 آئسہ کی عدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (الطلاق ٦٥:٤)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں (ان) کی عدت کے تعین

میں) شبہ ہو، تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ مطلقہ عورتیں جو زیادہ عمر ہو جانے یا کسی بیماری کے سبب جن کا حیض آنا بند ہو چکا ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

آیت کے الفاظ "يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ" کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ عدت ان عورتوں کے لیے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اور اس امر میں کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن اور بعض نے ساٹھ برس کو حیض سے ناامیدی کی انتہائی عمر قرار دیا ہے۔ لیکن اس امر میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کو جب تک حیض آتا رہے وہ ذوات الاقراء میں سے ہے اور وہ آئسہ نہیں کہلائے گی، خواہ وہ ایک سو سال کی عمر کو پہنچ جائے۔

آیت کے الفاظ "إِنِ ارْتَبْتُمْ" سے عورت کے ایاس سے متعلق شک مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کتاب اللہ میں نابالغ لڑکیوں، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق٦٥:٤)

اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ لوگوں کو نابالغ لڑکیوں، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت سے متعلق شک تھا۔ یہاں اس شک کا ذکر اس سبب کے ذکر کے طور پر ہوا ہے جس کی بنا پر یہ حکم نازل ہوا، لہٰذا اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں ان کی عدت میں اگر تمہیں شک ہے تو (پھر یہ جان لو) کہ ان کی عدت تین ماہ ہے۔

امام مالک "إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں نہیں معلوم کہ ان عورتوں کے معاملہ میں کیا کرو تو پھر ان کے لیے یہ سبیل ہے یعنی ان کی عدت تین ماہ ہے۔

شیعہ علماء کہتے ہیں کہ آئسہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔ آیت مذکورہ میں یہ ہے کہ اگر اس بات کا شک ہو کہ عورت آئسہ ہے یا نہیں تو پھر اس کے لیے تین ماہ کی عدت ہے۔ لیکن جب عورت کے آئسہ ہونے میں شک نہ ہو تو پھر اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔

5.6 نابالغہ کی عدت

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ (الطلاق ٦٥:٤)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو، تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورتیں جن کو کم عمری کے باعث ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا یعنی بالغہ مطلقہ کی عدت تین ماہ ہے۔ ایسی مطلقہ کی عدت مہینوں کے اعتبار سے شمار ہوگی۔

شیعہ علماء کا موقف یہاں بھی آئسہ کی عدت کی طرح ہے کہ نابالغہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔

5.7 حاملہ مطلقہ کی عدت

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ٦٥:٤)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے

متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے۔ مالکی فقہاء کے نزدیک اگر عورت نے علقہ (حمل کی ابتدائی شکل، جمے ہوئے خون کا لوتھڑا) یا مضغہ (حمل کا علقہ کے بعد دوسرا دور، گوشت کا لوتھڑا) کو جنم دیا تو عدت پوری ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب تک بچہ کو جنم نہ دے لے اس کی عدت پوری نہیں ہوگی۔

5.8 دورانِ عدت نکاح کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (البقرة ٢:٥٢٣)

اور جب تک عدت ختم نہ ہو جائے اس وقت تک تم عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے۔ پس اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دورانِ عدت نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ مطلقہ عورت دورانِ عدت نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔ اگر کسی مرد نے عورت کی عدت کے دوران اس سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح فاسد ہوگا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے ایک قریشی عورت کی عدت کے دوران اس سے شادی کر لی۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو بلوا کر ان میں تفریق کرا کے انہیں سزا دی اور فرمایا کہ اب یہ شخص اس عورت سے کبھی شادی نہیں کر سکے گا۔ آپ نے مہر کی رقم بیت المال میں جمع کروا دی۔ یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔ جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحم فرمائے، مہر اور بیت المال کا کیا تعلق؟ ان دونوں نے جہالت کا کام کیا، امام کو چاہیے تھا کہ وہ ان دونوں کو سنت کے حکم کی طرف لوٹا دیتے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: "مہر عورت کو ملے گا اس لیے کہ مرد نے اس سے مباشرت کی ہے۔ ان دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور انہیں سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ عورت اپنے پہلے شوہر کی عدت مکمل کرنے کے بعد دوسرے شوہر کی عدت مکمل کرے گی۔ پھر دوسرا شوہر اسے پیغام نکاح دے۔" جب حضرت عمرؓ تک حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ پہنچا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! جہالت کی باتوں کو سنت کی طرف لوٹا دو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے سے اتفاق کر لیا تھا۔

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی، عورت کو مہر مثل ملے گا اور جب وہ عورت پہلے شوہر سے عدت مکمل کر لے گی تو اگر وہ چاہے تو دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ وہ عورت دوسرے دوسرے شخص کے لیے کبھی حلال نہیں ہوگی۔

5.9 دورانِ عدت منگنی کی اجازت

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا (البقرۃ ۲:۲۳۵)

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اشارے کنائے میں ان عورتوں کو پیغام نکاح دو یا نکاح کی بات اپنے دل میں چھپائے رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے۔ لیکن (ایام عدت میں) ان سے کوئی پوشیدہ قول و قرار مت کرو سوائے اس کے کہ معروف بات کرو۔

دورانِ عدت نکاح حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اس کمزوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ وہ نکاح کے بارے میں باتیں کرنے میں صبر نہیں کر سکیں گے، انھیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ مطلقہ عورت یا اس کے ولی کو عدت کے دوران اشارے کنائے میں پیغام نکاح دے سکتے ہیں۔

اشارے کنائے میں یہ بات کہے مثلاً مجھے تمہاری ذات سے دلچسپی ہے، مجھے اپنے دل سے نہ بھلا دینا، تم بہت حسین ہو، اللہ نے چاہا تو کچھ ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ایسی بات ہو جو عدت گزارنے والی عورت میں دلچسپی پر دلالت کرتی ہو، لیکن اس عورت کو نکاح کا پیغام صریح الفاظ میں نہیں دیا جا سکتا۔

"أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ" عدت والی عورت سے نکاح کی بات کو اپنے دل میں پوشیدہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ دل میں ایسی خواہش رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا" البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ خفیہ طور پر کوئی عہد و پیمان کیا جائے۔ اس آیت کے لفظ "سِرًّا" کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

1۔ اس سے مراد نکاح ہے، یعنی کوئی شخص معتدہ سے یہ نہ کہے کہ تم میرے ساتھ نکاح کرو۔

2۔ اس سے مراد زنا ہے، یعنی تم میں سے کوئی معتدہ سے یہ وعدہ نہ کرے کہ عدت میں زنا کریں اور اس کے بعد

شادی کرلیں گے۔

3۔ اس سے مراد جماع ہے، نکاح کی ترغیب دینے کے لیے جماع کا ذکر مت کرو اس لیے کہ بیوی کے علاوہ کسی اور سے جماع کا ذکر کرنا فحش ہے۔

4۔ اس سے مراد عقد نکاح ہے خواہ وہ پوشیدہ ہو یا علانیہ۔

علامہ ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دورانِ عدت ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو اور نہ ان سے وطی کا وعدہ کرو، دورانِ عدت ایسا کرنا تمہارے لیے حرام ہے۔

اگر دورانِ عدت وعدہ کرے اور اس کے بعد نکاح کر لے تو امام مالکؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ طلاق دے کر علیحدگی کر لے، خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ یہ ایک طلاق ہو گی۔ پھر وہ از سر نو پیغامِ نکاح دے۔ اشہبؒ کہتے ہیں کہ اس پر علیحدگی واجب ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مرد عورت کو اس کی عدت کے دوران اسے صریح پیغام نکاح دے اور عورت اسے صریحاً قبول کر لے اور اختتامِ عدت کے بعد وہ نکاح کر لیں تو یہ نکاح صحیح ہو گا لیکن ان دونوں کی طرف سے تصریح مکروہ ہے۔

6- خلع کے احکام

دین اسلام نے جہاں مرد کو طلاق کا حق دیا ہے وہیں عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔

قرآن مجید ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

(البقرة ۲:۲۲۹)

اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو، سوائے اس کے کہ ان دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یہ دونوں (خاوند، بیوی) حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت مرد کو جو کچھ بدلہ دے کر خود کو چھڑا لے تو اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز مت کرنا۔ اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہ لوگ ظالم ہوں گے۔

یعنی خلع کی صورت میں اگر عورت اپنے خاوند کو کچھ دے کر طلاق حاصل کر لے تو خاوند کو بدلہ میں کچھ لینے میں، عورت کو کچھ دینے میں اور عورت کا طلاق حاصل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

6.1 خلع کی تعریف

لغوی طور پر خلع کا معنی ہے اتارنا۔ کہا جاتا ہے "خلع الرجل ثوبہ خلعاً" اس آدمی نے اپنا کپڑا اتار دیا۔ یہ لفظ زوجیت کو ختم کرنے کے معنی میں خاص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ خاوند اور بیوی کو بھی قرآن مجید میں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ (البقرة۲: ۱۸۷)

وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

زوجیت کا ختم ہونا گویا خاوند اور بیوی دونوں کا لباس زوجیت کا اتارنا ہے۔

فقہاء نے خلع کی جو اصطلاحی تعریفیں کی ہیں ان کی عبارتوں میں فرق ہے۔ احناف کے نزدیک خلع ملک نکاح کے ازالہ کا نام ہے جو عورت کی طرف سے اسے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ مالکی فقہاء کے مطابق معاوضہ پر طلاق دینا خلع ہے۔ شوافع کے نزدیک یہ ایسا قول ہے جس سے خاوند اور بیوی کے درمیان معاوضہ پر علیحدگی ہو۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی یا کسی اور شخص سے معاوضہ حاصل کرکے مخصوص الفاظ کے ذریعہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائے۔

6.2 جواز خلع

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے الفاظ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ" (تو عورت مرد کو جو کچھ بدلہ دے کر خود کو چھڑا لے تو اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔) جواز خلع پر دلالت کرتے ہیں۔

6.3 خلع کے اسباب

بعض فقہاء کے نزدیک خلع صرف اس صورت میں جائز ہے جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خوف اور اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ آیت "إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ" کا ظاہر اس موقف کی تائید کرتا ہے۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ خلع ہر صورت میں جائز ہے، خواہ قیام حدود اللہ کے سلسلہ میں حالت خوف پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النساء ٤:٤)

اگر وہ اپنی خوشی سے اس (مہر) میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں تو اسے ذوق و شوق سے کھاؤ۔

جب عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سے طلاق حاصل کیے بغیر ہی وہ اپنا مہر ہبہ کر سکتی ہے تو بدل

دے کر اپنے نفس کی مالکہ بن جانا عورت کے لیے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

"حُدُوْدُ اللّٰهِ" کی تفسیر میں طاؤسؒ اور قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ معاشرت اور رفاقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر فرض کر دی تھی۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ مثلاً عورت کہے: اللہ کی قسم! میں تیری خاطر جنابت سے کبھی غسل نہیں کروں گی۔

حدود اللہ قائم نہ رکھ سکنے کا خوف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے:

1۔ ایک یہ کہ شوہر اور بیوی دونوں میں سے ایک بد اخلاق ہو یا وہ دونوں ایسے ہوں کہ حقوقِ نکاح میں سے ان پر لازم ہونے والے حدود اللہ کو وہ قائم نہ رکھ سکیں گے۔ ان حقوقِ نکاح کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرة ٢:٢٢٨)

اور ان عورتوں کا حق ان (مردوں) پر اسی طرح ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) ان عورتوں پر ہے۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے لیے دوسرے کے دل میں بغض ہو جس سے باہمی حسنِ معاشرت اور حسنِ سلوک متاثر ہو جائے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو، اس کے لازم کردہ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی و کمی واقع ہو جائے اور ایک بیوی سے ہٹ کر دوسری بیوی کی طرف اظہارِ میلان کرے جس سے منع کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء ٤:١٢٩)

پس تم مت کرنا کہ ایک ہی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا معلق ہوئی ہو۔

جب مندرجہ بالا دونوں میں سے کوئی صورت پیش آ جائے اور مرد و عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے جو حدود لازم کی ہیں انہیں وہ قائم نہیں رکھ سکیں گے تو خلع لینا حلال ہو گا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ چند جملے ایسے ہیں جنہیں اگر عورت کہے تو مرد کے لیے حلال ہے کہ وہ فدیہ لے لے۔ مثلاً وہ عورت اسے کہے: میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی، میں تمہاری کوئی قسم پوری نہیں کروں گی، میں تمہارے لیے کبھی جنابت سے غسل نہیں کروں گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ ہے کہ مثلاً عورت

کہے: میں تمہارے ساتھ بستر پر نہیں لیٹوں گی۔

ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ مرد صرف اس صورت میں اپنی بیوی سے فدیہ لے سکتا ہے جب وہ اس کی نافرمانی کرے اور اس کی کوئی قسم پوری نہ ہونے دے۔

حضرت حبیبہؓ بنت سہل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اپنے شوہر حضرت ثابت بن قیسؓ کے بارے میں کہا: یا میں نہیں یا ثابت بن قیس نہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! ثابت نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ میرے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فرمایا: تم اپنی چیزیں لے لو۔ حضرت ثابتؓ نے حضرت حبیبہؓ سے اپنی چیزیں لے لیں اور حضرت حبیبؓ اپنے والدین کے پاس چلی گئیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کی مندرجہ ذیل روایات جمع کی ہیں:

- حضرت ثابتؓ نے حضرت حبیبہؓ کو مارا تھا جس سے آپ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔
- میں ثابتؓ کے اخلاق اور ان کے دین سے متعلق کوئی عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔
- اب مجھ میں مزید غضب کی برداشت نہیں ہے۔
- میں نے ایک مرتبہ خیمہ کا پردہ اٹھایا تو چند آدمیوں کے ساتھ اپنے خاوند کو آتے دیکھا جو ان سب میں سیاہ فام، چھوٹے قد والا اور بد صورت تھا۔
- اگر مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں ان (ثابت بن قیس) کے منہ پر تھوک دیتی۔

یہ پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔

6.4 بلا سبب خلع طلب کرنا:

جو عورت اپنے خاوند سے بلا وجہ خلع طلب کرے اس کے بارے میں احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔ ایسی عورت کو منافقہ کہا گیا ہے۔ ایسی عورت پر جنت کی خوشبو حرام ہے حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی دوری سے بھی آتی ہے۔

6.5 خلع کا بدل:

جمہور فقہاء کے نزدیک خلع کا بدل لینا جائز ہے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ خلع میں شوہر اپنے دیئے گئے مال سے زیادہ بیوی سے لے تو جائز ہے، قرآن مجید میں ہے۔

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے

عورت کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ دے کر بھی خلع لے سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ابراہیم نخعیؒ، امام مالکؒ، امام لیثؒ، امام شافعیؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

اصحاب الرائے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر قصور اور زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے، لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔ اگر زیادہ لے تو قضاءً جائز ہوگا۔ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہو تو اس کے لیے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر لے لے تو قضاءً یہ جائز ہوگا۔

حضرت علیؓ، امام احمدؒ، قاضی ابو عبیدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، سعید بن مسیبؒ، عطاؒ، زہریؒ، طاؤسؒ، حسنؒ، شعبیؒ اور اوزاعیؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ خاوند کے لیے اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا (البقرۃ ۲:۲۲۹)

اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو

یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ خلع صرف اس میں سے ہوگا جو مرد نے عورت کو دیا ہے، اس سے زیادہ میں خلع نہیں ہوگا۔ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ" یعنی اس میں سے جو تم عورتوں کو دے چکے ہو۔ اس کی ایک دلیل حضرت حبیبہ بنت سہل اور حضرت ثابت بن قیس کا واقعہ بھی ہے جو مختلف روایتوں میں ہے۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھے جو کچھ دیا ہے وہ میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت ثابتؓ نے بطور مہر دیئے گئے دو باغ واپس طلب کیے تھے جو واپس کر دیئے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

: جو تم نے دیا ہے وہ لے لو، اس سے زیادہ مت لینا۔

آیت " فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ" کے عموم کی وجہ سے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خلع مہر سے زیادہ پر درست ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور اکثر ائمہ کا قول ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔

مالکی فقیہ بکر بن عبداللہ مزنی کی رائے ہے کہ شوہر خلع لینے والی عورت سے کچھ نہیں لے سکتا۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا(۲۰)وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (النساء۴:۲۱،۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو بہت سارا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ مت واپس لو۔ کیا تم اسے ناحق اور صریح گناہ سے لینا چاہتے ہو۔ اور کیوں کر تم اسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔

6.6 خلع طلاق ہے یا فسخ؟

جمہور فقہاء کے نزدیک خلع ایک طلاق بائن ہے۔ جصاصؒ کہتے ہیں کہ فقہاء امصار کا یہی قول ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو ایک طلاق قرار دیا ہے۔ خلع کے طلاق ہونے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے جو آپ نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فرمایا تھا جب ان کی بیوی نے ان کی نافرمانی کی تھی "خل سبیلھا" یعنی اس کا راستہ چھوڑ دو۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں "فارقھا" یعنی اس سے جدا ہو جاؤ۔ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی سے فرمایا تھا "ردی علیہ حدیقتہ" یعنی ثابت کا باغ انہیں واپس کر دو۔ اس عورت نے کہا: میں نے ایسا کیا۔ امام جصاصؒ کہتے ہیں کہ یہ بات واضح ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھ سے جدا ہو گیا" یا یہ کہا کہ "میں نے تمہارا راستہ چھوڑ دیا" اور اس کی نیت جدائی کی ہو تو یہ طلاق ہو گی۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کی عادات اور اس کے دین میں کوئی عیب نہیں نکالتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اتردین علیہ حدیقتہ؟" کیا تم ثابت بن قیس کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو فرمایا "اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقة" باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔ اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلع طلاق ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول، اسحاق بن راہویہؒ، امام داؤد ظاہریؒ اور امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق خلع فسخ ہے۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیتا ہے، پھر عورت خلع حاصل کر لے تو اگر خاوند چاہے تو وہ پھر بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہی آیت ہے جس میں پہلے دو طلاقوں کا ذکر ہے، آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرة۲: ۲۲۹)

طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے روکنا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے

اس کے بعد فرمایا

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا (البقرة۲: ۲۲۹)

اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو تم انھیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو

اور پھر اس کے بعد فرمایا

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة۲: ۲۳۰)

پھر اگر اس نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دی تو اب اسے وہ عورت حلال نہیں ہے جب تک وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔

خلع کے بعد تیسری طلاق کو ثابت کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے۔ اگر یہ طلاق ہوتا تو پھر "فَإِنْ طَلَّقَهَا" چوتھی طلاق ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دو طلاق کے ذکر کے بعد خلع کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے

بعد تیسری طلاق کو بیان فرمایا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔

احناف یہ استدلال تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" (طلاق دو مرتبہ ہے) میں دو ایسی طلاقوں کا بیان ہے جو خلع کی صورت میں نہیں دی گئیں۔ ان دو طلاقوں میں رجوع کی گنجائش رکھی گئی اور فرمایا "فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ" (پھر یا تو اچھے طریقے سے روکنا ہے)۔ اس کے بعد ان دونوں طلاقوں کا حکم بیان فرمادیا گیا اگر وہ خلع کی صورت میں ہوں اور ان دونوں میں ممانعت اور اباحت کے مواقع بھی بتلادیئے۔ اس صورت کا ذکر بھی کر دیا گیا جس میں خلع کے بدلے مال لینا جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔ پھر اس ساری بات پر اللہ تعالیٰ کے اس قول کو عطف کیا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة ۲: ۲۳۰)

پھر اگر اس نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دی تو اب اسے وہ عورت حلال نہیں ہے جب تک وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے)

اس کے بعد موضوع دوبارہ دو طلاقوں کی طرف موڑ دیا جو کبھی خلع کی صورت میں ہوتی ہیں اور کبھی غیر خلع کی شکل میں۔ لہٰذا اس میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کہ خلع دو طلاق کے بعد ہوتا ہے اور پھر خلع کے بعد چوتھی طلاق ہوتی ہے۔ اس سے تو یہ استدلال ہوتا ہے خلع حاصل کرنے والی کو طلاق لاحق ہو جاتی ہے۔ فقہائے امصار کا ان آیات کی اسی ترتیب اور ان کے اسی حکم پر اتفاق ہے۔

اگر خلع دینے والے کی نیت دو طلاق کی ہو تو دو طلاقیں ہوں گی اور اگر وہ کوئی لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو یہ ایک طلاق بائن ہو گی، اگر تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

6.7 خلع بغیر عدالت جائز ہے:

خلع عدالت کے بغیر بھی جائز ہے۔ اس بارے میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بغیر عدالت خلع کا جواز کو واجب کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرة ۲:۲۲۹)

تو عورت مرد کو جو کچھ بدلہ دے کر خود کو چھڑا لے تو اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور فرمایا

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ (النساء ٤:١٩)

اور تم انہیں (گھروں میں) مت روکو تاکہ تم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، سوائے اس کے کہ اگر وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی سے فرمایا تھا: کیا تم ثابت بن قیس کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو فرمایا: باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، قاضی شریح، طاؤس، زہریؒ اور متعدد فقہاء کی رائے ہے کہ حکمران کے واسطے کے بغیر بھی خلع جائز ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس خلع کا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے اسے جائز قرار دیا تھا۔

ایک عورت اور اس کا چچا دونوں حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے۔ عورت نے بتایا کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں اپنے شوہر سے خلع لیا تھا۔ جب یہ بات حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کی نکیر نہیں کی تھی۔

قتادہؒ سے روایت ہے کہ زیاد (بصرہ و کوفہ کا گورنر) پہلا شخص تھا جس نے حکمران کے بغیر حاصل کیے جانے والے خلع کا نفاذ روک دیا تھا۔

6.8 اگر شوہر خلع دینے سے انکار کرے

اگر شوہر خلع دینے سے انکار کرے اور بیوی خلع لینے پر بضد ہو تو وہ دونوں اپنے اپنے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث مقرر کریں گے، یہ دونوں ثالث جو فیصلہ کریں اسے فریقین قبول کریں گے۔

6.9 خلع کی عدت

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیبؒ، سلمان بن یسارؒ، سالمؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، زہریؒ، حسنؒ، شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ، لیثؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اکثر اہل علم کے نزدیک خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے۔ حضرت عثمانؓ کی رائے میں خلع کی مدت ایک حیض ہے۔ حضرت ابن عمرؓ تین حیض عدت کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر اور ہم سے بڑے عالم ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ وغیرہ جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی عدت ایک حیض ہی ہونی چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی حضرت حبیبہؓ بنت سہل اور حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء کو خلع کی عدت ایک حیض گزارنے کا حکم دیا تھا۔

6.10 خلع میں رجوع کا حق

چاروں ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک خلع کی صورت میں مرد عدت کے دوران عورت کی مرضی کی برخلاف اس سے رجوع نہیں کر سکتا، کیوں کہ عورت نے مال دے کر خود کو آزاد کرایا ہے۔ زہری وغیرہ کا قول ہے کہ اگر خاوند مال واپس کر دے تو اسے عورت کی مرضی کے خلاف بھی عدت میں رجوع کا حق ہے۔ سفیان ثوریؒ اور داؤد ظاہریؒ کی رائے میں اگر خلع میں طلاق کا لفظ استعمال نہیں ہوا تو یہ جدائی ہے اور خاوند کو رجوع کا حق نہیں ہے اور اگر طلاق کا لفظ استعمال ہوا ہے تو وہ دوران عدت رجوع کر سکتا ہے۔ اس امر پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں رضامند ہوں تو خلع کے بعد دوران عدت نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

خود آزمائی :

1۔ طلاق کی تعریف اور مفہوم پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

2۔ طلاق کے الفاظ پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

3۔ طلاق مسنون کا مفہوم غرض و غایت بیان کریں۔

4۔ طلاق بدعت کا مفہوم اور احکام پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

5۔ عدت کے احکام پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

6۔ خلع کی تعریف اور احکام پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

حوالہ جات

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق

2۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۱۸/ ۱۴۹

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب لا طلاق قبل النکاح

4۔ حوالہ بالا

5۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث ....

6۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّۃَ

7۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۲۶۶

8۔ سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الھزل

9۔ سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الھزل

10۔ جصاص، احکام القرآن ۱/ ۳۳۶

11۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدۃ البائن

مصادر و مراجع

1۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد (م ۲۳۵ھ) کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، دار الفکر، بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء

2۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

3۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ (م ۵۴۳ھ) احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء

4۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد (م ۶۲۰ھ) المغنی شرح مختصر الخرقی، ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، القاهرة ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء

5۔ ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار عالم الکتب، الریاض، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء

6۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ، الحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور۔

7۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث (م ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی۔

8۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ) کتاب الآثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت + المکتبۃ الأثریۃ، جامع مسجد اہلحدیث باغ والی، سانگلہ ہل پاکستان، سال اشاعت ندارد۔

9۔ بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) صحیح بخاری، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور ۱۹۸۰ء

10۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی (م ۴۵۸ھ) السنن الکبریٰ، دار الفکر، بیروت لبنان۔

11۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۸ء

12۔ ثناء اللہ، محمد، پانی پتی، قاضی (م ۱۲۲۵ھ)، تفسیر مظہری، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی ۱۹۹۹ء

13۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) احکام القرآن، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

14۔ خرشی، ابو عبداللہ محمد (م ۱۱۰۱ھ) شرح الخرشی علی مختصر سیدی خلیل، المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ ۱۳۱۷ھ + دار صادر، بیروت۔

15۔ ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

16۔ سایس، محمد علی، تفسیر آیات الاحکام، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

17۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام (م ۲۰۴ھ) احکام القرآن، جمعہ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی النیسابوری (م ۴۵۸ھ)، دار

احیاء العلوم، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء

18۔ شافعی، الام مع مختصر المزنی، دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

19۔ شفیع، مفتی محمد (م) معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۸۶ء

20۔ شیرازی، ابو اسحاق ابراہیم بن علی (م ۴۷۶ھ) طبقات الفقہاء، دار الرائد العربی بیروت لبنان ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

21۔ صابونی، محمد علی، روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن، مکتبہ الغزالی، دمشق سوریہ، طبعہ دوم ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

22۔ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت لبنان ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

23۔ طوسی، ابو جعفر محمد بن الحسن (م ۴۶۰ھ) الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، دار الکتب الاسلامیہ، تہران ۱۳۹۰ھ

24۔ عبد الرزاق، ابو بکر بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ) المصنف، المجلس العلمی ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

25۔ قرضاوی، یوسف، اسلام میں حلال و حرام، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۵ء

26۔ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، (دار الکتاب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء)
انتشارات ناصر خسرو، طہران ایران

27۔ کاسانی، ابو بکر بن مسعود (م ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، المکتبۃ الحبیبیۃ، کانسی روڈ کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء

28۔ کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق (م ۳۲۸ھ - ۳۲۹ھ) الفروع من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، طہران ۱۳۶۲

29۔ کیا ہراسی، علی بن محمد طبری (م ۵۰۴ھ) احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

30۔ مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) المدونۃ الکبری، مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمہ، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء

31۔ محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، دار المعارف النعمانیہ، کرشن پارک لاہور، مسائل اشاعت ادارہ

32۔ محمد، کتاب الآثار، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی پاکستان ۱۴۰۷ھ

33۔ مسلم بن الحجاج (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء

34۔ نسائی، احمد بن شعیب بن علی (م ۳۰۳ھ) سنن نسائی، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی۔

35۔ نووی، یحییٰ بن شرف (م ۶۷۶ھ) المجموع شرح المہذب، دار الفکر۔

یونٹ نمبر...... 13

طلاق کے احکام (2)

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی: ثناء اللہ حسین

یونٹ کا تعارف

خاندانی نظام کا سب سے چھوٹا ایک گھرانہ یا گھر ہے جس کی عموماً ایک مرد اور ایک عورت مل کر بنیاد رکھتے ہیں، اسلام نے معاشرتی نظام کے ایک حصہ خاندانی نظام کی بنیاد اور اس کی عمارت کو اس مضبوط انداز میں تشکیل دیا ہے کہ اسکا کمزور ہونا محال نظر آتا ہے۔ مرد عورت نکاح کے بعد مزید مراحل سے گزر کر کنبہ، برادری، خاندان، قبیلہ اور قوم کی شکل دیتے ہیں۔ اس یونٹ میں اسلامی معاشرتی نظام کی اہمیت، طلاق کی حکمت، عدت کی حکمت، طلاق دینے کا طریقہ، ظہار کی تعریف اور حکم لعان کا طریقہ اور احکام واضح کیے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

1۔ نکاح کی اہمیت اور مفہوم جان سکیں۔
2۔ اسلام میں طلاق کی حکمت اور طریقہ جان سکیں۔
3۔ عدت کی تعریف اور حکمت جان سکیں۔
4۔ عدت کی صورتیں اور ان کی اقسام بیان کر سکیں۔
5۔ طلاق دینے کا طریقہ اور اقسام جان سکیں۔
6۔ ظہار کی تعریف اور حکم جان سکیں۔
7۔ لعان کی تعریف اور طریقہ جان سکیں۔
8۔ ایلاء کی تعریف اور حکم بیان کر سکیں۔

فہرست عنوانات

1- اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام نے معاشرتی نظام کے ایک حصہ خاندانی نظام کی بنیاد اور اس کی عمارت کو اس مضبوط انداز میں تشکیل دیا ہے کہ وہ اس کے اندر دراڑیں یا اس عمارت کر جانا یا زمین بوس ہو جانا تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

خاندانی نظام کا سب سے چھوٹا یونٹ ایک گھرانہ یا گھر ہے جس کی عموماً ایک مرد اور ایک عورت مل کر بنیاد رکھتے ہیں جن کو خاوند بیوی، دولہا دلہن یا زوج زوجہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں اسے مزید مراحل سے گزار کر کنبہ، برادری، خاندان، قبیلہ اور قوم کی شکل دیتے ہیں۔ اسی نظام کے ذریعہ یعنی نوع انسان کا آغاز ہوا اور اسے وسعت ملی جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے

الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: ۱)

"جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے"۔

1.1 نکاح کی اہمیت

اس چھوٹے یونٹ کا آغاز عورت اور مرد کے درمیان ایک دینی معاہدہ کے ذریعہ ہوتا ہے جسے قرآن مجید کی زبان میں نکاح کہتے ہیں۔ ارشاد ہے

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (البقرۃ: ۲۳۵)

"اور عقد نکاح باندھنے کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو"۔

نکاح وہ مقدس عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان ذریعہ ارتباط بنایا ہے۔ دونوں میں سے ہر فرد نکاح کے ذریعے زوج بنتا ہے کیونکہ وہ دوسرے کا جوڑا ہوتا ہے اور اپنے دل میں اس کے درد کی چوٹ محسوس کرتا ہے قرآن مجید نے اس عہد حسن کی تصویر کشی اس طرح کی ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرۃ: ۱۸۷)

"وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو"۔

یہ اشارہ ہے اس طرف کہ زوجین کو باہم متحد، ایک دوسرے کی ستر پوشی کرنے والا، ایک دوسرے کا حامی اور ایک جان دو قالب بنانے والی چیز نکاح ہے۔ کیونکہ اس دینی معاہدہ سے قبل وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اس لحاظ سے اجنبی تھے بلکہ ان میں بعد المشرقین تھا۔ اس ٹھوس بنیاد پر جب عمارت بنتی ہے تو اس کے اثرات صدیوں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے خاوند اور بیوی کے درمیان ایسی محبت، الفت، مٹھاس، مودت اور یکجہتی کے جذبات ابھرتے ہیں کہ جس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

من تو شدم تو من شدم ۔۔۔ من جاں شدم تو تن شدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں ۔۔۔ من دیگرم تو دیگری

میں تیرے اندر گم ہو جاتا ہوں اور تو میرے اندر گم ہو جاتی ہے گویا کہ میں جان بن جاتا ہوں اور تو اس جان کے لئے اس طرح بدن بن جاتی ہے کہ کوئی شخص ہمیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔

1.2 اسلام میں طلاق کی حکمت

ان مضبوط بنیادوں کے باوجود بہت ہی قلیل مواقع ایسے آ جاتے ہیں کہ دو طبیعتیں آپس میں اتفاق کی فضا پیدا نہیں کر سکتیں یا اُن میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی یا اچانک کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے کہ اُن کا اکٹھے رہنا معاشرہ کے لئے نقصان کا باعث نظر آتا ہے تو اس قسم کی نادر الوقوع یا استثنائی صورتوں میں بھی اسلام نے ایک حل پیش کیا ہے۔ کیونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اور اس قسم کی مشکلات کا بہت ہی قلیل تعداد میں معاشرہ میں ظہور پذیر ہونا بھی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ اس موقعہ پر اسلام نے آخری چارہ کار کے طور پر نظریہ ضرورت کے ماتحت، مجبوری اور کراہت کے ساتھ اُن دونوں کو اس بندھن توڑنے کی اجازت دی ہے اور اس کو "تفریق" یعنی علیحدگی یا جدائی کا نام دیا ہے۔

یعنی دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں لیکن اسلام اس کو کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

جس طرح ارشاد ہے:

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرة:۲۳۱)

"انھیں معروف طریقہ سے اپنے پاس رکھو یا معروف طریقہ سے جدا کر دو۔"

اس فراق تفریق یا فرقت کو قرآن مجید دو اور ناموں سے بھی پکارتا ہے۔

1۔ طلاق (آزاد کر دینا) 2۔ سراح (رخصت کرنا)(1)

اس تفریق کے بارے میں حدیث میں وارد ہے:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق(2)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے"۔

ما احل اللہ شیاء ابغض الیہ من الطلاق(3)

"اللہ تعالیٰ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا"۔

عورت اور مرد میں یہ تفریق جسے طلاق یا سراح کا نام بھی دیا گیا ہے کا حلال مگر از حد ناپسندیدہ ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ طلاق ایک رخصت ہے جسے ضرورۃً جائز قرار دیا گیا ہے اسے صرف اور صرف ایسی صورت میں مجبور اختیار کیا جا سکتا ہے جبکہ گھریلو زندگی متاثر ہونے لگے۔ زوجین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت بیٹھ جائے، وہ اس قابل نہ رہیں کہ حدود اللہ پر قائم رہ سکیں اور وہ حقوق زوجیت بھی ادا نہ کر سکیں۔ گویا کہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب دونوں میں اتفاق کی کوئی صورت بھی پیدا نہ ہو سکے تو پھر فراق کو کرہاً اختیار کیا جائے گا۔

1.3 تفریق (فرقہ) کی مختلف صورتیں

خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح کے بندھن کو توڑنا جسے مفسرین عموی طور پر "فرقہ" یعنی علیحدگی جدائی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جسے اردو میں تفریق کہتے ہیں، آٹھ طریقوں سے وقوع پذیر ہو سکتی ہے وہ یہ ہیں:

1۔ طلاق 2۔ خلع 3۔ تفویض 4۔ ایلاء 5۔ ظہار 6۔ لعان

7۔ ارتداد 8۔ عدالت

1۔ پہلے طریقہ میں مرد اپنی آزاد مرضی سے عورت کو نکاح کے معاہدہ سے آزاد کر دیتا ہے۔

2۔ دوسرے طریقہ سے عورت چند شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے مرد سے جدائی طلب کرتی ہے اور مرد اسے نکاح کے بندھن سے آزاد کر دیتا ہے۔

3۔ تیسرے طریقہ میں مرد جدا ہونے کا اختیار نکاح کے وقت یا بعد میں اپنی بیوی کو دے دیتا ہے اور بیوی اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے مرد سے جدا ہو جاتی ہے۔بقیہ تین طریقوں میں مرد اپنی بیوی کے بارے میں کوئی مخصوص الفاظ منہ سے نکال دیتا ہے یا اس پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے اور دونوں میں جدائی ہو جاتی ہے۔ان کی تفصیل آئندہ صفحات پر آئے گی۔

7۔ ساتویں طریقہ میں عورت یا مرد دونوں میں سے کوئی ایک اپنا دین بدل لیتے ہیں یعنی مرتد ہو جاتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں تو ان کے درمیان بھی جدائی ہو جائے گی۔

8۔ آٹھویں اور آخری صورت میں زوجین میں سے کوئی اپنے متنازعہ امور کو حل کرنے کے لئے عدالت یعنی قاضی جج وغیرہ سے مدد طلب کرتا ہے اور عدالت دونوں کی متضاد طبیعت دیکھ کر ان میں جدائی کروا دیتی ہے۔(4)

ان صورتوں میں سے طلاق ایلاء، ظہار، لعان اور ارتداد بہت اہم ہیں جن کا آئندہ سطور میں مطالعہ کیا جائے گا۔

1.4 تفریق کے وقت مرد و عورت کی مختلف کیفیات

جب مرد اور عورت میں جدائی ہو رہی ہو تو اس وقت سابقہ بیان کردہ صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو اس کے رونما ہونے میں سات کیفیات ہو سکتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ سوچ سمجھ کر آزاد مرضی سے
2۔ جبراً کسی خوف کی وجہ سے
3۔ نشہ کی حالت میں
4۔ ازراہ مذاق
5۔ غصہ کی وجہ سے بے قابو ہو کر
6۔ غفلت یا بھول چوک کر
7۔ بے ہوشی کی حالت میں۔

ان کیفیات میں طلاق دینے یا تفریق کے لئے منہ سے مختلف الفاظ نکالنے سے سوچ سمجھ کر، نشہ کی حالت میں، ازراہ مذاق اور غفلت کی حالت میں مفسرین کے نزدیک جدائی واقع ہو جائے گی۔ غصہ کی حالت اور بے ہوشی کی حالت میں اُن کی رائے میں جدائی واقع نہیں ہوگی اور جبراً طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر احناف کے نزدیک تفریق ہو جائے گی لیکن جمہور کے نزدیک نہیں ہوگی۔(5)

1.5 تفریق کے مختلف انداز

عورت اور مرد کے درمیان جب یہ جدائی یا تفریق کا عمل وقوع پذیر ہو رہا ہوگا تو اس کے درج ذیل تین انداز ہو سکتے ہیں:

ا۔ طریقہ کے لحاظ سے

یہ جدائی یا طلاق دو مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

1۔ سنت کے طریقہ سے　　　2۔ بدعت کے طریقہ سے

ان میں پہلے طریقہ کو بعض مفسرین پھر دو اقسام حسن اور احسن میں بھی تقسیم کرتے ہیں۔ اور دوسرے طریقہ کو بھی دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ باعتبار وقت　　　2۔ باعتبار تعداد

2۔ ادائیگی الفاظ کے لحاظ سے

اس تفریق کے لئے الفاظ بھی دو طریقہ سے ادا کئے جا سکتے ہیں۔

1۔ صریح الفاظ　　　2۔ کنائی الفاظ

یہ دو قسمیں مزید تین انواع میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

1۔ تحریری　　2۔ زبانی الفاظ کے ذریعہ　　3۔ اشارہ کے ذریعے۔

3۔ مابعد اثرات کے لحاظ سے

یہ تفریق اپنے مابعد اثرات کے لحاظ سے یعنی منہ سے نکلنے والے الفاظ کے اثرات سے مستقبل پر کس طرح اثرانداز ہوں گے دو اقسام رکھتی ہے۔

1۔ رجعی 2۔ بائن

پھر اس طلاق بائن کی مزید دو اقسام ہیں

1۔ بائنہ صغریٰ 2۔ بائنہ کبریٰ جسے طلاق مغلظہ بھی کہتے ہیں۔

ان تمام کی مختصر تشریح آئندہ سطور میں کر کے پھر ان پانچ صورتوں کا تفصیلی بیان شروع ہو گا۔ اس سے قبل ان الفاظ کا ادراک از حد ضروری ہے:

1۔ عدت 2۔ قروء

1.6 عدت کی تعریف

لغت میں عدت کے لفظ کا مادہ، عدد ہے۔ یہ لفظ تعداد کے معنوں میں مصدر ہے۔ عد کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ چنانچہ کسی شے کا شمار کر لیا جائے تو کہتے ہیں کہ عددت الشئی عدا (یعنی فلاں شے کی گنتی کر لی) اسی طرح "رد ردا" بھی ہے (یعنی اسے واپس دے کر رد کر دیا) لفظاً اس کا اطلاق، عورت کے ایام حیض و طہر پر ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاح شرع میں اس لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کیوں کہ اس کے شرعی معنی محض ایام ماہواری کے نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب (دوسری) شادی کے لیے ان ایام کے پورا ہو جانے کا انتظار کرنا ہے۔ مزید برآں اس کے شرعی مفہوم میں زیادہ وسعت ہے۔ محض مدت حیض و مدت طہر کے انتظار کے علاوہ کبھی کچھ مہینوں کے گزرنے کا انتظار کرنا اور وضع حمل کا انتظار کرنا بھی عدت کہلاتا ہے۔ (6)

مفسرین کے نزدیک اصلاح عدت کی تعریف یہ ہے کہ یہ ایک عدت و مدت مقررہ ہے جو نکاح یا ہم بستری کے آثار ختم ہو جانے کے لئے رکھی گئی ہے۔ اس تعریف میں الفاظ "مدت مقررہ" میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں۔

1۔ حیض والی عورتوں کی عدت تین قروء (یعنی تین بار ایام ماہواری کا آنا) ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرۃ ۔۲۲۸)

ترجمہ: طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں

2۔ وہ عورتیں جنہیں عمر رسیدہ ہو جانے یا کم عمر ہونے کے باعث ایام ماہواری نہیں آتے ان کی مدت عدت تین ماہ ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (الطلاق: ۴)

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔

3۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔

4۔ ایسی عورت جس کے خاوند کی وفات ہو چکی ہے اور حاملہ نہیں ہے اس کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (البقرۃ ۲۳۴)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں، پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔

1.7 عدت کی حکمت

عدت آثار نکاح سے جو کچھ باقی ہے اسے ختم ہو جانے کے لئے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے کچھ مادی آثار ہوتے ہیں جیسے حمل کا ہو جانا اور کچھ اخلاقی جیسے خاوند کا احترام یہ مدت اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ یہ آثار ختم ہو جائیں (یعنی نہ خاوند کا حمل رہے نہ احترام خاوندی رہے تاکہ عورت نکاح ثانی کے لائق ہو جائے) اور لفظ نکاح میں نکاح صحیح نکاح فاسد اور نکاح مشتبہ سب شامل ہیں۔

1.8 عدت کی صورتیں اور ان کی اقسام

عدت کی تین صورتیں ہیں، حمل کی عدت، مہینوں کی عدت اور قروء (یعنی حیض یا طہر) کی عدت، معتدہ سے مراد وہ عورت ہے جس پر عدت واجب ہو جائے۔ پھر عدت خاوند سے علیحدگی پر واجب ہوتی ہے۔ یہ علیحدگی یا تو خاوند کی وفات سے ہوتی ہے جس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وفات کے وقت بیوی حاملہ ہو دوسری یہ کہ وہ حاملہ نہ ہو۔ پہلی صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اور دوسری صورت میں عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ اس عدت کی حکمت یہ ہے کہ ان ایام میں ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق مکمل ہو کر اس میں روح بھی پھونکی جاتی ہے حمل کے بارے میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہنے کیلئے یہ مدت مقرر رکھی گئی ہے۔ یا پھر خاوند کی زندگی ہی میں بوجہ طلاق یا فسخ نکاح کے علیحدگی ہو جائے تو عدت واجب ہوگی۔ اس حالت میں عدت کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم یہ ہے کہ بیوی حمل سے ہو اور زوجیت سے علیحدہ ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ حمل سے نہ ہو اور علیحدگی ہو جائے لیکن وہ عورت حیض والی ہو (یعنی جسے ایام ماہواری آتے ہیں) تو اس کی عدت تین قروء (یعنی حیض یا طہر) کے آنے پر پوری ہوگی۔ تیسری قسم یہ ہے کہ وہ عورت "آئسہ" ہو (یعنی جسے ایام ماہواری نہیں آتے اس کی عدت کی مدت پورے تین ماہ ہے۔ پس معتدہ (عدت گزارنے والی عورت) کی پانچ قسمیں ہوئیں

1) وہ جس کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو

2) وہ جس کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ نہ ہو

3) وہ جسے طلاق مل جائے اور حاملہ ہو

4) وہ جسے طلاق مل جائے اور حاملہ نہ ہو لیکن حیض والی ہو

5) وہ جسے طلاق مل جائے اور "آئسہ" ہو (یعنی اسے ایام نہ آتے ہوں)

عدت تین حالتوں سے باہر نہیں ہے۔ایک تو حمل کی عدت ہے جو وضع حمل سے پوری ہوتی ہے خواہ خاوند سے علیحدگی وفات کے باعث ہوئی ہو یا طلاق کے باعث دوسرے مہینوں کی عدت ہے جو "آئسہ" اور فاتہ الزوج کی عدت ہے تیسرے عدت اقراء ہے کہ تین بار قروء کے وقوع پذیر ہونے سے پوری ہوتی ہے۔(7)

اگر مرد کے نکاح کے بعد عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم نہیں ہوئے یا خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور اس نے ان سے قبل اسے طلاق دے دی ہے تو اس پر کوئی عدت نہیں جس طرح وارد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (الاحزاب:۴۹)

ترجمہ: اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق نہیں جسے تم شمار کرو بس تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو اور بھلے طریق پر انہیں رخصت کر دو

اور اگر اس صورت میں مرد نے طلاق نہیں دی بلکہ وہ خود فوت ہو گیا۔

تو پھر اس عورت پر البقرہ آیت 234 کی رو سے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا ضروری ہے۔

1.9 قروء کے معنی

قروء قاف کی پیش کے ساتھ قرء کی جمع ہے لغت میں اسے کسی ایسی چیز کے آنے جانے کے وقت کو کہتے ہیں جس کا کوئی وقت مقرر ہو بعض اہل لغت کے نزدیک اس سے مراد وقت ہے۔

قرآن میں وارد ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرۃ:۲۲۸)

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے کو روکے رکھیں۔

قروء کے دو معنی عرب میں مروج تھے۔

1۔ طہر (پاکی) 2۔ حیض

1۔ طہر سے مراد وہ ایام ہیں جن میں عورت شرعی لحاظ سے پاکیزہ حالت میں ہوتی ہے یعنی ایام حیض کے علاوہ دن، اگر قروء کا معنی طہر شمار کیا جائے تو اس صورت میں اگر ایک عورت کو مرد نے ایک طہر میں طلاق دی تو وہ مزید طہر انتظار کرے گی اور تیسرا حیض شروع ہوتے ہی اس کی عدت مکمل ہو جائے گی اور طلاق بائنہ ہو جائے گی۔

2۔ حیض سے مراد وہ حالت ہے جس میں عورت شرعی طور پر ناپاکی کی حالت میں ہوتی ہے اور اس سے نماز، روزہ وغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت عموی طور پر عورتوں پر کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن تک طاری رہتی ہے۔ اگر قروء کا معنی حیض لیں تو اس صورت میں اگر خاوند نے بیوی کو مسنون طریقے سے پاکیزگی یعنی طہر کی حالت میں طلاق دی تو وہ تین دفعہ حیض آنے تک حالت عدت میں رہے گی اور تیسری مرتبہ حیض ختم ہونے کے ساتھ ہی عدت مکمل ہو جائے گی اور طلاق بائنہ ہو جائے گی۔

مفسرین کرام نے دونوں معنی استعمال کئے ہیں حنفی مفسرین قروء سے مراد حیض لیتے ہیں لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے اگر حیض کو معتبر مانیں تو عدت کم از کم مدت ساٹھ دن بنتی ہے اور اگر طہر کو معتبر مانیں تو پھر عدت کم از کم مدت تیس دن بنتی ہے۔(8)

1-10 تفریق کے مختلف انداز

طریقہ کے لحاظ سے:

طلاق (تفریق)

1۔سنت 2۔بدعت 3۔حسن 4۔احسن

4-وقت کے اعتبار سے　　　　5-تعداد کے اعتبار سے

1) طلاق دینے کا طریقہ

طلاق کا صحیح طریقہ جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ عورت کو حالت طہر میں آنے کے بعد ہم بستری کئے بغیر ایک مرتبہ طلاق دے۔ پھر ایک طلاق دینے کے بعد اگر چاہے تو دوسرے طہر میں دوبارہ ایک طلاق اور دے دے ورنہ بہتر یہی ہے کہ پہلی ہی طلاق پر اکتفا کرے۔ ان دونوں صورتوں میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے پہلے جب چاہے رجوع کرلے اور اگر عدت گزر بھی جائے تو پھر بھی دونوں کے لئے موقع باقی رہتا ہے کہ باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرلیں۔ لیکن تیسرے طہر میں تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا ہی کوئی موقع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہوسکے۔ رہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں اکٹھی دے ڈالی جائیں جیسے کہ آج کل جہلا کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا آپ اس کو دُرے لگاتے تھے۔(9)

طلاق حسن

یہ ایسی تفریق ہے جس میں شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے اس کے جنسی تعلق قائم ہوچکے ہوں جسے مدخولہ کہتے ہیں ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک طلاق دے پھر دوسرے طہر میں دوسری مرتبہ طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے اس طرح تین طلاقیں مکمل ہوگئیں۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرۃ:۲۲۹)

"طلاق دوبار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا پھر بھلے طریقہ سے اس کو رخصت کر دیا جائے"۔

طلاق احسن

یہ وہ طلاق ہے جس میں شوہر اپنی مدخولہ بیوی یعنی جس کے ساتھ اس کے جنسی تعلقات قائم ہوچکے

ہوں ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دے جس میں اُس سے صحبت نہ کی ہو۔ اور پھر اُس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ہو جائے۔ ایک طلاق کے بعد عدت کا زمانہ مکمل ہو جانے کے بعد یا وضع حمل کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس طلاق میں طلاق حسن کی طرح تین طہر میں تین مرتبہ طلاق نہیں دی جاتی بلکہ صرف ایک مرتبہ طہر میں طلاق دے کر خاوند فارغ ہو جاتا ہے اور بیوی مکمل عدت گزار کر مطلقہ ہو جاتی ہے اور ان میں تفریق مکمل ہو جاتی ہے۔(10)

طلاق بدعت

یہ وہ طلاق ہے جو سابقہ سطور کی روشنی میں حدیث میں بیان کردہ طریقہ کے مطابق نہ دی جائے بلکہ اپنی مرضی کو مدنظر رکھ کر دی جائے۔ اسے غیر مسنون طلاق بھی کہتے ہیں اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1۔ باعتبار وقت 2۔ باعتبار تعداد

باعتبار وقت

اگر کوئی خاوند اپنی مدخولہ بیوی کو ایسے وقت میں طلاق دے جس وقت عورت اپنے مخصوص ماہواری کے ایام میں ہو تو ایسی طلاق بدعی یا طلاق بدعت کہلائے گی۔ اگر یہ صورت حال پیدا ہو تو مرد کو چاہیے کہ وہ رجوع کرلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دی تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا۔(11)

اسی طرح ایسی طلاق جو شوہر اپنی بیوی کو اُس طہر میں دے جس میں وہ اس سے صحبت کر چکا ہو طلاق بدعت کہلاتی ہے۔ عورت کو طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہیے اور وہ بھی وہ طہر جس میں مرد نے عورت سے صحبت نہ کی ہو۔

باعتبار عدد

طلاق بدعت کی دوسری قسم وہ ہے جس میں شوہر اپنی بیوی کو ایک طہر میں ایک طلاق دینے کے بجائے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دے یا کسی بھی حالت میں اپنی بیوی کو یہ کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں یا تجھے طلاق، طلاق، طلاق ہے۔ بدعی طلاق کہلائے گی اور اس سے دونوں میں تفریق پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ طلاق بدعت اس لئے کہلاتی

ہے کہ اس میں اپنی بیوی سے تفریق مسنون ذریعہ سے نہیں کیا گیا بلکہ سنت کی خلاف ورزی کر کے اپنے نفس کی پیروی کی گئی ہے اور سنت کے طریقہ سے ہٹ کر نئی روش اختیار کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ مفسرین متفق ہیں کہ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

2) ادائیگی الفاظ کے لحاظ سے

طلاق صریح

اس سے مراد تفریق کے لئے ایسے الفاظ ادا کرنا جو واضح ہوں اور ان سے کسی صورت میں بھی طلاق کے علاوہ کوئی معنی نہ نکل سکے۔ مثلاً "آج میں تجھے طلاق دے رہا ہوں"، "آج میں تجھ سے ازدواجی تعلقات ہمیشہ کے لئے ختم کر رہا ہوں"، پھر زبان میں طلاق کے الفاظ مختلف اور مخصوص ہوتے ہیں۔ وہ شخص وہ خاص الفاظ منہ سے نکال دے تو وہ طلاق صریح شمار ہوگی۔

پھر یہ الفاظ تین طریقہ سے ادا کئے جاسکتے ہیں زبان کے ذریعہ سے، تحریر کے ذریعہ سے اور اگر کوئی مجبور ہے تو اشارہ کے ذریعہ سے یہ الفاظ ادا کر سکتا ہے۔

طلاق کنائی

اس سے مراد ایسے الفاظ سے طلاق دینا ہے جس سے واضح طور پر تفریق کے معنی ظاہر نہ ہو رہے ہوں لیکن جدائی کے معنی کا اظہار بھی ہو رہا ہو۔ یعنی وہ الفاظ طلاق کے لئے مخصوص نہیں ہوتے، لیکن وہ الفاظ اپنے اندر معنی کے اعتبار سے یہ احتمال ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں طلاق کے لئے استعمال کیا جائے اور قرائن کے ساتھ ان سے طلاق مراد لی جائے۔ اس قسم کے الفاظ کثیر تعداد میں ہے۔ مثلاً "آج تو مجھ سے علیحدہ ہو جا"، "تو مجھ پر حرام ہے"، "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے"، اور "آج تو بائنہ ہو چکی"، "تو اپنی عدت شمار کرنا شروع کر دے" اس طرح کے الفاظ اپنے اندر طلاق کا احتمال رکھتے ہیں لیکن ان سے دوسرا معنی بھی لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان الفاظ میں طلاق کا اشارہ پایا جاتا ہے اس لئے اس کو طلاق کنائی کہتے ہیں۔

چند مفسرین کی رائے میں طلاق کنائی کی صورت میں اگر طلاق دینے والا اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا

تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں ہوگی۔ لیکن بعض مفسرین کے نزدیک اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر کنائی کی طلاق بھی تین طریقوں سے ہو سکتی ہے تحریر کے ذریعہ، قول کے ذریعہ سے، اور کوئی شخص مجبور ہے تو پھر اشارہ سے بھی یہ طلاق دے سکتا ہے۔

3) مابعد اثرات کے لحاظ سے

طلاق سنت کے طریقہ سے دی جائے یا بدعت کے طریقہ سے، صریح الفاظ سے دی جائے یا کنائی الفاظ سے اس کے اثرات تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ شوہر کو اس بات کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ عدت کی مدت پوری ہونے سے قبل اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ دوبارہ ازدواجی تعلقات بحال کر لے جسے رجوع کہتے ہیں اور اس میں کسی دوسرے نکاح کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد بھی شوہر اگر چاہے تو عورت سے دوبارہ نیا نکاح کر لے اسے بائنہ صغریٰ کہتے ہیں۔

1.11 حلالہ کی تعریف

تیسرا یہ کہ شوہر طلاق کے بعد نہ رجوع کر سکے اور نہ ہی دوبارہ نکاح کر سکے، بلکہ اس عورت کی قدرتی طور پر کسی اور مرد سے شادی ہو اور وہ دوسرا شوہر بھی اسے مرضی سے مجبور ہو کر طلاق دے دے تو اب وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اگر وہ چاہے تو نکاح کر کے دوبارہ اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ اس عمل کو مفسرین حلالہ کا نام دیتے ہیں۔ لیکن یہ امر خوب ذہن نشین رہے کہ مصنوعی طور پر حلالہ کا عمل کرنا حرام ہے۔(12)

مابعد اثرات کے لحاظ سے طلاق کی تین اقسام ہیں۔

1۔ رجعی 2۔ بائنہ (بائنہ صغریٰ، بائنہ کبریٰ (مغلظہ))

1.12 طلاق رجعی

رجعی کا لفظ رجع سے نکلا ہے۔ اسی سے ایک لفظ رجوع ہے جس کا معنی لوٹنے، یعنی واپس آنے، پلٹنے کے ہیں

لئے اس کو رجعت بھی کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے۔

فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا (طٰہٰ: ۸۶)

"حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غصہ اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹے"۔

رجوع نکاح کو حسب سابق قائم رکھنے کا نام ہے۔ قرآنی اصطلاح میں مرد کا اپنی زوجہ مطلقہ سے بقیام نکاح و بدوران عدت وبلا رضامندی زوجہ وبغیر مہر جدید جنسی تعلقات کا بذریعہ قول و فعل دوام چاہنا "رجعت" کہلاتا ہے۔ الفاظ قرآنی "فامسکوهن بمعروف" میں امساک، یعنی روکنا، عبارت ہے استدامت ملک قائم سے نہ کہ اعادہ ملک زائل سے۔ اور یہ بغیر عوض اس لئے ہے کہ شوہر اپنی اس ملکیت استمتاع میں تصرف کر رہا ہے جو قائم ہے اور بوقت رجوع زائل نہیں ہوئی۔

مرد کا حق رجوع

جب مرد اپنی زوجہ کو طہر میں یا حیض میں یا مجامعت کرنے کے بعد طلاق دے تو وہ عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو "اعتدی" (عدت شمار کر) کا لفظ فرما کر طلاق دی اور پھر عدت کے اندر رجوع فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق رجعی دی پھر مجامعت کے ذریعہ رجوع فرمایا کیونکہ جب تک عدت باقی ہے نکاح باقی رہتا ہے۔

اگر عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو پھر شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور زوجہ سے شوہر کا رشتہ ازدواج منقطع ہو جاتا ہے۔ چونکہ عدت گزر جانے کے سبب ملکیت نکاح ساقط ہو جاتی ہے اور جو شے ساقط ہو جائے پھر لوٹ کر نہیں آسکتی۔ البتہ فریقین باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اگر طلاق رجعی ہو۔

رجوع کا طریقہ

اگر مرد عدت کے اندر اپنی زوجہ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ پہلے گواہوں کی موجودگی میں اپنی زبان سے رجوع کرنے کا لفظ کہہ دے۔

معاوضہ رجعت

رجعت کے لئے کسی معاوضے کی ضرورت نہیں، کیونکہ رجعت کے ذریعہ اسی چیز کو جو پہلے سے موجود ہے (یعنی نکاح) آئندہ برقرار رکھا جاتا ہے۔ لہذا اس کے لئے معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رجوع کرنے کے لئے عورت کی رضامندی بھی ضروری نہیں۔

رجعت کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رجعت کا حق صرف شوہر کو دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ (البقرۃ: ۲۲۸)

"یعنی ان کے شوہر ان سے رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں"۔

اگر خاوند طلاق رجعی کی صورت میں اپنی مطلقہ بیوی سے بقیام نکاح عدت کے دوران دوبارہ ازدواجی تعلقات بحال کرے یعنی اپنے طلاق والے قول سے رجوع کرے اور دوبارہ طلاق سے پہلے والی زندگی کی طرف پلٹ آئے تو اسے رجعت کہتے ہیں۔

مزید طلاق رجعی سے ایسی طلاق مراد ہے جس میں انقضائے عدت کے بعد فرقت واقع ہوتی ہے اور دوران عدت مرد کو اپنی زوجہ سے بلا تجدید نکاح رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دے مگر طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال نہ کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا طلاق کے ساتھ ایک یا دو کا لفظ بھی استعمال کرے تو یہ طلاق رجعی ہوگی اور مرد عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ (13)

اس لحاظ سے طلاق احسن رجعی ہے اور طلاق حسن بھی تیسری مرتبہ طلاق دینے سے قبل تک رجعی شمار ہوگی۔ مزید ظہار، ارتداد اور عدالت کے ذریعہ تفریق بھی رجعی شمار ہوں گی اور ایلاء میں شوہر مدت کے اندر لوٹنا چاہے تو وہ بھی رجعی تفریق شمار ہوگی۔ مزید یہ اگر خلع کی صورت میں مرد نے عورت کے مطالبہ پر ایک طلاق دی ہے تو وہ بھی رجعی ہے اور اگر تین طلاقیں دی ہیں تو وہ رجعی نہیں ہوگی۔ مگر اکثر مفسرین کی رائے میں خلع ہر صورت میں طلاق بائنہ ہے رجعی نہیں ہے۔

1.13 طلاق بائنہ

لفظ بائن سے مراد توڑ دینا ہے۔ اور طلاق بائنہ سے مراد مرد اور عورت کے درمیان ایسی تفریق ہے جس کی وجہ سے اُن کے مابین رشتۂ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ یہ طلاق دو طریقہ سے واقع ہوتی ہے اور اس کی دو اقسام ہیں۔

1۔ مسنون طریقہ سے طلاق دینے کے بعد عدت کی مدت ختم ہو جانے کے بعد۔

2۔ بدعی طریقہ سے ایک وقت میں تین طلاقیں دینے کے فوراً بعد۔

بائنہ صغریٰ

اس سے مراد ایسی تفریق ہے جس میں عدت گزر جانے کے بعد طلاق مکمل ہو جائے لیکن فریقین باہمی رضامندی سے نکاح کے ذریعہ دوبارہ رشتۂ ازدواج قائم کر سکتے ہوں۔ یعنی اُن کے دوبارہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے فطری طور پر عورت کو کسی اور مرد سے شادی اور اُس سے طلاق لینا جسے حلالہ کہتے ہیں کی ضرورت نہ ہو۔ اس لحاظ سے طلاق احسن، ظہار، ارتداد، عدالتی طلاق وغیرہ طلاق بائنہ صغریٰ شمار ہوں گی۔ کیونکہ ان تمام تفریق کی صورتوں میں عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد فریقین نکاح کے ذریعہ دوبارہ عقد کو قائم کر سکتے ہیں۔

بائنہ کبریٰ (مغلظہ)

طلاق بائن کبریٰ یا طلاق مغلظہ سے ایسی طلاق مراد ہے جس کے نتیجہ میں مرد اس عورت سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس کی مطلقہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے مجامعت کے بعد طلاق حاصل نہ کر لے یا وہ مرد فوت نہ ہو جائے۔ اس کو حلالہ کہتے ہیں جن کی تفصیل سابقہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک طلاق بائن کبریٰ یا مغلظہ اس وقت واقع ہوتی ہے جب کہ مرد اپنی بیوی کو یک وقت یا متفرق اوقات میں بلفظ واحد یا متفرق کلمات سے تین طلاقیں دے دے۔ اس لحاظ سے طلاق حسن اور طلاق بدعت بلحاظ تعداد اور جمہور کے نزدیک لعان اس قسم میں شامل ہیں۔ (14)

2- ظہار

قبل از اسلام مشرکین میں سے کوئی شوہر اگر بیوی کو کہتا کہ تو میری ماں ہے یا کسی اسی قسم کے حرام رشتہ سے تشبیہ دیتا تو وہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ ان کا ان حرام رشتوں سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جیسے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے جنسی تعلقات قائم کرنا ابدی طور پر حرام ہے اسی طرح اب میری بیوی سے بھی میرے اس قسم کے ازدواجی تعلقات ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئے ہیں۔ اس عمل کے لئے وہ مجموعی طور پر یہ فقرہ بولتے "انت علی کظہر امی" "تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" اس فعل کا نام ظہار ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ ایک طلاق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

ظہار لفظ ظہر سے مشتق ہے۔ ظہر کے معنی پیٹ کو پچھلا حصہ کمر ہے کیونکہ کمر میں ریڑھ کی ہڈی ایک انسان کی جاء ہوتی ہے۔ اس لئے عربی میں بسا اوقات ایک انسان کو ظہر سے تشبیہ دے دی جاتی ہے اور ظہار سے مراد اپنی بیوی کی کمر یا پشت ہے یعنی عورت سے ازدواجی تعلقات کو منقطع کر لینا ہے۔

2.1 ظہار کی تعریف

کسی مرد کا اپنی زوجہ کو کسی دائمی حرام عورت مثلاً ماں، بہن یا خالہ یا پھوپھی سے تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔ اسی طرح زوجہ کے کسی عضو کو کسی دائمی حرام عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دینا بھی ظہار کی تعریف میں داخل ہے بشرطیکہ یہ عضو ایسا ہو جس سے سارے بدن کی تعبیر کرنا جائز ہو۔(15)

2.2 ظہار کا رکن

ظہار کا رکن تشبیہ ہے اگر تشبیہ نہ ہو تو ظہار نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ "تو میری ماں ہے" ظہار کی تعریف سے باہر ہے۔

2.3 ظہار کی شرط

ظہار کی شرط یہ ہے کہ شوہر احکام شرع کا مکلف ہو اور تصرف کرنے کی اہلیت رکھتا ہو یعنی عاقل و بالغ ہو۔ عورت اس کی منکوحہ ہو اور ملکیت نکاح قائم ہو۔

2.4 ظہار کا حکم

ظہار کا حکم یہ ہے کہ اصلاً نکاح باقی رہتا ہے مگر جب تک مرد کفارہ ادا نہ کرے اس عورت سے صحبت یا بوس و کنار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ''اگر مرد نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے تو اس پر یہ عورت حرام ہو گئی۔ اس مرد کو اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا یا مساس کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اپنے ظہار کا کفارہ دے''۔(16)

ظہار کا قرآن سے اثبات

ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ(٣)فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا (المجادلہ ۳، ۴)

''یعنی جو لوگ ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے، پھر اسی کام کی طرف جھکتے ہیں جس کو منہ سے کہا، تو ان پر فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کریں باہمی مساس سے پہلے، یہ ایسی بات ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔ پس جس نے غلام نہ پایا تو اس پر دو ماہ کے پے در پے روزے (واجب) ہیں باہمی مساس سے پہلے، پھر جس کو یہ طاقت نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض ہے''۔

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے بارے میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ نے آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر ہو کر شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں نے اپنے شوہر کے پیچھے اپنا شباب کھویا اب جب میں بوڑھی ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظہار کیا اب میں اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتی ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ عورت تھوڑا ہٹی نہ تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

دراصل زمانہ جاہلیت میں عرب میں ظہار کا رواج تھا اور ظہار کرنا طلاق شمار ہوتا تھا۔ شرع اسلام میں اس کی اصلیت کو رد قرار رکھا گیا مگر اس کا حکم طلاق سے بدل کر وطی حرام قرار دے دیا گیا جب تک کہ کفارہ ادا نہ کر دیا جائے، مگر نکاح قائم رہے گا۔ کفارہ ادا کرنے کی کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ (17)

2.5 ظہار کا کفارہ

ظہار کا کفارہ سابقہ بیان کردہ آیت میں عبارۃ النص سے واضح ہوتا ہے، جب کوئی شخص اپنے ظہار والے قول سے رجوع کرے گا تو اسے حسب ترتیب ان تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے ذریعہ کفارہ ادا کرنا پڑے گا، پھر اس کی سابقہ بیوی اس پر حلال ہو جائے گی۔ وہ یہ ہیں

1۔ ایک غلام آزاد کردے

2۔ اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے۔

3۔ اگر اوپر والے دونوں کام نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ فقراء کو کھانا کھلا دے۔

جب کوئی ظہار کرنے والا یہ کفارہ ادا کر دے تو اب اس پر اس کی بیوی حلال ہو جائے گی۔

3- لعان

لعان "لا عن" کا مصدر ہے۔ یہ لفظ لعن سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی "دور کرنا" ہیں کیونکہ لعن کے سبب وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

3.1 لعان کی تعریف

اسلام میں کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگانا جسے اصطلاح میں قذف کہتے ہیں بہت بڑا جرم ہے اس جرم کی سزا اسی کوڑے قرآن مجید سے ثابت ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ (النور: ۴)

"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو۔

جب یہ حکم نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ غیر مرد یا عورت کی بد چلنی دیکھ کر انسان صبر بھی کر سکتا ہے، زبان پر قفل بھی چڑھا سکتا ہے اور معاملے کو نظر انداز بھی کر سکتا ہے لیکن اگر خود اپنی بیوی کی بد چلنی کو دیکھے تو کیا کرے۔ قتل کر دے تو سزا کا مستوجب ہو گا، گواہ ڈھونڈنے جائے تو ان کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا، صبر کرے تو آخر کیسے کرے، پھر رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایسے مقدمات عملاً پیش ہوئے جن میں شوہروں نے اپنی آنکھوں سے یہ معاملہ دیکھا تو اس پر یہ آیات لعان نازل ہوئیں۔

لفظ لعان کا مادہ لَعَن ہے جس سے مراد دوری ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران: ٦١)

"اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جھوٹے پر"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جھوٹا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔ اور طلاق کے اس طریقہ کو بھی قرآن مجید میں لعان سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ شوہر اور بیوی دونوں قسمیں اٹھا کر ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔

زوجین میں سے ہر ایک کی جانب سے قسم کے ساتھ اللہ کی لعنت اور غضب کی شہادت دینا لعان کہلاتا ہے۔
یہ لعان شوہر کے حق میں جھوٹی تہمت اور عورت کے حق میں زنا کی حد (شرعی سزا) کا قائم مقام ہوتا ہے۔
چنانچہ اگر شوہر اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے اور چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر لازم ہوگا کہ یا تو وہ اپنے الزام کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے (اس صورت میں اس پر جھوٹا الزام لگانے کی شرعی سزا یعنی "۸۰ درے" نافذ ہوگی) یا لعان کرے۔

3.2 لعان کا طریقہ

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ حاکم کی موجودگی میں شوہر چار مرتبہ پہلے یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں البتہ ضرور سچا ہوں اس بات میں جو میں نے اس عورت کو زنا کی نسبت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ مرد اپنے لئے یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس زنا کے الزام میں، جو میں نے اس عورت کو لگایا ہے۔ پانچویں مرتبہ اس عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اس کے بعد عورت چار مرتبہ یوں کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ وہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے اس تہمت زنا میں جو اس نے مجھ پر لگائی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ وہ عورت اپنے لئے یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ مرد سچوں میں ہے۔ اس الزام زنا میں جو اس نے مجھ پر لگایا ہے۔(18)

3.3 لعان کا وجوب

لعان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (النور:۶)

"یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس سوائے اپنے وجود کے اور کوئی گواہ نہیں تو ان میں سے ہر شخص ایسی گواہی دے جو اللہ کی قسم کے ساتھ چار گواہوں پر مشتمل ہو اور ہر گواہی میں وہ یہ

کہ وہ راست بازوں میں سے ہے"۔

اس آیت کی شانِ نزول

اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے بارے میں روایت یہ ہے کہ عویمر العجلانی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو (ناجائز حالت میں) پائے اور اسے قتل کر دے تو کیا آپ بھی اسے (قصاص میں) قتل کر دیں گے، اور اگر وہ اسے قتل نہ کرتے تو پھر اسے ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے؟ اس موقع پر لعان کا حکم نازل ہوا۔

لعان کے واجب ہونے کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ وہ مرد اپنی بیوی پر الزام کے اثبات کے لئے چار گواہ پیش نہ کرے۔ چنانچہ جب گواہ موجود ہوں حاکم لعان کا حکم دینے کا مجاز نہیں۔

3.4 اہلیت لعان

مفسرین کے نزدیک لعان صرف ان زوجین کے درمیان ہو سکتا ہے جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ لعان بالغ، مسلمان، آزاد اور عادل افراد کے درمیان ہو سکتا ہے۔ لیکن مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان لعان ہو سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام یا ایک غلام ہو اور ایک آزاد، عادل ہوں یا غیر عادل خواہ وہ دونوں مسلمان ہوں یا مرد مسلمان اور عورت کتابیہ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں زوجین کے لئے کوئی شرط مقرر نہیں کی گئی اور دوسرے یہ کہ لعان شہادت نہیں ہے بلکہ قسم ہے کیونکہ شہادت خود اپنے متعلق نہیں ہوا کرتی۔

3.5 لعان کا اثر

لعان کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب تک لعان باقی رہے گا مرد کے لئے اس عورت سے صحبت کرنا حرام ہو جاتا ہے لیکن لعان کا اثر تحریکی زائل ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر لعان کے بعد مگر قاضی کے تفریق کرانے سے پہلے مرد اپنے نفس کی تکذیب کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے عورت پر جھوٹا الزام لگا تو ایسی صورت میں مرد کے لئے عورت سے (بلا نکاح جدید) صحبت کرنا جائز ہوگا۔ اس طرح اگر قاضی نے تفریق کرا دی اور اس کے بعد مرد نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار

کیا تو زوجین باہمی رضامندی سے نکاح جدید کر سکتے ہیں لیکن اگر لعان قائم رہے گا تو ایسی صورت میں عورت مرد کے لئے دائماً حرام رہتی ہے۔ یہ صورت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک لعان کے سبب دائمی طور پر حرمت واقع ہو جاتی ہے اور وہ کسی بھی صورت میں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

المتلاعنان لا يجتمعان ابداً.(19)

"یعنی لعان کرنے والے (دونوں فریق) کبھی باہم جمع نہیں ہوں گے"۔

لیکن امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ تکذیب کے بعد نہ لعان رہا اور نہ لعان کا اثر۔ لہذا عورت مرد کے لئے پھر حلال ہو سکتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی فرقت دائمی ہو گی اور کسی صورت میں بھی دونوں جمع نہ ہو سکیں گے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک دلائل کے اعتبار سے قوی تر نظر آتا ہے۔

3.6 تفریق بذریعہ لعان

جب مرد و عورت دونوں لعان کر چکیں تو قاضی ان دونوں میں تفریق کرا دے گا۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرا دے مرد و عورت کے درمیان فرقت واقع نہ ہو گی (اگرچہ مرد کے لئے عورت سے صحبت کرنا حرام ہو گا)۔ البتہ زفر اور امام شافعی نفس لعان کے سبب فرقت کے قائل ہیں۔ چنانچہ اگر لعان کے بعد کوئی ایک فریق مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہو گا۔ جب کہ احناف کے نزدیک وراثت کا حکم جاری کیا جائے گا۔

3.7 تفریق بذریعہ لعان کا حکم

احناف کے نزدیک لعان کے قائم رہنے کی صورت میں تفریق بذریعہ لعان ایک طلاق بائن کے حکم میں داخل ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ کے حکم میں ہے اور عورت پر عدت واجب ہو گی۔ نفقہ اور مسکن کی مستحق ہو گی۔

4- ایلاء

ایلاء کا معنی قسم ہے لیکن قرآن مجید میں ایلاء سے مراد کسی خاوند کی اپنی بیوی کے ساتھ ایک مقررہ مدت کے لئے تعلقات ختم کرنے کی قسم کھانا ہے۔ یعنی وہ یہ کہے کہ میں ایک ماہ دو ماہ یا کسی مقررہ مدت تک اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کروں گا۔ (20)

ایلاء کے لغوی معنی "اپنی منکوحہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا" ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اپنی زوجہ سے ایک ماہ یا دو ماہ (مگر چار ماہ سے کم) صحبت نہ کرے گا تو لغت کے اعتبار سے ایلاء ہوگا مگر شرعاً ایلاء نہ ہوگا۔

شرعاً ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک اپنی زوجہ سے جماع نہ کرے گا۔ ایلاء کے لئے شرط ہے کہ وہ قسم کی طرز پر ہو۔ اگر قسم نہ کھائی تو ایلاء نہ ہوگا اور اس پر ایلاء کا کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا۔

حکم قرآنی

ایلاء کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ (البقرۃ:۲۲۶)

"یعنی جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کا انتظار ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ چار ماہ کے اندر اگر رجوع کر لیا تو اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ چنانچہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی منکوحہ سے جنسی تعلقات بحال کر لئے تو اس کے ذمہ قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ (21)

4.1 ایلاء کا حکم

اگر مرد نے اپنی زوجہ سے ایلاء کیا اور چار ماہ کی مدت بلا رجوع (قولی یا فعلی) گزر گئی تو عورت پر ایک طلاق

بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس مدت میں رجوع کر لیتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اس پہ قسم توڑنے کا کفارہ لازم آئیگا۔ جس کا ذکر سورۃ المائدہ آیت نمبر 89 میں ہے اور اگر کوئی شخص رجوع نہیں کرتا تو چار ماہ گزر جانے کے بعد اس کو حاکم یا قاضی مجبور کریگا کہ یا تو طلاق دے یا رجوع کرے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی بیویوں کو اس طرح چھوڑے رہیں۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ خود کو اپنی طرف سے طلاق دیگا۔ مگر یہ طلاق رجعی ہوگی اور مرد کا عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق باقی رہے گا۔

ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد اگر طلاق واقع ہو جائے تو عورت عدت کا آغاز طلاق کے دن سے کریگی اور اپنی عدت کی مدت پوری کریگی۔ (22)

5- ارتداد

عام معنی میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام سے پھر جائے لیکن اصطلاحی معنی میں کسی مسلمان مرد یا عورت کا اسلام کو چھوڑ کر اپنے سابقہ مذہب پر لوٹ جانا یا کسی دوسرے مذہب کو اختیار کر لینا "ارتداد" کہلاتا ہے۔

5.1 ارتداد کا اثر نکاح پر

جمہور مفسرین اس مسئلے میں متفق ہیں کہ اگر کسی عورت کا شوہر اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا اور فسخ کے لئے قضائے قاضی یا حکم حاکم کی ضرورت نہیں۔ اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔

اگر ارتداد شوہر کی جانب سے ہو اور صحبت ہو چکی ہو تو عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی اور اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر عورت مرتد ہو جائے اور صحبت نہ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں وہ کوئی مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی، البتہ صحبت ہو جانے کی صورت میں وہ پورا مہر پانے کی مستحق ہوگی۔ اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہوں اور بعد ازاں اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو نکاح قائم رہے گا لیکن اگر زوجہ اسلام کی طرف لوٹے اور شوہر مرتد ہو جو مسلمان ہو جائے لیکن بعد ازاں مرتد ہو جائے تو وہ عورت اس مرد سے جدا ہو جائے گی۔ اگر ایک مسلمان نے عیسائی عورت سے نکاح کیا اور بعد ازاں وہ دونوں ایک ساتھ مجوسی ہو گئے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام محمد شیبانی کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔

5.2 شوہر کا ترک اسلام

جب شوہر اسلام کو ترک کر دے مگر زوجہ اپنے مذہب پر قائم رہے تو ان کے درمیان مباشرت ناجائز ہو جائے گی۔ اور اگر زوجہ کی عدت کے دوران شوہر مذہب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو دونوں حسب سابق تعلقات زوجیت قائم کر سکتے ہیں اور کسی عقد جدید کی ضرورت نہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح ترک اسلام سے فوراً

ختم نہیں ہوتا بلکہ معلق رہتا ہے۔

5.3 زوجہ کا ترک اسلام

البتہ جہاں تک زوجہ کے اسلام ترک کر دینے کا تعلق ہے اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ مفسرین بخارا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ عورت اسلام چھوڑ کر کوئی بھی مذہب اختیار کرے اس کو قید میں رکھا جائے تاکہ وہ مذہب اسلام کی طرف لوٹ آئے جس کے بعد اس کو سابق شوہر سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ البتہ بلخ و سمرقند کے فقہاء کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اگر وہ عورت اسلام چھوڑ کر کوئی کتابی مذہب اختیار کرلے مثلاً عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح ساقط نہ ہوگا۔ چونکہ کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے لہٰذا مسلمان زوجہ کے کتابی مذہب اختیار کر لینے سے نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہونا چاہیے۔(23)

5.4 تفریق کی نوعیت

جب انکار اسلام شوہر کی طرف سے ہو تو اس کا حکم طلاق کا ہوگا یا فسخ نکاح کا، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک وہ فرقت "فسخ" تصور کی جائے گی۔ کیونکہ ایک سبب کا نتیجہ اس کے قائم مقام کے بدل جانے نہیں بدلتا، لیکن امام محمد کے نزدیک وہ فرقت "طلاق" کے حکم میں ہوگی کیونکہ فرقت شوہر کے اسلام سے منکر ہو جانے کی وجہ سے ہوئی اور اس فرقت کی بنا یہ ہے کہ وہ شوہر کی طرف سے پیدا ہوئی، کیونکہ ملک نکاح اسی کو حاصل ہے۔ چنانچہ اگر شوہر فرقت سے انکار کرے تو عدالت اس میں دخل دے گی تاکہ اس کا ظلم اور سختی دور ہو جائے۔ ایسی صورت میں قاضی تفریق کرانے میں شوہر کا نائب متصور ہوگا، جیسا کہ وہ شوہر کی نامردی کے سبب تفریق کرانے میں شوہر کا قائم مقام ہوتا ہے۔(24)

(واللہ اعلم)

خود آزمائی:

1۔ نکاح کی اہمیت اور مفہوم پر جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

2۔ اسلام میں طلاق کی حکمت اور طریقہ اقسام بیان کریں۔

3۔ عدت کی تعریف اور اقسام قلمبند کیجئے۔

4۔ ظہار کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

5۔ لعان کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

6۔ ایلاء کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

یونٹ نمبر 14

قسم، نذر و کفارہ کے احکام

تحریر: معین الدین ہاشمی

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

اللہ تعالیٰ کی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ قسم کھانا بنیادی طور پر جائز ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کی کثرت نہ کی جائے۔ یہ حلف کبھی واجب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی بے گناہ کو سزا سے بچانے کیلئے قسم کھانا اور کبھی مستحب مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرانے کیلئے یا دفع شر کیلئے قسم کھانی پڑے اور کبھی حرام، اس یونٹ میں، یمین کی معنی اور مفہوم، حکم، قسم کی شرعی ثبوت، قسم کی قسمیں، قسم کا کفارہ، قسم کی حفاظت، نذر، نذر کی شرعی حیثیت وغیرہ زیر بحث لائے گئے ہیں اور آخر میں مزید معلومات کیلئے حواشی و حوالہ جات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ یمین کا مفہوم اور حکم جان سکیں۔
2۔ قسم کی شرعی ثبوت سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
3۔ قسم کی اقسام جان سکیں۔
4۔ قسم کے کفارے کے احکام جان سکیں۔
5۔ قسم کی حفاظت اور احکام جان سکیں۔
6۔ نذر، نذر کی شرعی حیثیت جان سکیں۔
7۔ نذر کی قسمیں جان سکیں۔
8۔ نذر کے صحیح ہونے کی شرائط جان سکیں۔

فہرست

1- یمین قسم سے متعلق قرآنی آیات

قرآن مجید میں قسم سے متعلق آیات مختلف مقامات پر نازل ہوئی ہیں۔ آیات اور ان کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ (آیات کا ترجمہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کیونکہ آئندہ صفحات میں ہر جگہ آیت کے ساتھ ترجمہ نہیں لکھا گیا)۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

(البقرة: ۲۲۵)

"نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بے ہودہ قسموں پر، لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر جن کا قصد کیا تمہارے دلوں اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے"۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

(المائدة: ۸۹ تا ۹۴)

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ (النحل: ۹۱)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (التحريم: ۲)

یمین (قسم)

1.1 یمین...... معنی و مفہوم

از روئے لغت یمین کا لفظ 'دائیں ہاتھ'، 'قوت' یا 'قسم' کے معنی میں آتا ہے۔ یہ لفظ ان تینوں معنوں میں مشترک ہے

بعد میں اس کا استعمال حلف (قسم کھانے) کے لیے ہونے لگا کیونکہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب لوگ باہم کسی بات پر حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر قسم کھاتے تھے۔ اصطلاح میں "قسم اس قوی عہد کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے"۔

1.2 حکم

اللہ کی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ قسم کھانا بنیادی طور پر جائز ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کی کثرت نہ کی جائے۔ یمین یا حلف کی شرعی حیثیت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً:

حلف اٹھانا واجب ہے

جب کہ حلف اٹھانے پر کوئی واجب امر پورا ہوتا ہو۔ مثلاً کسی بے گناہ کو سزا سے بچانے کے لیے قسم کھانا واجب ہے۔

حلف اٹھانا مستحب ہے

اگر اس کے ساتھ کوئی مصلحت وابستہ ہو مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے یا دفع شر کے لیے قسم کھانی پڑے تو قسم کھانا مستحب ہے۔

حلف اٹھانا جرم ہے

جب کہ حرام کام کے ارتکاب کی قسم کھائے۔ مثلاً قسم کھائے کہ شراب پیئوں گا، یہ کہ نماز نہیں پڑھوں گا یا مثلاً اپنے ماں باپ سے تا دم کلام نہیں کروں گا۔ اس طرح کی قسم کھانے والے پر فرض ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ (شرعی طریقے سے تلافی) ادا کرے۔

اس طرح کی اور صورتیں بھی ہیں جن میں قسم کھانا مکروہ ہے یا صرف مباح ہے مستحب نہیں۔ جس طرح حلف اٹھانے کی مختلف صورتیں ہیں بعینہ اس طرح قسم توڑنے کی بھی صورتیں ہیں۔ جیسا کہ اوپر اشارۃً گذر چکا ہے کہ کسی نے گناہ کی قسم کھائی تو اس پر فرض ہے کہ قسم توڑ دے۔ گویا کبھی قسم توڑنا بھی واجب ہوتا ہے۔
اسی طرح کبھی قسم کا توڑنا حرام ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ شراب نہ پیئوں گا تو اس پر فرض ہو گیا کہ قسم پر قائم رہے اور اس کو نہ توڑے۔

1.3 قسم کا شرعی ثبوت

شریعت میں اللہ تعالی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانے کی ایک باضابطہ حیثیت ہے جس پر شریعت کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ دراصل اس کو (قسم کھانے کو) شریعت میں شامل کرنے کی غرض یہ ہے کہ عہد کو پورا کرنے کی ترغیب ہو۔ نیز اللہ تعالی کے نام کی عظمت کا اعتراف ہو۔

قسم قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ (المائدہ: ۸۹)

''یعنی اللہ تعالی تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں کرتا البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا جو تم نے کسی مقصد سے کھائی ہیں''۔

اسی طرح احادیث میں بھی سرورکائنات ﷺ سے قسم کھانا ثابت ہے۔ نیز اس پر علماء امت کا اجماع ہے کہ قسم کھانا شرع میں سے ہے۔

1.4 قسم کی قسمیں

قسم کی چند قسمیں ہیں:

1- یمین لغو (بلا قصد قسم) 2- یمین منعقدہ 3- یمین غموس

1- یمین لغو

وہ بے کار بات جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لغو کہلاتی ہے۔ لغوی قسم جس میں نہ کفارہ واجب ہوتا ہے۔ گویا یہ ایسی قسم ہے جو انسانوں کی زبان پر بلا قصد جاری ہو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا نہ گناہ نہ کفارہ۔ یمین لغو کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ کسی بات کو سچ جانتے یا سچ خیال کرتے ہوئے قسم کھائی جائے۔ بعد میں معلوم ہو کہ وہ بات صحیح نہیں تھی۔ تو یہ قسم بھی لغو قرار دی جائے گی۔ اس سے متعلق ارشاد باری تعالی ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ (المائدہ: ۸۹)

''نہیں مواخذہ کرتا اللہ تمہاری لغو (بے ہودہ) قسموں پر''

2- یمین منعقدہ

وہ قسم ہے جس کے ٹوٹنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم مستقبل کے کسی کام پر کھائی جائے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں کل روزہ رکھوں گا تو یہ منعقدہ ہے۔ اب اگر اس نے روزہ نہ رکھا تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔

3- یمین غموس

غموس کے معنی ڈبو دینے والی چیز ہے۔ غموس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم کھانے والے کو گناہ میں غرق کر دیتی ہے۔

"غموس" یہ ہے کہ کوئی شخص عمداً جھوٹ پر قسم کھائے۔ یعنی کسی واقعے کے متعلق دانستہ جھوٹی قسم کھائے اور یہ علم ہو کہ یہ جھوٹی بات ہے۔ ایسی قسم کا کفارہ نہیں، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِهِمْ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

"جو لوگ اپنے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں"

جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ایسی قسموں پر وعید آ رہی ہے لیکن کفارہ کا ذکر نہیں۔

1.5 قسم کا کفارہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدہ: ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تم سے لغو قسم کو توڑنے پر مواخذہ نہیں فرماتے لیکن تمہاری آئندہ ساتھ مقرر و مستحکم قسموں کو توڑنے پر مواخذہ فرماتے ہیں۔ سو اس قسم کو توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا جو اپنے گھر والوں کو دیتے ہو کپڑا یا دس محتاجوں کو اور جس کو ان میں سے کسی چیز کی استطاعت نہ ہو تو پھر اس قسم کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں۔ یہ تمہاری ان

قسموں کا کفارہ ہے جو تم نے کھائیں"۔

اس آیت میں قسم کی دو قسموں کا ذکر ہے اور ایک قسم پر کفارہ کی بحث ہے۔ قسم کی ایک قسم جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یمین لغو ہے۔ اور دوسری قسم یمین منعقدہ ہے۔

یمین لغو کا حکم یہ ہے کہ اس پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ۔

1.6 یمین منعقدہ کا کفارہ

اس قسم کو توڑنے پر کفارہ دینا لازم ہے۔ اس کے کفارہ کے طور پر آیت مذکورہ میں تین کاموں کا اختیار دیا گیا ہے۔

1- دس محتاجوں کو متوسط درجہ کا کھانا۔ فقہاء احناف آیت " من اوسط ما تطعمون " سے استدلال کرتے ہیں کہ دس محتاجوں کو دو وقت کا کھانا دیا جائے۔ کیونکہ عام حالات میں آدمی چوبیس گھنٹوں میں تین اوقات میں کھانا پکاتے ہیں چنانچہ تین اوقات میں کم از کم کھانا ایک دفعہ اور اوسطاً دو مرتبہ ہوتا ہے لہذا کفارہ طور پر دس محتاجوں کو صبح و شام اور دو وقت کا اوسط درجہ کھانا کھلانا اس قسم کا کفارہ ہوگا۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو المائدہ:۸۹ کے ذیل احکام القرآن للجصاص والجامع لاحکام القرآن للقرطبی کی بحث) امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی اور بعض دیگر آئمہ کے نزدیک صرف ایک وقت کا کھانا دس محتاجوں کو کھلا دینے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

2- یا دس محتاجوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دیا جائے۔

3- یا کوئی غلام یا لونڈی آزاد کر دیا جائے۔

اگر ان مذکورہ بالا میں سے کسی کام کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھنے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

1.7 لگا تار تین روزے

بعض روایات میں تین دن مسلسل لگا تار روزے رکھنے کا حکم آتا ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر آئمہ کا مسلک ہے کہ قسم کے کفارہ کے لئے تین روزے مسلسل رکھنا ضروری ہیں۔

1.8 کھانے کی رقم ادا کرنا

آیت مذکورہ میں قسم کے کفارہ سے متعلق لفظ 'اطعام' آیا ہے۔ عربی لغت میں اس کا معنی کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں اور کسی کو کھانا دے دینے کے بھی۔ اس لئے فقہاء کرام نے یہاں دونوں امور کا انتخاب روا رکھنے کی بحث کی ہے۔ یعنی یا تو کھانا کھلائے یا پھر کھانے کی رقم دیدے۔ پہلی صورت میں متوسط درجہ کھانا کھلا دینا کافی ہے لیکن دوسری صورت میں ایک فطرانہ کے برابر گندم (پونے دوسیر) یا اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

1.9 قسم ٹوٹنے سے قبل کفارہ کی ادائیگی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ

''یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ''۔

سے استنباط کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر فقہاء نے یہ کہا کہ حلف کی خلاف ورزی ہو جائے تب کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ یعنی کفارہ کی ادائیگی قسم ٹوٹنے کے بعد ہونی چاہئے۔ قسم توڑنے سے قبل اگر کفارہ دیا جائے تو وہ معتبر نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ کفارہ لازم ہونے کا سبب قسم توڑنا ہے چنانچہ جب تک قسم نہیں ٹوٹی تب تک کفارہ واجب نہیں ہوا۔

1.10 قسم کی حفاظت

آیت کے آخری حصہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ

''اپنی قسموں کی حفاظت کرو''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ بلاضرورت طبعی یا شرعی قسم کو نہیں توڑنا چاہئے۔ حفاظت قسم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جب تک شدید مجبوری نہ ہو قسم نہیں کھانی چاہئے۔

قسم کی حفاظت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا یا قسم کھائی تو (اگر غیر شرعی نہ ہو تو) اس کو نبھانا بھی ضروری ہے۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن کے مؤلف علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جس کام کی قسم کھا کر مخالفت کی

جائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں بھی بعض صورتوں میں اس پر کفارہ لازم ہے۔

ایسے امور کی حفاظت و پاسداری سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا (النحل: ۹۱)

"اور پورا کرو اللہ کا عہد جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن"۔

1.11 نیک کام نہ کرنے کی قسم کھانا

بعض لوگ کسی بھلے اور اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں یا کسی حلال شے کو قسم کے ذریعہ اپنے اوپر حرام کر دیتے ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ایسے قسم کھانے سے منع کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1- وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقرة: ۲۲۴)

"اللہ کے نام مبارک کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب (رکاوٹ) مت بناؤ کہ تم نیکی اور تقویٰ اور صلاح کے کام کرو دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایسی قسم نہ کھاؤ کہ ہم فلاں نیک کام نہ کریں گے۔

2- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (المائدہ: ۸۷)

"اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں (خواہ ان چیزوں کا تعلق کھانے پینے اور پہننے کی صنف سے ہو یا منکوحات کی صنف سے) ان حلال اشیا کو قسموں کے ذریعہ اپنے آپ پر حرام نہ کرو اور (حلال و حرام سے متعلق) حدود شرعیہ میں زیادتی نہ کرو۔

3- ایسی قسم کھانا گناہ ہے اور اس قسم کو توڑنا ضروری ہے۔

4 ایسی قسم توڑنے پر قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

نوٹ

کسی حلال شے کو اپنے اوپر حرام کر دینے سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ التحریم کی آیت نمبر ۲۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۸/۴۹۶۔

1.12 بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم (ایلاء)

بعض لوگ اپنی بیویوں سے قربت نہ کرنے کی قسم اٹھا دیتے ہیں۔ اس کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔

1- قسم میں قربت نہ کرنے کی کوئی مدت معین نہ کرے۔

2- چار مہینے کی قید لگا دے کہ چار ماہ تک بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔

3- چار ماہ سے زائد مدت کی قید لگا دے۔

4- چار ماہ سے کم مدت کی قید لگا دے۔

اس میں پہلی تین صورتوں کو شریع میں 'ایلاء' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور بیوی سے قربت کر لے تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا اور نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم نہیں توڑی تو عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اب دوبارہ نکاح کے بغیر حلال نہیں ہو گی۔ اس حکم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (البقرة:۲۲۶)

"جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی بیوی کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر باہم مل جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

2۔ نذر

نذر کی جمع نذور ہے جس کو اردو میں منت کہا جاتا ہے۔ نذر یہ ہے کہ مکلف انسان اپنے اوپر کوئی ایسی بات واجب کر لے جسے شریعت نے ضروری نہ قرار دیا ہو۔ نذر کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُم (الحج: ۲۹)

"چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں"۔

علاوہ ازیں قرآن میں جہاں اچھے لوگوں کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا تو ان میں نذر پوری کرنے والوں کا ذکر بھی ہے کہ ایسے لوگ جب نذر مان لیتے ہیں تو پھر اسے پورا بھی کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (الدهر: ۷)

"پورا کرتے ہیں منت کو"

2.1 نذر کی شرعی حیثیت

منعقد ہونے والی نذروں کی کئی حیثیتیں ہیں مثلاً:

2.2 درست اور مستحب نذر

اس سے مراد وہ نذر ہے جس میں کوئی کام، شکر الٰہی بجالانے کے طور پر کوئی شخص اپنے اوپر واجب کر لے۔ جب کہ اس کو نعمت حاصل ہو یا اللہ کا انعام اس پر ہو یا کوئی مشکل ٹل گئی ہو۔ مثلاً کسی نے ثواب کی نیت سے نذر مانی کہ اگر وہ فلاں تکلیف سے اللہ تعالیٰ نے نجات دلا دی یا اس مریض کو اللہ نے شفا دی، یا رزق یا علم عطا کیا تو وہ شکر الٰہی میں فلاں کام کرے گا تو یہ ایک مستحب ہونا اس لیے ہے کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم آیا ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے منت مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے گا اور جس نے اس نافرمانی کی منت مانی وہ اس کی نافرمانی نہ کرے"۔

2.3 مکروہ نذر

اسی طرح اگر کسی نے کوئی منت ناپسندیدہ فعل کے لیے مانی مثلاً یہ کہ میں ہر روز روزہ رکھوں گا حالانکہ ایسا کرنا انسان کے لیے دشوار ہے تو یہ منت مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ بات ہو جائے تو بہر حال منت کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے ورنہ پورا کرنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا:

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے سارا زمانہ روزے رکھنے کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ جس پر آپ ﷺ نے انھیں ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے کا حکم دیا۔

2.4 نذر کی قسمیں

حنفیہ کہتے ہیں کہ نذر کی دو قسمیں ہے:

ایک 'نذر مشروط' یعنی وہ نذر جو کسی امر پر موقوف ہو۔ مثلاً اگر میرے مریض کو اللہ نے شفا دی تو مجھ پر یہ کچھ لازم ہوگا۔ اس نذر کا پورا ہونا مریض کے شفایاب ہونے پر موقوف ہے۔ اور اگر مراد پوری ہو تو ایسی نذر کا انجام دینا لازم ہوگا۔

دوسری 'نذر مطلق' یعنی جس میں کوئی شرط نہ ہو۔

2.5 نذر کے صحیح ہونے کی شرائط

1- جس بات کی نذر مانی گئی ہے وہ ایسے اعمال کی قسم میں سے ہے جو شرعاً فرض یا واجب ہیں مثلاً نماز، صدقہ، روزہ وغیرہ۔ مثلاً کسی نے منت مانی کہ میں نفل روزہ رکھوں گا تو ایسی نذر پورا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ روزہ رمضان میں فرض ہوتا ہے۔ یہی حال صدقہ، نماز وغیرہ کا ہے۔ تاہم علماء امت نے اعتکاف کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری قرار دیا ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تھی جس کے متعلق آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس نذر کو پورا کریں۔

2- جو بات مانی جائے وہ مقصودی عبادات (جو بذات خود مقصود ہوں) میں سے ہو۔ اگر غیر مقصودی عبادات (مثلاً وضو جو خود مقصود نہیں، نماز کے لیے ہے) کی نذر مانی تو درست نہیں۔ اسی طرح مثلاً اذان دینے، جنازہ کے ساتھ چلنے، بیمار پرسی کرنے کی نذر ماننا بھی اسی میں شامل ہیں۔

3- مانی ہوئی کوئی نذر فعل گناہ نہ ہو۔ لہذا کسی شخص کو قتل کرنے کی منت ماننا، شراب پینے، بدکاری کی نذر ماننا ناجائز ہے۔ اس کو توڑنا (کیونکہ یہ قسم کی طرح ہے) ضروری اور کفارہ دینا لازم ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ:

"لا نذر فی معصیة الله و کفارته کفارة یمین"۔

"اللہ کی معصیت میں کی کوئی نذر نہیں اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے"۔

لیکن اگر کسی نے ایسی چیز کی نذر مانی جو کسی عارضی سبب سے حرام ہے مثلاً عید کے روزے رکھنا (یہ عید کی وجہ سے حرام ہے اصل میں نہیں) تو ایسی نذر صحیح ہوگی لیکن عید کے دن کی قید شرط لغو ہو جائے گی اسی طرح نذر مانی کہ میں بغیر وضو کے دو رکعت نماز پڑھوں گا تو نذر صحیح ہے اور شرط لغو۔ لہذا نماز لازم ہوگی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کیا جائے جو خود مشروط ہے (مثلاً نماز کے ادا کے لیے طہارت شرط ہے) تو اس کے ساتھ اس کی شرط پر بھی لازم ہوگی۔

4- مانی ہوئی بات وہ نہ ہو جو پہلے سے کسی شخص پر فرض ہو مثلاً کسی نے اسلامی شرائط کے موافق حج کرنے کی منت مان لی اگر مجھ پر حج فرض ہوا تو حج کروں گا تو اس پر صرف فرض حج ہی لازم ہے اور منت ماننا بے کار۔

5- ایسی بات کی نذر نہ مانی جائے جس کا وہ مالک ہی نہیں مثلاً کسی کے پاس سو روپے ہیں اور وہ ایک ہزار روپے خیرات کی نذر مانے تو صرف سو ہی دینا لازم ہوں گے۔

6- جو منت مانی ہے اس کا بجا لانا ممکن ہے لہذا اگر کسی نے امر محال میں کی منت مانی مثلاً کسی عورت نے منت مانی کہ میں کل روزہ رکھوں گی اور اگلے روز وہ حائضہ ہوگئی تو یہ منت بے کار ہوگی۔

7- کسی اور شخص کی مملوکہ چیز کے بارے میں بھی منت ماننا درست نہیں۔

(ا) نذر کے لیے کسی خاص وقت، خاص رقم یا خاص محتاج کی قید نہیں لگائی جا سکتی لیکن اگر کسی نے اس طرح کی قید لگائی تو اس کے خلاف کرنا بھی درست ہے مثلاً کہا کہ یہ رقم فلاں علاقے یا فلاں محتاجوں کو دوں گا تو دوسروں کو دینا بھی جائز ہے اسی طرح کہا کہ جمعہ کے دن فلاں رقم دوں گا تو ہفتہ کو دینا بھی جائز ہے۔

(ب) منت ماننا زبان سے کہنے پر منحصر ہے۔ یعنی جب تک یوں نہ کہے کہ میں نے یہ منت مانی ہے یا مجھ پر یہ لازم ہوگیا ہے تو منت صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ آرام ہوگیا تو روزہ رکھوں گا تو ایسا کہنے سے منت نہ ہوگی۔ ہاں نیک کام سمجھ کر روزے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

(ماخوذ از احکام القرآن للجصاص معارف القرآن از مفتی محمد شفیع)

خود آزمائی:

1- قسم سے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ قلم بند کیجئے۔

2- یمین کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔

3- قسم کی شرعی حیثیت پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلم بند کیجئے۔

4- قسم کے کفارہ پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

5- نذر کا مفہوم واضح کریں۔

6- نذر کی اقسام پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

7- نذر کے صحیح ہونے کی شرائط بیان کریں۔

ماخذ

1- ابن منظور: لسان العرب، نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران

2- ابوداؤد۔ سنن ابی داؤد

3- تقی عثمانی: علوم القرآن۔ مکتبہ دارالعلوم، کراچی۔ ۱۳۱۱ھ

4- جامع الصحیح للبخاری'. کتاب التعبیر

5- راغب: "المفردات فی غریب القرآن" نور محمد کتب خانہ، کراچی

6- زرکشی: البرھان فی علوم القرآن۔ بیروت ۱۹۸۰

7- سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر

8- زرقانی: "مناہل العرفان" دارالفکر۔ بیروت

9- شمس الحق افغانی: علوم القرآن۔ الحمد اکیڈمی، لاہور

10- صبحی صالح: مباحث فی علوم القرآن۔ اردو ترجمہ (علوم القرآن) ملک سنز

یونٹ نمبر......15

مطعومات ومشروبات کے احکام

تحریر: ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں
نظر ثانی: ۔ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کی تعریف

شریعت اسلامی نے تمام اشیاء انسان کیلئے مباح ٹھہرا دی ہیں سوائے چند ایک کے اسی لئے شریعت اسلامی میں حلال اشیاء کا دائرہ بہت وسیع اور حرام اشیاء کا دائرہ بہت محدود ہے۔

ان حلال و حرام اشیاء میں دیگر چیزوں کے علاوہ مطعومات اور مشروبات بھی شامل ہیں

اسلام میں اشیاء کو حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اور صرف شارع کو حاصل ہے۔ شارع نے جس چیز کو حلال ٹھہرایا وہ قیامت تک حلال ہے اور جسے اس نے حرام قرار دیا وہ قیامت تک حرام ہے۔

شارع نے جو مطعومات حرام قرار دیئے اس میں انسان کیلئے عافیت ہے جنہیں اس کیلئے حلال ٹھہرایا وہ اس کیلئے نعمت اور جن کے بارے میں شارع نے خاموشی اختیار کی وہ انسان پر احسان ہے۔

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہے، اس اطاعت و فرمانبرداری کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ حرام مطعومات و مشروبات کی خباثتوں اور مضرتوں کو جان لے جن کی وجہ سے شارع نے انہیں حرام ٹھہرایا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ یہ بیان کر سکیں کہ :

1- قرآن کریم میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں اس کی تفصیل و تفسیر سمجھ سکیں۔

2- ذبح کے بارے میں احکام بیان کر سکیں۔

3- مباح مطعومات کی تفصیل سے آگاہ ہو سکیں۔

4- شکاری جانور کے ذریعے شکار شدہ جانور کے حلال ہونے کی شرائط بیان کر سکیں۔

5- حرام چیزوں کا بطور دوا استعمال کے بارے میں احکام بیان کر سکیں۔

6- اسلامی آداب اکل و شرب بیان کر سکیں۔

فہرست عنوانات

1- مطعومات و مشروبات کے احکام

● اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لیے بنایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة ۲:۲۹)

وہی اللہ تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں۔

یہ سب چیزیں انسان کے لیے صرف پیدا ہی نہیں کیں بلکہ ان کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ (الجاثية ۴۵:۱۳)

اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔

● اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے اناج، پھل اور چارہ پیدا کیے اور ان سب چیزوں میں انسان اور اس کے مویشیوں کے لیے فوائد رکھ دیے ہیں۔بلا شبہ سب سے بڑا فائدہ انھیں کھانا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ(۲۴)أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا(۲۵)ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا(۲۶)فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا(۲۷)وَعِنَبًا وَقَضْبًا(۲۸)وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا(۲۹)وَحَدَائِقَ غُلْبًا(۳۰)وَفَاكِهَةً وَأَبًّا(۳۱)مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ(۳۲) (عبس ۸۰:۲۴ تا ۳۲)

● پس انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔بے شک ہم ہی نے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے زمین کو شق کیا، پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا، اور انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجور، اور گھنجان باغات، اور میوہ اور چارا۔(یہ سب کچھ) فائدہ ہے تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لیے۔

شریعت اسلامی نے تمام اشیاء انسان کے لیے مباح ٹھہرا دی ہیں سوائے چند ایک کے۔اسی لیے شریعت اسلامی میں حلال اشیاء کا دائرہ بہت وسیع اور حرام اشیاء کا دائرہ بہت محدود ہے۔حرام اشیاء کو وضاحت کے ساتھ بیان

بھی کر دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام۶:۱۱۹)

اور اس (اللہ) نے جو چیزیں تمہارے لیے حرام کی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں۔

اسلام ایک قوی مومن چاہتا ہے۔اسی لیے قوی مومن کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب، بہتر اور افضل کہا گیا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المومن القوی خیر و افضل واحب الی الله عزوجل من المومن الضعیف(1)

قوی مومن ضعیف مومن سے بہتر، افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

لٰہذا شریعت کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین، بہتر اور افضل بنانے کے لیے مومن خود کو قوی بنائے۔جسم انسانی کی قوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مطعومات و مشروبات کا اہتمام فرمایا ہے۔شارع نے جن مطعومات اور مشروبات کو حلال اور حرام قرار دیا ہے ان کے حلال اور حرام ہونے ہی میں انسان کی مصلحت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے اور وہ ہی اپنی اس تخلیق کی مصلحتوں اور مضرتوں سے آگاہ ہے۔

دینِ اسلام میں اشیاء کو حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اور صرف شارع (اللہ تعالیٰ اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ) کو ہے۔شارع نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا وہ قیامت تک حرام ہے اور جسے اس نے حلال قرار دیا وہ قیامت تک حلال ہے۔ان حلال و حرام اشیاء میں دیگر چیزوں کے علاوہ مطعومات اور مشروبات بھی ہیں۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض اشیاء کھاتے تھے اور بعض کا کھانا ترک کر رکھا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث کیا، اپنی کتاب نازل کی، حلال کو حلال قرار دیا اور حرام کو حرام قرار دیا۔پس جسے حلال قرار دیا وہ حلال ہے، جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار کی وہ معاف ہے۔

شارع نے جو مطعومات اور مشروبات حرام قرار دیے اس میں انسان کے لیے عافیت، جنہیں اس کے لیے حلال ٹھہرایا وہ اس کے لیے نعمت اور جن کے بارے میں شارع نے خاموشی اختیار کی وہ انسان پر احسان ہے۔ایک مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہے۔اس اطاعت و فرماں برداری کے لیے

ضروری نہیں ہے کہ وہ حرام کردہ مطعومات و مشروبات کی خباثتوں اور معرتوں کو جان لے جن کی وجہ سے شارع نے انھیں حرام ٹھہرایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی حرام چیز کی معرتوں سے متعلق انسان کا علم کم ہو اور انسانی تحقیق ابھی تک اس چیز کے نقصانات کو آشکار نہ کر سکی ہو۔ مومن حلت و حرمت کی علتوں میں نہیں پڑتا، وہ تو دنیوی اور اخروی زندگی میں فلاح و نجات کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ مطیع و فرماں بردار رہتا ہے۔

1- مطعومات

1.1 حرام مطعومات

قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ

(البقرة ۲ : ۱۷۳)

بس اس (اللہ) نے تم پر حرام کیا ہے مردہ جانور خون اور سور کا گوشت اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

سورۃ المائدۃ میں ارشاد ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدة ۵:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار، اور خون، اور سور کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو چوٹ لگنے سے مر جائے اور جو بلندی سے گرنے سے مر جائے اور جو کسی کر لگنے سے مر جائے اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر تم اسے ذبح کر لو تو حرام نہیں ہے، اور حرام ہے جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔

سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے:

قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ (الأنعام ٦:١٤٥)

(اے نبی!) فرما دیں کہ میں تو جو وحی میری طرف اتاری گئی ہے اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر وہ جو مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت کہ بے شک وہ ناپاک ہے، یا وہ گناہ کی چیز جس پر اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

سورۃ النحل میں فرمانِ الٰہی ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

(النحل ١٦:١١٥)

بس اس (اللہ) نے تو تم پر حرام کیا ہے مردہ جانور، خون اور سور کا گوشت اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے مطعومات میں سے بعض حرام کی جانے والی اشیاء بیان فرمائی ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تردید بھی کی ہے جنہوں نے بعض اشیاء کو از خود حرام بنا رکھا تھا اور بعض ان جانوروں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہیں لیکن جن سے مشرکین کہ پرہیز نہیں کرتے تھے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 173 اور سورۃ النحل کی آیت 115 میں مذکور لفظ (إِنَّمَا) حصر کے لیے آیا ہے۔ جس سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کفار نے جن چیزوں کو از خود حرام بنا رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ نہیں ہیں بلکہ اس نے تو صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں جن کا ذکر آگے کیا جا رہا ہے ان کے سوا کچھ حرام نہیں ہے۔ (إِنَّمَا) چوں کہ حصر اضافی ہے اس لیے احادیث سے دوسری چیزوں کی جو حرمت ثابت ہے وہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں جو چیزیں کھانے کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں ان کی تفصیل و تفسیر حسب ذیل ہے:

1.2 اَلْمَيْتَةُ، مردار

شریعت اسلامی میں مردار وہ جانور ہے جو ذبح کیے بغیر مر گیا ہو، البتہ شرعی طور پر اس میں ذبح ہونے کی قابلیت ہو۔ کبھی مردار کا سبب اس کی طبعی موت ہوتا ہے اور کبھی کوئی انسانی فعل مگر یہ فعل جانور کو ذبح کرنا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مردار کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے جس میں اس سے منافع کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ لہٰذا جہاں کسی انسان کے لیے مردار کھانا جائز نہیں ہے وہیں کسی جانور کو بھی مردار کھلانا درست نہیں ہے۔ مردار کا کھانا اس لیے حرام کیا گیا

ہے کہ اس کے اندر موجود خون مضر صحت ہوتا ہے، جب کہ ذبح کی صورت میں یہ خون جسم سے بہہ جاتا ہے۔

مردار کی کئی شکلیں ہیں:

1.3 اَلْمُنْخَنِقَةُ، گلا گھٹنے سے مردار

یہ وہ مردار ہے جس کا گلا گھٹ جائے، خواہ کسی نے جانور کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا ہو یا اس کا گلا خود گھٹ گیا ہو۔ مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا جانور بھاگنے لگا، یا گلے میں پھندا پڑ گیا اور کھینچا تانی میں گلا گھٹ کر جانور مر گیا۔

1.4 اَلْمَوْقُوْذَةُ، غیر تیز دھار آلہ کی چوٹ سے مردار

یہ وہ مردار ہے جو کسی غیر تیز دھار چیز کی چوٹ لگنے سے مر جائے۔ مثلاً وہ جانور لکڑی، لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو یا وہ اس طرح تیر لگنے سے مارا گیا ہو کہ تیر دھار کی طرف سے نہ لگا ہو۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ جانور کو لٹھ سے بھی مارتے اور پھر اسے کھاتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض (بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو) سے شکار کے متعلق دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اصبت بحده فكل فاذا اصاب بعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تاكل(2)

اگر اسے تیر کی دھار لگے تو تم اسے کھالو، لیکن اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے اور وہ مر جائے تو وہ موقوذہ کے حکم میں ہے اور اسے مت کھاؤ۔

بندوق کی گولی سے ہلاک ہونے والا جانور بھی موقوذہ میں داخل ہے اور حرام ہے(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ بندوق سے مارا جانے والا جانور موقوذہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ سب کا اس پر اتفاق ہے۔

1.5 اَلْمُتَرَدِّيَةُ، بلندی سے گر کر مردار

یہ وہ مردار ہے جو کسی بلند جگہ مثلاً پہاڑ، ٹیلہ اور عمارت وغیرہ سے گر کر مر جائے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ ہے جو کنویں میں گر کر مر جائے۔ لہٰذا

بلندی سے گر کر مر جانے والا جانور مردار اور حرام ہے، خواہ وہ جانور بلندی سے خود گرا ہو یا اسے کسی نے گرایا ہو۔

حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رمیت بسھمك و سمیت فكل ان قتل الا ان تصیبه فی الماء فلا تدری ایما قتله(3)

جب تم شکار پر تیر چلاؤ اور بسم اللہ پڑھو تو وہ تیر لگنے سے اگر جانور ہلاک ہو جائے تو اس کا گوشت کھاؤ لیکن اگر تمہیں اپنا شکار پانی میں گرا ہوا ملے تو پھر اسے مت کھاؤ اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے۔

یعنی اس کی موت تمہارے تیر سے ہوئی ہے یا پانی سے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم پہاڑ پر موجود شکار کو تیر مارو اور وہ تیر لگنے کے بعد نیچے گر کر مر گیا تو اسے مت کھاؤ، اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی موت گرنے کی وجہ سے ہوئی ہو، اور اگر تم اڑتے ہوئے پرندے کی طرف تیر چلاؤ اور پرندہ پانی میں گر کر مر گیا تو اسے مت کھاؤ، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہوئی ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول میں جانور کو تیر لگنے کے علاوہ اس کا بلندی سے لڑھکنے اور گر کر مرنے اور پرندے کو تیر لگنے کے علاوہ اس کا پانی میں گرنے سے ڈوب کر مرنا پایا گیا ہے۔ اس لیے آپ نے ایسے جانور اور پرندے کا گوشت کھانے کی ممانعت کر دی۔

حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول میں اباحت اور ممانعت دونوں کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ اباحت کا سبب یہ کہ جانور کی موت تیر لگنے ہوئی ہے۔ ممانعت کا سبب یہ کہ جانور کی موت بلندی سے گر کر یا پانی میں ڈوب کر ہوئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ممانعت کے سبب کا اعتبار کیا اور اس کے مطابق حکم لگا دیا۔ فقہی اصول یہ ہے کہ اگر اباحت اور ممانعت دونوں اسباب کسی صورت حال میں اکٹھے ہو جائیں تو ممانعت کے سبب کا اعتبار کرتے ہوئے اس صورت حال پر ممانعت کا حکم جاری کیا جائے گا اور اباحت کے سبب کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

1.6 النَّطِیْحَةُ، سینگ وغیرہ کی چوٹ سے مردار

نطیحہ وہ مردار ہے جو سینگ وغیرہ کی چوٹ سے مر جائے، اگرچہ اسے زخم لگا ہو اور وہ ٹھیک ذبح کرنے والی جگہ پر لگا ہو اور اگرچہ اس سے خون بھی بہا ہو۔ لفظ (النَّطِیْحَةُ) کا اطلاق اس جانور پر بھی ہوتا ہے جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ یا ٹکر مار کر ہلاک کر دیا ہو۔ اس لفظ سے وہ جانور بھی مراد ہے جس نے ٹکر ماری ہو اور جو ٹکر مارنے کے بعد خود مر

گیا ہو۔ کسی چیز مثلاً گاڑی وغیرہ کی ٹکر لگنے سے مر جانے والا جانور بھی اسی کے حکم میں ہوگا۔

1.7 وَ مَآ اَکَلَ السَّبُعُ : جسے درندہ پھاڑ کھائے

اس سے مراد وہ مردار ہے جو کسی درندے مثلاً شیر، بھیڑیے، چیتے یا کتے کے چیر نے پھاڑنے کی وجہ سے مر جائے، اگرچہ اس کا خون ذبح کرنے والی جگہ سے بہا ہو تب بھی یہ حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ کسی درندے کے حملہ کا نشانہ بننے والے جانور کا باقی ماندہ گوشت کھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اسے حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ واضح ہوا کہ گلا گھٹنے، چوٹ لگنے، بلندی سے گرنے، کسی کی ٹکر لگنے اور درندے کے پھاڑ کھانے سے مر جانے والے تمام جانور مردار ہیں اور ان کا گوشت کھانا حرام ہے۔

1.8 زندہ جانور کا علیحدہ شدہ گوشت

جو گوشت زندہ جانور کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کر لیا جائے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابو واقد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ما قطع من البهيمة و هي حية فهي ميتة (4)

جو گوشت زندہ جانور کے جسم سے کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

1.9 مردار کے دودھ اور انڈے

مردار جانور میں موجود دودھ اور انڈے بھی نجس ہیں اس لیے کہ وہ میت کا جزو ہیں، یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام مالک ؒ سے ایک روایت کے مطابق مردار کے دودھ اور انڈے پاک ہیں لیکن میت میں شامل ہونے کی وجہ سے وہ نجس ہو گئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ؒ اور امام مالک کے ایک قول کے مطابق یہ دونوں چیزیں نجس نہیں ہیں۔

1.10 تحریم مردار کی حکمت

مردار کی تحریم میں کئی مصلحتیں پنہاں ہیں طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے کہ انسان ایسی چیز کھائے جس کے حصول کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو اور مردار کا معاملہ ایسا ہی ہے، یہ احتمال ہے کہ مردار کی موت دائمی مرض، کسی حادثہ یا کسی زہریلی چیز کھانے سے ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں اسے کھانے میں ضرر کا اندیشہ

ہے۔ مردار کو حرام قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے چرند و پرند کے لیے اپنی رحمت سے غذا فراہم کر دی ہے۔ مردار حرام کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مریض یا کمزور مملوکہ جانوروں کو مرنے کے لیے نہ چھوڑ دے بلکہ یا تو جلد ان کا علاج کرے یا ذبح کر کے انہیں جلد آرام پہنچائے۔

1.11 مردار جانور کے اثرات

قرآن مجید کی آیت

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (النحل ١٦: ١١٥)

بس اس اللہ نے تو تم پر مردہ جانور حرام کیا ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدة ٥: ٣)

تم پر حرام کیا گیا مردار

سے ایسی مائعات حرام نہیں ہو جاتیں جن میں کوئی جانور گر کر مر جائے۔ ایسی صورت میں صرف وہ مردار اور اس کے ارد گرد قریبی حصے حرام ہوں گے، وہ مائع چیز حرام نہیں ہو جائے گی۔ البتہ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی مائع چیز کا استعمال حرام ہونا ثابت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چکنائی سے متعلق پوچھا جس میں چوہیا گر گئی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا وہ چکنائی جمی ہوئی تھی؟ اس شخص نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا: چوہیا اور اس کے ارد گرد موجود چربی نکال کر پھینک دو اور باقی چربی کھا لو۔ لوگوں نے پوچھا: اگر وہ چربی مائع ہو؟ آپ نے فرمایا، پھر اس سے فائدہ اٹھا لو اور اسے کھاؤ نہیں۔ مردار کے گرنے سے مائع چیز فی ذاتہ حرام نہیں بن جاتی بلکہ مردار سے قرابت ہو جانے کی وجہ سے اس چیز کا کھانا حرام ہے، کھانے کے سوا اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اگر ہنڈیا میں گوشت پک رہا ہو اور اس میں پرندہ گر کر مر جائے تو وہ گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ ہنڈیا پکنے کے دوران مردہ پرندے کے اثرات ہنڈیا میں موجود گوشت سے مل جائیں گے۔ اگر پرندہ ہنڈیا میں اس وقت گرا جب وہ پک نہ رہی ہو تو گوشت دھو کر کھانا جائز ہے اور شوربا بہا دیا جائے گا۔

1.12 آستانوں کے ذبیحہ "مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ"

مجاہد کا قول ہے کہ "النُّصُبُ" وہ پتھر ہیں جو خانہ کعبہ کے گرد کھڑے تھے اور جن پر لوگ اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ لوگ ان پر جانوروں کا خون چھڑکتے اور گوشت کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چڑھاوے چڑھانے کا یہ کام مومنوں کے لیے حرام کر دیا اور چڑھاوا چڑھائے گئے جانور کا گوشت کھانا حرام قرار دے دیا، اگرچہ ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے آستانوں پر چڑھاوے چڑھانا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ہستی خواہ وہ کوئی بھی ہو، کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ "النُّصُبُ" میں غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیے ہونے والے جانوروں کے علاوہ وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جن کی باطل طور سے پرستش کی جائے۔ جانوروں کے علاوہ دوسری کھانے پینے والی چیزیں اگر غیر اللہ کے نام پر نذر کی جائیں اور چڑھاوے چڑھائی جائیں تو وہ بھی "وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے حکم کے تحت حرام ہیں۔

1.13 خون

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خون حرام اور نجس ہے، اسے کھایا جائے گا اور نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے گا۔ یہاں "الدَّمُ" اس سے مراد "دَمًا مَّسْفُوحًا" ہے یعنی وہ خون جو ذبح کے وقت جانور کے جسم سے بہتا ہے۔ "الدَّمُ" مطلق ہے جس کو "دَمًا مَّسْفُوحًا" سے مقید کرنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ سیال خون نوش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہا ہو۔ جو خون رگوں اور گوشت میں رہ جائے وہ حرام نہیں ہے۔ جما ہوا خون جیسے جگر اور تلی وغیرہ حلال ہیں۔

مچھلی کا خون مسفوح ہوتا ہے لیکن مچھلی کے اندر موجود خون کے باوجود اسے کھانا جائز ہے، اس لیے کہ مسفوح خون کی تحریم کے حکم سے مچھلی کے خون کی تخصیص اس حدیث سے ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احلت لنا ميتتان و دمان فاما الميتتان فالجراد و السمك و اما الدمان فالطحال والكبد

ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیے گئے ہیں، دو مردار ٹڈی اور مچھلی اور دو خون تلی اور جگر ہیں۔

1.14 سور کا گوشت "لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ"

سور کا گوشت حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا وہ خود مر گیا ہو، خواہ وہ پالتو ہو یا جنگلی ہو۔ لفظ "لحم" سور کے تمام اجزا کو شامل ہے۔ اس کا صرف گوشت ہی حرام نہیں ہے بلکہ اس کے جسم کے تمام اجزا مکمل طور پر حرام ہیں۔ گوشت کا خصوصیت سے ذکر اس لیے ہوا کہ سور سے فائدہ اٹھانے کی بڑی صورت اس کا گوشت ہی ہے۔

آیت میں سور کے گوشت کا ذکر کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ سور دوسرے جانوروں کے مانند نہیں ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں۔ سور کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا یہ نجس بھی ہے اور حرام بھی۔

سمندر میں پائے جانے والے سور (خنزیر الماء) کا گوشت کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کے مطابق سمندر میں پائی جانے والی ہر چیز کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض لوگ اسے سمندری گدھا (حمار الماء) کا نام دیتے ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ آیت "لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ" کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کے سور کا گوشت حرام ہے، خواہ وہ بری ہو یا بحری۔

1.15 غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ "وَ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ"

اہلال سے مراد ہے چاند کو دیکھ کر آواز بلند کرنا، پھر محض آواز بلند کرنے کو اہلال کہا جانے لگا۔ کسی جانور کو ذبح کرتے وقت مشرکین کا چیخ کر "باسم اللات والعزیٰ" کہا کرتے تھے، اسے اہلال کہا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے باطل معبودوں کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر یہ لازم کر دیا ہے کہ صرف اسی کے عظیم نام پر جانور ذبح کیا جائے۔ جس نے ایسا نہ کیا اور جانور کو کسی اور کے نام پر مثلاً کسی بت یا ساری مخلوقات میں سے کسی بھی کے نام پر جانور ذبح کیا تو وہ بالاجماع حرام ہو گا۔ غیر اللہ کے نام پر وہی ذبیحہ حرام ہے جو غیر اللہ پر اعتقاد کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نزولِ وحی سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن

عمرو بن نفیل سے ملاقات کی۔اس نے آپ کے سامنے دستر خوان پر گوشت پیش کیا۔ آپ نے اسے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا:

انی لا آکل مما تذبحون علی انصابکم و لا آکل الا مما ذکر اسم اللہ علیہ(6)

میں اس سے نہیں کھاتا ہوں جسے تم اپنے بتوں پر ذبح کرتے ہو۔ میں صرف وہی کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

حضرت ابوالطفیلؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک یہ چار چیزیں ہمیشہ حرام رہی ہیں: مردار، خون، سور کا گوشت اور اللہ تعالیٰ کے سوائی اور کے نام کی چیز۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کی تخلیق کی ہے یہ چاروں چیزیں کبھی حلال نہیں ہوئیں۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کی حرمت پر ایک اور آیت ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الأنعام ٦:١٢١)

اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے مت کھاؤ، اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے۔

یہ آیت بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ممانعت پر قطعی دلیل ہے۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مشرکین نے مسلمانوں سے بحث کی کہ اللہ جسے ذبح (مارتا) کرتا ہے اسے تم نہیں کھاتے اور جسے تم ذبح کرتے ہو اسے تم کھا لیتے ہو۔تب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ اسے مت کھاؤ کیوں کہ تم نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔

جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا کر بغیر عطف کے کسی اور کا نام لینا مکروہ ہے، جیسے بسم اللہ کے بعد فوراً ساتھ "اللھم تقبل من فلان" یا "اللھم تقبل من محمد رسول اللہ" کہنا۔لیکن اگر بسم اللہ کے ساتھ بالکل ملا کر عطف کے ساتھ کسی اور کا ذکر کیا مثلاً "باسم اللہ و باسم فلان" یا "بسم اللہ و محمد رسول اللہ" کہا تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔البتہ جانور کو لٹانے اور بسم اللہ پڑھنے سے پہلے اور جانور کو ذبح کرنے کے بعد کسی کا ذکر کر دیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے بعد دعا فرمائی تھی۔

مشرک شخص اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی ذبح کرے تو ایسا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی نصرانی جانور ذبح کرتے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لے تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: جب تم یہود و نصاریٰ کو کسی جانور پر غیر اللہ کا نام لیتے ہوئے سنو تو اس کا گوشت مت کھاؤ اور جب تم انہیں نہ سنو تو پھر کھالو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحے حلال کر دیے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے۔

2- مسلمان کا ذبیحہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو

اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو ایسے ذبیحہ کے بارے میں فقہاء کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

پہلا قول: ایسا ذبیحہ کھانا حرام ہے، خواہ اللہ کا نام دانستہ نہ لیا گیا ہو یا ایسا بھول سے ہو۔ یہ قول حضرت ابن عمرؓ، نافع ؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت، شعبیؒ اور امام داؤد وغیرہ کا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں اسی کی تاکید ہے کہ اس کا کھانا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا کھلی نافرمانی ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ بعض لوگ (نو مسلم) ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سموا علیه انتم و کلوهتم اس پر بسم اللہ پڑھو اور اسے کھاؤ۔ اس روایت میں صحابہ کرامؓ نے بھی ذبح پر بسم اللہ پڑھنا ضروری خیال کیا۔ انہوں نے سمجھا کہ گوشت دینے والے تو مسلم ہیں، وہ اسلامی احکام سے واقف نہیں ہوئے، ممکن ہے کہ انہوں نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط صحابہؓ کو فرمادیا کہ وہ اس پر بسم اللہ پڑھ لیں۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر وہ عمداً یا سہواً چھوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، گوشت کھایا جائے گا۔ یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایسی ہی ایک روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، سعید بن مسیبؒ، جابر بن زیدؒ، عکرمہؒ، طاؤسؒ، ربیعہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ بعض مالکی فقہاء مثلاً قاضی ابوبکر باقلانیؒ (م 403ھ) اور امام شافعیؒ کے ظاہر قول کے مطابق اگر بسم اللہ پڑھنا عمداً چھوڑ دیا تو ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام تو نہیں البتہ مکروہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ

کا ایک اور قول ہے، آپ نے فرمایا: جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو اسے کھایا کرو، اس لئے کہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے مت کھاؤ، یہ فسق ہے، اور بسم اللہ بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔

تیسرا قول اگر بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، ثوریؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم یکفیه اسمه فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ثم لیاکل (7)

مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام ہی کافی ہے پس اگر وہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو پھر بسم اللہ پڑھے اور کھالے۔

قرآن مجید کی آیت:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الأنعام ٦:١٢١)

میں بسم اللہ قصداً چھوڑنے والوں کو خطاب ہے، جن سے بسم اللہ بھول کر چھوٹ جائے انہیں خطاب نہیں ہے۔ اس آیت کے اگلے الفاظ "وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ" بھی اس پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ فسق بھول جانے والے کی صفت نہیں بن سکتی اور حالتِ نسیان میں وہ شخص بسم اللہ پڑھنے کا مکلف ہی نہیں ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء و النسیان و ما استکرھوا علیه

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء، بھول اور اکراہ کی حالتوں میں سرزد ہونے والے افعال کا گناہ معاف کر دیا ہے۔

2.1 گدھے کا گوشت

گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے

سال (۷ ھ) متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

2.2 کچلیوں والے درندوں کا گوشت

حضرت ابو ثعلبہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلیوں والے تمام درندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے احناف کہتے ہیں کہ کچلی کے دانتوں والے تمام جانوروں اور پرندوں کا گوشت حرام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر یہ فرمایا کہ ہر وہ جانور جو دانتوں سے پھاڑ کھاتا ہے جیسے شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ اور پرندوں میں جو اپنے پنجوں سے کھاتے ہیں جیسے باز اور شکرہ وغیرہ اور وہ جانور جن کی طبیعت میں ذلت یا نجاست کے ساتھ ملوث ہوتا ہے جیسے چوپایا مردار خور جانور یا گدھا وغیرہ سب حرام ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک ہر قسم کے درندوں کا گوشت حرام ہے لیکن چیر پھاڑ کرنے والے پرندے مثلاً گدھ، عقاب اور چیل وغیرہ کا گوشت کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ کچلی والے درندے جو انسان پر حملہ آور ہوں مثلاً شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ کا گوشت نہیں کھایا جائے گا لیکن لومڑی کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جو پرندے انسانوں کے پالتو پرندوں پر حملہ آور ہوتے ہیں مثلاً چیل اور باز وغیرہ ان کا گوشت بھی نہیں کھایا جائے گا۔

کوا: احناف نے سیاہ و سفید رنگت والے کوے کا گوشت مکروہ قرار دیا ہے کیوں کہ یہ مردار خور ہوتا ہے، لیکن فصلوں میں رہنے والا کوے کے گوشت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں حالتِ احرام میں اور حدودِ حرم کے اندر اور باہر دونوں جگہ جن پانچ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں ایک سیاہ و سفید رنگت والا کوا بھی ہے۔

گوہ: احناف کے نزدیک گوہ کا گوشت مکروہ ہے۔ حضرت ثابت بن ودیعہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک لشکر میں لوگوں نے گوہ بھون کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود نہیں کھایا اور نہ ہی اس سے منع کیا۔ لیکن آپ نے اس موقع پر یہ فرمایا:

ان امۃ من بنی اسرائیل مسخت دوابا فی الارض و انی لا ادری ای الدواب ھی

بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ کو مسخ کر کے جانور بنا کر زمین میں چھوڑ دیا گیا تھا اور میں نہیں جانتا کہ وہ جانور کون ہیں۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے میں گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کچھ گھی، پنیر اور گوہ بھیجی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور پنیر کھایا لیکن گھن کی بنا پر گوہ چھوڑ دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کھایا گیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر اسے نہ کھایا جاتا۔

2.3 گندگی خور جانور

اگر کوئی چوپایہ یا پرندہ گندگی خور ہو تو امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کا دودھ اور انڈا حرام ہے، حتیٰ کہ اسے ایک مدت تک بند کر کے رکھا جائے۔ پرندہ تین، اونٹ چالیس، گائے تیس، بکری سات اور مرغی تین دنوں تک اور ایک روایت کے مطابق سب کو تین دنوں تک بند کر کے رکھنے کے بعد ان کا دودھ اور انڈے حلال ہیں۔

جمہور ائمہ کے نزدیک اگر گندگی خور جانور کے گوشت اور دودھ میں بدبو پیدا ہو جائے تو اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ اسے اتنی مدت تک بند کر کے رکھا جائے کہ نجاست کی بدبو ختم ہو جائے۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی اور نجاست کھانے والے جانور کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔

2.4 خبیث جانور

سورۃ الاعراف میں ارشاد ربانی ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الأعراف ۷:۱۵۷)

اور وہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کے خبیث ہونے کی علامت یہ بتلائی ہے کہ کسی قوم کو بطور

عذاب اس جانور کی شکل میں مسخ و تبدیل کر دیا گیا ہو۔ ایسا جانور طبعاً خبیث ہے کہ جس قوم پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اور عذاب نازل کیا اسے اس جانور کی شکل دے دی گئی۔

مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (المائدة ٥:٦٠)

اور بنائے ان میں سے بندر اور سؤر، ایسے جانور ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہو سکتے۔

2.5 ناخن والے جانور

قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ (الانعام ٦:١٤٦)

اور جو یہودی ہوئے ہم نے ان پر ناخن والے تمام جانور حرام کر دیے تھے۔

یہ حکم یہودیوں کے لیے تھا لیکن ناخنوں والے تمام جانور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی حرام ہیں، سوائے اس کے کہ اس حکم کا نسخ ثابت ہو۔ حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، سدیؒ اور مجاہدؒ کے مطابق اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کی انگلیاں کھلی نہیں ہوتیں مثلاً اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور مرغابی وغیرہ۔ جصاصؒ کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک اس میں وہ تمام درندوں کی تمام انواع جیسے کتے اور بلیاں وغیرہ اور وہ تمام پرندے شامل ہیں جو اپنے ناخنوں سے شکار کرتے ہیں۔ گزشتہ انبیاء کی امتوں پر یہ جانور حرام تھے۔ تحریم کا یہ حکم ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حصہ بن جانے کی وجہ سے ہمارے لیے بھی ہے جب تک اس حکم کا نسخ ثابت نہ ہو۔ کتوں اور درندوں وغیرہ کی تحریم کا نسخ ثابت نہیں ہوا اس لیے جس طرح یہ جانور شروع میں حرام تھے، اب بھی حرام ہیں۔

2.6 حشرات الارض

احناف کے نزدیک حشرات الارض میں سے ہر جانور حرام ہے۔ عیسیٰ بن نمیلہ نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے۔ نمیلہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ سے قنفذ (سیہی) سے متعلق پوچھا

گیا۔ آپ کے پاس ایک بوڑھے شخص نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس جانور کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: خبیثۃ من الخبائث یعنی یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو پھر وہ جانور ایسا ہی ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قنفذ (سیہی) کو خبائث میں سے ایک خبیث کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف ۷:۱۵۷)

اور وہ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔

تحریم کا یہ حکم قنفذ (سیہی) کو بھی شامل ہے۔ قنفذ (سیہی) حشرات الارض میں سے ہے، لہٰذا قنفذ (سیہی) پر قیاس کرتے ہوئے حشرات الارض میں سے ہر جانور حرام ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر سانپ کو ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، مینڈک بھی کھایا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ کی رائے میں کیڑوں، مکوڑوں، بچھوؤں اور پھلوں میں پائے جانے والے کیڑوں کو بھی کھایا جا سکتا ہے اس لیے کہ اگر یہ پانی میں مر جائیں تو ان سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

حضرت تلبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (کافی عرصہ) رہا لیکن میں نے حشرات الارض کے بارے میں حرمت کا حکم نہیں سنا۔

3- یتیموں کے اموال

قرآن مجید میں ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء ٤:٦)

اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک آزماتے رہو۔ پھر جب تم ان میں ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو ان کے اموال انہیں سونپ دو۔ اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے اموال جلدی جلدی فضول خرچیوں میں نہ کھا جاؤ۔ جو مال دار ہو اسے چاہیے کہ وہ (یتیموں کے مال سے) بچے۔ اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھائے۔

اس آیت میں یتیموں کے ولیوں کو یتیموں کا مال اس ڈر سے کھانے سے منع کیا گیا ہے کہ وہ بڑے ہونے پر اپنا مال لے لیں گے۔ جو خود امیر ہو وہ یتیم کے مال سے کچھ نہ لے۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال بھی ایسے شخص پر حرام ہے۔

البتہ اگر یتیم کا ولی مسکین محتاج ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق کھائے۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال نہیں ہے، ایک یتیم میری پرورش میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے یتیم کے مال میں سے کھاؤ لیکن ضرورت سے زیادہ مت کھاؤ نہ جمع کرو اور نہ ایسا ہو کہ اس کا مال تو کھاؤ اور اپنا مال بچا کر رکھو۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا محتاج ہو جیسے حالت اضطرار میں مردار کھانا جائز ہے تو پھر یتیم کے مال میں سے کھا لے لیکن پھر سے وہ مال ادا کرنا ہو گا۔

3.1 دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانا

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (النساء ٤:٢٩)

اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے اموال باطل طریقوں سے مت کھاؤ، سوائے اس کے کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

باطل طریقے سے مال کھانا یہ ہے کہ اسے اس شکل کے علاوہ کھایا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے۔ مال کو سود، نقصان، ظلم، چوری، خیانت، غصب، جوا، دھوکا، حق تلفی، جس میں صاحب مال کی خوش دلی شامل نہ ہو یا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو اگرچہ مال کا مالک رضامند ہو جیسے بدکار زناکار عورت کا مہر، کاہن کی اجرت اور شراب اور خنزیر کی قیمتیں اور وہ مال جس کا قاضی نے آپ کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آپ حق پر نہیں ہیں۔ حرام مال قاضی کے فیصلے سے حلال نہیں ہو جاتا۔

3.2 رشوت کا مال کھانا

قرآن مجید میں ایک جگہ یہود کے بارے میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدۃ ۵: ۴۲)

رشوت کا حرام مال کھانے والے

اس آیت میں رشوت کو حرام مال کہا گیا ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھدایا الامراء من السحت

حکمرانوں کو تحفے دینا "سحت" میں سے ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "سحت" یہ ہے کہ ایک شخص کو حکمران کے ہاں قدر و منزلت حاصل ہو، دوسرے شخص کو اس حکمران سے کام ہو اور پہلا شخص دوسرے شخص کا کام حکمران سے اس وقت تک نہ کرائے جب تک دوسرا شخص پہلے کو تحفہ نہ دے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ لوگ "سحت" دو طریقوں سے کھاتے ہیں: ایک رشوت اور دوسرا بدکار عورت کی اجرت۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: "سحت" یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینا، بدکاری کی اجرت، سانڈ کی جفتی کی اجرت، پچھنے لگانے کی اجرت، کتے کی قیمت، شراب کی قیمت، مردار کی قیمت، کاہن کی اجرت اور مقدمے میں اجرت

کا تقاضا کرنا۔ حضرت علیؓ نے ان تمام کے بیچے کو "سحت" کا نام دیا جن کا لینا صحیح نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: "سحت" یہ ہے کہ کوئی شخص تمہیں اپنا سفارشی بنا کر حاکم کے پاس لے جائے، پھر تم اس شخص سے متعلق حاکم سے بات کرو پھر وہ شخص تمہیں تحفہ دے جسے تم قبول کر لو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا "سحت" سے مراد رشوت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور اسے دینے والے پر لعنت فرمائی۔ حسن بصریؒ نے اس حدیث کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ ایسی رشوت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کیا جائے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے رشوت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ فیصلے کرنے میں رشوت لینا کفر ہے۔

خود آزمائی :

1۔ قرآن کریم میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کی تفصیل و تفسیر بیان کیجئے۔

2۔ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو ایسے ذبیحہ کے بارے میں فقہائے احناف کا کیا موقف ہے۔

3۔ حشرات الارض کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق احکام بیان کیجئے۔

4- حالت اضطرار میں مطعومات

قرآن مجید میں ہے:

☆ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (البقرۃ ۲:۱۷۳)

پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے نہ بڑھنے والا اور زیادتی نہ کرنے والا ہو تو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

☆ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(المائدۃ ۵:۳)

جو شخص شدت بھوک سے بے قرار ہو جائے مگر گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

☆ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام ۶:۱۱۹)

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ جس وقت تم اس کی جانب مجبور ہو جاؤ۔

☆ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الانعام ۶:۱۴۵)

پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے نہ بڑھنے والا اور زیادتی نہ کرنے والا ہو (تو اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے) تو بے شک تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

"فَمَنِ اضْطُرَّ" میں مضطر سے مراد وہ شخص ہے جس کی جان خطرہ میں ہو۔ جو شخص بھوک کی وجہ سے ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اگر کچھ نہ کھائے تو وہ مر جائے گا۔

امام الجصاصؒ نے آیت "إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ" کے تحت لکھا ہے کہ یہاں ضرورت سے مراد جان یا جسم کے کسی عضو پر ضرر و نقصان کا وہ خوف ہے جو مردار نہ کھانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس ضرورت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ مضطر شخص ایسی جگہ پر ہو جہاں اسے مردار کے علاوہ کچھ نہ ملے، اور دوسرا یہ کہ اس کے پاس مردار کے علاوہ

دوسری چیز ہو مگر اسے مردار کھانے پر مجبور کر دیا گیا ہو جس سے اس کی جان یا اس کے جسم کی کسی عضو کو نقصان کا خطرہ ہو۔ یہاں ان دونوں معانی کا احتمال ہے۔

" غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ " کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

1۔ لغت میں باغی وہ ہے جو خیر یا شر کا طالب ہو۔ یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو طالب شر ہو۔ اسی میں وہ شخص بھی شامل ہے جس نے حکمران وقت کے خلاف بغاوت کی اور امت سے الگ ہوا۔ عادی وہ شخص ہے جو جائز کام سے ناجائز کام کی طرف تجاوز کر جائے۔ یہاں اس سے مراد راہزن ہے۔ یہ مجاہدؒ اور ابن جبیرؒ کا قول ہے۔

2۔ باغی وہ ہے جو ضرورت سے زائد مردار کھائے اور عادی وہ ہے جو حلال چیز کے ہوتے ہوئے مردار چیز کھائے۔ یہ قتادہؒ، حسن بصریؒ اور عکرمہؒ وغیرہ کا قول ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "باغ" اور "عاد" کی تفسیر میں مجاہدؒ کا قول ہے: ڈاکو، راہزن، اسلامی سلطنت کا مخالف، مسلمان حکمران کا باغی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والوں پر حالتِ اضطرار میں بھی حرام اشیاء حرام ہیں۔ "غیر باغ" کی تفسیر میں مقاتلؒ کہتے ہیں کہ وہ حرام چیز کو حلال سمجھنے والا نہ ہو، اس کے کھانے میں لذت اور مزہ نہ لے، اچھا پکا کر نہ کھائے، صرف جان بچانے کے لیے کھائے اور جب حلال چیز مل جائے تو اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اسے پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حالتِ اضطرار میں اتنا کھایا جائے جس سے حالتِ اضطرار ختم ہو جائے، تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے۔ ایسے وقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نوازش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام حلال کر دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک مضطر شخص مردار کی صرف اتنی مقدار کھائے جس سے اس کی زندگی قائم رہ سکے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق حالتِ اضطرار میں مضطر کے لیے پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ اکراہ شراب پینی پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر بھوک اور پیاس کی وجہ سے اضطراری حالت میں شراب پینی پڑے تو اسے مت پیئے اور فرمایا کہ شراب اس کی پیاس میں اضافہ ہی کرے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب یعنی خمر مطلقاً حرام قرار دی ہے اور مردار کا کھانا عدم ضرورت کی

حالت میں حرام کیا ہے۔ اکراہ و جبر کی بنا پر مضطر شخص کے لیے شرب خمر کی اجازت بالاتفاق ہے۔

حالت اضطرار میں حرام کھانے کی رخصت، پینے سے حرام چیزیں حلال قرار نہیں دی گئی ہیں بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ " فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ" یعنی مضطر شخص کے حرام کھا لینے سے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، حرام حرام ہی ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ اللیثی سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم کبھی ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں ہمیں بھوک لگتی ہے اور ہمیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے لیے مردار کب حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

متی لم تصطبحوا او تغتبقوا او تجدوا بها بقلا فشانکم بها

جب تمہیں صبح کو پینے کے لیے نہ ملے یا شام کو پینے کے لیے نہ ملے یا کوئی سبزی کھانے کو نہ ملے تو اس وقت تم مردار کھا سکتے ہو۔

4.1 کیا مضطر کے لیے کھانا واجب ہے؟

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یحب ان تؤتی رخصۃ کما یکرہ ان تؤتی معصیۃ(10)

جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اس کی نافرمانی سے باز رہنا پسند ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا پسند ہے۔

ایک اور فرمانِ نبوی ہے:

من لم یقبل رخصۃ اللہ کان علیہ من الاثم مثل جبال عرفۃ(11)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں جتنا گناہ ہے۔

مسروقؒ کہتے ہیں کہ حالت اضطرار میں جو شخص حرام چیز نہ کھائے پیئے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ اسی لیے فقہاء کا موقف ہے کہ بعض حالتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے ایک شخص شدت بھوک سے مرنے کے قریب ہو جائے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مضطر شخص مردار نہ کھائے اور مر جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لیے کہ

اللہ تعالیٰ نے مجبوری میں مردار کھانے کی اجازت دی ہے اور اسے مباح قرار دیا ہے۔ اسے واجب نہیں کیا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے "فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" یعنی مجبوری کی حالت میں جو کچھ کھا لیا ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، اور اس نے ان اشیاء کے کھانے کی اجازت دی ہے اس لیے رحم کرنے والا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مضطر اگر نہ کھائے اور مر جائے تو وہ گناہ گار ہو گا، اس کے لیے کھانا واجب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام ۶:۱۱۹)

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ جس وقت تم اس کی جانب مجبور ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرام چیزوں سے حالت مجبوری کی چیز کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اس سے استثناء شدہ چیز مباح قرار پائی اور اگر ہلاکت کا خوف ہو تو مباح چیز کا کھانا واجب ہے۔ اسے رخصت مجازاً کہتے ہیں ورنہ واقعہ میں وہ واجب ہے۔

امام جصاصؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت اضطرار میں کھانے کی اباحت سے فائدہ نہ اٹھائے اور بھوک کی وجہ سے مر جائے تو تمام اہل علم کے نزدیک وہ اپنی جان کا قاتل قرار پائے گا۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے ہاں عاصی اور مطیع کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ مردار نہ کھانا اس کے عصیان میں اضافہ کا باعث ہو گا۔

علامہ الکیا الہراسیؒ نے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت مردار کھانا رخصت نہیں بلکہ یہ عزیمت ہے اور واجب ہے، اگر اس حالت میں اس نے مردار نہ کھایا تو وہ گناہ گار ہے۔

• کئی فقہاء، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک گناہ کی نیت سے سفر کرنے والے مسافر اور مسلمان حکمران کے باغی کو ضرورت کے وقت بھی مردار کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور مدد مباح کیا ہے اور عاصی کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ اسے کھانا چاہتا ہے تو پہلے وہ توبہ کرے اور پھر اسے کھائے۔ اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی رخصتوں سے فائدہ اٹھانا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ سے مشہور قول یہی ہے کہ معصیت کے لیے سفر کرنے والا شخص اضطراری

حالت میں مردار کھا سکتا ہے۔احناف کہتے ہیں کہ " اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ" کے تحت مطیع و باغی ہر قسم کے مضطر کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے۔" غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ " اور " غَیْرَ مُتَجَانِفٍ " میں یہ احتمال ہے کہ ان الفاظ سے مراد کھانے میں حد سے تجاوز و بغاوت اور مسلمان حکمران سے بغاوت دونوں ہوں۔لیکن محض احتمال سے آیت " اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ" کے عموم کی تخصیص کرنا جائز نہیں ہے۔

خود آزمائی :

1۔ حالت اضطرار سے کیا مراد ہے متعلقہ احکام بیان کیجئے۔

2۔ غیر باغ ولا عاد کی تفسیر میں علماء و مفسرین کے اقوال بیان کیجئے۔

3۔ مضطر سے کیا مراد ہے؟

5- حرام چیز کا بطور دواء استعمال

غیر اضطراری حالت میں عام بیماریوں کے علاج کے لیے بطور دواء حرام چیز کا استعمال اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تبارک و تعالی لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم(12)

اللہ تعالی نے تمہارے لیے اس چیز میں شفاء نہیں رکھی جو چیز اس نے تمہارے اوپر حرام کر دی ہے۔

بعض فقہاء نے اس کے جواز میں واقعہ عکل اور عرینہ سے استدلال کیا ہے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیماری کے علاج کی غرض سے اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینے کی اجازت دی تھی۔ لیکن متاخرین فقہاء نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ اس مرض کے لیے کوئی دوسری حلال اور پاک دواء میسر نہ ہو جو اس حرام دواء کا بدل بن سکے اور اس حرام دواء کے استعمال سے شفاء ہو جانا امر تحقیقی ہو۔

6- مباح مطعومات

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مباح مطعومات سے متعلق ہدایات موجود ہیں۔

☆ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ (المائدة ٥:٤)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال ہے؟ آپ فرمادیں: تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔

☆ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ (المائدة ٥:٥)

اب (تکمیل دین کے بعد) تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں (قیامت تک کے لیے) حلال کر دی گئی ہیں۔

☆ يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (البقرة ٢:١٦٨)

اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔

☆ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (البقرة ٢: ١٧٢)

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔

☆ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ (المائدة ٥:٨٨)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حلال پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

☆ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (النحل ١٦:١١٤)

جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی

عبادت کرتے ہو۔

☆ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ (سبا۳٤:۱۵)

اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔

☆ يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المومنون۲۳: ۵۱)

اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔

" أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ"لفظ "حل" کے اصل معنی گرہ کھولنے کے ہیں۔ جو چیز انسان کے لیے حلال کردی گئی گویا ایک گرہ کھول دی گئی اور پابندی ہٹادی گئی۔ "طیب" کا معنی ہے پاکیزہ جس میں کسی چیز کا شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے اور اس کا طبعی مرغوب ہونا بھی۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس آیت میں لفظ "طیب" حلال کے معنی میں ہے اور یہ اختلاف لفظ تاکید کے لیے ہے

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ ہی تمام مخلوق کو روزی دینے والا ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں وہ لوگوں کے لیے مباح کی ہیں۔ یہ حلال چیزیں انھیں مرغوب ہیں اور یہ جسم، صحت اور عقل کے لیے ضرر رساں نہیں ہیں۔

طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ اور نفیس چیزیں۔ شریعت نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ نہ پاکیزہ ہیں اور نہ اہل عقل کے لیے نفیس و مرغوب۔ اس لیے طیبات سے مراد صرف حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

بعض نے کہا کہ طیبات سے مراد ایسا کھانا ہے جس کے کھانے سے اللہ تعالیٰ کی یاد نہ بھولے اور وہ کھانا خواہشاتِ نفسانی میں نہ ڈال دے بلکہ نفس کی خواہش کو روکے اور عقل کی حفاظت کرے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

"كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا" حلال چیزیں کھانے اور نیک کام کرنے کے یہ دونوں حکم اکٹھے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے

اور صرف پاک ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے پیغمبروں کو دیا ہے

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ (المومنون ۲۳: ۵۱)

اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرة ۲: ۱۷۲)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں انہیں کھاؤ۔

پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا، جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ بالوں والا غبار آلود چہرے والا ہوتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا حرام کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے رب، اے رب، لیکن ناممکن ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔

قبولِ دعا میں حلال رزق کا بڑا دخل ہے۔

طیب (پاکیزہ) اور خبیث (ناپاک) کو پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حلال کہا ہے وہ طیب اور جسے حرام کہا ہے وہ خبیث ہے۔ جس کے متعلق قرآن و حدیث خاموش ہوں وہاں قیاس سے کام لیا جائے گا۔

6.1 مباح جانور

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدة ۵: ۱)

حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے مویشی سوائے ان کے کہ جو تمہیں آگے سنائے جائیں گے، مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ جانو۔

☆ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (الحج ۲۲: ۳۰)

اور تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کر دیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمہارے سامنے بیان کر دیے گئے ہیں۔

"بَهِيْمَة" ہر چوپائے کو کہتے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گویائی اور فہم میں کمی کی وجہ سے اس

میں ابہام پایا جاتا ہے اور عقل و تمیز کا فقدان ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جانوروں کا غیر ذوی العقول ہونا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو اس کی ضروریات زندگی کی حد تک عقل و ادراک بخشا ہے۔ بہیمہ کو بہیمہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی بولی اور کلام لوگوں پر مبہم رہتا ہے۔

"الْأَنْعَامِ" پالتو جانوروں اور مویشیوں کو کہتے ہیں۔ انعام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ بکریاں ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس لفظ کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے، گائے بیل اور بھیڑ بکریوں پر اس لفظ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ اونٹوں کے ساتھ ہوں۔

اوپر آیت (المائدہ 5:1) میں لفظ "بَهِيمَةُ" عام تھا جسے "الْأَنْعَامِ" نے خاص کر دیا ہے۔ لہٰذا حلال پالتو جانوروں کو شرعی طریقے سے ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے۔

"إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ"

سوائے اس کے کہ جو تمہیں آگے سنائے جائیں گے

اس میں جن جانوروں کو مستثنیٰ کرنے کا ذکر ہے وہ دوسری آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور حرام قرار دیے ہیں ان کا ذکر اوپر حرام مطعومات میں کر دیا گیا ہے۔ جیسے مردار، بوقت ذبح بہا ہوا خون، سور کا گوشت، جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، جو گلا گھٹنے، کسی چوٹ کے لگنے، بلندی سے گرنے اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے، اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر اسے ذبح کر لیا جائے تو حرام نہیں ہے، اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔

7- اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر

قرآن مجید میں ہے:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ (الانعام ۶:۱۱۸)

جس پر جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس میں سے کھاؤ، اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو۔

اس آیت میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ نے اس کا کھانا مومنین کے لیے مباح قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (الانعام ۶:۱۱۹)

اور کیا وجہ ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں

(بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) سوائے اس کے کہ (ان کے کھانے کے لیے) مجبور ہو جاؤ۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ

اس کا یہ معنی ہے کہ تم نے جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے گو کہ اس چیز کو تم نے اپنے ہاتھ سے قتل (ذبح) کیا ہے تو کھانے میں تمہیں کون سی چیز روک رہی ہے۔

7.1 مرنے سے قبل جانور کا ذبح

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ ۵:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے اور جو گلا

گھٹنے سے مر جائے، اور جو چوٹ لگنے سے مر جائے، اور جو بلندی سے گرنے سے مر جائے اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے، اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر تم اسے ذبح کر لو تو حرام نہیں ہے۔

اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ گلا گھٹنے، چوٹ لگنے، بلندی سے گرنے، کسی کی ٹکر لگنے سے اور درندوں کے پھاڑ کھانے سے مرنے والے جانور حرام ہیں لیکن یہاں شریعت نے ایک رعایت دی ہے کہ "الا ما ذکیتم" اس کا معنی ہے "لکن ما ذکیتم" یعنی اگر وہ اس حالت میں مل جائیں کہ ان میں جان باقی ہو اور اللہ کے نام پر انہیں ذبح کر لو تو پھر وہ حرام نہیں ہیں۔ یہی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے: اگر تم گلا گھٹنے، چوٹ لگنے، بلندی سے گرنے، کسی کی ٹکر لگنے سے اور درندوں کے پھاڑ کھانے سے مرنے والے جانوروں کو ایسی حالت میں پاؤ کہ (جب تم انہیں ذبح کرو تو اس وقت) وہ اپنی دم ہلائیں یا آنکھیں ہلائیں تو بے شک انہیں کھاؤ۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالکؒ کا موقف ہے کہ اگر درندے نے جانور کو اس طرح چیر پھاڑ ڈالا کہ اس کا پیٹ پھاڑ دیا، اس کی آنتیں باہر نکل آئیں اور اس کی کمر توڑ دی تو اسے ذبح نہ کیا جائے کیونکہ اتنی زیادہ چوٹ کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

امام ابو حنیفہؒ کا یہ موقف ہے کہ "إلا ما ذکیتم" میں استثناء صرف "ما اکل السبع" یعنی درندوں کے کھائے ہوئے جانور سے متعلق ہے اس لیے کہ معطوفات کے بعد اگر استثناء آئے تو اس کا تعلق آخری معطوف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے والے چاروں جانوروں یعنی "المنخنقة" جو گلا گھٹنے سے مر جائے، "الموقوذة" (جو چوٹ لگنے سے مر جائے)، "المتردية" جو بلندی سے گرنے سے مر جائے اور "النطيحة" (جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے) کو قیاس کی رو سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، اس پر کوئی منصوص حکم نہیں ہے۔

7.2 شرعی ذبح

جن جانوروں کو ذبح کرنے پر قدرت حاصل ہو ان کے شرعی تذکیہ سے مراد یہ ہے کہ ارادتاً اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جانور کے حلق و لبہ کو کاٹ یا چیر کر اس کی زندگی ختم کر دی جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بدیل بن ورقاء خزاعیؓ کو اونٹ پر سوار کر کے منیٰ کی گھاٹیوں میں (تمام حاجیوں کی تعلیم کے لیے) یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ ذکات (ذبح اور نحر) حلق اور لبہ میں ہونا چاہیے۔

ہر وہ چیز جو اوداج یعنی حلقوم، نرخرہ اور دو رگیں کاٹ دے اور خون بہادے ایسے آلہ سے جانور کو ذبح کیا جا سکتا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اکھڑے ہوئے ناخن، ہڈی، سینگ، دانت یا ان جیسی کسی چیز سے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ حضرت خدیجؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ہمارے پاس چھری نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انهر الدم وذكر اسم الله فكل ليس الظفر و السن اما الظفر فمدى الحبشة و اما السن فعظم(13)

جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اسے کھالو سوائے ناخن اور دانت کے۔ ناخن حبشیوں کی چھری ہے اور دانت ہڈی ہے۔

حنفی فقیہ جصاصؒ کہتے ہیں کہ ناخن اور دانت سے ذبح کرنے ممانعت اس وقت ہے جب ناخن اور دانت اپنے فطری مقامات پر ہوں۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن کو حبشیوں کی چھری کہا ہے۔ وہ لوگ ایسے ناخن کے ساتھ ذبح کرتے ہیں جو اپنی جگہ پر قائم ہوتا ہے اور اکھڑا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر دانت اور ناخن اپنی جگہوں سے اکھڑ چکے ہوں اور پھر اوداج یعنی رگوں کو پھوڑ دیں تو ایسے ذبح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ہمارے اصحاب نے دانت اور ناخن سے ذبح کو مکروہ کہا ہے کیوں کہ یہ کند چھری کے مانند ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے سینگ اور ہڈی سے ذبح کو بھی مکروہ کہا ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک ہر چیز خواہ وہ ہڈی ہو یا کچھ اور، وہ اوداج یعنی رگوں کو پھاڑ دے تو اس سے ذبح میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے آلات ذبح میں سے ناخن اور دانت کو مستثنیٰ کیا ہے۔

7.3 ذبیحہ کا مردہ جنین

اگر ذبح شدہ مادہ جانور کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلے تو اس کا گوشت کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، سوائے اس کے کہ اگر وہ زندہ نکلے اور اسے ذبح کر لیا جائے۔ جمہور فقہاء یعنی امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، مالکی فقہاء اور امام شافعیؒ کے مطابق اس بچے کا گوشت کھایا جائے گا، خواہ اس کے جسم پر بال نکل آئے ہوں یا نہ نکلے ہوں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو اور اس کے بال نکل آئے ہوں تو اسے کھایا جائے گا، ورنہ نہیں کھایا جائے گا۔ قاضی ابوالولید باجیؒ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث " ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ اشعر او لم یشعر " (جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے خواہ جنین کے جسم پر بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں) ضعیف ہے۔

نحر مادہ کے جسم سے برآمد ہونے والے مردہ بچہ کا گوشت حرام قرار دینے والوں کے استدلال کی بنیاد قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (المائدة ۵:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار، اور خون

اس آیت کے آگے فرمایا گیا ہے۔

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدة ۵:۳)

لیکن اگر تم اسے ذبح کر لو تو حرام نہیں ہے۔

اور یہ فرمایا ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (البقرہ ۲:۱۷۳)

بلاشبہ تم پر حرام کیا گیا مردار

اللہ تعالیٰ نے مردار قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ اس حکم سے صرف وہ جانور مستثنیٰ ہے جسے ذبح کر لیا گیا ہو۔ احادیث کی روشنی میں ذبح کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس جانور کو ذبح کرنا ممکن ہو اس کے نحر اور حلقوم میں ذبح کا عمل ہوتا ہے۔ جس جانور کو ذبح کرنا ممکن نہ ہو اس کے ذبح کا عمل خون بہا کر ہوتا ہے۔ ذبح کا کوئی بھی عمل جنین میں نہیں پایا جاتا۔ اس لیے آیت

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدة ۵:۳)

کے ظاہری حکم کے مطابق نحر کا مردہ جنین حرام ہے۔

جمہور فقہاء نے احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم سے جنین سے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کلوہ ان شئتم(14)

اگر تم چاہو تو اسے کھالو۔

حضرت جابرؓ سے مروی ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ

جنین کا ذبح اس کی ماں کے ذبح ہوئے ہی سے ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مخالفین ان روایات کو انتہائی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہو کہ اس کی ماں کی طرح اسے بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔ کمزور سند والی خبر واحد جس میں آیت کی موافقت کا احتمال بھی ہو اس سے آیت کی تخصیص جائز نہیں ہے بلکہ ایسی حدیث کو آیت سے موافقت والے معنی پر محمول کیا جائے گا۔

7.4 بعض مردار کی حلت کا سنت سے ثبوت

قرآن مجید کی آیت ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

(البقرۃ ۲: ۱۷۳)

بلاشبہ تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

مندرجہ بالا آیت اگرچہ مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، کے مطلق حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر کوئی چیز کسی دلیل کی بنا پر تحریم کے اس حکم سے خاص کر دی گئی ہو تو وہ حکم بھی واجب ہو گا۔ مردار اور خون کی تحریم کا حکم خاص کرنے کی دلیل سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احلت لنا میتان و دمان فاما المیتان فالجراد و السمك واما الدمان فالطحال والكبد(15)

ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیے گئے ہیں، دو مردار ٹڈی اور مچھلی اور دو خون تلی اور جگر ہیں۔

7.5 سدھائے ہوئے جانوروں اور پرندوں کا شکار

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (المائدة ٥:٤)

اور جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہے کہ تم انھیں سکھاتے ہو اس علم سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے، پس جب وہ جانور شکار کو تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اسے کھالو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

جصاصؒ کہتے ہیں کہ "الجوارح" کی تفسیر میں بعض فقہائے سلف نے کہا ہے کہ اس سے مراد صرف کتے ہیں، بعض کے نزدیک کتے وغیرہ ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ "وما علمتم من الجوارح" میں پرندے اور کتے دونوں شامل ہیں۔

اس آیت میں شکاری جانوروں کے ذریعے حاصل شدہ شکار حلال قرار دیا گیا ہے۔

شکاری کتوں یا شکاری پرندوں مثلاً باز اور شکرا وغیرہ کے ذریعے کیے گئے شکار کا ایک ہی حکم ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے اور چاروں اماموں کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے باز کے کیے ہوئے شکار سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ما امسك عليك فكل

جسے وہ تیرے لیے روکے رکھے اسے کھالو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے کتے کے شکار سے متعلق پوچھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم بسم اللہ پڑھ کر کتے کو چھوڑو تو اس میں سے کھالو۔ حضرت عدیؓ نے پوچھا: اگر کتا کھالے؟ آپ نے فرمایا: پھر مت کھاؤ، اس لیے کہ اس نے تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے روک چھوڑا ہے۔ حضرت عدیؓ نے پوچھا: اگر میں اپنا کتا چھوڑوں اور اس کے ساتھ دوسرا کتا پاؤں؟ آپ نے فرمایا: مت کھاؤ، اس لئے کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے، دوسرے پر نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عدیؓ نے پوچھا: اگر چہ کتا شکار کو مار دے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ وہ شکار کو مار ڈالے (پھر بھی اس کا کھانا جائز ہے)۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ثعلبہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سدھائے ہوئے کتوں کے شکار سے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے کتے سدھائے ہوئے ہیں تو اس کے شکار کو کھا جسے اس نے تیرے لیے پکڑ رکھا ہو۔ حضرت ابو ثعلبہؓ نے پوچھا: خواہ میں اسے ذبح کر سکوں یا نہ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ابو ثعلبہؓ نے پوچھا: خواہ کتا اس شکار میں سے کھالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر چہ وہ اس میں سے کھالے۔

البتہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتا شکار میں سے کھالے تو شکار مت کھا، اس لیے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا۔

اسی لیے امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول یہ ہے کہ جب شکاری کتا شکار کو کھالے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق ایسا شکار مطلقاً حلال ہے۔ امام شافعیؒ کے دوسرے قول کے مطابق اس کا کھانا حرام ہے۔ ان دونوں اقوال کے درمیان ایک قول یہ ہے کہ اگر کتا شکار پکڑتے ہی اسے کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ شکار حرام ہے، جیسا کہ حضرت عدی بن حاتمؓ والی حدیث میں ہے۔ اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور کافی دیر تک اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے شکار کھالیا تو بقیہ شکار حرام ہے، جیسا کہ حضرت ابو ثعلبہؓ والی حدیث میں ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ فرق بہت اچھا ہے۔ اس سے دو صحیح حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔

فقہائے سلف میں سے جنھوں نے چیر پھاڑ کرنے والے شکاری پرندوں کا شکار جائز قرار دیا ہے ان سب کے نزدیک شکاری پرندوں کا پکڑا ہوا شکار متفقہ طور پر جائز ہے خواہ شکاری پرندے نے شکار کے جسم کا کچھ حصہ کھالیا ہو۔ اس لیے کہ شکاری باز اور پرندوں کو شکار میں سے کچھ نہ کھانے کی تربیت دینا ممکن نہیں ہے، کتوں کو ایسی تربیت دینا ممکن ہے اور وہ اسے قبول بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام شکاری جانوروں کے لیے عام حکم دیا ہے، انھیں صرف سدھانے کی شرط عائد کی ہے اور اس میں کتے اور پرندے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شکاری جانور کے ذریعے شکار شدہ جانور حلال ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

پہلی شرط: جانور سدھایا ہوا ہو۔ کتے کے لیے یہ اصول ہے کہ اسے جب شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اسے پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اور باز کے لیے یہ اصول ہے کہ واپس بلانے پر وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔

دوسری شرط: شکاری جانور تمہارے اپنے ارادے سے فوراً شکار کے پیچھے دوڑے۔

تیسری شرط: شکاری جانور شکار کو خود نہ کھائے بلکہ اسے تمہارے پاس لے کر آئے۔

چوتھی شرط: شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔

پانچویں شرط: شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کرے۔

پانچویں شرط: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اس شرط کی طرف لفظ "الجوارح" میں اشارہ موجود ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ لہٰذا اگر شکاری جانور نے شکار کو زخمی کیے بغیر مثلاً ٹکر مار کر یا گلا گھونٹ کر مار دیا تو اس کا کھانا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے میں شکاری جانور کا شکار کو زخمی کرنا ضروری نہیں ہے۔ وہ شکار جو بغیر زخمی ہوئے مر گیا اس کا کھانا حلال ہے۔

7.6 شکار کا کٹا ہوا عضو

اگر شکار کی غرض سے چلائے گئے تیر سے شکار کا کوئی عضو کٹ کر علیحدہ ہو جائے تو شکار حلال ہے اور علیحدہ شدہ عضو حرام ہے۔ حضرت ابو واقدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما قطع من البهيمة و هي حية فهي ميتة

جو گوشت زندہ جانور کے جسم سے کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ اگر شکار کے دو برابر برابر ٹکڑے ہو گئے تو دونوں حلال ہیں۔ اگر سر کی طرف سے ایک تہائی حصہ الگ ہو گیا تو وہ بھی حلال ہے لیکن اگر سرین کی جانب سے تہائی حصہ علیحدہ ہوا تو اسے کھایا نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ نصف حصہ یا سر کی جانب سے جسم کا حصہ علیحدہ ہونے کی صورت میں وہ رگیں بھی کٹ جائیں گی جن کو ذبح میں کاٹنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن سرین کی طرف سے جسم کا ٹکڑا منقطع ہونے کی صورت میں وہ رگیں نہیں کٹیں گی، اس

لیے جسم سے قطع ہو کر اپنی تکوا مردار کے حکم میں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شکار کے دو ٹکڑے ہو گئے تو ان دونوں کا کھانا حلال ہے، خواہ ایک ٹکڑا چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ غیر اختیاری تذکیہ سے عضو علیحدہ ہوا ہے، لہٰذا جس بدن سے علیحدہ ہوا اور جو عضو علیحدہ ہوا دونوں کا کھانا حلال ہے۔

7.7 شکاری کے ہاتھ میں مرنے والے شکار کا گوشت

اگر جانور یہ تیر سے کیا ہوا شکار زندہ حالت میں شکاری کے ہاتھ میں آنے کے بعد مر جائے تو احناف کے نزدیک اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، خواہ اسے ذبح کرنا ممکن ہو۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مطابق اگر شکاری کو اسے ذبح کرنے پر قدرت حاصل نہ ہو تو شکار کا کھانا حلال ہے لیکن اگر شکاری کو اس شکار کے ذبح پر قدرت حاصل تھی اور وہ اسے ذبح نہ کرے تو اس کا گوشت حرام ہے۔

7.8 شکار غائب ہونے کے بعد ملے

اگر شکار زخمی ہو کر غائب ہو جائے اور نہ ملے، پھر اگلے دن مل جائے تو اسے کھانے سے متعلق فقہاء کے تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ اسے کھایا جائے گا خواہ اسے تیر نے مارا ہو یا کتے نے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر جانور پر تیر کا نشان پایا گیا ہو تو اسے کھایا جائے گا اور اگر کتے کا نشان پایا گیا ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا، اس لیے کہ تیر ایک ہی جہت سے جانور کو مارتا ہے لہٰذا کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا اور جانور کئی انداز سے شکار کو مارتا ہے جس سے معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رمیت سہمك و ذکرت اسم اللہ علیہ فوجدتہ من الغد و لم تجدہ فی ماء و لا فیہ اثر غیر سہمك فکل

جب تم نے اللہ کا نام لے کر اپنا تیر پھینکا پھر اسے اگلے دن پایا لیکن اسے پانی میں نہیں پایا اور نہ اس پر اپنے تیر کے علاوہ کسی اور چیز کا نشان پایا تو اسے کھاؤ۔

8- اہل کتاب کا طعام

قرآن مجید میں ہے :

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدہ ۵:۵)

اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔

طعام سے مراد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے۔

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ

اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ گوشت کے علاوہ دوسری چیزیں جن میں ذبح کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کی وہ اشیاء جن میں انسانی صنعت و عمل کو دخل نہیں ہے جیسے پھل وغیرہ، ان کا کھانا جائز ہے۔ ان میں کوئی ضرر نہیں ہے خواہ یہ کسی کے پاس ہوں۔ البتہ کھانے کی جن اشیاء میں انسانی صنعت و عمل کو دخل ہے اور وہ عمل ایسا ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً آٹے کی روٹی بنانا اور زیتون کا تیل نکالنا وغیرہ تو طبعی کراہت کی بنا پر اہل کتاب کی ان اشیاء سے بچنا چاہیے۔ ان کے ہاں طہارت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اس لیے احتیاطاً اس سے اجتناب کیا جائے۔ عمل کی دوسری قسم ذبح کرنا ہے جس کا دین سے تعلق ہے اور جس کے لیے نیت ضروری ہے۔ اگرچہ قیاس کا یہ تقاضا تھا کہ اہل کتاب کی نماز اور دیگر عبادات کی طرح ان کا ذبیحہ بھی جائز نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت سے رخصت و رعایت کرتے ہوئے ان کا ذبیحہ حلال کر دیا۔

8.1 اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی وجہ

تمام غیر مسلموں میں سے صرف اہل کتاب یعنی یہود اور مسیحیوں کا ذبیحہ حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذاہب میں تحریفات ہونے کے باوجود ذبیحہ کے مسئلہ میں ان کے عقائد بھی اسلام کے مطابق ہیں۔ وہ بھی ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں اور جس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے وہ حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کو حرام سمجھتے ہیں اور وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان کے عقیدے باطل ہیں اور اللہ ان سے پاک ہے۔ اگر اہل کتاب میں سے بعض لوگ اپنے اصل مذہب کی

تعلیمات کے مطابق ذبح نہیں کرتے تو ان کا یہ ذبیحہ اسلامی احکام کے خلاف ہونے کے علاوہ ان کے اپنے اصل مذہب کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ایسے لوگوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے ذبیحہ میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ حلال نہیں ہے۔ حضرت علیؓ سے عرب مسیحیوں کے ذبائح سے متعلق استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ان کے ذبائح حلال نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا اپنے دین سے لگاؤ صرف شراب نوشی کی حد تک ہے۔

اگر کوئی اہل کتاب جانور ذبح کرتے وقت قصداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اور کسی اور کے نام مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرے اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو جائے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔جو اہل کتاب جانوروں کا جھٹکا کریں تو ان کے جانوروں کا گوشت بھی حرام ہے۔

8.2 غیر مسلموں کے برتنوں میں کھانا

غیر مسلموں کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھانا پینا اور پکانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ وہ ان میں ناپاک چیزیں پکاتے اور کھاتے رہتے ہیں بشرطیکہ وہ سونے، چاندی یا سور کے چمڑے سے بنے ہوئے نہ ہوں۔ حضرت ابو ثعلبہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب کے ملک میں رہتے ہیں اور ان کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔وہ شکار کا ملک ہے۔ میں اپنی کمان سے، اپنے سدھائے ہوئے اور اپنے غیر سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں۔آپ فرمائیے ان میں سے کیا ہمارے لیے حلال ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما ما ذکرت انکم بارض قوم من اهل الکتاب تاکلون فی انیتهم فما وجدتم غیر انیتهم فلا تاکلوا فیها و ان لم تجدوا فاغسلوها ثم کلوا فیها. (17)

جو تم نے کہا کہ تم اہل کتاب کے ملک میں ہو اور تم ان کے برتنوں میں کھاتے ہو، تو اگر تمہیں دوسرے برتن مل سکیں تو پھر ان کے برتنوں میں مت کھاؤ اور اگر نہ ملیں تو پھر ان کے برتنوں کو دھو لو اور پھر ان میں کھاؤ۔

حضرت عمرؓ نے ایک مسیحی کے گھر میں مسیحی عورت کے برتن میں وضو کیا تھا۔

9- مسلمانوں کا ذبیحہ

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ

تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے

سے مراد یہ ہے کہ تمہیں اجازت ہے کہ تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ۔ جیسے کہ ان کا ذبیحہ تم کھا لیتے ہو۔ گویا یہ ادل بدل کے طور پر ہے۔

10- مرتد کا ذبیحہ

جو مسلمان (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر یہودی یا مسیحی ہو جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہے اور اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ جو مسلمان (نعوذ باللہ) اسلام کے قطعی اور بنیادی عقائد میں سے کسی ایک کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ دار ہو۔

11- سمندری شکار و طعام

قرآن مجید میں ہے:

☆ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدة ٥: ٩٦)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

☆ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا (النحل ١٦: ١٤)

اور وہی اللہ ہے جس نے سمندر تمہارے بس میں کر دیے ہیں کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔

☆ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر ٣٥: ١٢)

اور برابر نہیں ہیں دو دریا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے، پینے میں رچتا پچتا ہے اور دوسرا کھاری ہے کڑوا۔ تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو۔

"صَيْدُ الْبَحْرِ" سمندر کا شکار تفسیر میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، سعید بن مسیبؒ، قتادہؒ اور مجاہدؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شکار ہے جو بذریعہ جال تازہ پکڑا جائے۔

"صَيْدُ الْبَحْرِ" میں سمندر کے علاوہ دریاؤں کا شکار بھی شامل ہے اس لیے کہ اہل عرب دریا کو بھی بحر کا نام دیتے ہیں۔

"وَطَعَامُهُ" اور سمندر کا طعام کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ مردہ جانور ہے جسے سمندر باہر پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ کے ایک اور قول، سعید بن جبیرؒ، سعید بن مسیبؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، نخعیؒ اور مجاہدؒ کے مطابق سمندر کے "طعام" سے مراد ان کا وہ گوشت ہے جو سکھا کر اور نمکین کر کے رکھ لیا جاتا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے اس لیے کہ یہ شکار شدہ اور غیر شکار شدہ دونوں جانوروں کو شامل ہے۔

"لَحْمًا طَرِيًّا" کے الفاظ میں مچھلی کو تازہ گوشت قرار دینے میں یہ اشارہ موجود ہے کہ دوسرے جانوروں

کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔ ان کے پاس خوراک ختم ہو گئی اور وہ درختوں کے پتے پانی میں بھگو کر کھانے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں سمندر کے کنارے ایک بڑا جانور عنبر مردہ حالت میں پڑا ہوا ملا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے کہنے پر سارے لشکر نے ایک ماہ تک اس جانور کا گوشت کھایا۔ مدینہ واپس آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

هو رزق اخرجه الله لكم فهل معكم من لحمه شيء فتطعمونا

وہ اللہ کا رزق تھا جو اس نے تمہارے لیے نکالا۔ اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس ہو تو مجھے بھی کھلاؤ۔

صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا گوشت بھیجا جسے آپ نے تناول فرمایا۔

11.1 کیا تمام آبی جانور حلال ہیں؟

امام مالکؒ کے نزدیک سب دریائی جانوروں مثلاً مینڈک اور آبی سانپ وغیرہ کا کھانا حلال ہے، خواہ ان کا شکار کیا گیا ہو یا وہ سمندر میں مردہ پائے گئے ہوں، مگر دریائی سور مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پانی میں رہنے والے ہر جانور کا کھانا حلال ہے، اسے پکڑنا ہی اسے ذبح کرنا ہے اور سمندری سؤر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مینڈک، مگرمچھ اور کوسج کے سوا تمام آبی جانور حلال ہیں۔ بعض فقہاء نے مینڈک کے سوا تمام دریائی جانوروں کو مباح کہا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حکیم نے مینڈک کو دواء میں استعمال کرنے سے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے مارنے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی آواز اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے۔

جو فقہاء تمام آبی جانوروں کو حلال قرار دیتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ (المائدة ٥: ٩٦)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کے حکم میں تمام آبی جانور آگئے ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پانی کے تمام جانور طعام ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام آبی جانور حرام ہیں۔ حنفی مذہب یہ ہے کہ جو جانور سمندر میں مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں ہے، جس طرح خشکی پر از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حرام ہے۔ کیوں کہ قرآن میں ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدة ۵:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار

یہ حکم عام ہے اور اس میں از خود مرنے والے جانور کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احلت میتتان الحوت و الجراد(18)

یعنی ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔ یہ حدیث تمام آبی جانوروں کو حلال قرار دینے والوں کا موقف باطل کرتی ہے۔

احناف کا موقف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مینڈک کو ہلاک کرنے سے منع فرمانے والی حدیث سے مینڈک کی تحریم ثابت ہوگئی تو مچھلی کے سوا دیگر تمام آبی جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔

احناف کے نزدیک پانی کے اوپر تیرنے والی مردہ مچھلی (السمک الطافی) کا کھانا مکروہ ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما القی البحر او جزر عنہ فکلوہ و ما مات فیہ و طفا فلا تاکلوہ(20)

سمندر جو کچھ از خود ڈال دے یا جسے چھوڑ کر سمندر کا پانی پیچھے چلا جائے تو تم اسے کھا لیا کرو اور جو سمندر میں مر جائے اور پانی کے اوپر آجائے تو اسے مت کھاؤ۔

حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی یہی رائے تھی۔

جمہور فقہاء کے نزدیک پانی کے اوپر تیرنے والی مردہ مچھلی مکروہ نہیں اور اسے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی ایسی مچھلی کا کھانا مباح سمجھتے تھے۔ ان کی ایک دلیل عنبر والی حدیث ہے اور دوسری حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البحر الطهور ماء ه الحل ميتته

سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔

احناف کے نزدیک عنبر والی حدیث میں جمہور کے لیے دلیل نہیں ہے۔ اس حدیث کو ایک اور جماعت نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سمندر کی پھینکی ہوئی چیز حوت تھی جسے مچھلی کہا جاتا ہے۔ مچھلی کے حلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور مچھلی کے علاوہ دیگر آبی جانوروں کے حلال ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

احناف اس حدیث

البحر الطهور ماء ه الحل ميتته

سے استدلال کو صحیح نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی سعید بن سلمہ مجہول ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کی بنیاد پر کوئی بات قطعی نہیں کی جا سکتی۔

احناف کے نزدیک سمندری سور بھی حرام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ" میں سور کے گوشت کی تحریم عام ہے جس میں خشکی اور سمندری دونوں جگہوں پر پائے جانے والے سوروں کا حرام ہونا پایا جاتا ہے۔

سمندری جانوروں کے حلال ہونے میں شافعی فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے امام ابو حنیفہؒ اور بعض نے امام مالکؒ جیسا قول اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے پانی کے جانور بھی حلال ہیں اور خشکی کی جو جانور حرام ہیں ان سے مشابہت والے آبی جانور بھی حرام ہیں۔

جو جانور خشکی اور پانی دونوں جگہوں پر پائے جاتے ہوں وہ اگر پانی میں مردہ ملیں تو وہ نہیں کھانے چاہییں، اس لیے کہ اس سے متعلق دلائل متعارض ہیں ان کے حلال ہونے پر بھی دلیل ہے اور ان کے حرام ہونے پر بھی دلیل ہے۔ احتیاط کے طور پر ان کے حرام ہونے کی دلیل غالب ہو گی۔

11.2 ٹڈی کا کھانا

اوپر بیان ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احلت ميتتان الحوت و الجراد

یعنی ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں : مچھلی اور ٹڈی

احناف اور امام شافعیؒ کے نزدیک ٹڈیاں زندہ یا مردہ دونوں صورتوں میں کھانا جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی مندرجہ بالا حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے اس ٹڈی کا کھانا بھی جائز ہے جو مردہ حالت میں ملے اور وہ بھی جائز ہے جسے کوئی شخص پکڑ کر مار دے۔

حضرت ابن ابی اوفیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چھ یا سات غزوات میں شریک ہوئے۔ ہم آپ کے ہمراہ ٹڈی کھاتے تھے۔ اس روایت میں مر جانے والی اور مار دی جانے والی ٹڈی میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈیوں سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اکثر جنود اللہ لا اکلہ و لا احرمہ(20)

اللہ تعالیٰ کے بڑے لشکر ایسے ہیں کہ میں اسے نہ کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جسے حرام قرار نہ دیں وہ مباح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹڈی نہ کھانا اس کا حرام ہونا ثابت نہیں کرتا، اس لیے کہ مباح چیز کا نہ کھانا جائز ہے۔ ٹڈی سے متعلق اوپر مندرجہ روایات قرآن مجید کی آیت :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدۃ ۵:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار کے حکم کی تخصیص کرتی ہیں

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ تمام ٹڈیاں ذبح شدہ ہوتی ہیں۔

امام مالکؒ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص زندہ ٹڈی پکڑ کر اس کا سر قلم کرنے کے بعد اسے بھون کر کھالے تو جائز ہے، لیکن اسے زندہ پکڑنے کے بعد وہ شخص اس سے غافل ہو جائے اور وہ ٹڈی مر جائے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس کی حیثیت اس ٹڈی کی ہے جو شکار سے قبل مردہ صورت میں پائی جائے اور اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ابن العربی مالکی کہتے ہیں کہ ٹڈی کھانا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔

12- گھوڑے کا گوشت

جمہور فقہاء مثلاً امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت اسماءؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑا ذبح کیا، پھر ہم نے اسے کھایا۔ حضرت جابرؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

امام ابو حنیفہؒ گھوڑے کا گوشت کھانا حرام تو نہیں کہتے لیکن آپ نے گھوڑے کے گوشت سے متعلق متضاد روایات کی بنا پر اسے کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت مکروہ جانتے تھے۔

جصاصؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے دفاع میں کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (النحل ١٦:٥)

اور چارپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے گرمی کے اسباب اور بہت سے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جن مویشیوں کا ذکر کیا ہے ان کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ تم ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہو۔ پھر قرآن مجید میں ہے:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (النحل ١٦:٨)

اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے واسطے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ذکر کرنے کے بعد ان کے دو فوائد بیان فرمائے ہیں (سواری اور زینت) اگر ان کا گوشت بھی فوائد میں سے ہوتا تو اس کا ذکر بھی یہاں ضرور ہوتا۔ جانور کا گوشت کھانا تو اس کے فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت کہ "ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑا ذبح کیا، پھر ہم نے اسے کھایا"۔ اس روایت میں مخالفین کے لیے دلیل نہیں

ہے کیوں کہ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگاہ ہوتے تھے اور آپ نے ان کے گوشت کھانے کے عمل کی توثیق کی تھی۔

حضرت جابرؓ سے گھوڑے کے گوشت کی اباحت میں روایت ہے تو آپ ہی سے اس کی ممانعت پر روایت بھی ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر (۷ھ) کے موقع پر لوگ بھوک میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں، گھوڑوں اور خچروں کا گوشت حرام قرار دیا، کچلیوں والے تمام درندے اور پنجوں والے تمام پرندے حرام قرار دے دیئے۔ اس کے علاوہ آپ نے کسی کی کوئی چیز اچک لینے اور لوٹ مار کو بھی حرام قرار دیا۔

ان متعارض روایات کے ضمن میں دو باتیں ممکن ہیں:

1۔ جب کسی مسئلہ میں دو روایات ہوں، ایک میں ممانعت اور دوسری میں اباحت کا حکم ہو تو ممانعت والی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔ یہ امکان ہے کہ شارع (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک وقت میں اس چیز کو مباح قرار دیا ہو پھر بعد میں اس کی ممانعت کر دی ہو۔ ہر چیز میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہوتی ہے اور اس کی ممانعت کا حکم بعد میں آتا ہے۔ ہمیں ایسی کسی ممانعت کا علم نہیں ہے جو اباحت کے بعد آئی ہو۔ لہٰذا ممانعت والا حکم ثابت ہوگا اس لیے کہ ممانعت کے بعد اباحت کا حکم ثابت نہیں ہے۔

2۔ حضرت جابرؓ سے منقول دونوں روایات متضاد ہیں لہٰذا یہ دونوں ساقط ہیں گویا کہ وہ روایت ہی نہیں کی گئیں۔ لہٰذا امام ابو حنیفہؒ نے گھوڑے کے گوشت کی اباحت اور ممانعت سے متعلق متضاد روایات کی بنا پر گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔

خود آزمائی :

1۔ مباح مطعومات پر نوٹ لکھیے۔

2۔ شرعی ذبح کے احکام اور مسائل اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

3۔ شکاری جانور کے ذریعے شکار شدہ جانور حلال ہونے کی شرائط بیان کیجیے۔

13- پھل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ کئی پھلوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے مثلاً:

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الأنعام ٦:١٤١)

اور اسی (اللہ تعالیٰ) نے پیدا کیے باغات جو بیلوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو بیلوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور کھجور کے درخت، اور کھیتی جس کے مختلف کھانے (پھل، رنگ، بو اور ذائقے) ہیں، اور زیتون، اور انار جو ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور جداگانہ بھی۔ ان کے پھل دار ہونے پر ان کا پھل کھاؤ اور جس دن تم کھیتی کاٹو اور پھل توڑو تو ان کا حق ادا کرو۔

"**معروشت**" سے مراد وہ درخت ہیں جن کی ٹہنیاں اوپر چڑھائی جاتی ہیں جیسے انگور اور بعض ترکاریاں۔
"غیر معروشت" سے مراد وہ درخت ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں، خواہ وہ تنا دار ہوں جن کی بیلیں ہی نہیں ہوتیں یا وہ بیل دار ہوں مگر ان کی بیلیں زمین پر پھیلتی ہیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں جیسے تربوز اور خربوزہ وغیرہ۔ زیتون پھل بھی ہے اور ترکاری بھی، اس کا تیل متعدد امراض کا علاج ہے۔ اسی طرح انار کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔

تمام پھل انسان کے لیے رزق قرار دیے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ (البقرة ٢:٢٢)

اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ تمہارے لیے پھلوں سے رزق نکالا۔

13.1 سبزیاں اور دالیں

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ذکر میں فرمایا گیا:

وَإِذْ قُلْتُمْ يَامُوسَى لَنْ نَصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (البقرۃ ۲: ۶۱)

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔ پس آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ ساگ اور ککڑی اور لہسن اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اگتی ہیں ہمارے لیے پیدا کردے۔

اس آیت کریمہ میں جن سبزیوں اور دالوں کا ذکر ہوا ہے ان کا کھانا ہماری شریعت میں بھی حلال ہے۔

14- مشروبات

14.1 ممنوع مشروبات

شریعت نے بعض مشروبات قطعی طور پر حرام قرار دیے ہیں

14.2 شراب

حرمتِ شراب کے احکام تین مرتبہ نازل ہوئے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت، پھر سورۃ النساء کی آیت اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت نازل ہوئی اور بالآخر شراب قطعی طور پر حرام کر دی گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (البقرۃ ۲:۲۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ شراب اور جوئے سے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدہ بھی ہے، مگر ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

یہ آیت نازل ہونے پر لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں چیزیں ہم پر حرام نہیں کی گئیں بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دن ایک صحابی دوسروں کو نمازِ مغرب پڑھانے لگے تو ان کی قراءت غلط ملط ہو گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (النساء ۴:۴۳)

اے ایمان والو! تم جب نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ اپنی بات سمجھنے نہ لگو۔

یہ حکم سابقہ حکم کی نسبت زیادہ سخت تھا۔اب لوگوں نے نماز کے وقت نماز چھوڑ دی لیکن شراب نوشی نہ چھوڑی۔پھر زیادہ سخت اور واضح حکم نازل ہو گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ(٩٠)إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (المائدة ٥:٩١-٩٠)

اے ایمان والو! شراب، جوا، آستانے اور فال کے پانسے گندے اور شیطانی کام ہیں، تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو چاہتا یہی ہے کہ وہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ پس کیا تم اس سے باز آجاؤ گے؟

اس آیت میں شراب حرام ہونے کا ذکر کئی پہلوؤں سے ہے: رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کا اطلاق صرف اسی چیز پر درست ہوتا ہے جو ممنوع اور حرام ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے لیے فرمایا: فَاجْتَنِبُوْهُ یہ امر ہے جو متقاضی ہے کہ شراب سے اجتناب کو لازم کیا جائے۔ پھر فرمایا: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فانتھوا یعنی باز آجاؤ۔

یہ حکم نازل ہونے پر لوگوں نے کہا: انتھینا ربنا، یعنی اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔

14.3 خمر کی تفسیر

خمر انگور کے خام رس کو کہتے ہیں جس میں تیزی آگئی ہو اور جو ابلنے سے جھاگ دے۔ایسے رس کے شراب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔احناف کے نزدیک لفظ خمر کا حقیقی استعمال انگور کے تیز اور جھاگ والے کچے رس کے لیے مخصوص ہے،اس کے علاوہ دیگر مشروبات پر خمر کا اطلاق مجازی طور پر ہوتا ہے۔ان کا نام خمر نہیں بلکہ نبیذ ہے۔امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جھاگ سے ابلنے کی شرط نہیں ہے۔امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق ہر وہ مشروب جس کا زیادہ پی لینا نشہ دے خمر ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من العنب خمرا و ان من التمر خمرا و ان من العسل خمرا و ان من البر خمرا و ان من الشعیر خمرا(21)

شراب انگور سے ہوتی ہے، کھجور سے ہوتی ہے، شہد سے ہوتی ہے، گیہوں سے ہوتی ہے اور جو سے ہوتی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الخمر من العصیر و الزبیب و التمر و الحنطة و الشعیر و الذرة و انی انھکم عن کل مسکر(22)

شراب انگور کے رس، کشمش، کھجور، گندم، جو اور جوار سے بنتی ہے اور میں تمہیں ہر نشہ آور سے منع کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شراب اسکر فھو حرام (23)

ہر وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے۔

لہٰذا مندرجہ بالا اشیاء میں جب نشہ پیدا ہو جائے تو وہ خمر ہے، حرام ہے اور مستوجب سزائے حد ہے۔ اگر دیگر مشروبات بھی نشہ پیدا کریں تو اس صورت میں وہ بھی خمر کہلائیں گی اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے: الخمر ما خامر العقل، خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔

حضرت دیلم حمیریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم سرد علاقہ کے رہنے والے ہیں۔ ہم وہاں سخت محنت کرتے ہیں۔ ہم گندم کی شراب بناتے ہیں جس سے ہمیں اپنے کاموں میں تقویت ملتی ہے اور سردی سے بھی بچاؤ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: پھر اس سے اجتناب کرو۔ میں نے کہا: لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: اگر لوگ اسے ترک نہ کریں تو ان سے جنگ کرو۔

مندرجہ بالا احادیث و آثار میں ان چند چیزوں کے نام بیان کیے گئے ہیں جن سے اس زمانہ میں شراب بنائی جاتی تھی۔ لہٰذا خمر سے مراد وہ سب اشیاء ہیں جو نشہ دیں۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: کل شراب اسکر فھو حرام، یعنی ہر وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے، کے تحت کسی بھی چیز سے بنایا گیا ایسا مشروب جس سے نشہ

ہو، حرام ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروبات سے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حرم الخمر بعینھا و السکر من کل شراب (24)

شراب بعینہ حرام ہے اور ہر وہ مشروب بھی حرام ہے جو نشہ دے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خمر کے علاوہ تین قسم کی شرابیں حرام ہیں۔ طلا جو انگور کے شیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ اس شیرہ کو آگ پر اتنا پکایا جائے کہ ایک تہائی سے کم جل جائے۔ دوسری سکر ہے جو کھجور کے شربت سے بنائی جاتی ہے۔ تیسری قسم کشمش کے کچے شیرہ سے بنائی جانے والی شراب ہے۔ شراب کی ان تینوں اقسام میں یہ ضروری ہے کہ ان میں خوب جوش آگیا ہو اور ان میں جھاگ اٹھنے لگے۔

کشمش کے شیرہ کو تھوڑا سا جوش دے کر پی لیا جائے، اگر چہ وہ گاڑھا ہو جائے لیکن اس سے نشہ ہونے کا گمان نہ ہو تو یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہ حرام ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اسے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پیا جائے۔ اگر اس سے صرف لہو و لعب مقصود ہو تو پھر یہ بالاتفاق حرام ہے۔ احناف کا صحیح مذہب یہ ہے کہ گیہوں، جو، جوار، شہد اور بھنگ وغیرہ سے بنی شراب حرام ہے۔

14.4 نبیذ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اول رات کو نبیذ بھگو دی جاتی جسے آپ صبح کو پیتے، پھر دوسری رات کو، پھر صبح کو، پھر تیسری رات کو اور پھر صبح کو عصر تک اسے پیتے۔ اس کے بعد جو بچتا اسے خادم کو پلا دیتے یا حکم دیتے اور وہ بہا دی جاتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے تیسرے دن تک پیتے تھے کیوں کہ اس مدت میں تیزی نہیں آتی اور وہ عام شربت کے مانند ہوتی ہے۔ اگر اس میں تیزی نہ آتی اور اس میں نشہ نہ ظاہر ہوتا تو آپ اسے خادم کو دے دیتے ورنہ اسے بہانے کا حکم دے دیتے تھے۔

جس مشروب کی زیادہ مقدار نشہ دے اس کی تھوڑی مقدار کا پینا بھی حرام ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام جس چیز کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

14.5 شراب سے متعلق وعید

حضرت ابوہریرۃ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ شراب پینے والا مت پرست کے مانند ہے۔مت پرستی شرک ہے، گویا شراب نوشی گناہ میں شرک کے مانند اور شرابی جرم میں مشرک کی طرح ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس لعنتیں بیان فرمائی ہیں : خود شراب پر، اسے نچوڑنے والے پر، اسے نچڑوانے والے پر، اسے بیچنے والے پر، اسے خریدنے والے پر، اسے اٹھانے والے پر، اسے اٹھوانے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اسے پینے والے پر، اسے پلانے والے پر

14.6 شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے

حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیموں کے بارے میں متعلق پوچھا جنہیں وراثت میں شراب ملی تھی۔آپ نے فرمایا: اسے بہادو۔حضرت ابوطلحہؓ نے پوچھا: کیا میں اس کا سرکہ بنالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

14.7 شراب کا استعمال بطور دواء

حضرت طارق بن سویدؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا۔آپ نے انھیں شراب بنانے سے منع یا ناپسند فرمایا۔حضرت طارق ؓ نے کہا: میں دواء کے لیے اسے بناتا ہوں۔آپ نے فرمایا:

انه لیس بدواء ولکنه داء(25)

شراب دواء نہیں بلکہ بیماری ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من شرب الخمر فی الدنیا حرمها فی الآخرة(26)

جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت میں شراب سے محروم رہے گا۔

14.8 شراب کے نقصانات

شراب عقل و ہوش پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اسے زائل کر دیتی ہے۔ شریعت کے بعد عقل ہی ہے جو انسان کو نیک و بد میں تمیز سکھاتی ہے۔ اسے ام الخبائث اور ام الفواحش کہا گیا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے بیان فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک بہت عبادت گزار شخص تھا۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ ایک بدکار عورت اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس نے اپنی لونڈی بھیج کر اس شخص کو گواہی کے بہانے اپنے پاس بلوایا۔ وہ شخص لونڈی کے ساتھ گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ جس دروازے کے اندر داخل ہوتا پیچھے سے لونڈی وہ دروازہ بند کر تی جاتی۔ آخر وہ شخص ایک خوبصورت عورت کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا ایک جام موجود تھا۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمھیں کسی گواہی کے لیے نہیں بلوایا ہے بلکہ میں نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ یا تو تم میرے ساتھ بدکاری کرو، یا یہ لڑکا قتل کر دو، یا یہ شراب پی لو۔ اس شخص نے شراب پی لی۔ پھر وہ کہنے لگا: مجھے اور شراب دو۔ اس نے شراب کے نشے میں اس عورت کے ساتھ بدکاری بھی کی اور لڑکے کو بھی قتل کیا۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: لوگو! شراب سے بچو، یہ اور ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں میں ایک آتا ہے تو دوسرا جاتا ہے۔

انسان کی فطرت سلیم کے نزدیک شراب گندی چیز ہے اور اسے شیطانی جال قرار دیا گیا ہے۔ شراب نوشی کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور مصیبتوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ انسان اللہ کے ذکر اور نماز سے دور ہو جاتا ہے اور یہ چیز اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (النحل ١٦:٦٧)

اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو)۔ جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کے لیے ان (چیزوں) میں (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے۔

"تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا"

تم ان سے نشہ آور چیزیں بنا لیتے ہو

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت تحریم خمر سے قبل نازل ہوئی تھی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مکی آیت ہے اور تحریم خمر کا حکم مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے۔

15- مباح مشروبات

15.1 پانی

پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر تمام حیات انسانی و حیوانی کا دارومدار ہے۔پانی بھی ایک مباح مشروب ہے۔اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ (النحل ١٦:١٠)

وہی اللہ ہے جو تمہارے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے ہو۔

15.2 دودھ

قرآن مجید میں دودھ کے بارے میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ (النحل١٦:٦٦)

اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں مقام غور و فکر ہے،ہم ان کے پیٹوں کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے حلق میں آسانی سے اتر جانے والا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جانور جو گھاس کھاتا ہے وہ اس کے معدہ میں جمع ہو جاتی ہے۔معدہ اسے پکاتا ہے۔اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے،دودھ اوپر ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر خون ہو جاتا ہے۔پھر جگر ان تینوں کو الگ الگ ان کے مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے۔خون رگوں میں منتقل کر دیتا ہے،دودھ کو الگ کر کے تھنوں میں بھیج دیتا ہے اور معدہ میں صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔

خالصاً سے مراد یہ ہے کہ دودھ،خون اور گوبر کے اثرات سے خالص ہوتا ہے۔اونٹ،گائے اور بکری وغیرہ کے پیٹ میں گوبر اور خون سے بچا کر دودھ تمہارے لیے نکالا جاتا ہے،نہ اس کی سفیدی میں فرق آتا ہے،نہ اس کی حلاوت میں اور نہ مہک میں۔جانور کے جسم میں گوبر،خون اور دودھ آپس میں ملتے نہیں ہیں۔خالص دودھ جانور کے

تھنوں سے باہر آجاتا ہے جو پینے والے کے حلق میں آرام سے اتر جاتا ہے۔ یہ اللہ کی خاص نعمت اور اس کی قدرت و حکمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

15.3 مردہ بکری سے نکلا دودھ

مردہ بکری سے نکلا ہوا دودھ مباح ہے۔ مندرجہ بالا آیت دو وجوہ سے اس پر دلالت کرتی ہے:

1۔ یہاں دودھ کی اباحت کا عام حکم ہے اور اس میں زندہ یا مردہ بکری کے دودھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے اور پھر بھی دودھ کو پاک و طاہر قرار دیا ہے باوجود اس کے کہ دودھ پیدا کرنے کی جگہ وہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقامِ پیدائش کے نجس ہونے سے دودھ نجس نہیں ہے اور مردہ جانور کی صورت میں دودھ پیدا ہونے کی جگہ مردہ جانور کا تھن ہے۔ مردہ جانور کے تھن کا دودھ اسی طرح نجس نہیں ہے جیسے وہ گوبر اور خون کے قرب کے باوجود نجس نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ مالکی نے لکھا ہے کہ مردار کے دودھ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ایسا طاہر مائع ہے جو نجس برتن میں سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ مردار کا تھن نجس ہے اور دودھ پاک ہے اور جب اسے دوھیا گیا تو نجس برتن سے لی گئی چیز کے مانند ہو گیا۔

15.4 شہد

قرآن مجید میں شہد کے بارے میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ(٦٨) ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (النحل١٦: ٦٨، ٦٩)

تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی بلند عمارتوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ۔ اس کے پیٹ سے پینے کا شہد نکلتا

ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ یہاں شراب سے مراد شہد ہے۔ شہد سیال مادہ ہونے کی وجہ سے اسے شراب یعنی پینے کی چیز کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کو مشروب کہا ہے حالانکہ اسے کھایا جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا اکثر استعمال کھانے کے بجائے پینے کے طور پر ہوتا ہے اور اس لیے کہ یہ مائع ہے۔

شہد بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ شہد کی مکھی اللہ کے حکم سے صرف اس کام پر مامور ہے کہ وہ جگہ جگہ سے پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی ہے۔ شہد کے مختلف رنگ ہوتے ہیں: سفید، زرد، سرخ وغیرہ جیسے پھلوں اور پھولوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

شہد میں مردہ مکھیاں اور ان کے انڈے بچے بھی ہوتے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے شہد کو طاہر اور لوگوں کے لیے شفا قرار دیا ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر وہ جاندار جس میں خون نہ ہو وہ اگر کسی چیز میں گر جائے تو اسے خراب اور ناپاک نہیں کرے گا۔

شہد پیٹ کی بیماری کے لیے بہت مفید ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے بھائی کو پیٹ کی بیماری ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ۔ وہ دوبارہ آیا تو آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ۔ وہ پھر آیا اور عرض کی کہ میں نے اسے پلایا (لیکن فائدہ نہیں ہوا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صدق الله و كذب بطن اخيك اسقيه عسلا(27)

اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، اسے شہد پلاؤ۔

اس نے پھر شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عليكم بالشفائين العسل و القرآن(28)

تم دو شفاؤں کو اپنے اوپر لازم کر لو، شہد اور قرآن۔

یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ شہد میں شفا غالب ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لعق العسل ثلاث غدوات کل شہر لم یصبہ عظیم من البلاء(29)

جو شخص ہر ماہ تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اسے کوئی بڑی آفت نہیں آئے گی۔

حضرت ابو ابی بن ام حرام کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بالسنا و السنوت فان فیھم شفاء من کل داء الا السام

تم اپنے اوپر سنا اور سنوت کو لازم کر لو اس لیے کہ ان دونوں میں شفا ہے ہر بیماری سے سوائے سام کے۔

لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سام کیا ہے: آپ نے فرمایا: موت۔ سنوت شہد کو کہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے متعلق آیا ہے کہ اگر ان کے بدن پر پھوڑا نکل آتا تو وہ اس پر شہد لگا لیتے تھے۔ لوگوں کے پوچھنے پر آپ فرماتے تھے: کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہد کے متعلق یہ نہیں فرمایا ہے کہ (**فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ**) اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا: ہم آپ کا علاج کرتے ہیں۔ آپ نے کہا: مجھے بارش کا پانی لا کر دو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا (ق:۹:۵۰)

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا

اور مجھے شہد لا کر دو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ

اور مجھے زیت زیتون لا کر دو،

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ

زیتون کا مبارک درخت (النور:35:24)

لوگوں نے یہ تینوں چیزیں آپ کو لا کر دیں۔ آپ نے ان سب کو ملا کر پی لیا اور بیماری سے صحت یاب ہو گئے۔

فِيهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ

اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے

کیا شہد ہر حال میں اور ہر شخص کے لیے شفاء ہے اور اس کے شفاء ہونے میں عمومیت ہے؟ اس بارے میں مالکی فقیہ ابن العربی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا انحصار ہر شخص کی نیت پر ہے۔

فِيهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ پر جس شخص کی نیت زیادہ قوی اور یقین زیادہ صحیح ہوا اور اس نے حضرت ابن عمرؓ اور عوف بن مالک اشجعیؓ کے مانند عمل کیا تو وہ شہد کو ویسا ہی پائے گا۔

قاضی ثناء اللہ: صحیح بات یہ ہے کہ ہر قسم کے شہد کا ہر مرض کے لیے شفا ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں۔ ہر فصل کے شہد کی خاصیت جدا ہے۔ کس قسم کے پھلوں اور پھولوں کے عرق سے شہد تیار ہوا ہے اس کا لحاظ بھی موسم کے مطابق ضروری ہے۔ جو شخص خلوص اور حسن نیت سے شہد کا استعمال کرے گا اللہ اس کو شفا دے گا خواہ کوئی مرض ہو۔

16- آدابِ طعام و شرب

16.1 اسراف سے ممانعت

قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف ۳۱:۷)

کھاؤ پیؤ اور اسراف مت کرو۔

یہ آیت تمام ماکولات اور مشروبات کے کھانے اور پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان کے کھانے اور پینے میں اسراف نہ کیا جائے اور ان میں سے کسی طعام یا مشروب کو شریعت نے حرام قرار نہ دیا ہو۔ جصاصؒ کہتے ہیں کہ اسراف سے مراد حدِ استوا سے بڑھ جانا ہے اور استوا میانہ روی کا نام ہے۔ کبھی یہ اسراف حلال سے حرام کی طرف بڑھ جانے کی صورت میں ہوتا ہے، کبھی اسراف کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اخراجات میں حد سے تجاوز ہو جاتا ہے اور کبھی کھانے میں اسراف اس طرح ہوتا ہے کہ انسان اپنی بھوک سے زیادہ کھالیتا ہے جس سے اسے نقصان اور تکلیف ہوتی ہے اور اس طرح کھانا حرام ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الانعام ۱٤۱:٦)

اور اسراف مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جو حلال کیا ہے اس سے بڑھتے ہوئے حرام چیزوں کو کھا کر اسراف مت کرو اور نہ ہی اپنے حق سے زیادہ لے کر اسراف کرو۔

16.1 اللہ کا رزق کھا کر فساد کرنے کی ممانعت

قرآن مجید میں ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (البقرة:٦٠)

اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور زمین میں مت فساد کرتے پھرو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام رزق جو تم کھاتے ہو اسی کی طرف سے ہے اور اس بات کا حکم بھی دیا ہے کہ اس کا رزق کھانے کے بعد اس کی زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔

16.3 اکٹھے، تنہا اور بلا اذن کھانے کی اجازت

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا (النور٢٤:٦١)

اندھے، لنگڑے، بیمار اور خود تم پر مطلقاً کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھاؤ یا الگ الگ۔

اس آیت کے سبب نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (النساء٤:٢٩)

اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے اموال باطل طریقوں سے مت کھاؤ

نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دوسروں کے اموال باطل طریقوں سے کھانے

سے منع فرمادیا ہے اور طعام ہمارے اموال میں سے سب سے افضل ہے۔ اب کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے پاس جاکر کچھ کھائے۔ پھر لوگ ایسا کرنے سے رک گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ (النور ٢٤: ٦١)

صحابہ کرامؓ میں جو معذور تھے وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے تو شائد اسے تکلیف ہو اس لیے وہ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانے سے گریز کرنے لگے۔ نابینا نے یہ خیال بھی کیا کہ کہیں وہ دوسرے سے زیادہ نہ کھالے، وہ نابینا ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اکٹھے کھانے کا تقاضا ہے کہ سب کو برابر کا حصہ ملے۔ لنگڑے نے خیال کیا کہ وہ بیٹھنے میں دوسروں سے زیادہ جگہ لیتا ہے، اس کے بیٹھنے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف و دشواری پیش آئے گی۔

لوگ اندھوں، لنگڑوں اور بیماروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دیکھ نہ سکنے کی وجہ سے کھانہ سکیں اور ہم زیادہ کھالیں تو اس پر یہ آیت اتری کہ اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض لوگ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں کراہت محسوس کرتے تھے۔ شریعت نے یہ کراہتیں ختم کر دیں۔ بعض لوگ ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن وغیرہ قریبی رشتہ داروں کے گھر چھوڑ آتے کہ وہاں کھالیں اور یہ لوگ اس میں عار محسوس کرتے۔ اسی طرح کوئی شخص جب اپنے باپ، بھائی یا بیٹے کے گھر جاتا اور وہ نہ ہوتے اور عورتیں کھانا پیش کرتیں تو لوگ اسے نہ کھاتے کہ گھر کے مرد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں کھالینے کی رخصت عطا فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جب لوگ جنگی لشکر کے ساتھ جاتے تو اپنے گھروں کی چابیاں اپنے قریبی دوستوں کو دے دیتے اور کہتے کہ جس چیز کی ضرورت ہو اسے کھانے کی ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے کہ ہمارے لیے کھانا جائز نہیں ہے، انہوں نے ہمیں کھانے کی بادلِ ناخواستہ اجازت دی ہے، ہم تو ان کے گھروں کے امین ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اسی طرح لوگ تنہا کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ جب تک کوئی ساتھ نہ ہو کھاتے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تنہا اور اکٹھے دونوں طرح کھانے کی اجازت دے دی۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ تو اکیلے نہ کھانے میں اتنی زیادہ شدت برتتے تھے کہ جب انہیں بھوک لگتی اور کھانے والا کوئی پاس نہ ہوتا تو وہ سواری پر سوار ہو کر ساتھ

کھانے والے کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ان کی یہ سخت رسم ختم کر دی۔ اور انہیں اتنی دوری اور غیر ضروری احتیاط کو چھوڑنے کی تاکید کی جس کی وجہ سے وہ تنگی میں پڑ گئے تھے۔ ابن عطیہؒ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے ہاں یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے موروثی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔

حسن بصریؒ کے پاس ایک دیہاتی آیا۔ اس نے کھانے کا دستر خوان لٹکا ہوا دیکھا تو اسے پکڑا اور اس میں کھانا شروع کر دیا۔ حسن بصریؒ نے یہ دیکھ تو وہ رونے لگے۔ جب آپ سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا اس دیہاتی کے اس فعل نے مجھے اپنے ان بھائیوں کی یاد دلا دی ہے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ حسن بصریؒ یہ کہنا چاہتے تھے کہ وہ لوگ اسی طرح کھانے پینے میں بے تکلف تھے اور وہ اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

16.4 کن کے گھروں میں بلا اذن کھانا جائز ہے:

اس آیت میں جن رشتہ داروں اور اقرباء کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر کھانے کی اجازت دی گئی ہے ان میں اپنے باپوں کے گھر، اپنی ماؤں کے گھر، اپنے بھائیوں کے گھر، اپنی بہنوں کے گھر، اپنے چچاؤں کے، اپنی پھوپھیوں کے گھر، اپنے ماموؤں کے گھر، اپنی خالاؤں کے گھر، جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو، اور اپنے دوستوں کے گھر۔

16.5 بیٹے کا گھر

اس آیت میں بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن ضمناً ان کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں " مِنْ بُيُوتِكُمْ " (تمہارے گھروں میں سے) کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور اولاد کے گھروں کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ اولاد کے گھر ان کے آباء کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آدمی کا مال اس کے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انت و مالك لابيك(30)

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ و ان ولدہ من کسبہ(31)

آدمی کا پاکیزہ ترین کھانا وہ ہے جو اس کی اپنی کمائی سے حاصل ہو اور آدمی کی اولاد اس کی اپنی کمائی ہے۔

حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوہ من کسب اولادکم (32)

بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ ترین کمائی ہے، پس تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔

16.6 جن گھروں کی کنجیاں پاس ہوں

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایک آدمی کسی کو کھانا تیار کرنے، دودھ دوہنے یا پھل اتارنے وغیرہ کا کوئی کام سونپ دے تو اسے طعام، دودھ یا پھل وغیرہ سے کھانے کی اجازت دے دے۔ عکرمہؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی کی کنجی لے لے تو یہ جائز ہے اور اس گھر سے تھوڑا بہت کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

16.7 دوست کا گھر

"اَوْ صَدِيْقِكُمْ" یہاں صدیق جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کسی سے پوچھا گیا کہ تمہیں زیادہ محبوب کون ہے تمہارا بھائی یا تمہارا دوست؟ اس نے جواب دیا: میرا بھائی اگر وہ میرا دوست ہو۔

معمرؒ کہتے ہیں کہ میں قتادہؒ کے گھر میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں کھجور پڑی دیکھی اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ قتادہؒ نے کہا: یہ کیا؟ میں نے کہا: میں نے آپ کے گھر میں کھجور دیکھی تو اسے کھا لیا۔ قتادہؒ نے کہا: آپ نے اچھا کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ معمرؒ نے قتادہؒ سے پوچھا: کیا میں اس برتن سے پی لوں؟ قتادہؒ نے کہا: آپ میرے دوست ہیں، پھر یہ اجازت کیسی۔

16.8 اکٹھے کھانا افضل ہے

تنہا کھانے کی اجازت ہے لیکن اکٹھے کھانا افضل ہے۔ حضرت وحشیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فلعلکم تاکلون متفرقین

شائد تم الگ الگ کھاتے ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجتمعوا علی طعامکم و اذکروا اسم اللہ یبارك لکم فیہ(33)

اکٹھے ہو کر کھانا کھایا کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو۔ اللہ اس میں تمہارے لیے برکت ڈالے گا۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کلوا جمیعا و لا تفرقوا فان البرکۃ مع الجماعۃ(34)

سب مل کر کھاؤ اور الگ الگ مت کھاؤ اس لیے کہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

"اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ ... اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ" تک تمام لوگوں کے یہ مباح ہے کہ وہ بلا اجازت کھا سکتے ہیں اگر وہ کھانے والی چیز عام استعمال کے لیے رکھی گئی ہو۔ اگر وہ چیز محفوظ کر کے رکھی ہوئی ہے تو پھر وہ اسے نہیں لے سکتے۔ اسی طرح ذخیرہ کی ہوئی چیزیں بھی نہیں لے سکتے اور نہ ہی وہ ایسی چیزیں لے سکتے ہیں جو کھائی نہ جاتی ہوں، خواہ یہ چیزیں ان سے محفوظ کر کے نہ رکھی گئی ہوں۔ ایسی چیزیں ان کے مالکوں کی اجازت ہی سے لی جا سکتی ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح طور پر اس کی اجازت دی ہو یا کسی قرینہ سے یہ اجازت ثابت ہوتی ہو۔ اسی لیے اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر صرف عادت و رواج کے طور پر ہے ورنہ ان کے علاوہ کسی اجنبی کے لیے بھی گھر والے کی صریح یا غیر صریح اجازت کے بغیر کھا لینا جائز ہے بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا علم کسی طور سے ہو گیا ہو۔

خود آزمائی :

1۔ شراب اور نبیذ میں کیا فرق ہے ؟ کیا شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے ؟

2۔ مباح مشروبات پر نوٹ لکھئے۔

3۔ اسلامی آداب اکل و شرب پر مفصل نوٹ لکھیں۔

حوالہ جات

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۲ / ۳۶۹، ۳۷۰

2۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب صید المعراض

3۔ جصاص، احکام القرآن ۲ / ۳۰۵

4۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصید، باب اذا قطع من الصید قطعۃ

5۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۲ / ۹

6۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ما ذبح علی النصب و الاصنام

7۔ بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، کتاب الاطعمۃ، باب الصید والذبائح ۲ / ۸۶۹

8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی

9۔ سنن ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الضب

10۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۲ / ۱۰۸

11۔ حوالہ بالا ۲ / ۷۱، ۳۰ / ۱۵۸

12۔ کنز العمال، کتاب الطب والرقی والطاعون، باب الاول فی الطب حدیث ۲۸۳۴۷

13۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح و الصید، باب ما انهر الدم من القصب

14۔ سنن ابو داؤد، اول کتاب الضحایا، باب ما جاء فی ذکوۃ الجنین

15۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۳ / ۹۷

16۔ سنن ابو داؤد، اول الصید، باب فی الصید

17۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمۃ

18۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الصید، باب صید الحیتان والجراد

19۔ سنن ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الطافی من السمک

20۔ سنن ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الجراد

21۔ سنن ابو داؤد، کتاب الاشربۃ، باب الخمر مما هی

22۔ حوالہ بالا

23۔ صحیح البخاری، کتاب الاشربۃ، باب الخمر من العسل و ھو البتع

24۔ جصاص، احکام القرآن ۲/ ۴۱۴

25۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب تحریم التداوی بالخمر وبیان انہ لیست بدواء

26۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب عقوبۃ من شرب الخمر اذا لم یتب منھا بمنعہ ایاھا فی الآخرۃ

27۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل

28۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب العسل

29۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب العسل

30۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب

31۔ سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب

32۔ حوالہ بالا

33۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الأطعمۃ، باب الاجتماع علی الطعام

34۔ حوالہ بالا

مصادر و مراجع

1۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد (م ۲۳۵ھ) کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، دارالفکر بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء

2۔ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، شارح مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، دارالسلام ریاض، لاہور ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء

3۔ ابن حجر، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، السید عبداللہ ھاشم الیمانی المدنی، المدینۃ المنورۃ، الحجاز

4۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

5۔ ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبداللہ (م ۵۴۳ھ) احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء

6۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد (م ۶۲۰ھ) المغنی شرح مختصر الخرقی، ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، القاھرۃ ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء

7۔ ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار عالم الکتب، الریاض، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت لبنان، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء

8۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ، اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور۔

9۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث (م ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد، دار الاشاعت اردو بازار کراچی۔

10۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ) کتاب الآثار، دار الکتب العلمیۃ بیروت + مکتبہ اثریہ، جامع مسجد اہلحدیث باغ والی، سانگلہ ہل پاکستان، سال اشاعت ندارد۔

11۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) مسند الامام احمد بن حنبل، دار الفکر۔

12۔ بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) صحیح بخاری، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور ۱۹۸۰ء

13۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی (م ۴۵۸ھ) السنن الکبریٰ، دار الفکر بیروت لبنان۔

14۔ ثناء اللہ، محمد پانی پتی، قاضی (م ۱۲۲۵ھ)، تفسیر مظہری، دار الاشاعت اردو بازار کراچی ۱۹۹۹ء

15۔ جصاص، ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) احکام القرآن، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

16۔ خرشی، ابو عبداللہ محمد (م ۱۱۰۱ھ) شرح الخرشی علی مختصر سیدی خلیل، المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ ۱۳۱۷ھ + دار صادر بیروت۔

-17 ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

-18 سائیس، محمد علی، تفسیر آیات الاحکام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان۔

-19 شفیع، مفتی محمد (م) معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۸۶ء

-20 صابونی، محمد علی، روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن، مکتبۃ الغزالی، دمشق سوریا، طبعہ دوم ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

-21 ضریر، الصدیق محمد الامین، الغرر و اثرہ فی العقود فی الفقہ الاسلامی، حقوق الطبع محفوظۃ للمؤلف، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء

-22 قرضاوی، یوسف، اسلام میں حلال و حرام، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۵ء

-23 قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، (دار الکتاب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء) انتشارات ناصر خسرو، طہران ایران

-24 کیاہراسی، علی بن محمد طبری (م ۵۰۴ھ) احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

-25 مسلم بن الحجاج (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء

-26 نسائی، احمد بن شعیب بن علی (م ۳۰۳ھ) سنن نسائی، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی۔

-27 ہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین برہان فوری (م ۹۷۵ھ) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

یونٹ نمبر 16

وصیت کے احکام

تحریر:۔ ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

نظر ثانی:۔ ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

وصیت مختلف قوموں میں زمانہ قدیم ہی سے رائج رہی ہے۔ عربوں کے ہاں بھی زمانہ جاہلیت میں وصیت رائج رہی، وہ اجنبیوں کیلئے اپنے مال کے متعلق وصیت کر جاتے تھے۔ اور ایسا صرف اور صرف اظہار فخر کیلئے کیا جاتا تھا۔ یوں اپنے عزیز واقارب تو سخت محتاجی کی حالت میں رہ جاتے اور اجنبی اشخاص مرنے والے کے مال سے خوب فائدہ اٹھاتے جب اسلام آیا تو اس نے وصیت کو صحیح رخ عطا کیا اور اس کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی۔

اس یونٹ میں وصیت کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم وصیت کی مشروعیت اور ثبوت، وصیت کی اقسام، وصیت کے حکم شرعی کی نوعیت، وصیت کے ارکان، وصیت کا انعقاد، وصیت کی شرائط مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت کا حکم، وصیت سے رجوع کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- وصیت کے لغوی واصطلاحی مفہوم جان سکیں۔
2- وصیت کی مشروعیت اور ثبوت پر بحث کر سکیں۔
3- وصیت کی اقسام جان سکیں۔
4- وصیت کے ارکان جان سکیں۔
5- وصیت کے انعقاد کے احکام جان سکیں۔
6- وصیت کی شرائط جان سکیں۔
7- مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت وحکم جان سکیں۔
8- وارث کے حق میں وصیت کی شرعی حیثیت جان سکیں۔

فہرست

1- وصیت

1.1 وصیت تاریخ کے آئینے میں

وصیت مختلف قوموں میں زمانہ قدیم ہی سے رائج رہی ہے۔ لیکن بعض زمانوں میں کمزوروں پر ظلم کا موجب بھی بنی رہی ہے۔ مثلاً روم میں خاندان کے سربراہ کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا بلا کسی قیود کے حق حاصل تھا اس حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کسی اجنبی کے لئے وصیت کر دیتا اور اپنی حقیقی اولاد کو مال سے محروم کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ قانون کے ذریعے اولاد کو میراث میں چوتھائی مال حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

عربوں کے ہاں بھی زمانہ جاہلیت میں صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ وہ اجنبیوں کے لیے اپنے مال کے متعلق وصیت کر جاتے تھے۔ اور ایسا صرف اور صرف اظہار فخر کے لئے کیا جاتا۔ یوں اپنے عزیز و اقارب تو سخت محتاجی کی حالت میں رہ جاتے اور اجنبی اشخاص مرنے والے کے مال سے خوب فائدہ اٹھاتے۔

(ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، الفقه الإسلامی و أدلته، جلد۱۰/ ۷۳۳۸)۔

1.2 وصیت اسلام میں

جب اسلام آیا تو اس نے عمل وصیت کو صحیح رخ عطا کیا اور اس کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی۔ ابتدائے اسلام میں والدین اور اعزہ و اقارب کے لئے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرة: ۱۸۰)

''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو۔ تو اپنے ماں باپ اور قرابت والوں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے۔ پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے''۔

ہجرت مدینہ کے بعد میراث کی تقسیم کا مکمل اور مفصل نظام نازل کیا گیا جس میں ہر حقدار کے لئے اس کا حصہ مقرر کر دیا گیا اور وصیت کا درجہ فرض سے گھٹا کر مستحب کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو دو باتوں سے مشروط کر دیا گیا تھا:

1- یہ کہ وصیت وارث کے حق میں نافذ نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے ورثاء اجازت دے دیں۔
نبی کریم ﷺ نے خطبۃ الحجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

إن الله قد أعطى كلي ذي حق حقه فلا وصية لوارث

(امام نسائی عمرو بن خارجہ سے کتاب الوصایا باب ابطال الوارث میں روایت کیا ہے)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے پس وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے"۔

2- یہ کہ وصیت صرف مال کے ایک تہائی حصہ تک محدود ہوگی اس سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں ہوگا۔
جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا:

والثلث، والثلث كثير، إنك ان تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس

"ہاں تہائی ٹھیک تو ہے مگر وہ بھی زیادہ ہے تم اگر اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاجی کے حالت میں چھوڑ دو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

(اسے امام احمد اور صحاح ستہ کے ائمہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے)۔

1.3 وصیت کی تعریف

لغوی طور پر وصیت کا استعمال تین معنوں میں ہوتا ہے:

1- کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا یعنی اپنی وفات کے بعد کا مالک بنانا۔

2- کسی کو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا یعنی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا کہنا۔

3- کسی کو نماز وغیرہ کی وصیت کرنا یعنی نماز کا حکم دینا۔

(کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ اردو ترجمہ" کتاب الفقہ" مصنف عبدالرحمٰن الجزیری مترجم منظور احسن عباسی جزء سوم طبع دوم ۱۹۷۹ء شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب)

1.4 وصیت فقہاء کی اصطلاح میں

فقہائے حنفیہ کے نزدیک وصیت سے مراد تملیک ہے۔ یعنی کسی دوسرے کو اپنی چیز کا مالک بنا دینا جب وصیت

کرنے والی کی وفات ہو جائے۔ وصیت کرتے وقت ان الفاظ کا استعمال کرنا جو موت کی طرف منسوب ہوں ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ کہنا کہ "میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں" درست ہوگا۔ اگرچہ "میرے مرنے کے بعد" کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ وصیت اس صورت میں صحیح ہوگی جب صراحۃً وصیت کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ ایسی بات کہے جو وصیت پر دلالت کرتی ہو مثلاً "وصیت کا لفظ استعمال نہ کرنے بلکہ ایسی بات کہے جو وصیت پر دلالت کرتی ہو۔ مثلاً "میرے مال میں سے ایک تہائی حصہ فلاں کے لئے ہے" وصیت تصور کی جائے گی، کیونکہ ایک "تہائی حصہ" موت کے بعد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اگر یوں کہے کہ "میرا آدھا مال یا میرے مال میں سے یا میرے چوتھائی مال میں سے" تو یہ وصیت کے معنوں میں درست نہ ہوگا الا یہ کہ وصیت کا لفظ صراحۃً استعمال کرے۔

فقہائے مالکیہ کے ہاں وصیت کو ایک عقد تصور کیا گیا ہے جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک وصیت کسی شخص کے حق میں بخشش کرتا ہے جس پر عمل درآمد کو وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد سے منسوب کیا گیا ہے۔ چاہے وفات کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہو یا نہ کیا جائے۔

(کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" اردو ترجمہ "کتاب الفقہ" مصنف عبدالرحمٰن الجزیری مترجم منظور احسن عباسی جزء سوم طبع دوم ۱۹۷۹ء شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب ۳/ ۴۲۵)

حنابلہ کی رائے میں اپنی وفات کے بعد کسی شخص کو اپنی شے پر تصرف کی اجازت دینا وصیت ہے۔

1.5 وصیت کی مشروعیت اور ثبوت

وصیت کا مشروع ہونا چار دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

1) قرآن کریم 2) سنت مطہرہ 3) اجماع 4) عقل

1- قرآن کریم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۱۸۰)

''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے''۔

مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِي بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (سورۃ النساء: ۱۲)

''اس وصیت کے تکمیل کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد''۔

مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (سورۃ النساء: ۱۲)

''اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد''۔

پہلی آیت مبارکہ عزیز و اقارب کے لیے وصیت کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے جبکہ باقی دونوں آیات ادائے قرض اور وصیت کو مقدم قرار دیتے ہوئے میراث کو مؤخر کرتی ہیں۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۴۴)۔

ایک اور آیت مطہرۃ جو وصیت کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے:

يٰٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ (سورۃ المائدہ: ۱۰۶)

''مسلمانو! جب تم میں سے کوئی مرنے لگے تو وصیت کے وقت تم میں سے یا تمہارے غیروں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں''۔

اس آیت مبارکہ میں حالت سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا حکم نازل ہوا ہے۔ اور اگر وصیت مشروع نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

2- سنت مطہرہ

آنحضرت ﷺ کی سنت سے بھی وصیت کے مشروع ہونے کا ثبوت ملتا ہے جس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص کا واقعہ بہت مشہور ہے جسے مختلف کتب حدیث میں روایت کیا گیا ہے:

قال سعد ابي وقاص، جاء ني رسول الله ﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتد بي، فقلت يا رسول الله إني بلغ بي من الوجع ما ترى، وأنا ذو مال ولا يرثني إلا ابنة لي، أفا تصدق بثلثي مالي؟ قال : لا، قلت فالشطر يا رسول الله؟ قال "لا" فقلت : فالثلث، قال

الثلث، والثلث کثیر، انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من أن تذرھم عالة یتکففون الناس

اسے امام احمد اور صحاح ستہ کے ائمہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

''حضرت سعد کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں سخت بیمار پڑ گیا اور حضور ﷺ میری عیادت کرنے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ میری بیماری کی کیفیت ملاحظہ فرما رہے ہیں، میرے پاس مال ہے جبکہ میرے ورثاء میں میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ (کرنے کی وصیت) کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کیا: ایک تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، اور ایک تہائی بہت ہے، تم اگر اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ کر چلے جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج و تنگ دست چھوڑ کر جاؤ اور وہ تیرے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں''۔

دوسری حدیث جو وصیت کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

عن ابی ھریرۃ، انہ ﷺ: (ان اللہ تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم زیادۃ لکم فی اعمالکم تصنعونھا حیث شئتم أو قال حیث أحببتم

اس حدیث کو پانچ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ اور بزار نے روایت کی ہے۔

''حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافے کی خاطر تمہارے اوپر احسان فرمایا ہے کہ ایک تہائی تک وصیت کر سکتے ہو، چنانچہ یہ جہاں چاہو استعمال کرنے کی وصیت کرو''۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم ہے کہ اس نے وفات کے بعد بھی ان کے لیے اپنے ترکہ میں تصرف کی آزادی عطا کی ہے۔ تاکہ زندگی میں اگر ان سے نیکی کے کام کرنے میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو وہ اس کے ذریعے سے اس کا ازالہ کر سکیں۔

کتب حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو کہ وصیت کے جلد سے جلد لکھ کر اپنے پاس رکھنے کی ترغیب دلاتی ہے:

ما حق امری مسلم یبیت لیلتین ولہ شیء یرید أن یوصی فیہ الا وصیة مکتوبة عندہ.

''جب مسلمان کو کسی چیز کی وصیت کرنا ہو اسے جائز نہیں کہ وہ دو راتیں بھی یوں گزارے کہ وصیت اس کے پاس

تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔"

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الوصایا میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن أبی داؤد میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

3- اجماع

امت کے ائمہ و علماء کا ہر زمان و مکان میں وصیت کے مشروع ہونے پر اجماع رہا ہے۔

4- عقل

ہر مسلمان/مومن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نیکیوں میں کسی نہ کسی طرح اضافہ ہو سکے۔ لہذا یہ بات عقل کے قریب معلوم ہوتی ہے کہ اپنی زندگی ہی میں وہ کچھ ایسا بندوبست کر جائے کہ مرنے کے بعد بھی اسے ثواب ملتا رہے۔ اور یہ ضرورت پوری ہونے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے مال کے حوالے کچھ ایسا اختیار دیا جائے کہ وہ مرنے کے بعد اس میں تصرف کر سکے۔ یہ اختیار وصیت ہی کے ذریعے عطا کیا گیا ہے۔

1.6 وصیت کو جائز قرار دینے کی حکمت

وصیت کو مشروع و جائز قرار دینے میں دو طرح کی حکمت پوشیدہ ہے۔ ایک تو دنیا کے فائدے سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری آخرت کے ثواب سے۔

1- دنیوی فائدہ

وصیت کے ذریعے سے ان غریب، ضعیف اور مسکین اعزہ و اقارب کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے جو وارث نہیں ہوں۔ مثلاً پوتا جو کہ (اپنے باپ کی موجودگی میں) شرعی طور پر دادا کا وارث نہیں ہو سکتا۔ مگر وصیت کے ذریعے سے دادا اپنے پوتے کو کچھ نہ کچھ دے سکتا ہے۔

2- ثواب آخرت

جیسے کہ بیان کیا گیا کہ وصیت کے ذریعے سے انسان اپنے نیک اعمال میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہونے والی کمی کوتاہی کا ازالہ کر سکتا ہے۔ مثلاً اپنے غریب اقارب کے لئے وصیت کرنے میں ایک تو صلہ رحمی کا ثواب اور دوسرے صدقہ کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک تہائی مال خیر و بھلائی کے دیگر کاموں کے لیے وقف بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کوئی کنواں، نہر یا سرائے، ہسپتال وغیرہ کی تعمیر کرنے کی وصیت کر دینا یا مسجد، سکول اور مدرسہ وغیرہ کے قیام کی وصیت کر دینا۔ ثواب جو کہ جب تک قائم رہیں کے صدقہ جاریہ کی صورت میں موصی (وصیت کنندہ) کو عرصہ دراز تک ثواب ملنے کا ذریعہ بنے رہیں گے۔

1.7 وصیت کی اقسام

وصیت کی دو اقسام ہیں: (المغنی: ۴۲۲۸)

1) مطلق وصیت   2) مقید/معلق وصیت

1- مطلق وصیت

مطلق وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص مجرد یہ کہے کہ میں فلاں کے لئے اپنے مال کے فلاں حصے کی وصیت کرتا ہوں۔

2- مقید یا معلق وصیت

مطلق وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس کا پورا ہونا کسی بات سے مشروط قرار دیا گیا ہو یا اس کے پورا ہونے کے لئے کوئی قید لگا دی گئی ہو۔ مثلاً یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری سے مر گیا یا اس شہر میں مر گیا یا فلاں سفر کے دوران مر گیا تو "فلاں کے لئے میرے مال کا فلاں حصہ ہے"۔

اس حالت میں اکثر اگر شرط پوری ہو جائے تو وصیت نافذ ہو گی اور اگر شرط پوری نہ ہوئی تو شرط کے پورا نہ ہونے کے باعث وصیت باطل ہو جائے گی۔

1.8 وصیت کے حکم شرعی کی نوعیت

وصیت کے شرعی حیثیت مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں وصیت فرض قرار دی گئی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں وراثت صرف انہی لوگوں کو ملتی تھی جو جوان مرد ہوں اور جنگ میں شریک ہونے کی اہلیت و استطاعت رکھتے ہوں۔ اس طرح کمزور، بوڑھے اور ضعیف مرد و خواتین اور کم سن بچوں کا حق مارا جاتا تھا لہذا مکمل نظام وراثت نافذ ہونے سے قبل حکمت تدریج کے تحت لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب مستحقین و اقارب کو کچھ دے جانے کی وصیت کر جایا کریں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرۃ ۱۸۰)

"تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے۔ پرہیزگاروں پر یہ حق اور لازم ہے۔"

لیکن بعد میں جب مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور میراث کی تقسیم کا مکمل نظام نازل کیا گیا جس میں ہر حق دار کو اس کا حق دیا گیا اور ورثاء کا تعین کر کے ان کے حصے مقرر کر دیئے گئے تو وصیت کو گھٹا کر اسے فرض کے بجائے مستحب قرار دیا گیا۔ اور اس کے لئے ایک تہائی مال کی حد مقرر کر دی گئی۔

مذکورہ بالا آیت کا حکم اب آیت میراث کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔

(اسلامی فقہ، مولانا مجیب اللہ ندوی ۲/۶۸۸)

حکم شرعی کی نوعیت کے اعتبار سے وصیت کی اقسام

مختلف مسالک فقہیہ کی رو سے حکم شرعی کی نوعیت کے اعتبار سے وصیت کی کل پانچ اقسام ہیں:

1) واجب 2) مستحب 3) مباح 4) مکروہ تحریمی 5) حرام

1- واجب

وصیت واجب باتفاق ائمہ ان چیزوں کے بارے میں وصیت کرنا ہے جو انسان کے ذمہ دوسرے انسانوں کا حق ہوں۔ مثلاً ایسا قرض جس کے بارے میں وارثوں کو علم نہ ہو یا اس کے لئے کوئی دستاویز موجود نہ ہو۔ یا لوگوں کی امانتیں اس کے پاس موجود ہوں۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج، زکاۃ، نذر کا کفارہ یا کوئی اور واجب اللہ واجب حق کے بارے میں وصیت

کرنا بھی واجب ہے
واجب وصیت کا زبانی کر دینا یا لکھ کر اپنے پاس ہر وقت رکھنا واجب ہے تا کہ اچانک موت آجانے کی صورت میں حقداروں کی حق تلفی نہ ہو ورنہ گناہ گار ہوگا۔

2- مستحب

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے میں مستحب وصیت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ یعنی واجب الادا عبادات کے لئے جو وصیت کی جائے وہ مستحب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مستحب وصیت وہ ہے جو تاکیدی مستحب ہے۔ یعنی وہ وصیت جو وصیت کی شرائط پوری کرتی ہو مگر واجب حرام یا مکروہ نہ ہو۔ حنابلہ کے نزدیک مستحب وصیت سے مراد ایسی وصیت ہے جو کسی ایسے محتاج قرابت دار کے حق میں کی جائے جسے ورثہ میں حصہ نہ مل سکتا ہو۔ لیکن اس وصیت میں دو شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس قدر مال چھوڑے جسے بالعموم زیادہ تصور کیا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ وصیت مال متروکہ کے پانچویں حصہ سے زیادہ کے بارے میں نہ ہو تا کہ ورثاء کو دکھ نہ پہنچے۔ اور اگر کوئی محتاج قرابت دار نہ ہو تو فقیروں مسکینوں اور عالموں کے لئے ایسی وصیت مستحب تصور کی جائے گی۔

3- مباح

حنفیہ کے ہاں مباح اس وصیت کا درجہ مانا جاتا ہے جو کہ خوش حال رشتہ داروں کے حق میں کی جائے۔
شافعیہ کے نزدیک صاحب ثروت کے حق میں وصیت کرنا مباح ہے چاہے وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ مباح وصیت وہ ہے جو کسی مباح امر کے لئے کی جائے۔ حنابلہ کے نزدیک وصیت کی واجب، مستحب، مکروہ اور حرام اقسام کے علاوہ باقی تمام اقسام مباح ہیں۔

4- مکروہ

حنفیہ کے ہاں مکروہ وصیت وہ ہے جو فاسقوں گناہگاروں، مجرموں اور گمراہ لوگوں کے حق میں کی جائے۔
مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس شخص کا وصیت کرنا مکروہ ہے جس کے پاس مال کم ہو اس کا وارث موجود ہو اور وصیت کرنے کی صورت میں وہ محتاج رہ جائے۔

5- حرام

شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی سرکش یا فسادی کے حق میں وصیت کرنا" کہ اگر اس کا کچھ بھی حق ترکہ میں رکھا گیا تو وہ فساد پھیلائے گا" حرام ہے حنابلہ کے نزدیک وہ وصیت حرام ہے جو کہ وارث کے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ کے بارے میں کی جائے۔

مالکیہ کے ہاں حرام وصیت وہ ہے جو کسی حرام کے لئے کی جائے۔ مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لئے وصیت کرنا۔

ڈاکٹر الزحیلی نے حرام وصیت کی درج ذیل چند صورتیں بتائی ہیں۔

کلیسہ کی تعمیر و مرمت کی وصیت کرنا (مسلمان کی جانب سے) تورات اور انجیل کی قرائت و کتابت کے متعلق وصیت کرنا۔ گمراہی، فلسفہ، جادو اور دوسرے تمام حرام علوم کی کتابت و تعلیم کی وصیت کرنا، شراب کے متعلق یا مخرب اخلاق چیزوں پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، اجنبی شخص کے لیے مال متروکہ کے ایک تہائی حصہ سے زائد کی وصیت کرنا وغیرہ۔

2- وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

1) موصی وصیت کرنے والا۔

2) موصی لہ وہ شخص یا کام چیز جس کے لئے وصیت کی جائے۔

3) موصی بہ وہ مال جس کے بارے میں وصیت کی جائے۔

اس کے بعد اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مختلف مسالک کی رو سے وصیت کے ارکان کونسے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں وصیت کا صرف ایک رکن ہے۔

امام زفر کے مطابق یہ رکن موصی کی جانب سے ایجاب ہے۔(یعنی یہ کہنا کہ میں فلاں چیز کی وصیت کرتا ہوں)۔ جبکہ موصی لہ کی جانب سے قبول کرنا وصیت کا رکن نہیں بلکہ نفاذ کی شرط ہے۔ یہی قول حنفیہ کے ہاں راجح مانا جاتا ہے۔ موصی لہ کو وارث پر قیاس کیا گیا ہے۔ دونوں ہی کو ملکیت موت کے باعث منتقل ہوتی ہے اور وراثت کی ملکیت قبولیت کی محتاج نہیں۔ لہذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی گئی کہ موصی لہ کی ملکیت بھی قبولیت کی محتاج نہیں۔

'کاسانی' اپنی کتاب 'البدائع' میں کہتے ہیں کہ تینوں ائمہ حنفیہ کے ہاں باقی تمام عقود کی طرح وصیت کے بھی دو ہی ارکان ہیں: "ایجاب اور قبول"۔

چونکہ انسان بغیر سعی وقبول کے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اگر وہ قبول نہ کرے گا تو اس کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ بخلاف میراث کہ اس میں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اس میں وصیت کے برعکس قبول کی شرط نہیں۔

قبول کی شرط یہ ہے کہ وہ موصی کی موت کے بعد ہی کارگر ہوگا۔ اگر موصی لہ موصی کی موت کے بعد قبول کرے تو موصی بہ اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا چاہے وہ اسے اپنی تحویل میں لے یا نہ لے۔ اگر موصی لہ موصی کی موت کے بعد بلا قبول ورد مر جائے تو موصی بہ اس کی ورثائی کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اپنی زندگی میں قبول یا رد کر چکا ہو تو باطل ہو جائے گا۔

2.1 جمہور کے ہاں وصیت کے ارکان چار ہیں

1) موصی 2) موصی لہ 3) موصی بہ 4) صیغہ

صیغہ موصی کی جانب سے ایجاب اور موصی لہ کی جانب سے قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

2.2 وصیت کس طرح منعقد ہو سکتی ہے؟

وصیت تین طریقوں سے منعقد ہو سکتی ہے:

1- زبانی

2- کتابت کے ذریعے (تحریری)

3- اشارہ (جو سمجھا جا سکے)

1- زبانی (عبارت)

فقہاء کے ہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصیت لفظ صریح سے منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میں فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں" اسی طرح لفظ غیر صریح سے بھی (جو کہ قرینہ کے باعث وصیت سمجھا جا سکے) وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میری موت کے بعد فلاں کے لئے میرے مال میں سے یہ ہوگا"۔

(الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۱۰/۷۴۳۸)

2- کتابت

اس میں بھی فقہاء کے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جبکہ کتابت کی صورت میں وصیت ایسا شخص کرے جو بولنے پر اصلاً قادر نہ ہو یا اس کو ایسا مرض لاحق ہو گیا ہو کہ بول نہ سکتا ہو اور اس بات سے بھی مایوسی ہو کہ وہ اب موت تک کبھی گفتگو کے قابل ہو سکے گا۔

(الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۱۰/۷۴۳۸)

تحریری وصیت اس شخص کے لئے بھی جائز ہے جو بولنے پر قادر ہو۔ اس بارے میں مختلف مذاہب فقہیہ کی آراء درج ذیل ہیں۔

حنابلہ

ان کے ہاں تحریری وصیت اس صورت میں جائز ہوگی جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ تحریر موصی ہی کے ہاتھ لکھی ہوئی ہے۔ یا اس پر کوئی ثبوت مل جائے جو یہ بات ثابت کرے کہ تحریر موصی ہی کی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ

ان کے نزدیک جب ایک شخص اپنے ہاتھ سے وصیت لکھ کر اس پر گواہ بنائے اور ان سے یہ کہے کہ جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا اس پر گواہ رہو تو یہ جائز ہوگا۔

شافعیہ

تحریری وصیت درست ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ موصی گواہوں کو اپنی وصیت سے مطلع کرے (جو اس نے تحریر کی ہے) پھر اس پر ان کو گواہ بنائے اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وصیت منعقد نہیں ہوگی۔

2.3 اشارہ سے وصیت کرنا

اشارہ کے ذریعے گونگے، اور مرض کے باعث بولنے سے عاجز اور مایوس شخص کی وصیت منعقد ہو جائے گی لیکن صرف اس صورت میں جب وہ لکھنا نہ جانتا ہو۔ اگر لکھنا جانتا ہے تو اسے تحریری وصیت کرنا ہوگی کیونکہ وہ زیادہ واضح ہوتی ہے۔

2.4 وصیت کی شرائط

وصیت کی چند شرائط ایسی ہیں جن پر وصیت کی صحت کا دارومدار ہے اور کچھ شرائط ایسی ہیں جن کا وصیت کے نفاذ کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوں گی یا موصی لہ یا موصیٰ بہ میں۔ یہاں ہم ان سب کی شرائط کا الگ الگ ذکر کریں گے۔

2.5 وہ شرط جن کا موصی میں پایا جانا ضروری ہے

موصی کی شرائط میں سے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو۔ یعنی خود مالکانہ حقوق رکھتا ہو اور دوسرے کو مالکانہ

حقوق دے سکتا ہو۔ اور وہ ایسا شخص ہوسکتا ہے جو عاقل، بالغ اور آزاد ہو، چاہے مرد ہو یا عورت اور چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

ا) عقل

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت کرنے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے۔ لہذا مجنون حالت جنون میں وصیت نہیں کرسکتا۔ ایسی وصیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جو حالت جنون میں کی گئی ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں وصیت کرنا بھی درست نہیں۔

ب) آزادی

فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صرف آزاد شخص ہی وصیت کرسکتا ہے۔ غلام یا مملوک کا وصیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس لئے کہ غلام خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اور اس کی ہر چیز اس کے مالک کی ملک ہے۔ اور وصیت تو نام ہی اس کا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنی ملک بلا معاوضہ مالک بنائے۔

(کتاب الفقہ: ۳/۴۳۳)

ج) بلوغ

حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں بلوغ وصیت کی شرائط میں سے ہے۔ لہذا ان کے ہاں بچے کا وصیت کرنا درست نہیں نہ ہی اس کی وصیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ چاہے بچہ عقلمند ہو یا نہ ہو چاہے وہ تجارت کرسکتا ہو یا نہ کرسکتا ہو۔
البتہ مالکیہ اور حنابلہ باشعور بچے کی وصیت کو درست مانتے ہیں۔ اور وہ ایسا بچہ ہوگا جو دس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ اس کا اسلام لانا بھی درست اور اس کی نماز بھی درست اور قابل قبول ہوتی ہے۔ جبکہ حنفیہ ایسے بچوں کی اس وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ جو وہ اپنے تجہیز و تکفین وغیرہ کے بارے میں کرے۔ یہ حکم حضرت عمرؓ کی اس روایت سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے کم سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی۔

2.6 کافر کی وصیت

کافر کی وصیت کرنا جمہور کی رائے میں درست ہے۔ اگرچہ وہ حربی ہو۔ اس لیے کہ وصیت کے درست ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمان کے لئے شراب یا خنزیر وغیرہ کی وصیت کرتا تو ایسی وصیت کا نفاذ نہیں کیا جائے گا۔

2.7 وصیت کرنے والے کا مال وصیت کا مالک ہونا

لازم ہے کہ انسان جس چیز کے بارے میں وصیت کرے وہ اس کی اپنی ملک ہو۔ اس لئے کہ انسان خود جس چیز کا مالک نہ ہو دوسرے کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

2.8 موصی کا راضی اور اپنی بات میں سنجیدہ ہونا

ضروری ہے کہ وصیت کرنے والا اپنی آزاد مرضی اور خوشی سے وصیت کرے۔ اور وصیت کرتے وقت وہ بالکل سنجیدہ ہو مذاق نہ کر رہا ہو۔ اگر وہ وصیت کرنے پر مجبور کیا گیا ہے یا دھوکہ اور فریب سے یا اسے مجبور کر کے کسی خاص چیز کی بابت کسی خاص شخص وغیرہ کے حق میں اس سے وصیت لی گئی تو ایسی وصیت درست نہ ہوگی۔

2.9 موصی پر اتنا قرض نہ ہونا جو اس کے مال کے ایک تہائی سے زائد ہو

وصیت کے نفاذ کے لئے لازم ہے کہ موصی پر اتنا قرض نہ ہو جو اس کے ایک تہائی مال سے زائد یا تمام مال سے زائد ہو۔ اس لیے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ وصیت کا نفاذ ہمیشہ قرض کی ادائیگی کے بعد کیا جائے گا۔ اور اس مال میں دوسرے شخص کا حق ہے لہٰذا وصیت کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دے تو وصیت کا نفاذ ممکن ہے ورنہ شرعاً باطل ہو جائے گی۔

2.10 موصی لہ کی شرائط

وہ شرائط جو موصی لہ میں پائی جانا ضروری ہیں

1- یہ کہ اگر موصی مسلمان ہو تو موصی لہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔ اگر موصی لہ شر اور گناہ کا کام ہوگا تو باتفاق فقہاء ایسی وصیت باطل ہوگی۔ مثلاً شراب اور رقص کی محفلیں منعقد کرنے کی وصیت، قبر پر گنبد اور مزار تعمیر کرنے کی وصیت، میت پر نوحہ کرنے کی وصیت، کلیسا کی تعمیر و مرمت وغیرہ کی وصیت۔

2 ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا وجود میں آنے والا ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو معدوم شے کے لئے وصیت کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ وصیت تملیک ہے۔ اور یہ کام معدوم شخص یا چیز کی صورت میں ناممکن ہے۔

لہٰذا جمہور کے ہاں مردہ کے لیے وصیت نہیں کی جا سکتی جبکہ امام مالک کہتے ہیں اگر موصی اس بات کا علم رکھتا ہے کہ موصی لہ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ جائز ہوگی اور تملیک کے اہل میت کے ورثاء ہونگے جبکہ اس کا قرض ادا کیا جا چکا ہو اور اس کی وصیت پوری کی جا چکی ہے۔

2.11 حمل کے بارے میں وصیت اور حمل کے لئے وصیت

حمل سے تعلق رکھنے والی وصیت دو قسم کی ہوگی۔ یا تو وہ حمل کے بارے میں کی جائے گی یا حمل کے لے کی جائے گی یعنی کہ حمل یا تو موصی بہ ہوگا یا پھر موصی لہ۔ فقہاء کے نزدیک وصیت کی یہ دونوں صورتیں درست ہوں گی بشرطیکہ ماں اس بچے کو (وصیت کے وقت سے شمار کرتے ہوئے) چھ ماہ کے اندر اندر زندہ جنم دے جو کہ حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وقت موصی کی موت کے وقت سے شمار جائے گی نہ کہ وصیت کے وقت سے۔

1- حمل کی وصیت (موصی بہ)

اگر یہ حمل موصی کی ملکیت ہو تو وصیت صحیح ہوگی۔ یعنی کہ یہ حمل موصی کے کسی جانور مثلاً گائے، گھوڑی، بکرے وغیرہ کا ہو جس کا وہ مالک ہے۔ اگر یہ زندہ وجود میں آیا اور اس کا وصیت کے وقت موجود ہونا معلوم ہو گیا تو وصیت صحیح ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو وصیت صحیح نہ ہوگی۔ اگر یہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

2- حمل کے لئے وصیت (موصی بہ)

بالاتفاق ایسی وصیت بھی درست ہوگی۔ اس لیے کہ وصیت میراث کی طرح ہے اور حمل کا بچہ میراث پاتا ہے لہٰذا وہ وصیت (موصی بہ) پانے کا بھی حقدار ہے۔ لیکن اگر مردہ پیدا ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ میراث کا حقدار بھی نہیں ہوتا۔

مالکیہ کی رائے اس شرط کے بارے میں مختلف ہے۔ ان کے ہاں معدوم کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ ان کے ہاں اس کے لئے وصیت کرنا بھی جائز ہے جو بعد میں وجود میں آنے والا ہو چاہے وہ وصیت کے وقت موجود نہ ہو اور چاہے موصی کی موت تک بھی وجود میں نہ آیا۔ مگر راجح رائے جمہور ہی کی ہے۔ کیوں کہ معدوم کو تملیک کا اہل قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دوسرا یہ کہ ایسی صورت میں طویل عرصہ تک مال روک رکھنا پڑے گا صرف اس کے انتظار میں جو مستقبل میں وجود

میں آئے گا۔

3- موصی لہ کا معلوم ہونا

ضروری ہے کہ موصی لہ معلوم یا معین شخص یا چیز ہو۔اس لئے کہ موصی لہ سے لاعلمی موصی بہ کو اس کے سپرد کرنے میں مانع ہے۔چونکہ وصیت موت کے وقت کے بعد نافذ ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت موصی لہ معلوم و معین ہو تا کہ ملکیت اس کے لئے ثابت ہو سکے اور موصی بہ اس کے سپرد کیا جا سکے۔مثلاً اگر موصی یہ کہے کہ فلاں دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں۔تو یہ وصیت نافذ نہ ہو سکے گی اس لئے کہ موصی کی مراد واضح نہیں ہے کہ وہ دو میں سے مال کس کو دینا چاہتا ہے۔

البتہ اگر یہ کہے کہ میرا اتنا مال فقراء ،مسلمین یا مسکینوں یا حاجتمندوں کے لئے ہے تو یہ صحیح ہوگا اس لئے کہ یہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کی بات ہے۔یعنی موصی بہ اللہ کے لئے ہو جائے گا۔اور اللہ فقیروں کو اس کا مالک بناتا ہے۔

4- یہ کہ موصی بہ تملیک کا اہل ہو

تملیک کا اہل کون ہوتا ہے یہ موصی کی شرائط میں گزر چکا ہے۔یہ شرط باتفاق علماء ثابت ہے۔مثلاً کوئی شخص کسی جانور کے لئے کچھ مال کی وصیت کرے تو حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ کے ہاں ایسی وصیت باطل ہوگی۔اس لئے کہ وصیت کا لفظ تملیک کے لئے ہوتا ہے اور جانور وغیرہ کے لئے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو درست ہوگا۔ایسی صورت میں حنفیہ کے ہاں قبول کی شرط ختم ہو جائے گی اس لئے کہ جانور قبول نہیں کرتا۔لیکن شافعیہ کے نزدیک قبول کی یہ شرط جانور کا مالک پوری کرے گا۔

5- یہ کہ موصی لہ موصی کا قاتل نہ ہو

اس بارے میں فقہاء کے ہاں چار آراء پائی جاتی ہیں۔

1- اگر موصی لہ قتل کر دے تو وہ ہرگز وصیت کردہ مال (موصی بہ) کا حقدار نہیں ہوگا۔چاہے قتل وصیت سے پہلے کیا گیا ہو یا بعد میں اور چاہے قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہو یا غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔یہ حنفیہ کی رائے ہے اور حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں بھی ایک قول ایسا ہی مروی ہے۔حنفیہ نبی ﷺ کی حدیث:

(لا وصية لقاتل)

''قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے'' کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

-2 دوسری رائے یہ ہے کہ قاتل وصیت میں اپنے استحقاق سے محروم نہیں ہوتا۔ چاہے وہ وصیت سے پہلے قتل کرے چاہے بعد میں، یہ شافعیہ کی رائے ہے۔ اور اس کے لئے ان کے ہاں جو استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ وصیت کسی دوسرے کو اپنے مال کا مالک بناتا ہے اور اس میں قبول کی ضرورت رہتی ہے لہٰذا یہ ہبہ اور خرید وفروخت کے مماثل ہے۔ یہ دونوں عمل قتل کے باعث باطل نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہ ہبہ اور خرید وفروخت کے مماثل ہے۔ یہ دونوں عمل قتل کے باعث باطل نہیں ہوتے۔ لہٰذا وصیت کے بعد واقع ہو۔ چونکہ وصیت کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے جو کہ وصیت کے بعد واقع ہو۔ چونکہ وصیت کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے لہٰذا ایسے قتل سے یہ بات بھی جا سکتی ہے کہ موصی لہ نے مال وصیت جلد حاصل کرنے کی خاطر یہ قتل کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس پر یہ فقہی قاعدہ لاگو ہوگا کہ:

-3 من استعجل شيئا قبل اوانه عوقب بحرمانه

''جو کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے لینے کی جلدی کرے گا اسے سزا کے طور پر اس سے محروم رکھا جائے گا''۔

یہ رائے فقہائے مالکیہ میں سے بعض کی ہے۔ فقہائے حنابلہ سے بھی ایک قول اس رائے کے حق میں وارد ہوا ہے۔

-4 چوتھی رائے جمہور فقہائے مالکیہ کی ہے۔ ان کے ہاں قتل کی دو صورتوں کے احکام مختلف ہیں۔ اگر قتل وصیت کے بعد کیا گیا۔ اور موصی اقدام قتل کے بعد تھوڑی دیر زندہ رہا مگر اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قتل کس نے کیا۔ اور اس نے وصیت میں تبدیلی بھی نہ کی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

-5 اگر موصی کو مرنے سے پہلے یہ معلوم ہو گیا کہ اس پر حملہ کرنے والا موصی لہ ہے۔ پھر اس نے نہ تو وصیت میں تبدیلی کی نہ اس سے رجوع کیا تو وصیت درست ہوگی۔

ان تمام آراء میں سے راجح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو سزا کے طور پر وصیت سے محروم کر دیا جائے۔ اس لئے کہ قاتل میراث سے بھی حصہ نہیں لے سکتا اور وصیت میراث ہی کے مماثل ہے۔

-6 یہ کہ موصی لہ، موصی کا وارث نہ ہو

اس شرط کے بارے میں بھی فقہاء کے ہاں تین آراء پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے یہ کہ وصیت وارث کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگی چاہے باقی ورثاء اس کی اجازت دیں یا نہ

دیں۔ یہ رائے داود ظاہری، امام مالک اور حنابلہ میں سے بعض اصحاب کی ہے۔ یہ اصحاب اپنے موقف کے حق میں نبی کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

إن اللہ قد أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے تو اب وارث کے لئے وصیت نہیں ہے"۔

یہ اصحاب کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا حدیث صریح طور پر وارث کے لئے وصیت کا ناجائز ہونا بیان کرتی ہے۔ اس لئے کہ ہر وارث کے لئے ترکہ میں واضح طور پر حصہ متعین کر دیا گیا ہے۔

داود ظاہری کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چونکہ وارث کو وصیت میں حقدار بنانے سے منع فرمایا ہے لہٰذا ورثاء کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایسی چیز کو جائز قرار دیں جو اللہ تعالیٰ نے ناجائز ٹھہرائی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ جب وصیت کی جائے گی تو وہ صحیح ہوگی لیکن اس کا نفاذ باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دیں تو صحیح ہوگی ورنہ باطل ہو جائے گی۔ یہ رائے حنفیہ کی ہے۔ اس رائے کے حق میں وہ حدیث شریف روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

لا تجوز وصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة

"وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں سوائے اس کے (باقی) ورثاء اس کی اجازت دیں"۔

دوسری حدیث میں حضرت عمرو بن اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

لا وصیة لوارث إلا أن یجیز الورثة

(نیل الأوطار ۶/۳۰ بحواله دار قطنی)

"وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ باقی ورثاء جائز قرار دیں۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وارث میں وصیت چاہے موصی بہ کی مقدار کچھ بھی ہو۔ سوائے اس کے کہ باقی ورثاء اجازت دے دیں۔ اگر وہ اجازت نہ دیں گے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے اجازت نہ دی تو صرف انہی کے حصہ میں سے پوری کی جائے گی جو اجازت دے دیں اور باقیوں کے حصے میں سے باطل ہو جائے گی۔

لیکن اجازت کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں پائی جانی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت دینے والا وارث عاقل، بالغ ہو مرض الموت میں مبتلا نہ ہو اچھی طرح جانتا ہو کہ وصیت کس چیز کے بارے میں کی گئی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ

اجازت موصی کی موت کی زندگی میں اجازت دی جائے اور موت کے بعد یہ کہنا کہ میں اجازت نہیں دیتا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور زندگی میں دے جانے والی اجازت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اجازت وہی وارث دیں گی جو موصی کی موت کے وقت وارث ہوں۔ اگر کوئی شخص وصیت کے وقت تو وراث تھا مگر بعد میں کسی وجہ سے وارث نہیں رہا تو وہ اجازت دینے کا حقدار نہیں اور اگر وصیت کے وقت وارث نہ تھا مگر موت کے وقت وارث بن گیا تھا تو اجازت دینے کا اہل ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۴۷۷)

وارث کے لئے وصیت کے بارے میں تیسری رائے شیعہ زیدیہ اور اسماعیلیہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ وصیت وارث کے لئے بھی ہر صورت میں جائز ہے چاہے ورثاء اجازت دیں یا نہ دیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آیت:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرة:۱۸۰)

''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگا ہو اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو والدین اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے''

کا صرف 'وجوب' منسوخ ہوا ہے جبکہ وارث کے لیے وصیت کا 'جواز' ابھی بھی باقی ہے۔

7- یہ کہ موصی لہ حربی کافر یا مرتد مسلمان نہ ہو

یہ احناف کی رائے ہے اور یہ اصحاب مندرجہ ذیل آیت سے اس کے لئے دلیل لاتے ہیں:

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ (الممتحنة)

چونکہ مال وصیت کے ذریعے حربی کو تقویت اور فائدہ پہنچے گا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں مال وصیت صدقہ نہیں رہے گا بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جائے گا لہذا حربی کافر کے لئے وصیت ناجائز ہوگی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۴۷۳)

اسی طرح احناف کے ہاں مرتد مسلمان کے لئے بھی وصیت ناجائز ہے۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ مرتد کے لئے وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان اپنے حربی کے لئے وصیت کرے جس نے اس پر احسان کیا

ہوتا کہ اس کے احسان کا بدلہ اتار سکے۔

(احکام الوصیۃ ص ۴۸)

اس کے علاوہ یہ اصحاب وصیت کو ہدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بھی حربی کافر کے لئے وصیت جائز قرار دیتے ہیں۔

اور کافر کے لئے ہدیہ۔ جواز کے حق میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن أسماء بنت ابی بکر قالت: أتتني أمي وهي راغبة عن الإسلام فقلت يا رسول الله افاصلها وهي راغبة عن الإسلام؟ قال: نعم

''حضرت اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں: میری والدہ جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں میری ہاں آئیں تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اس صورت میں اس کی خاطر مدارت کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اپنی ماں کی خاطر مدارت کرو۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دار الحرب میں کے رہنے والوں کو تحفہ ہدیہ دینا جائز ہے۔

خود آزمائی:

1- وصیت کی تعریف اور مفہوم بیان کریں۔

2- وصیت کی مشروعیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

3- وصیت کی اقسام پر تفصیل سے نوٹ قلم بند کیجئے۔

4- وصیت کی شرائط پر تفصیل سے نوٹ قلم بند کیجئے۔

5- کیا کافر کی وصیت جائز ہے۔

6- موصی لہ کی شرائط بیان کریں۔

3- موصی بہ کی شرائط

موصی بہ وہ چیز ہے جس کی بابت موصی وصیت کرتا ہے اور جو کہ موصی کی ملکیت ہوتی ہے۔ موصی اور موصی لہ کی طرح اس میں بھی صحت ونفاذ کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

3.1 یہ کہ موصی بہ ایسا مال ہو جو ملکیت میں لینے کے قابل ہو

اس لیے کہ وصیت نام ہے تمسّک کا اور تملیک مال ہی کی ہو سکتی ہے۔ موصی بہ ایسا مال یا ایسی چیز ہونی چاہیے جو وراثت میں منتقل ہو سکتی ہو اور اس میں بیع وشراء وغیرہ جیسے معاہدات وغیرہ بھی ہو سکتے ہوں۔ مثلاً نقدی، روپے، پیسے، سونا چاندی، گھر، دکانیں، زمین، جانور، لباس، گھر کا سامان وغیرہ ایسا قرض جو موصی کا کسی کے ذمہ ہو یا کسی چیز کی منفعت وغیرہ جیسے، رہائش کے لئے گھر یا کھیتی باڑی والی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ۔

چیزوں کی منفعت اگر چہ حنفیہ کے نزدیک میراث نہیں ہوتی مگر اس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے جبکہ جمہور کے ہاں منفعت میراث میں بھی منتقل ہوتی ہے لہذا وصیت میں بھی جائز ہوگی۔

3.2 یہ کہ موصی بہ مال متقوم ہو

واضح رہے کہ اسلامی شریعت میں مال کی دو قسمیں ہیں:

1- مال متقوم — ایسا مال جس کا ملکیت میں لینا اور فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے جائز ہے۔

2- مال غیر متقوم — ایسا مال ہے جس کا ملکیت میں لینا اور جس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے حرام اور ناجائز ہے مثلاً شراب اور خنزیر وغیرہ

مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے مال کی بابت وصیت کرے جو غیر متقوم ہو نہ ہی کسی غیر مسلم کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی مسلمان کے لیے ایسے مال کی بابت وصیت کرے۔ لیکن غیر مسلم اپنے ہی غیر مسلم بھائی کے لیے ایسی وصیت کر سکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ بھی مال ہی سمجھا جاتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں شکاری کتوں اور دوسرے ایسے شکاری جانوروں کی نسبت وصیت کرنا جائز ہے جنہیں انسان اپنے فائدے (یعنی شکار وغیرہ) کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

(البدائع ۶/۳۵۸، حاشیہ ابن عابدین ۱۰/۴۹۹، ۶۳۱۲، المغنی ۶/۵۹، ۶۳ القوانین الفقہیہ: ص ۴۰۵، کشاف القناع: ۴/ ۳۰۷-۳۱۸)

اسی طرح شافعیہ کے ہاں ایسے مال کی بابت وصیت کرنا بھی جائز جس سے حاصل کیا جانے والا نفع مباح ہو چاہے وہ مال متقوم نہ ہو۔ مثلاً شکاری کتا، یا ایسا کتا جو حفاظتی نقطہ نظر سے رکھا گیا ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے اس لیے کہ اگرچہ ان کا استعمال کرنا تو جائز نہیں ہے مگر ان سے زیور وغیرہ بنوا کر یا بیچ کر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

3.3 یہ کہ موصی بہ 'تملیک' کے قابل ہو اگرچہ وصیت کے وقت موجود نہ ہو

یعنی کہ موصی بہ ایسا مال ہو جس کے بارے میں ایسا معاہدہ ہو سکتا ہو جو شرعی طور پر جائز ہے۔ یا وہ میراث بن سکتا ہو۔

لہذا منقول کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے مثلاً سامان اور نقدی وغیرہ اس لیے کہ بیع و شراء یا ہدیہ تحفہ وغیرہ کی صورت میں دوسرا شخص اس کا مالک بن سکتا ہے۔

کسی چیز کی منفعت کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے مثلاً اپنے گھر میں رہائش کی اجازت دینا یا اپنی سواری استعمال کرنے کی اجازت دینا اس لیے کہ کرایہ وغیرہ کے ذریعے عارضی مدت کے لیے ان چیزوں کا مالک بنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس پھل کے بارے میں بھی وصیت کے لیے ان چیزوں کا مالک بنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس پھل کے بارے میں بھی وصیت کی جا سکتی ہے جو درختوں پر آئندہ لگے گا۔ گائے بکری وغیرہ کے بچے کے بارے میں وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر بچہ وصیت کے وقت اپنی ماں کے پیٹ میں نہیں ہے تو حنفیہ کے ہاں ایسی وصیت جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ زندگی میں موصی ایسے بچے کی بابت کوئی عقد یا معاہدہ وغیرہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ جمہور کے ہاں موصی بہ کا موصی کے موت کے وقت موجود ہونا لازم ہے چاہے وصیت کے وقت موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن چیزوں کی منفعت کی بابت یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت یا موت کے وقت موجود ہو۔

3.4 یہ کہ موصی بہ وصیت کے وقت موصی کی ملکیت میں داخل ہو

اس لیے کہ انسان کسی ایسی چیز کا مالک دوسرے کو نہیں بنا سکتا جبکہ وہ خود اس کا مالک نہ ہو۔ اگر یہ کہے کہ میں زید کے

مال کی بابت وصیت کرتا ہوں تو جمہور کے ہاں ایسی وصیت جائز نہ ہوگی۔ اگر چہ وہ وصیت وغیرہ کے ذریعے زید کا مالک بن چکا ہو۔ اس لیے کہ صیغہ (الفاظ وصیت) درست نہیں۔

3.5 یہ کہ وصی بہ شرعی طور پر حرام نہ ہو

اس لیے کہ وصیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان سے زندگی میں جو کوتاہی یا گناہ وغیرہ ہو گئے ہوں وہ اس کی تلافی کر سکے۔ جبکہ مندرجہ بالا صورت میں ایسا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ مزید گناہ کا سبب بن جائے گی۔ ایسی وصیت کے بارے میں مختلف فقہی مسالک میں مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں:

حنفیہ

ایسے کمانے کی بابت وصیت کرنا جب کے بے نوحہ کرنے والیاں جمع ہوتی ہیں یا قبر کو پختہ کرنے کے لیے مال کی وصیت کرنا، یا یہ وصیت کرنا کہ میرا مال خرچ کر کے میرے لئے مہنگا کفن خریدا جائے، یا میری قبر پر قرآن پڑھنے والے کو اتنا مال دینا وغیرہ۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ہونگی۔ اسی طرح یہ وصیت کرنا کہ مجھے اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔

مالکیہ

مال کی بابت یہ وصیت کرنا کہ اس سے شراب پینے والا شراب خرید سکے یا ایسے شخص کو دینا کہ جو کسی کو ناحق قتل کرے۔ یا ایسی سرزمین میں مسجد یا مدرسہ بنانے کی وصیت کرنا جو کہ قبرستان کے لئے وقف ہو۔ یا کسی نبی، ولی وغیرہ کی قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کرنا۔ یہ تمام وصیتیں باطل ہوں گی اور ورثاء کو اختیار ہے کہ موصی بہ کو جیسے چاہیں خرچ کریں۔ موصی بہ میراث میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن احناف کے برعکس مالکیہ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنے والے کو مال دینے کی وصیت کی جائے۔ اسی طرح کفن دفن وغیرہ کے اخراجات کے لئے وصیت کرنا بھی درست ہے۔

(الشرح الکبیر مع الحاشیہ الدسوقی ۴/۴۲۷)

شافعیہ

ان کے ہاں کلیسا کے لیے وصیت کرنا، اہل حرب کے لیے اسلحہ کی وصیت کرنا، یا گناہ کے کاموں کے لیے جگہ کی تعمیر کے لیے وصیت کرنا مثلاً شراب خانے، جوا خانے وغیرہ، آلات موسیقی خریدنے وغیرہ کی وصیت کرنا، جادو ٹونے اور گمراہی کی کتابوں کی کتابت و اشاعت کے لیے رقم کی وصیت کرنا۔ یہ سب وصیت باطل ٹھہرائی گئی ہیں۔

(المہذب ۱/۴۵۱ کشاف القناع ۴/۳۱۳-۳۰۷)

حنابلہ

ان تمام کاموں پر مال خرچ کرنے کی وصیت کرنا جس سے شریعت اسلامیہ میں منع کیا گیا ہے۔ مثلاً قبروں پر گنبد اور عمارتیں وغیرہ تعمیر کرنا۔ کلیسا یا آتش پرستوں وغیرہ کے مندر تعمیر کرنا یا ان پر خرچ کرنا۔ ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی لیکن مسجد کی تعمیر و مرمت اور اس کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا درست ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تعلیم اور دیگر جائز علوم کی تعلیم کے لیے رقم کی وصیت کرنا بھی درست ہے۔

(الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۱۰/۲۸۶ ے)

3.6 یہ کہ موصی پر اتنا قرض نہ ہو کہ تمام مال ادا کرنے سے پورا ہو

اس لیے کہ تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلی چیز مرنے والے کا قرض ادا کرنا ہے۔ اگر اس کے بعد مال بچ جائے تو وصیت اور پھر میراث کی تقسیم کی جائے گی۔ اگر قرض خواہ وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں تو وصیت پوری کی جائے گی ورنہ باطل ہو جائے گی۔

(الفقہ الاسلامی واصولہ ۱۰/۲۸۷ ے)

3.7 یہ کہ موصی بہ متروکہ مال کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصیت مال کے ایک تہائی حصے سے زائد کے بارے میں نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث میں بیان ہوا۔ اگر وصیت ایک تہائی سے زائد ہو تو وہ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ اجازت کا اعتبار کب ہوگا اور کس کی اجازت معتبر ہوگی یہ پہلے سے زائد مال کے بارے میں بھی اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اس لیے کہ اگر ورثاء موجود ہوں تو ایک تہائی کے سوا باقی مال ان کا حق ہوگا۔ لہٰذا ان سے اجازت لی جائے گی۔ لیکن

اگر کوئی وارث نہ ہو تو کسی کا حق بھی باقی مال میں نہ ہوگا۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ وصیت اگر ایک تہائی سے زائد ہو اور وصیت کا وارث موجود نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس کا متروکہ مال اب مسلمانوں کی میراث ہے۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی اجازت دینے والا نہیں لہذا ایک تہائی سے زائد مال کے بارے میں وصیت باطل ہوگی۔

(المہذب:۱/۴۵۰ بدائع الصنائع ۹/۱۳۳۰ الشرح الصغیر ۴/۵۸۲)

افضل یہی ہے کہ انسان ایک تہائی مال میں سے زیادہ کے بارے میں وصیت نہ کرے۔ چاہے ورثاء مالدار ہوں یا نادار۔ بہتر ہے کہ وصیت ایک تہائی مال سے بھی کم ہو۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے جب ایک تہائی کی اجازت دی تو فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔

3.8 وصیت سے رجوع کر لینا

فقہاء کے اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت ایک ایسا معاملہ یا معاہدہ ہے جس میں تغیر و تبدل بھی ہو سکتا ہے اور اس سے رجوع بھی کیا جا سکتا ہے۔

(فتح القدیر ۱۰/۴۶۹)

اور یہ کہ موصی کے لئے جائز ہے کہ زندگی میں کسی بھی وقت وہ اپنی وصیت کے کسی بھی حصے سے یا تمام وصیت سے رجوع کر لے چاہے اس نے وصیت تندرستی کی حالت میں کی ہے یا بیماری میں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

يغير الرجل ماشاء فى وصيته (المغنی ۶/۴۶۸)

''انسان اپنی وصیت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے''۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت تحفہ یا ہدیہ ہے جو کہ ابھی دیا نہیں گیا بلکہ موت کے بعد پورا ہوگا۔ لہذا اس کے پورا ہونے سے قبل اس میں ترمیم و اضافہ کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح وصیت ایجاب ہے جو کہ قبول سے موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبول سے قبل ایجاب باطل کر دیا جائے تو یہ صحیح ہوگا جیسا کہ بیع و شراء میں ہوتا ہے۔

وصیت سے رجوع یا تو صریح الفاظ کے ذریعے ہوگا مثلاً موصی یہ کہے کہ میں اس وصیت کو ختم کرتا ہوں۔ یا باطل کرتا ہوں، یا اس سے رجوع کرتا ہوں، یا اس کو منسوخ اور زائل کرتا ہوں۔

یا موصی کوئی ایسا کام کرے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا ہے مثلاً موصی بہ کو استعمال

کرلے یا خرچ کردے یا کسی کو دے۔ مثلاً کسی جانور کے بارے میں وصیت کی پھر اس کو ذبح کردیا یا بیچ دیا یا اگر گندم وغیرہ کے بارے میں وصیت کی پھر اس کو پسوا دیا۔ یا کپڑا سلوالیا یا سونے چاندی وغیرہ کا زیور بنوالیا۔ یا موصی بہ (زمین) میں مکان تعمیر کرلیا۔ یہ سب باتیں وصیت سے رجوع سمجھی جائیں گی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۹۰ ۔۳۹)

لیکن مالکیہ موصی بہ میں تصرف کرنے سے وصیت سے رجوع مراد نہیں لیتے الا یہ کہ موصی بہ میں اس قدر تبدیل ہوجائے کہ اصل باقی نہ رہے۔ یا وہ مکمل طور پر خرچ ہوجائے یا کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ یہ معلوم ہوجائے کہ موصی کا مقصد اس فعل سے وصیت سے رجوع کرنا تھا۔ جبکہ قول صریح کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے۔ لیکن اگر موصی نے موصی بہ میں زیادتی یا کمی کی تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے وصیت سے رجوع کرلیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں موصی بہ کا مکان منہدم کردینا وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موصی بہ کسی چیز کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا کہ اس کی تمیز اور اصل حقیقت اور اصل حقیقت باقی رہی تو یہ وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر موصی نے وصیت سے انکار کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ بھی رجوع ہی سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ انکار اس کے راضی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا انکار وہی سے رجوع ہی مراد لیا جائے گا۔ جب کہ حنفیہ میں سے امام محمد اور شافعیہ وحنابلہ کے ہاں انکار سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر موصی نے وصیت سے انکار کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ بھی رجوع ہی سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ انکار اس کے راضی نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا انکار سے رجوع مراد نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے وصیت معاہدہ ہے۔ اور معاہدے انکار سے باطل نہیں ہوتے۔

(صاحب ہدایہ نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۹۰۔ ۳۹۱)

3.9 مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت وحکم

یہاں ہم قرض دار، غیر مسلم، ذمی حربی کافر اور مرتد کی وصیتوں کی حیثیت اور حکم کا جائزہ لیں گے۔

1- قرض دار کی وصیت

قرض دار کی وصیت صحیح ہوگی۔ اگر چہ قرض اس کے تمام مال کے برابر ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔

2- اگر قرض تمام ترکہ کے برابر ہو

اس صورت میں وصیت کا نفاذ موصی کے بری ہونے پر موقوف رہے گا۔ یہ براءت یا تو مکمل قرض سے ہو یا کچھ سے۔ چاہے براءت کا سبب قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے قرض دار کا قرض ادا کر دے۔ جب قرض دار تمام بری ہو جائے تو وصیت تمام مال کے ایک تہائی میں سے نافذ ہوگی۔ لیکن اگر کچھ قرض سے بری ہو گیا اور کچھ سے نہ ہوا تو وصیت اس مال کے ایک تہائی میں سے نافذ ہوگی جس سے بری ہو گیا ہے۔

3 اگر قرض تمام ترکہ کے برابر نہ ہو بلکہ کم ہو

تو اس صورت میں وصیت کسی اجازت پر موقوف نہ ہوگی بلکہ اس ایک تہائی مال سے پوری کی جائیگی جس پر قرض نہیں۔

4- غیر مسلم کی وصیت

غیر مسلم سے مراد ذمی، حربی اور مرتد ہوتے۔

وصیت چاہے مسلمان کرے یا غیر مسلم صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ نیکی کا کام ہے اور تمام ادیان اس کی اجازت دیتے ہیں۔ کافر کی وصیت مسلمان کے لئے اور مسلمان کی وصیت کافر کے لئے صحیح ہوگی اس وصیت کی صحت کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ لہذا ذمی کی مسلمان اور ذمی کے لئے اور مسلمان کی مسلمان اور ذمی کے لئے وصیت درست ہے۔

5- ذمی کی وصیت

فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ ذمی کے لئے وصیت کرنا جائز ہے کیونکہ وہ تملیک کا اہل ہوتا ہے۔ اور اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ذمی کی وصیت بھی مسلمان کی طرح ترکے کے ایک تہائی کے اندر اندر جائز ہوں اور نافذ کی جائے گی۔ لیکن اگر ایک تہائی سے زائد ہو تو نافذ نہ ہوگی۔

ذمی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے جیسے ذمی کے لئے، مسلمان کے لئے یا اس شخص کے لئے وصیت کرے جو امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا ہو مگر اس کا مستقل رہائش نہ ہو۔ حنفیہ کے ہاں ذمی یا مسلمان ایسے حربی کے لئے وصیت نہیں کر سکتے جو دارالحرب میں ہو۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک اس کام کے لئے وصیت کر سکتا ہے جو اس کی شریعت یا دین میں نیکی کا کام مانا جاتا ہے۔ یا ہر اس کام کے لئے بھی جب کے نیک کام ہونے پر اسلام اور اس کا دین متفق ہوں۔ لیکن ان کاموں کے لئے وصیت نہیں کر سکتا جو دونوں شریعتوں میں حرام ہوں۔

6- حربی کافر کی وصیت

حربی کا وصیت کرنا بھی درست ہے اور حربی کے حق میں وصیت کرنا بھی۔ لیکن اگر وہ دارالحرب میں ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس حال میں بھی اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے۔ جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں ہو تو درست نہ ہوگی۔ اگر لے کر دارالاسلام میں کچھ وقت کے لئے مقیم ہے تو درست ہوگی جبکہ مالکیہ کے ہاں حربی کے حق میں وصیت کسی بھی صورت میں درست نہیں۔

7- مرتد کی وصیت

مرتد ایسا شخص ہے جو دین اسلام سے پھر گیا ہو۔ چاہے کوئی اور دین اختیار کر لیا ہو یا بے دین ہو گیا ہو۔ ایسا شخص توبہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا۔ جبکہ حنفیہ کے ہاں مرتد مرد تو قتل کیا جائے گا جبکہ عورت قتل نہیں کی جائے گی۔

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مرتد کی وصیت درست مانی جائے گی جو کسی حرام کام کے لئے نہ ہو مثلاً کسی مسلمان کا شراب اور خنزیر سے فائدہ اٹھانا) لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسکی وصیت موقوف رہے گی۔ اگر اسلام کی طرف پلٹ آیا تو درست ہوگی اور اسکا نفاذ بھی ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گی۔

حنفیہ اس بارے میں مرد و عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مرد کے بارے میں ان کی رائے جمہور کے موافق ہے لیکن عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی وصیت درست ہوگی اور اسکا نفاذ بھی ہوگا کیونکہ ان کے ہاں مرتد عورت قتل نہیں کی جاتی۔

3.10 وصیت کے باطل ہو جانے کا اسباب دوجوہ

وصیت کچھ اسباب کے باعث باطل ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب یا تو موصی کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا موصی لہ کے طرف سے یا پھر موصی بہ میں پائے جاتے ہیں۔

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- جب کہ موصی جنون طاری ہونے کے سبب تملیک کا اہل نہ رہے

حنفیہ کہتے ہیں اگر موصی کو جنون لاحق ہو جائے۔ تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ چاہے وہ موت سے پہلے صحت یاب ہو جائے۔ ایسا جنون جو وصیت کو باطل کر دیتا ہے اس کی مدت امام ابو یوسف کے ہاں ایک ماہ سے زیادہ رہنے والا جنون ہے جبکہ امام محمد کہتے ہیں کہ وصیت کو وہ جنون باطل کرتا ہے جو ایک سال یا اس سے زائد عرصہ رہے۔ لیکن اگر جنون ایک ماہ سے کم (امام ابو یوسف کے رائے کے مطابق) یا ایک سال سے کم (امام محمد کی رائے کے مطابق) رہے تو وصیت باطل نہ ہوگی۔

جبکہ جمہور کی رائے میں جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تملیک کا اہل ہونا معاہدے کے انعقاد کے وقت مطلوب ہے۔ اگر بعد میں یہ اہلیت کسی وجہ سے زائل ہو جائے تو معاہدہ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

2- موصی کا مرتد ہو جانا

حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے ہاں موصی کے مرتد ہو جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ وصیت موصی لہ کے مرتد ہو جانے سے بھی باطل ہو جاتی ہے۔ حنابلہ کے ہاں مرتد کی وصیت درست ہے۔

3- وصیت کا ایسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا جو پوری نہ ہو

مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں اس مرض میں وفات پا جاؤں یا فلاں شہر یا فلاں سفر میں مر جاؤں تو فلاں کے لئے میرے مال میں سے فلاں حصہ ہے۔ پھر وہ اس مرض یا اس شہر کے سفر شہر میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ شرط پوری نہ ہوئی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۵۵۵ے)

-4 وصیت سے رجوع کرنا

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع کر لینے سے یہ باطل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ عقد لازم نہیں اور اس کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موصی کے ایجاب سے موصی لہ کا کوئی حق اس کے مال میں ثابت نہیں ہو سکتا جب تک وہ قبول نہ کرے اور قبول موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے چنانچہ موصی کو اختیار ہے کہ وصیت کو باقی رہنے دے یا باطل کر دے۔

رجوع کی دو صورتیں ہیں:

-1 یہ کہ رجوع صراحتاً ہو۔ مثلاً زبان سے کہے کہ: میں فلاں کے لئے کی گئی اپنی وصیت سے دستبردار ہوتا ہوں رجوع کرتا ہوں/ چھوڑتا ہوں) باطل کرتا ہوں یا وہ مال جس کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی تھی وہ اب میرے ورثاء کا ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے صراحتاً رجوع کرنا شمار کی جائیں گی۔

اگر یہ کہے: میں فلاں کے لئے کی گئی اپنی وصیت پر نادم ہوں یا میں نے بہت جلد بازی کی یا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لئے کی حرام ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے رجوع نہیں سمجھی جائیں گی۔

-2 وصیت سے رجوع کی دوسری صورت دلالۃً ہوگی۔ یعنی موصی بہ میں ایسا تصرف جس سے یہ سمجھا جائے کہ موصی نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ تصرف دو قسم کا ہو سکتا ہے۔

ا) ہر ایسا تصرف جو موصی بہ سے موصی کی ملکیت کو ختم کر دے۔ مثلاً موصی بہ کو فروخت کر دینا، ہبہ کر دینا، صدقہ کر دینا یا مہر وغیرہ کے طور پر دے دینا۔ اگر موصی بہ موصی کی ملکیت بن جائے تو اس صورت میں کیا وہ دوبارہ سے موصی بہ تصور کیا جائے گا؟ اس بارے میں دو آراء ہیں۔ جمہور کی رائے میں ایسا ہونے سے یہ مال موصی بہ تصور نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ مالکیہ کی رائے میں اگر ایسا ہو گیا تو وصیت دوبارہ سے قائم ہو جائے گی۔

ب) ایسا تصرف جو کہ وصیت سے رجوع پر دلالت کرے۔ یہ دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ جس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ رجوع پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ ہے موصی بہ کا خرچ یا ختم ہو جانا مثلاً موصی بہ جانور کو ذبح کر دینا، موصی بہ کا کپاس سے کپڑا بن لینا یعنی ایسا تصرف جو موصی بہ کی حقیقت کو بدل دے اور وہ کوئی اور چیز بن جائے۔ چاہے یہ تصرف از خود رونما ہو جائے یا موصی کی جانب سے واقع ہو۔

3 دوسرا تصرف وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس سے رجوع سمجھا جائے گا یا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ موصی بہ میں ایسی زیادتی واقع ہو کہ اس کے بغیر موصی بہ موصی لہ کے سپرد نہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر گھر بنا لینا یا درخت وغیرہ اگا دینا یا آٹے کا گھی وغیرہ کے ساتھ مل جانا۔

(بدائع الصنائع ۶/۵۱۵)

4- موصی بہ کا کسی دوسری چیز کے ساتھ اس طرح مل جانا کہ دونوں کا الگ کرنا ناممکن یا بہت مشکل ہو۔ مثلاً آٹے کا چینی کے ساتھ مل جانا یا موصی بہ گندم کا دوسری گندم یا جو وغیرہ کے ساتھ مل جانا۔
جمہور کہتے ہیں کہ تصرف کی یہ قسم رجوع پر ہی دلالت کرتی ہے۔ جبکہ مالکیہ کے ہاں ایسا تصرف اس وقت تک رجوع نہیں سمجھا جائے گا جب تک کوئی اور چیز اس بات پر دلالت نہ کرے کہ موصی کا مقصد ایسا کرنے سے وصیت سے رجوع تھا۔

5- وصیت کو رد کر دینا

اگر موصی لہ موصی کی وفات کے بعد موصی بہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اس وصیت کو رد کرتا ہوں میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ تو یہ مال موصی کے ورثاء کا ہو جائے گا۔

6- موصی کی وفات سے قبل موصی لہ کی موت واقع ہو جانا

اگر موصی لہ موصی سے قبل ہی وفات پا جائے تو چاروں مذاہب کے ائمہ کی رائے یہی ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی چاہے موصی کو موصی لہ کی موت کا علم ہو یا نہ ہو۔ حنفیہ کے علاوہ باقیوں کے نزدیک وصیت اس صورت میں بھی باطل ہو جاتی ہے جب موصی لہ موصی کی موت کے بعد قبول سے پہلے وفات پا جائے۔

(المغنی ۸/۴۱۵-۴۱۶)

7- موصی لہ کا موصی کو قتل کر دینا

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قاتل کے حق میں وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ چاہے اقدام قتل وصیت سے قبل ہو یا بعد میں۔ حتی کہ اگر ورثاء اجازت دے دیں (کہ وصیت نافذ کی جائے) تب بھی قاتل وصیت سے محروم رہے گا۔

الھدایہ مع شرح البنایۃ بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۰ء، ۱۳/۳۹۵-۳۹۷، الشرح الکبیر والانصاف والمقنع، وزارت اوقاف سعودی عرب، ۱۹۹۸م، ۱۷/۳۰۰-۳۰۳

حنابلہ کے مذہب میں ورثاء کی اجازت کا ذکر نہیں۔ نیز ان کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۰-۷۱)

8- موصی بہ کا ہلاک یا ختم ہو جانا

اگر موصی بہ موصی لہ کے قبول سے پہلے ہلاک یا خرچ یا ختم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً کسی جانور کے بارے میں وصیت کی مگر جانور ہلاک یا ختم ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ موصی بہ نہ رہا۔ اسی طرح کسی چیز کے کچھ حصہ کے بارے میں وصیت کی پھر یوں حصہ ختم ہو گیا۔ تو بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً آدھے گھر کے بارے میں وصیت کی پھر وہ آدھا حصہ ٹوٹ گیا یا منہدم ہو گیا، یا یہ وصیت کی کہ میرے جانوروں میں سے فلاں فلاں جانور فلاں کو دیئے جائیں پھر وہ جانور مر گئے تو ان صورتوں میں بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

9- وارث کے حق میں وصیت

مالکیہ کے ہاں وارث کے حق میں کی جانے والی وصیت باطل ہو جائے باقی ورثاء اجازت دے دیں۔

13.10 اگر موصی لہ متعدد ہوں

اگر موصی لہ ایک سے زائد ہوں اور ایک تہائی ترکہ میں سے تمام وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں یا ورثاء ایک تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں مگر تمام ترکہ میں سے بھی وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو ان کا نفاذ کس طرح کیا جائے گا؟

ایسی صورت میں مندرجہ ذیل میں سے کسی کے تحت آئیں گی۔

1- یہ کہ تمام وصیتیں بندوں کے لئے ہوں مثلاً زید، خالد، عمرو وغیرہ۔

2- یہ کہ تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں مثلاً حج کی وصیت / کفارہ کی وصیت وغیرہ۔

3- یہ کہ ان میں سے کچھ بندوں کے لئے اور کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

ایسی وصیتوں کے بارے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں۔

(المغنی ۸/۴۴۳۔۴۴۴ حاشیہ ابن عابدین ۱۰/۳۹۲)

3.11 جب وصیتیں صرف بندوں سے تعلق رکھتی ہوں

جب کوئی شخص مختلف معین اشخاص کے لئے وصیتیں کرے، اور یہ وصیتیں ایک تہائی سے تجاوز کر جائیں جبکہ ورثاء تہائی سے زائد مال کے بارے میں اجازت تو دے دیں مگر وصیتیں ترکہ سے بھی زیادہ ہوں تو اس صورت میں دو حالتیں ہونگی۔

(ا) یہ کہ کوئی بھی وصیت ثلث سے تجاوز نہ کرتی ہو مثلاً ایک شخص کے لئے چھٹا حصہ، دوسرے کے لئے چوتھائی اور تیسرے کے لئے تہائی ہو۔ اس صورت میں ہر ایک کو کل ترکہ کے ثلث میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ثلث کو نو پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر پہلے شخص کو دو حصے دوسرے کو تین اور تیسرے کو ۴ حصے دیئے جائیں گے۔

(ب) یہ کہ ایک ثلث سے زائد ہو۔ مثلاً ایک شخص کے لئے ایک تہائی اور دوسرے کے لئے آدھے مال کی وصیت ہو۔ اس صورت میں فقہاء کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

1- ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ:

"ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا اس لئے کہ اگر وصیت ثلث سے زائد ہو جائے اور ورثاء اس کی اجازت نہ دیں تو زائد مقدار باطل ہو جائے گی لہٰذا اب دونوں وصیتیں ثلث میں سے ہونگی اور ترکہ کا ثلث دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا"۔

ابو یوسف، محمد اور باقی ائمہ کہتے ہیں:

"اس صورت میں بھی تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح پہلی صورت میں ہوئی یعنی ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے حصے کے مطابق ان میں تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ ایک ثلث میں سے ثلث پائے گا اور دوسرا نصف۔

جب تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے کی گئی ہوں

ایسی وصیتوں کی تین صورتیں ہونگی:

۱- یا تو وہ تمام ایک ہی درجہ کی ہونگی مثلاً تمام فرائض ہونگے حج / زکوۃ وغیرہ۔

2- یا وہ سب کی سب مختلف درجوں کی ہونگی مثلاً فرض واجب سنت وغیرہ۔

3- یا ان میں سے کچھ ایک درجہ کی کچھ دوسرے درجہ کی ہونگی مثلاً دوسنت دو فرض۔

اگر یہ سب ایک ہی رتبہ کی ہوں مثلاً ساری فرض یا ساری واجب یا سب سنت ہوں تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک پہلے وہ پوری کی جائیں گی جن کا میت نے پہلے ذکر کیا ہو۔ مثلاً یہ کہا کہ حج اور زکوۃ تو پہلے ادا کیا جائے گا۔ یا یہ کہا کہ زکوۃ اور روزے کا کفارہ تو پہلے زکوۃ ادا کی جائے گی۔

(البنایہ ۱۲/۴۵۸)

اور اگر مختلف رتبوں یا درجوں کی ہوں تو پہلے فرض پھر واجب اور پھر سنت وصیتیں ادا کی جائیں گی۔

3.13 جب کچھ وصیتیں اللہ کے لئے اور کچھ بندوں کے لئے ہوں

اس صورت میں ثلث کو مساوی طور پر تمام وصیتوں کے مابین تقسیم کر دیا جائے گا مثلاً حج، زکوۃ، کفارے اور زید کے لئے وصیت کی تو اس میں سے چوتھائی حصہ حج کے لئے وصیت کی تو اس میں سے چوتھائی حصہ حج کے لئے، چوتھائی زکاۃ کے لئے چوتھائی کفارے کے لئے اور چوتھائی زید کے لئے ہوگا۔ جب کہ ابو یوسف و محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر ورثاء ایک تہائی مال سے زائد میں وصیت کی تنفیذ کی اجازت نہ دیں تو ایک تہائی مال ہی کو ہر ایک کے حصہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے دو وصیتیں کیں۔ ایک کے لئے نصف مال کی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی کی تو ترکہ میں سے ایک تہائی مال الگ کر کے اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے پہلے کو تین اور دوسرے کو دو حصے ملیں گے۔

3.14 اموال کی منفعت کی بابت وصیت کرنا

(حاشیہ ابن عابدین: ۱۰/۳۳۲-۳۲۸، تکملہ فتح القدیر ۱۰/۵۲۰-۵۱۸ الشرح الکبیر ۱۷/۶۶-۳۶۴، مغنی المحتاج: ۶۳-۶۵۳، غایۃ المنتہی: ۲/۳۶۹ بدائع الصنائع ۶/۳۶۲-۴۵۷)

جس طرح کوئی شخص اپنے مال کی بابت کسی کے لئے وصیت کر سکتا ہے اسی طرح اموال کی منفعت کی بابت وصیت کرنا بھی اس کے لئے جائز ہے۔ اموال کی منفعت سے مراد خدمت، گھر کی رہائش اور اس کی آمدن (کرایہ وغیرہ)، زمین کی آمدن مثلاً زرعی پیداوار یا اس سے حاصل شدہ اموال، باغوں کی آمدن اور ان کا پھل وغیرہ ہے۔ ایک تہائی مال ہی کی منفعت کی بابت وصیت کرنا جائز ہے۔ لیکن ایک تہائی منفعت کا تعین کس طرح ہوگا؟ اس

بارے میں فقہاء کے ہاں دو آراء ہیں:

حنفیہ اور مالکیہ

ان کے ہاں اس مال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے۔ منفعت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی منفعت کی بابت وصیت کرے اور ترکہ کے ایک تہائی میں گھر کا صرف آدھا حصہ آتا ہو تو موصی لہ کو آدھے گھر ہی کے منافع مل سکیں گے۔ چاہے مدت انتفاع کچھ بھی ہوں۔

حنفیہ اور مالکیہ

ان کے ہاں منفعت کا اعتبار کیا جائے گا اور وصیت کے لئے ثلث کا تعین اس طرح ہوگا کہ جتنی مدت کے لئے منفعت حاصل کرنے کی موصی نے اجازت دی ہے اس مدت کی منفعت کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس میں سے ثلث موصی لہ کا حق ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں ایسا صرف اس صورت میں ہوگا جب منفعت کی مدت کا تعین موصی نے کر دیا ہو لیکن اگر اس مدت کا موصی نے تعین نہ کیا ہو تو اس بارے میں ان کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

ایک رائے حنفیہ اور مالکیہ کے موافق ہے کہ اصل مال (جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے) کا اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر وہ ثلث ہوگا تو موصی لہ اس سے فائدہ اٹھائے گا لیکن اگر ثلث سے زیادہ ہو اور ورثاء زائد کی اجازت نہ دیں تو صرف ثلث کے برابر مال کی منفعت سے فائدہ اٹھائے گا۔

3.15 منفعت سے فائدہ اٹھانے کے طریقے

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ موصی لہ اس منفعت کو کسی اور کو کرائے وغیرہ پر دے دے یا اگر پھل وغیرہ ہوں تو بیچ دے اور اس کی اجرت سے فائدہ اٹھائے۔

دوسرا یہ کہ موصی لہ اس منفعت کو خود اپنے لئے استعمال کرے۔

منفعت سے فائدہ اٹھانا وصیت کی مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر وصیت میں کسی خاص طریقے سے فائدہ اٹھانا

وصیت کے مطابق مختلف ہوسکتا ہے۔ اگر وصیت میں کسی خاص طریقے سے فائدہ اٹھانے کی قید نہ لگائی گئی ہو تو موصی لہ کو اختیار ہے کہ جیسے چاہے اس سے فائدہ اٹھائے چاہے تو خود استعمال کرے مثلاً گھر میں خود رہے اور زمین پر خود کھیتی باڑی کرے اور فصل سے فائدہ اٹھائے یا پھر دونوں کو کرائے پر کسی اور کو دے دے اور خود اس اجرت کرایہ سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر موصی نے کسی مخصوص طریقہ سے استعمال کی قید لگا دی ہو تو اس بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں:

حنفیہ

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر موصی یہ قید لگا دے کہ اس گھر یا زمین کو موصی لہ خود استعمال کرے تو اس کے لئے لازم ہے کہ خود ہی استعمال کرے کسی کو کرائے/اجرت پر دینا جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ کہے کہ کرائے پر دے یا اس کی اجرت سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت میں موصی لہ کے لئے جائز ہوگا کہ دونوں میں سے جس طریقہ سے چاہے فائدہ اٹھائے۔

شافعیہ اور حنابلہ

یہ کہتے ہیں کہ موصی لہ کو ہر طرح سے منفعت سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہے چاہے موصی نے قید لگا دی ہو یا نہ لگائی ہو۔

3.16 مشترکہ منفعت سے فائدہ اٹھانے کی صورت

اگر منفعت موصی لہ اور موصی کے ورثاء کے مابین مشترک ہو، (مثلاً موصی نے اپنے نصف گھر کی منفعت کے بارے میں وصیت کی) یا منفعت میں دو یا دو سے زائد موصی لہ شریک ہوں تو منفعت کی تقسیم تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں۔

(بحوالہ عیسوی احمد عیسوی الوصیۃ، ص ۱۳۰، مصطفیٰ السباعی، ص ۱۲۶)

1- یہ کہ منفعت سے حاصل ہونے والی اجرت تقسیم کی جائے۔ مثلاً گھر کرائے پر دیا جائے یا زمین پر کھیتی باڑی کروائی جائے اور جو آمدن حاصل ہو وہ سب کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

2- یہ کہ اگر وہ زمین یا گھر وغیرہ جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے تقسیم کیا جاسکتا ہو اور اس میں ورثاء کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچے تو اس کو تقسیم کر دیا جائے اور ہر کوئی اپنے حصے کے اموال سے جیسے چاہے فائدہ اٹھائے۔

3- یہ کہ اموال کو زمانی یا مکانی اعتبار سے باری کے اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

زمانی تقسیم

یہ کہ اموال کو اجزاء میں تقسیم کر دیا جائے۔ پھر ہر شریک اپنے جزء سے کچھ مدت فائدہ اٹھائے اس کے بعد تمام شریک اپنے اپنے اجزاء آپس میں تبدیل کر لیں۔

3.17 موصی لہ کا منفعت سے فائدہ حاصل نہ کر سکنا

کبھی ایسے اسباب پیش آ سکتے ہیں جب موصی لہ منفعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

1- جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے بعض ورثاء ہوں: ایسی صورت میں شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں روکنے والے ورثاء موصی لہ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ یہ معاوضہ اتنی مدت کے بدلے ہوگا جب میں وہ منفعت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

2- جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے تمام ورثاء ہوں: اس صورت میں شافعیہ کہتے ہیں کہ موصی لہ کے لئے دو چیزوں میں اختیار ہوگا۔ ایک تو یہ کہ وہ ورثاء سے معاوضے کا مطالبہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اس مال کی منفعت سے اتنی ہو مدت فائدہ اٹھائے جتنی مدت ورثاء کے سبب اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے صرف معاوضہ ہے۔ جبکہ اس منفعت کا مزید مدت کے لئے اٹھانا کسی صورت میں بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جتنی مدت کے لئے وصیت کی گئی تھی وہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب ورثاء نہ ہوں بلکہ کوئی اور سبب ہو اور مدت ختم ہو جائے تو ورثاء سے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

3.18 ان اموال کی ملکیت جن کی بابت وصیت کی گئی ہے

ایسے اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے۔ ان کی ملکیت وصیت کی مدت کے اعتبار سے ہوگی۔

اگر وصیت میں ان اموال سے فائدہ اٹھانے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی۔ اور منفعت کی صورت ایسی ہے کہ اس کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو یہ اموال وقف قرار پائیں گے اور موصی لہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اگر وصیت ایک مخصوص مدت کے لئے کی گئی ہو یا منفعت کی صورت ایسی ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد ختم

ہو جائے گی تو یہ اموال موصی کے ورثاء کی ملکیت ہوں گے اور موصی لہم ان سے مخصوص مدت تک فائدہ اٹھائیں گے جس کے بعد ورثاء ہی ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

3.19 کیا اموال کے مالک کے لئے ان میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان میں تصرف کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں:

حنفیہ

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ ان اموال کے مالک کے لئے ان میں از خود تصرف کی اجازت نہیں ہے۔ مثلاً وہ موصی لہ سے اجازت لئے بغیر انہیں بیچ نہیں سکتا اس لئے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور بیچنے کی صورت میں وہ اپنے حق سے محروم ہو جائے گا۔ لہذا اس کی اجازت ضروری ہے۔

جمہور

جمہور کی رائے یہ ہے کہ مالک کو ان اموال میں سے ہر طرح سے تصرف کا حق حاصل ہے مگر اس کی منفعت کا حقدار موصی لہ ہی رہے گا۔ چاہے ان اموال کا مالک کوئی بھی بن جائے۔

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو اس ان کا نفقہ کس پر ہوگا؟

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ان اموال پر جب بھی خرچ کی ضرورت ہوگی۔ وہ موصی لہ ادا کرے گا اس لئے کہ وہی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور مالک ادا کرے تو وہ ان اموال کی منفعت سے اتنا فائدہ اٹھا سکے گا جتنا اس نے خرچ کیا ہو۔ البتہ اگر ان اموال سے کوئی منفعت حاصل نہ ہوتی ہو۔ مثلاً بنجر زمین وغیرہ تو اس کا خرچہ مالک ہی پر ہوگا۔ جبکہ شافعیہ کی رائے یہ ہی کہ چاہے منفعت حاصل ہو یا نہ ہو اس کا خرچہ مالک ہی کو ادا کرنا ہوگا۔

خودآزمائی

1- وصیت کے ارکان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

2- حربی کافر کی وصیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

3- مرتد کی وصیت پر نوٹ قلم بند کیجئے۔

4- کیا وصیت سے رجوع کر لینا جائز ہے۔

5- کیا وصیت کا رد کر دینا جائز ہے۔

6- اموال کی منفعت کی بابت وصیت کے احکام پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلم بند کیجئے۔

7- موصی بہ کی شرائط بیان کریں۔

یونٹ نمبر...... 17

وراثت کے احکام

تحریر: ڈاکٹر عبدالحئی ابڑو

نظر ثانی: ۔ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

یونٹ کا تعارف

آج دنیا کے اکثر ممالک سرمایہ داری کے تباہ کن اثرات کا رونا رو رہے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دولت کو چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹنے سے کس طرح روکا جائے۔ اشتراکی نظام نے اس کا ایک علاج تجویز کیا، لیکن وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے اور فردی کی ذاتی ملکیت ہی کو ختم کر کے اسٹیٹ کو "سرمایہ دار اعظم" بنا کر بدنام زمانہ سرمایہ داری کے سارے نقائص اس میں سمو دیئے۔ دراصل اس افراط و تفریط کے بین بین ہی کوئی راستہ ان الجھنوں سے نجات دلا سکتا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔

اسلام کا معاشی نظام نہ تو فردی کی ملکیت کو ختم کرتا ہے اور نہ ہی اس کو موقع دیتا ہے کہ دولت کا ایک جگہ ارتکاز ہو سکے۔ جائز اور حلال طریقے سے دولت کمانے کی پابندی، دولت کو خرچ کرنے کی حدود کا تعین، حقوق العباد کی ادائیگی، زکوۃ و صدقات کا التزام اور تقسیم میراث وہ توازن قائم کرتے ہیں جو دولت کی صحیح تقسیم کے لئے ضروری ہے۔ صرف تقسیم میراث ہی کے اصولوں کو لیجئے، ان کی پابندی کرنے سے ہر فرد کی وفات پر اس کا ترکہ متعدد افراد میں تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طرح دولت گردش میں رہتی ہے۔ یہ اصول اسلام میں ایک مستقل فن اور علم کی حیثیت رکھتے ہیں جسے "علم الفرائض" یا "علم میراث" کہا جاتا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ علم میراث کی اہمیت و امتیاز کو سمجھ سکیں۔

2۔ ورثاء میں تقسیم ترکہ سے متعلق شریعت کے احکام معلوم کر سکیں۔

3۔ ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام کی تعریفات اور ترکہ میں ان کے حصے بیان کر سکیں۔

فہرست

1- ترکہ اور علم میراث کی تعریف اور امتیاز و اہمیت

1.1 تعریف ترکہ

کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی تمام جائیداد، منقولہ اور غیر منقولہ، نقد و جنس جو شرعاً اس کی ملکیت میں ہو، خواہ اس کے قبضہ میں ہو یا دوسروں کے ذمہ واجب الاداء ہو، میت کا ترکہ کہلاتی ہے۔

1.2 علم میراث

علم میراث وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم اور اس کے مستحقین معلوم ہوتے ہیں۔ اسے "علم الفرائض" بھی کہتے ہیں، یعنی مقررہ حصوں کا علم۔ (1)

1.3 امتیاز و اہمیت

میت کے ترکہ کے متعلق دور جاہلیت کی چند رسوم حسب ذیل تھیں: (2)

1) ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہونی چاہیے، وہ قوم (حکومت) کی ملکیت ہے۔

2) ترکہ تقسیم نہیں ہونا چاہیے، وہ خاندان کی مشترکہ جائیداد ہے۔

3) ترکہ میت کے صلب اکبر (بڑے بیٹے) کا حق ہے، دوسرے سب قرابت دار محروم ہیں۔

4) ترکہ کے مستحقین وہ مرد رشتہ دار ہیں جو میت کی وفات کے وقت دفاع اور جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، باقی (صغیر، معذور، عورتیں) سب محروم ہیں۔

5) ترکہ کے مستحقین صرف مرد ہیں، عورتیں سب محروم ہیں۔

جاہلیت کی ان تمام رسوم کے خلاف اسلام کے امتیازی قانون کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء: 7)

(مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی

اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے)۔

اس آیت میں پانچ قانونی حکم دیئے گئے ہیں(3) ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو۔ حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور اس کے دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال و املاک پر جاری ہوگا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتے ہوں۔ چوتھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ مرا ہو۔ پانچویں اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا۔

1.4 علم میراث کی اہمیت

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد نبوی ﷺ سے بخوبی ہو سکتا ہے "اے لوگو، علم الفرائض (میراث) خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ۔ وہ نصف علم ہے اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی"۔(4)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قرآن مجید خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، علم الفرائض خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، اس لئے کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اور علم اٹھالیا جائے گا، اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ دو آدمی میراث کے کسی مسئلہ کے بارے میں آپس میں اختلاف کریں گے مگر انہیں صحیح مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا"۔(5)

علم الفرائض کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ میراث کے اکثر و بیشتر احکام اور ہر وارث کے حصے خود قرآن مجید نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اس کے احکام بیان کرنے کی ذمہ داری کسی انسان پر نہیں ڈالی۔ میراث کے بہت تھوڑے احکام ایسے ہیں جو سنت نبوی ﷺ یا اجماع امت سے ثابت ہیں۔ بہر حال احکام

وراثت ملکیت مال کا ایک اہم ذریعہ ہے، جبکہ فرد و جماعت کے لیے مال کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے جس سے زندگی کا نظام قائم ہے۔ اس بنا پر اس کے حصول کے ایک اہم ذریعہ کے احکام کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری تھا، تاکہ اس طرح اس حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعات کا بھی سدباب ہو جائے گا۔

1.5 علم میراث کے مآخذ

علم میراث کے چار بنیادی مآخذ ہیں: قرآن کریم، سنت مطہرہ، صحابہ کرامؓ کا اجماع اور ان کے انفرادی اجتہادات۔ ذیل میں ہم میراث سے متعلق متصل قرآنی آیات اور بعض احادیث کا ذکر کریں گے۔

قرآنی آیات

1. يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء:11)

"تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہو گی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے ماں باپ اور تمھاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں اور اللہ یقیناً سب

حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔

2 وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (النساء: ۱۲)

"اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حقدار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے"۔

"اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا (ماں کی طرف سے) ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ دانا و بینا اور نرم خو ہے"۔

3. يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ

وَلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(النساء: ۱۷۶)

ترجمہ: "لوگ تم سے کلالہ کے معاملے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی (سگی یا باپ کی طرف سے) ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی، اور اگر بہن بے اولاد مرے تو (سگا یا باپ کی طرف سے) بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہو گا، اگر میت کی وارث (سگی یا باپ کی طرف سے) دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی، اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہو گا، اللہ تمہارے لئے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

1.6 احکامِ میراث سے متعلق احادیث

-1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جن ورثاء کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دے دو، جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے۔"(6)

-2 حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں۔ ان کے چچا نے پوری جائیداد اپنے قبضہ میں لے لی ہے اور ان کے لئے ایک حبہ تک نہیں چھوڑا ہے۔ اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا۔ اس پر میراث کی درج بالا آیت نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کو بلا کر کہا کہ سعد کی بچیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو، جو بچ جائے وہ تمہارا ہے۔ (7)

-3 حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا ترکہ اس کے شوہر اور سگی بہن

میں کس طرح تقسیم ہو گا؟ تو انہوں نے دونوں کو ترکہ میں سے نصف نصف کا حقدار ٹھہرایا اور کہا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اسی طرح فیصلہ فرماتے دیکھا ہے۔(8)

-4 حضرت طریزبن شرحبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے میراث کے مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا جس میں میت ایک بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ مرا تھا تو انہوں نے کہا کہ کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور بقیہ نصف بہن کو ملے گا۔ پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو وہ میری تائید ہی کریں گے۔ سائل نے حضرت ابن مسعودؓ کے ہاں حضرت موسیٰ کا فتویٰ ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں بھی وہی فتویٰ دوں جو ابو موسیٰؓ نے دیا ہے تو یقیناً میں راہ راست سے ہٹ جاؤں گا۔ میں اس کے بارے میں وہی فتویٰ دوں گا جو آنحضور ﷺ نے دیا تھا: بیٹی کو کل ترکہ کا نصف، پوتی کو چھٹا حصہ (بیٹیوں کے دو تہائی حصہ کی تکمیل کے طور پر) اور باقی بہن کا ہو گا۔ بخاری اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰؓ کو ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ایسا بڑا عالم تمہارے درمیان موجود ہو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔(9)

-5 اسود کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے میت کے ورثاء صرف بہن اور بیٹی ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ترکہ میں سے نصف دیا، حضور اکرم ﷺ اس وقت حیات تھے۔(10)

-6 قبیصہ بن ذویب کہتے ہیں کہ ایک دادی/نانی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی اور ان سے (اپنے پوتے/نواسے کے) ترکہ میں سے حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے حصے کا ذکر نہیں، نیز مجھے رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ میں بھی تمہارے لئے کوئی حصہ ہونے کا علم نہیں۔ فی الحال تم چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھ کر تمہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے (دادی/نانی کو) چھٹا حصہ عطا فرماتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ایسی گواہی دے سکتا ہے؟ اس پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ اٹھے اور حضرت مغیرہؓ کی بات کی تائید کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک اور دادی/نانی آپؓ کے پاس آئی جو حصہ طلب کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے کہا

کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں، البتہ چھٹا حصہ ہے، اگر تم دونوں کسی مسئلہ میں جمع ہو جاؤ تو یہ تم دونوں میں تقسیم ہوگا اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہوگی تو یہ اس کا حصہ ہوگا۔(11)

7- حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کی عدم موجودگی میں دادی / نانی کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ عطا فرمایا۔(12)

8- حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا ہو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا، اور میں (اسلامی حکومت کے سربراہ کے طور پر) اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی مالی ذمہ داریاں ادا کروں گا اور اس کے ترکہ کا وارث بنوں گا، اور جس شخص کا کوئی اور قریبی وارث موجود نہ ہو تو اس کا ماموں اس کا وارث ہوگا"۔(13)

9- حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب کسی بچے نے پیدائش کے بعد چیخنے کی آواز نکالی اور پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث بنے گا"۔(14)

10- حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کسی کافر کا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث بن سکتا ہے"۔(15)

11- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "قاتل کو مقتول کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا"۔(16)

1.7 مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟

میراث کے معاملے میں یہ اولین اصولی ہدایت ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے۔ چونکہ شریعت نے خاندانی زندگی میں مرد پر زیادہ معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے اور عورت کو بہت سی معاشی ذمہ داریوں کے بارے میں سبکدوش رکھا ہے، چاہے وہ کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو، لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ میراث میں عورت کا حصہ مرد کی بہ نسبت کم رکھا جاتا۔

2- اسلام کے قانون وراثت کی چند اہم خصوصیات

اسلام نے ورثاء کی ایک بڑی تعداد کو ترکہ میں حصہ دار بنا کر ایک جگہ جمع ہو جانے والی دولت کو پھیلایا اور اسے گردش میں رلایا ہے۔ اس سے ایک طرف تو بڑے بڑے سرمائے ایک جگہ جمع ہو رہنے کے بجائے مختلف چھوٹی چھوٹی ملکیتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تو دوسری طرف خاندان کی اکائی اسلام میں عورت کے حصہ کا مرد سے آدھا ہونے پر مغربی طرز فکر سے متاثر حضرات کی طرف سے اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت کے ساتھ صنفی تخصیص روا رکھی گئی ہے، یا یہ کہ عورت کو آدھے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو دو حصے دیئے جائیں اور عورت کو ایک جبکہ عورت زیادہ قابل رحم اور مالی اعانت کی زیادہ مستحق ہے۔ وہ مردوں کی طرح تجارت و زراعت نہیں کر سکتی۔ شوہر کی دست بستہ غلام ہے۔ بچوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ علاوہ ازیں حمل کی گرانی، وضع حمل کی تکالیف اور رضاعت کی محنت و مشقت اسے بالکل ناتواں کر دیتی ہے۔ اس لئے اس کا حصہ ہونا تو زیادہ چاہیے تھا، اور اگر زیادہ نہیں کم از کم برابر تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔

ان سارے اعتراضات کی وجہ دراصل ہماری کم علمی اور ہمارے ہاں عورت کی موجودہ بدتر معاشی حالت ہے۔ اور اس حالت کا سبب اسلامی نظام میراث نہیں بلکہ ہمارا معاشرہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج تک عملی زندگی میں عورت کے حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اور عموماً عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، خصوصاً بیٹیاں پرایا دھن سمجھی جاتی ہیں، لہذا انہیں بوقت شادی جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا ہے اور انہیں خاندانی جائیداد اور وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ ایسا کرنے والا صریحاً خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

اللہ تعالی کے اس نظام کی مصالح اور حکمتوں کو کما حقہ سمجھنا ہماری ناقص و ناتواں عقل سے باہر ہے۔ بایں ہمہ ہمارے خیال میں اس حکم کی مصلحتیں حسب ذیل ہیں:

1- اسلام میں عورت کا حصہ میراث نصف مقرر کرنے میں اللہ تعالی کے عظیم حکمت کارفرما ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مرد کو دوگنا حصہ اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے دیا ہے۔ کیونکہ زندگی

عور / والے / کہ اہ / کا قانو / مال ت / چھوڑ / پائے گ / 1.4 / خود بھی / سیکھو اور / چاؤں کا / کریں ۔ / حصے خود / نہیں ڈالا

کی زیادہ تر معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریاں بنیادی طور پر مردوں پر ہیں، جن سے عورت بالکل مستثنیٰ ہے بلکہ خود عورت کی اپنی کفالت کا بار بھی شادی سے پہلے اس کے سرپرست پر رکھا گیا ہے اور شادی کے بعد خاوند یا اس کی اولاد پر، ایسی صورت میں دونوں کو مساوی حقوق دینا کس طرح قرین انصاف تھا۔ چنانچہ نامور مفکر محمد قطب لکھتے ہیں:

"اسلام کا قانون یہ ہے کہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے۔ یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے۔ کیونکہ عورت پر مالی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ہوتا۔ دوسرے انداز سے دیکھئے: کل ورثے کا ایک تہائی عورت (بیٹی) کو صرف اپنی ذات کے لئے ملتا ہے، جبکہ باقی دو تہائی مرد (بیٹے) کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے عورت کو یا مرد کو" (اسلام اور جدید ذہن کے شبہات)۔

مرد سارے خاندان کی معاشی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ بیوی کو نان و نفقہ دینے سے انکار کر دے یا آمدنی کے لحاظ سے اس کو کم خرچ دے تو بیوی ذاتی طور پر مالدار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی اس کے خلاف مقدمہ دائر کر کے نان و نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس لئے مرد کو سارے گھرانے کا سربراہ ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں پوری کرنی پڑتی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اسے وراثت میں دوگنا حصہ دیا جائے۔

2۔ میراث میں آدھے حصے کی تلافی بھی اسلام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک تو بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جو کہ بلا شرکت غیرے صرف اس کا ذاتی حق ہے۔ دوسرا یہ کہ شادی میں جو مال و زر اور تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں اس کی مالک بھی وہ عورت خود ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کوئی جائیداد وغیرہ ہے، تو وہ صرف اسی اکیلی خاتون کا حق ہے، کوئی اسے اس کے خاوند یا بچوں پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جبکہ مرد قانوناً اپنے حصے کے مال و دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔

ماں باپ کی طرف سے ملنے والا ورثہ بھی ذاتی طور پر اسے مل جاتا ہے اور اسے اپنے بچوں یا شوہر کی کفالت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

3۔ ان دو پہلوؤں سے قطع نظر جہاں اسلام نے مقدس رشتہ کا خیال کیا ہے وہاں عورت اور مرد کو مساوی درجہ

دیا ہے۔ مثال کے طور پر میت لو اولاد کی موجودگی میں والدین کے حصے یکساں ہوں گے، یا اخیافی (ماں جائے بہن بھائی) کے حصوں کے درمیان بھی اسلام نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

4۔ اس سلسلے میں ایک اور حکمت یہ بھی ہے کہ شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ میراث کے مقررہ حصے اور حقوق اصحاب حقوق تک پہنچاؤ اور جو کچھ باقی رہے وہ قریبی رشتہ دار کا ہے۔ اسلام نے مرد پر مالی ذمہ داری ڈالنے کے ساتھ خاندان کے افراد کے درمیان تعاون و تناصر کے ضابطے بھی مقرر کیے ہیں۔ یہ ضابطے نہ صرف اخلاقی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ انہیں قانونی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اگر ایک شخص افلاس کا شکار ہو جائے تو خاندان کے مرد افراد میں نسبتاً جو اس سے قریب تر ہوگا اس پر سب سے زیادہ مالی تعاون اور کفالت کی ذمہ داری ہوگی۔

5۔ قانون وراثت میں اصل اہمیت چونکہ نسب کو دی جاتی ہے، اس لئے اس ضابطہ کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ حصہ ہی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت مورث (میت) سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور اس مرد سے زیادہ حصہ پائے جو مورث کا دور کا رشتہ دار ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاندان (والدہ، والد، بھائی، بہن وغیرہ) سے بھی وراثت میں حصہ پاتی ہے اور اپنے خاوند کے خاندان (خاوند، اپنے بچے بیٹیوں وغیرہ) سے بھی۔

بایں ہمہ شریعت اسلامیہ کے پورے قانون میں معاشی، معاشرتی اور قانونی ذمہ داریوں کا بار چونکہ زیادہ تر مرد پر ہی عائد کیا گیا ہے، اس لئے عورت کو مرد کے مقابلے میں اکثر اوقات نصف حصہ یا نصف رتبہ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وراثت، دیت اور قانون شہادت وغیرہ میں عورت کا حصہ کئی جگہ مرد کے مقابلے میں نصف رکھا گیا ہے، مگر اس کا مطلب عورت کے درجے اور رتبے میں کمی ہرگز نہیں ہے۔ بے شمار دوسرے مواقع پر عورت کو درجہ زیادہ یا مساوی رکھا گیا ہے۔ مثلاً علم و عمل اور اخروی اجر و ثواب کے حصول میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جبکہ خدمت و اطاعت میں اولاد کے لئے والدہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اولاد میں سے دختری اولاد کی پرورش، تربیت اور نگہداشت پر لڑکوں کی نسبت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عورت کا درجہ مرد سے بڑھا دیا ہے۔ اس طرح شریعت نے دونوں کے مابین توازن اور اعتدال قائم رکھا ہے جو کہ صحت مند معاشرے کے لئے ضروری ہے۔

ملکیت کے حوالے سے بھی حسد وکینہ پروری اور کدورت کے عوامل ختم ہو جانے کی وجہ سے متحد و منظم رہتی ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے ترکہ کی تقسیم ناگزیر ہے۔کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے ترکہ میں سے حصہ پانے والے کسی وارث کو اس سے محروم نہیں کر سکتا۔وارث کو ہر صورت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ مل کر رہے گا بشر طیکہ اس میں حصہ پانے کی تمام شرائط پائی جائیں۔البتہ وارث کسی ایک یا تمام ورثاء کے حق میں اپنی آزاد مرضی سے اپنے حصے سے دستبردار ہو سکتا ہے۔

اسلام نے حصوں کی کمی بیشی میں قرابتداری کو بنیاد بنایا ہے۔چنانچہ جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہے وہ نسبتاً دور والے رشتہ دار کو حصہ پانے سے محروم کر دے گا یا اس کے مقابلے میں زیادہ حصہ پائے گا۔لہٰذا باپ کو دادا پر، ماں کو دادی اور نانی پر اور بیٹے پوتے کو بھائی پر فوقیت دی گئی ہے۔

اسلام نے بعض صورتوں میں ضرورت واحتیاج کو حصوں میں کم بیشی کی بنیاد بنایا ہے۔اسی لئے بیٹی کا حصہ اس کے بھائی کے مقابلے میں آدھا رکھا گیا ہے۔اس لئے کہ اسے مال ملکیت کی زیادہ ضرورت ہے اس کی مالی ذمہ داریاں بیٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔اس نے اپنی بیوی کو مہر دینا ہوتا ہے، اپنی بیوی بچوں ،والدین خود بہن اور دوسرے رشتہ داروں کی اگر وہ تنگدست ہوں، کفالت کرنا ہوتی ہے۔جبکہ عورت پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری اسلام نے نہیں ڈالی۔بلکہ ولادت سے وفات تک اس کی کفالت کی تمام ذمہ داریاں مرد پر رکھی گئی ہیں۔چنانچہ عدل وانصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا حصہ بھی اس کے بھائی کے مقابلے میں کم رکھا جائے۔ضرورت واحتیاج کے اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے متوفی کے بیٹے کا حصہ اس کے باپ کے حصے سے زیادہ رکھا ہے۔اس لئے کہ بیٹا نو عمر ہے، اس ابھی زندگی سے مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا ہے۔جبکہ باپ بوڑھا کمزور ہے اسے اتنا ہی مال درکار ہے جس سے وہ اپنے بڑھاپے کی حفاظت کر سکے اور ضروریات زندگی کے لئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔

اسلامی قانون وراثت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ پانے والوں کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ترکہ کی تقسیم کا اختیار مورث (میت) کو نہیں دیا۔اس لئے کہ انسان پر خواہشات نفس کا غلبہ ہو سکتا ہے جن کی بناء پر وہ کسی وقتی جذبے کے تحت ترکہ کے بعض حقداروں کو یا تو بالکل محروم کر سکتا ہے یا پھر بلاجواز ان کے حصوں میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔اس لئے شریعت اسلامیہ نے ورثاء اور ان کے حصوں کا تعین فرما کر اس بات کا سدباب کر دیا ہے(17)

3- ترکہ میت سے متعلق حقوق

میت کی وفات کے بعد اس کے ترکہ سے مندرجہ ذیل حقوق متعلق ہوتے ہیں (18)

3.1 تجہیز و تکفین

سب سے پہلے ترکہ میت کی تجہیز و تکفین پر صرف کیا جائے چاہے پورا ترکہ اس میں صرف ہو جائے۔ لیکن اعتدال ملحوظ رہے۔ مثلاً کفن ایسے کپڑے کا دیا جائے جس قسم کا کپڑا متوفی اپنی حیات میں "عیدین" یا جمعہ وغیرہ میں استعمال کرتا تھا۔

3.2 قرض کی ادائیگی

تجہیز و تکفین کے بعد جو بچے اس سے میت کے وہ قرضے ادا کیے جائیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس پر جو قرضہ ہو وہ ادا نہ کر دیا جائے"۔(19)

جو قرضے خاص حقوق اللہ ہیں جیسے زکوۃ، کفارات، نذر: احناف کے نزدیک وہ ترکہ سے ادا نہیں کیے جائیں گے۔ جبکہ باقی فقہاء کے نزدیک ترکہ کی ورثاء میں تقسیم سے قبل ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ متوفی نے ایسے قرضوں (حقوق اللہ) کی ادائیگی کے بارے میں وصیت نہ کی ہو۔ متوفی کی طرف سے وصیت ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم سے قبل بالاتفاق وہ بھی ادا کر دیے جائیں گے۔

3.3 تنفیذ وصیت

تجہیز و تکفین اور قرضہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ ترکہ میں سے بچے اس سے میت کی وصیت پوری کی جائے، لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ:

1- وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

2- وصیت کسی ایسے وارث کے لئے نہ ہو جس کو اس ترکہ میں سے از روئے شرع حصہ ملنے والا ہو۔

3۔ وصیت کسی ناجائز کام کے لئے نہ ہو۔

اگر متوفی نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو یا کسی وارث کے لئے وصیت کی ہو تو ایسی وصیت دیگر ورثاء کی رضامندی سے پوری کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر تمام ورثاء راضی نہ ہوں تو زائد وصیت کو کم کر کے ایک تہائی کر دیا جائے۔

3.4 ورثاء میں تقسیم

مندرجہ بالا مصارف کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچے وہ میت کے ورثاء میں شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔

ورثاء کی ترتیب

شریعت نے جن رشتہ داروں کو وارث ٹھہرایا ہے استحقاق کے لحاظ سے وہ سب یکساں نہیں، بلکہ ان کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ ورثاء میں ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب سے ہوگی :

1۔ ذوی الفروض

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں اور جن کے متعلق قرآن مجید یا سنت رسول یا اجماع امت میں واضح احکام موجود ہیں۔

2۔ عصبات

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کو وارث تو ٹھہرایا گیا ہے مگر ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی تنہا وارث ہو تو کل ترکہ کا، اور ذوی الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ان سے باقی ماندہ ترکہ کا مستحق ہوگا۔

3۔ ذوی الفروض نسبیہ پر ردّ (لوٹانا)

جب ذوی الفروض سے ترکہ بچ جائے اور عصبات بھی موجود نہ ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسبیہ پر ان کے سابقہ حصوں کے مطابق لوٹا دیا جائے گا (یعنی دوبارہ حصے دیئے جائیں گے)۔ البتہ ذوی

الفروض نسبیہ (میاں بیوی) میں سے کسی کو بھی اس دوسری تقسیم سے حصہ نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ ترکہ میں ان کا استحقاق نکاح کے تعلق کی وجہ سے ہے کسی نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں، جبکہ دوسری بار حصہ نسبی قرابت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأُوْلُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ (الانفال: ٧٥)

4۔ ذوی الارحام

ذوی الارحام میت کے وہ تمام ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں اور میت سے ان کا رشتہ صرف کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورتیں ہوں۔ جیسے نانا، نواسہ، نواسی، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب میت کے کوئی ذوی الفروض اور عصبہ ورثاء موجود نہ ہوں یا صرف میاں بیوی میں سے کوئی موجود ہو۔ پہلی صورت میں کل ترکہ اور دوسری صورت میں شوہر یا بیوی کے حصے سے باقی ماندہ ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا۔

5۔ میاں / بیوی پر رد (دوبارہ حصہ دینا)

جب مذکورہ بالا مستحقین (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میاں بیوی میں جو موجود ہو اس کا حصہ اسے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی اسی کو دے دیا جائے۔

6۔ عصبہ سببیہ (آزاد کرنے والا)

اسلامی قانون میں غلام کو آزاد کرنے والا اس کا عصبہ سببیہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا میت اگر کسی کا غلام تھا پھر آزاد ہو گیا اور مر گیا، اگر اس کے مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں 'معتق' (اس کا آزاد کنندہ) اس کا وارث بنے گا۔ (آج کل اس کا وجود نہیں)۔

7۔ ایک تہائی سے زائد وصیت کا نفاذ:

اگر میت نے کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد وصیت کی ہو تو ایسی وصیت کو ورثاء کے مفاد کے پیش نظر رد

کیا گیا تھا۔ اب اگر کوئی وارث موجود ہی نہ ہو تو متوفی کی وصیت پورے طور پر رُد بہ عمل لائے جائے گی، چاہے ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

8۔ بیت المال

جب مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس میت کے وارث تمام مسلمان ہوں گے اور میت کا ترکہ بیت المال (اسلامی حکومت کے خزانہ) میں دے دیا جائے گا جس سے نادار مریضوں کا علاج، لقیط (گمشدہ بچہ) کا نان و نفقہ، جنایت کی دیت اور لاوارث و نادار اموات کی تجہیز و تکفین وغیرہ عمل میں لائی جائے گی۔

وراثت پانے کے اسباب، شرائط اور موانع

وراثت پانے کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص میں اس کے اسباب اور شرائط پائی جائیں نیز اس کے اندر کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔

وراثت کے اسباب

بنیادی طور پر آج کل کے لحاظ سے وراثت سے حصہ پانے کے دو اسباب ہیں: رشتہ نسب، اور رشتہ نکاح۔

رشتہ نسب

یہ کسی انسان کا وہ نسبی تعلق اور قرابت ہے جو اسے اس کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بچے پوتے) اور ان کے متعلقین کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

1- اولاد اور ان کی مذکر و مؤنث اولاد۔

2- باپ دادا اور ان کے اصول، اور ماں، دادی اور نانی۔

3- بھائی بہنیں۔

4- چچا اور ان کی صرف اولاد نرینہ۔

رشتہ نکاح

اس میں وہ مرد و عورت شامل ہیں جن کے مابین نکاح صحیح کا عقد ہوا ہو، چاہے اس کے نتیجے میں زن و شوئی کے تعلقات قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ اگر عقد صحیح کے بعد اور رخصتی سے پہلے میاں بیوی میں کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ نیز اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور وہ عدت کے دوران فوت ہو گیا تو ایسی مطلقہ شوہر کی وراثت سے حصہ پائے گی۔

3.5 وراثت کی شرائط

کوئی شخص وراثت میں حصہ پانے کا اس وقت ہی مستحق ہو سکتا ہے جب اس کے اندر درج ذیل شرائط پائی جائیں:

1۔ مورث کا فوت ہونا

تقسیم ترکہ کے لئے مورث کا وفات پانا اور اس کی وفات کا حقیقی طور پر یا لاپتہ ہونے کی صورت میں عدالتی فیصلے کی روشنی میں ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کا مال ملکیت ترکہ نہیں بن سکتی۔

2۔ وارث کا زندہ ہونا

کسی مورث کا وارث وہی شخص بن سکتا ہے جو اس کی وفات کے وقت حقیقتاً یا حکماً زندہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی یا بہو حاملہ تھی اور مقررہ مدت کے اندر اس نے زندہ بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے باپ یا دادا کی وفات کے وقت سے حکماً زندہ تصور کیا جائے گا اور اس کے ترکہ میں سے حصہ پانے کا حقدار ہو گا۔

3۔ کسی مانع کا نہ ہونا/وارث کی حیثیت کا علم ہونا

درج بالا شرائط کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ متعلقہ وارث میں وراثت پانے میں کوئی مانع (رکاوٹ) موجود نہ ہو (مثلاً قاتل یا کافر ہونا وغیرہ)۔ موانع کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دوسرے یہ کہ میت کے ساتھ اس شخص کے تعلق کی حیثیت بھی یقینی طور پر معلوم ہونی چاہیے، کہ اس کے ساتھ اس کا کون سا تعلق ہے، نکاح کا تعلق ہے نسبی تعلق ہے۔ نیز نسبی تعلق میں وہ اس کے ساتھ اصول کا تعلق رکھتا ہے یا فروع کا وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے کہ ہر

تعلق کی اپنی حیثیت اور حصہ ہے۔

3.6 وراثت کے موانع

وہ حالات یا افعال جن کی وجہ سے ورثاء میں سے کوئی شخص (چاہے میت کے ساتھ نسب و قرابتداری یا نکاح کا رشتہ رکھتا ہو) ازروئے شریعت اپنے مورث کے ترکے میں سے حصہ پانے کا اہل نہیں رہتا اور کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے "موانع ارث" کہلاتے ہیں، یہ چار موانع ہیں۔

1- غلامی (آج کے دور میں یہ موجود نہیں)۔

2- وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنا۔

3- وارث اور مورث کا مذہب الگ الگ ہونا۔

4- وارث اور مورث کا اشتباہ (پہلے فوت ہونے والے کا علم نہ ہونا)۔

پہلا مانع (غلامی)

غلام چاہے خالص غلام ہو یا مکاتب اور مدبر ہو وہ خود اور اس کا تمام کسب اور ملکیتی مال کی حیثیت میں ہے اور سب چیزیں اس کے مولی (آقا) کی ملکیت میں ہیں۔ لہٰذا وہ کسی وارث یا مورث بننے کی اہلیت نہیں رکھتا، بلکہ عام مال ملکیت کی طرح مملوک اور ترکہ بنتا ہے۔

دوسرا مانع (مورث کا قتل)

اگر کوئی شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کر دے تو قاتل مقتول کے ترکے اور وصیت دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "لیس لقاتل میراث" (22)(قاتل مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا)۔ اس لئے قاتل مقتول کو قتل کر کے میراث قبل از وقت حاصل کرنا چاہتا تھا جبکہ شرعی قاعدہ ہے:

من استعجل شيئا قبل اوانه عوقب بحرمانه

جو شخص کسی چیز کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے اسے اس سے محرومی کی صورت میں سزا دی جائے گی۔

کسی شخص نے قتل اگرچہ ہاتھوں سے انجام دیا ہو اور وہ قتل شرعاً جائز بھی ہو تو اس کے مانع ارث ہونے پر

تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ قتل کی دیگر اقسام کے بارے میں ان کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

1۔ حنفی کتبہ فکر میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہو وہ مانع ارث بنے گا، ورنہ نہیں۔ اس قاعدہ کی رو سے قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطاء اور جاری مجری الخطا مانع ارث بنیں گے۔(23) حنفی مسلک کے مطابق قتل کے مانعِ ارث بننے کے لئے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک قاتل نے قتل اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو، جیسے قتل عمد، شبہ عمد، خطا وغیرہ۔ دوسرے وہ قتل ناجائز طور پر ظلماً ہو ہو۔ لہٰذا قتل بالسبب، کسی اور کو قتل پر اکسانے یا پھر جھوٹی گواہی دینے کی صورت میں جو قتل واقع ہو وہ مانع ارث نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاتل اگر نابالغ یا مجنون (پاگل) ہو، یا قتل جائز طور پر (مثلاً اپنے دفاع کرتے ہوئے) ہوا ہو تو ایسا قتل بھی مانعِ ارث نہیں ہوگا۔

2۔ مالکی مسلک میں صرف "قتل عمد" ہی مانع ارث بنے گا باقی اقسام نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک قتل کے مانعِ ارث بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک عدوان، یعنی وہ قتل شرعاً ناجائز ہو اور اس کے لئے کوئی عذر موجود نہ ہو، چاہے قتل خود اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہو یا وہ اس کا سبب بنا ہو یا کسی اور شخص کو اس نے قتل کے لئے اکسایا ہو یا جھوٹی گواہی دے کر اپنے مورث کو عدالتی فیصلے کے ذریعے قتل کرایا ہو۔ دوسرے قاتل مکلّف (یعنی عاقل وبالغ) ہو۔

3۔ حنبلی مسلک میں جس قتل پر شریعت نے مالی یا غیر مالی (بدنی) سزا رکھی ہو وہ مانعِ ارث بنے گا، جیسے "قتل عمد عدوان" کہ اس پر قصاص واجب ہوتا ہے، یا قتل خطا اور قتل بالسبب، کہ ان پر دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔ گویا قتل کے مانعِ ارث ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار امام احمدؒ کے ہاں شارع کی طرف سے سزا مقرر ہونے پر ہے۔

4۔ شافعی مسلک میں قتل کی تمام قسمیں بلا تخصیص مانعِ ارث ہیں، چاہے وہ قتل عمد ہو یا خطاء، بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اگرچہ قاتل غیر مکلف ہی کیوں نہ ہو (جیسے نابالغ بچہ اور پاگل شخص وغیرہ)۔ اسی طرح اگر کسی قاضی یا جج نے اپنے مورث کے قتل کا شرعی طور پر درست فیصلہ صادر کیا یا کسی نے اپنے مورث پر شرعی طور پر ضروری گواہی دی یا گواہوں کا تزکیہ کیا جس کی بناء پر اس پر قصاص یا حد جاری کی گئی تو ایسی صورت میں یہ تمام لوگ مقتول کے وارث نہیں بن سکیں گے۔

تیسرا مانع (اختلافِ دین)

یہ مانع مسلمانوں کی میراث کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے مسلمان کسی غیر مسلم کا اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

"لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (متفق علیہ)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا"

لیکن ایک عیسائی، یہودی کا، سکھ، ہندو کا (وغیرہ وغیرہ) وارث ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس قاعدہ کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہو گا۔

صحابہ و تابعین اور فقہاء کی بہت بڑی اکثریت کا مسلک یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بنے گا اور نہ کافر مسلمان کا۔ لیکن بعض فقہاء کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث بنے گا مگر کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔ ان کا استدلال ایک روایت سے جس میں ہے کہ :

"الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ علیہ" (24)

اسلام غالب رہتا ہے، کوئی دوسرا مذہب اس پر غالب نہیں ہو سکتا

یہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض تابعین کی رائے ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت میراث کے بارے میں نہیں بلکہ اسلام کے عمومی غلبہ اور فتح و نصرت کے بارے میں ہے، اس لئے اس سے استدلال محل نظر ہے۔

مرتد کی میراث

جو شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے وہ بھی کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ پھر جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ کوئی مسلمان رشتہ دار بھی اس کا وارث نہیں بن سکتا، بلکہ اس کا سارا مال بیت المال کے دے دیا جائے گا۔ حنفی فقہاء یہ تفصیل پیش کرتے ہیں کہ جو مال اس نے مرتد ہونے سے پہلے حاصل کیا تھا وہ اس کے مسلم ورثاء کو دے دیا جائے، اور جو مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال کو دیا جائے۔ اور اگر مرتد عورت ہو تو اس کا تمام مال

حکایت اس کے مسلم ورثاء ہی کو دی جائے۔

چوتھا مانع (اشتباہِ وارث اور مورث)

یعنی معلوم نہ ہو سکے کہ کون وارث اور کون مورث ہے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹا ایک حادثے میں اکٹھے فوت ہو گئے اور یہ پتہ نہ چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔ ایسی صورت میں ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ فقہاء نے اس ضمن میں ایک قاعدہ وضع کیا ہے کہ

" لا توارث بین الغرقی والھدی"

یک وقت ڈوب کر، آگ میں جل کر یا کسی مکان کے نیچے دب کر ہلاک ہونے والے ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکیں گے

3.7 ورثاء

ورثاء (اصحاب الفروض اور عصبات) کی تفصیلی تعداد 25 بنتی ہے، جن میں سے 15 مرد ہے اور 10 عورتیں ہیں۔

مرد ورثاء

بیٹا، پوتا، پڑپوتا الخ، باپ، دادا، پردادا الخ، سگا بھائی، سوتیلا بھائی (باپ کی طرف سے)، سوتیلا بھائی (ماں کی طرف سے)، سگے بھائی کا بیٹا، سوتیلے (باپ کی طرف سے) بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کی طرف سے چچا، سگے چچا کا بیٹا، باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا، شوہر، آزاد کنندہ مرد۔

وارث عورتیں

بیٹی، ماں، پوتی، پڑپوتی، نانی، پرنانی، دادی، پردادی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی، آزاد کنندہ عورت۔

3.8 مستحقین فروض ترکہ (اصحاب الفروض)

فروض ترکہ (ترکہ میں مقررہ حصے) چھ ہیں، جو دو اقسام میں منقسم ہیں۔

پہلی قسم

1۔ نصف 1/2 (آدھا)

2۔ ربع 1/4 (ایک چوتھائی)

3۔ ثمن 1/8 (آٹھواں حصہ)

دوسری قسم

4۔ ثلثان 2/3 (دو تہائی)

5۔ ثلث 1/3 (ایک تہائی)

6۔ سدس 1/6 (چھٹا حصہ)

ان حصوں کے مستحقین کی تعداد 12 ہے جن کو اصحاب الفروض یا ذوی الفروض کہا جاتا ہے۔ ان کے مقررہ حصص کی ادائیگی کے بعد عصبات کا نمبر آتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وارث صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی۔ اس صورت میں وہ پہلی حیثیت کی وجہ سے مقررہ حصہ لے گا اور دوسری حیثیت کی وجہ سے اصحاب الفروض سے باقی ماندہ بھی لے گا۔ اس بنا پر فرضیت وعصبیت کے لحاظ سے کسی وارث کی چار حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ وہ صرف صاحب فرض (مقررہ حصے کا مستحق) ہو۔

2۔ وہ عصبہ (باقی ماندہ کا مستحق) ہو۔

3۔ دونوں حیثیتوں کا حامل ہو (مقررہ حصہ بھی لے اور باقی ماندہ بھی)۔

4۔ وہ محجوب ہو (اسے کچھ بھی نہ ملے)۔

اسی طرح کمیت (مقدار) کے لحاظ سے بھی حصص میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ان تمام تبدیلیوں کو ذوی الفروض کے حالات کہا جاتا ہے۔ ذیل میں دو نقشے دیے جاتے ہیں پہلے نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہر حصے کے کتنے مستحقین ہو سکتے ہیں۔ دوسرے نقشے میں تفصیلی طور پر حالات و شرائط استحقاق بیان کی گئی ہیں۔

خود آزمائی:

1- ترکہ اور میراث کا مفہوم واضح کیجئے۔

2- علم میراث کی اہمیت اور امتیاز پر ایک جامع نوٹ قلمبند کیجئے۔

3- علم میراث کے ماخذ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

4- اسلام کے قانون وراثت کی چند اہم خصوصیات پر نوٹ قلمبند کیجئے۔

5- وراثت پانے کے اسباب، شرائط اور موانع کے احکام بیان کریں۔

حصص و مستحقین (نقشہ اوّل)

حصص	تعداد مستحقین	تفصیل
آٹھواں حصہ (ثمن) 1/8	1	بیوی
چوتھائی حصہ (ربع) 1/4	2	شوہر، بیوی
نصف 1/2	5	شوہر، ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن
چھٹا حصہ (سُدس) 1/6	7	ماں، باپ، دادا، جدہ صحیح (دادی-نانی)، پوتی، سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن، ایک سوتیلا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن
تہائی حصہ (ثلث) 1/3	2	ماں، دو یا اس سے زیادہ سوتیلے (ماں شریک) بہن بھائی۔
دو تہائی حصہ (ثلثان) 2/3	4	دو یا زیادہ بیٹیاں، پوتیاں یا سگی بہنیں، سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہنیں

نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض وشرائط استحقاق:

ذوالفروض جملہ حالات	نمبر حالات	حیثیت	حصہ	شرائط
بنت (بیٹی)	1	فرضیت	نصف 1/2	جبکہ ایک ہو اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔
	2	فرضیت	ثلثان 2/3	جبکہ یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو
	3	عصبیت بالغیر	بیٹے کا نصف 2/3	جبکہ میت کا بیٹا موجود ہو
بنت الابن (پوتی)	1	فرضیت	ف 1/2	جبکہ یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہوں

6 حالات	2	فرضیت	ثلثان 2/3	جبکہ یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہوں
	3	فرضیت	سدس 1/6	جبکہ میت کی ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا یا پوتا موجود نہ ہوں
	4	عصبیت بالغیر فی الباقی	پوتے کا نصف	جبکہ میت کا بیٹا موجود نہ ہو اور بیٹی یا بیٹیوں کے ساتھ پوتا موجود ہو۔
	5	عصبیت بالغیر فی الکل	پوتے کا نصف	جبکہ میت کا بیٹا بیٹی موجود نہ ہوں اور پوتا موجود ہو۔
	6	محجوب		جبکہ میت کا بیٹا موجود ہو یا دو بیٹیاں موجود ہوں اور پوتا موجود نہ ہو۔
اخت لاب و ام (حقی بہن)	1	فرضیت	نصف 1/2	جبکہ یہ ایک ہو اور میت کا حقیقی بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	2	فرضیت	ثلثان 2/3	جبکہ یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کا حقیقی بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	3	عصبیت مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جبکہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور حقیقی بھائی، باپ، دادا اور اولاد ذکور میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	4	عصبیت بالغیر (1)	بھائی کا نصف	جبکہ میت کا حقیقی بھائی موجود ہو اور باپ، دادا اور اولاد ذکور میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	5	محجوب		جبکہ میت کا باپ دادا یا اولاد ذکور میں سے کوئی موجود ہو (اس حالت میں حقیقی بھائی بھی محجوب ہوگا)

وارث	حالت	نوعیت	حصہ	شرط
اخت لاب (باپ شریک بہن) 7 حالات	1	فرضیت	نصف	جبکہ یہ ایک ہو اور میت کے حقیقی بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
		فرضیت	ثلثان 2/3	جبکہ یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کے حقیقی بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	2	فرضیت	سدس 1/6 بیٹی یا پوتی	جبکہ میت کی صرف ایک حقیقی بہن موجود ہو اور حقیقی یا علاتی بھائی، باپ دادا یا اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
		عصبیت مع الغیر	سے باقی	جبکہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور حقیقی بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد ذکور میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	5	عصبیت بالغیر	بھائی کا نصف	جبکہ میت کا علاتی بھائی موجود ہو اور حقیقی بھائی، باپ دادا اور اولاد ذکور میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	6	محجوب		جبکہ میت کی دو حقیقی بہن موجود ہوں اور علاتی بھائی موجود نہ ہو یا عصبہ شدہ ایک بہن موجود ہو۔
	7	محجوب		جبکہ میت کا باپ، دادا، حقیقی بھائی یا اولاد ذکور میں سے کوئی موجود ہو (اس حالت میں علاتی بھائی بھی محجوب ہوگا)۔
ام (ماں) ۳ حالات	1	فرضیت	سدس 1/6	جبکہ میت کی اولاد یا کسی بھی جہت سے دو یا زیادہ بہن بھائی موجود ہوں۔
	2	فرضیت	ثلث 1/3	جبکہ میت کی اولاد نہ ہو یا زیادہ کسی بھی جہت سے بہن بھائی موجود نہ ہوں اگرچہ ایک بہن یا بھائی موجود ہو۔
	3	فرضیت	ثلث بعد فرض الزوجین	یہ حکم دو صورتوں میں منحصر ہے۔ اول جبکہ وارث زوجہ اور والدین ہوں ۳۔ زوجہ۔ ام۔ اب۔ دوم جبکہ وارث زوج اور والدین ہوں۔ ۲

جدہ صحیحہ	1	فرضیت	سدس 1/6	ایک یا زیادہ ہوں۔ بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں اور میت کی ماں موجود ہو اور دادی کے لئے مزید شرط یہ ہے کہ میت کا باپ بھی موجود نہ ہو۔
	2	محجوب		* میت کی ماں موجود ہو تو سب محجوب * میت کا باپ موجود ہو تو دادی محجوب۔ * دادا موجود ہو تو اس سے اوپر والیاں محجوب۔ * قریبہ موجود ہو تو بعیدہ محجوب۔
اب (باپ)	1	فرضیت فقط	سدس 1/6	جبکہ میت کا بیٹا، یا پوتا، پرپوتا (تا آخر سلسلہ اولاد ذکور) موجود ہو۔
3 حالات	2	فرضیت و عصبیت	سدس اور باقی	جبکہ میت کی بیٹی، یا پوتی، پرپوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو۔
	3	عصبیت فقط	کل یا باقی	جبکہ میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو۔
جد صحیح (دادا)	1	فرضیت فقط	سدس 1/6	جبکہ میت کا بیٹا، یو پوتا، پرپوتا (تا آخر سلسلہ اولاد ذکور) موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو
4 حالات	2	فرضیت و عصبیت	سدس اور باقی	جبکہ میت کی بیٹی، یا پوتی، پرپوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو۔
	3	عصبیت فقط	کل یا باقی	جبکہ میت کی اولاد اور باپ موجود نہ ہو
	4	محجوب		جبکہ میت کا باپ موجود ہو

زوج (شوہر) حالات 2	1	فرضیت	نصف 1/2	جبکہ میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)
	2	فرضیت	ربع 1/4	جبکہ میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)
زوجہ (بیوی) حالات 2	1	فرضیت	ربع 1/4	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری سے)
	2	فرضیت	ثمن 1/8	جبکہ میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)

4- عصبات

ذوی الفروض کے بعد ورثاء کی دوسری قسم مورث (میت) کے عصبات ہیں۔ عصبات عصبہ کی جمع اور عصب سے ماخوذ ہے۔ عصب اس طاقت کو کہتے ہیں جو دوسری چیز پر چھا جائے، اسے گھیر لے، باندھ لے اور پابند کر لے۔ اسی لفظ عصبہ کو خاص رشتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی انسان کے باپ دادا اور بیٹے اور ان کی نرینہ اولاد، جو خاندان کے لئے پٹھوں کی مانند ہوتے ہیں، اس پر چھائے ہوتے ہیں اور اس کو کسی قانون کا پابند بناتے ہیں اور مصائب و مشکلات کے موقع پر اس کا دفاع کرتے ہیں (25)۔

4.1 عصبات کی اہمیت

جب حقیقت کے اعتبار سے خاندان کے مذکر افراد (باپ دادا اور ان کی اولاد) ہی عصبہ ہیں تو ترکہ سے استحقاق میں ان کی اہمیت واضح تھی۔ اس لئے ان کے حصے مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حصے تو ان ورثاء کے مقرر کئے گئے ہیں جن کے استحقاق کے بارے میں کسی طرح کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ اس حقیقت کے لحاظ سے مرد کو عصبہ بنفسہ (مستقل عصبہ) کہا جاتا ہے، اور عورت کو عصبہ بالغیر یا مع الغیر (غیر کے ذریعے یا غیر کی طاقت سے عصبہ بننے والی) کہا جاتا ہے۔

4.2 عصبہ کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں

عصبہ وہ شخص ہے جو تنہا وارث ہو تو کل ترکہ اور اگر اصحاب الفروض کے ساتھ وارث ہو تو ان سے جو بچ رہے اس کا مستحق ہے۔

ذوی الفروض کی طرح عصبہ کی بھی ابتدائی دو قسمیں ہیں: عصبہ سببیہ اور عصبہ نسبیہ۔

عصبہ سببیہ: "معتق" (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے، جس کا ذکر ترتیب مستحقین میں ہو چکا ہے۔

عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں: (1) عصبہ بالنفس (2) عصبہ بالغیر (3) عصبہ مع الغیر

4.3 عصبہ بالنفس

وہ وہ حقیقی مرد رشتہ دار جس کا میت سے رشتہ بیان کرنے میں کسی عورت کا واسطہ درمیان میں نہ آئے۔

اس کی ترتیب وار چار اصناف (قسمیں) ہیں:

1۔ میت کا بیٹا۔ پوتا۔ پڑپوتا تا آخر

2۔ میت کا باپ۔ دادا۔ پردادا تا آخر

3۔ باپ کی نرینہ اولاد۔ سگا یا سوتیلا (باپ کی طرف سے) بھائی، بھتیجے تا آخر۔

4۔ دادا کی نرینہ اولاد، سگا یا باپ کی طرف سے چچا، چچازاد تا آخر۔

ان تمام اصناف میں میت کے دور اور نزدیک کے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں، اور آخری دو صنفوں میں قوی القرابت (سگے) اور ضعیف القرابت (سوتیلے) کا فرق بھی واقع ہوتا ہے۔ لہذا عصبہ بنفسہ کے ترکہ میں استحقاق کے لئے تین اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں

اصول نمبر 1

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں تو "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر عمل ہوگا؛ یعنی جو سب سے قریبی رشتے دار ہوگا اسے سارا ترکہ مل جائے گا، باقی سب محروم ہوں گے۔ مثلاً کسی کا بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو اگرچہ دونوں صنف اول (جزء میت) کے عصبہ ہیں لیکن بیٹے کا رشتہ زیادہ قریب کا ہے، اس لئے کہ پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے قائم ہوتا ہے، اس لئے وہ دور کا عصبہ ہوا۔ لہذا سارا ترکہ بیٹے کو ملے گا پوتا محجوب ہوگا۔ خواہ وہ اسی بیٹے کا بیٹا ہو یا کسی دوسرے بیٹے کا (26)۔

اصول نمبر 2

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں اور قرابت کے لحاظ سے بھی مساوی حیثیت کے حامل ہوں مثلاً سب بیٹے ہوں یا سب پوتے ہوں یا سب پڑپوتے ہوں تو ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا۔

اصول نمبر 3

اگر تمام عصبات ایک ہی درجے کے ہوں، رشتے میں ایک ہی نمبر پر ہوں لیکن رشتہ کی نوعیت میں فرق ہو تو جو زیادہ قوی قرابت رکھتا ہو ترکہ اسی کو ملتا ہے دوسرے محجوب ہوتے ہیں۔ مثلاً سگے بھائی اور سوتیلے بھائی ہوں تو ترکہ سگے بھائی کو ملے گا، اور سوتیلا بھائی محجوب ہو گا۔ اسے کچھ نہ ملے گا۔ یا اگر سگے چچا اور سوتیلے چچا ہوں تو سگے چچا کو ترکہ ملے گا، سوتیلے کو نہیں ملے گا۔ مزید وضاحت درج ذیل نقشہ میں دیکھیں:

صنف اول — جزء میت: میت کی اولاد نرینہ یعنی بیٹا، وہ زندہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

صنف دوم — اصل میت: میت کا باپ، وہ زندہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پردادا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

صنف سوم — جزء اصل قریب: میت کے باپ کی نرینہ اولاد، سگے بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلا (باپ کی طرف سے) بھائی، یہ نہ ہو تو سگے بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، یہ نہ ہو تو پھر سگے بھائی کا پوتا، پھر سوتیلے بھائی کا پوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

صنف چہارم — جزء اصل بعید: میت کے دادا کی نرینہ اولاد، سگے چچا، پھر سوتیلے چچا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پوتا آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

4.4 عصبہ بالغیر

یہ وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتی ہیں: یعنی بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن۔ جب ان کے بھائی بھی موجود ہوں تو ان کے اپنے مقررہ حصے (1/2 یا 2/3) کی بجائے للذکر مثل حظ الانثیین (یعنی مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا) کے اصول کے مطابق اپنے ہم درجہ بھائیوں کا آدھا ملے گا۔ لیکن پوتی پوتے کے ساتھ بھی عصبہ بالغیر بنتی ہے اور بعض اوقات پڑپوتے کے ساتھ بھی۔ باقی تین عورتیں صرف اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی عصبہ بنتی ہیں۔ ان چار کے علاوہ اور کوئی عصبہ بالغیر نہیں بنتا۔ لہٰذا بھتیجیاں، بھانجیاں اور

پھوپھیاں اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر نہیں بنیں گی۔ اس لیے کہ عصبہ بالغیر صرف وہ عورتیں بنتی ہیں جو ذوی الفروض ہوں جبکہ مؤخر الذکر عورتیں ذوی الفروض نہیں بلکہ ذوی الارحام ہیں۔

4.5 اولادِ میت کے احکام

اولادِ میت میں عصبہ بالغیر کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا اس لئے ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ سلسلہ اولاد میں آخر تک ہر مذکر عصبہ بنفسہ ہے اور ہر مؤنث تنہا ہو تو اصحاب الفروض میں سے اور اپنے بھائی کے ساتھ ہو تو عصبہ بالغیر ہے۔

2۔ ہر وہ اولاد جو میت سے صرف کسی عورت کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو (خود مذکر ہو یا مؤنث) ذوالارحام شمار ہوگی۔

3۔ عصبہ بنفسہ جس درجہ میں بھی ہو اپنے سے نیچے درجے کے ہر مذکر و مؤنث کو محجوب کر دے گا، اور اپنی ہم درجہ بیٹیوں، پوتیوں، نیز اوپر کی ان پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا جن کو ذوالفروض ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ ملا ہو۔ (مثال کے طور پر اگر کسی مسئلہ میں دو یا زائد بیٹیاں اور ایک یا زیادہ پوتیاں ہوں تو اس صورت میں 2/3 بیٹیوں کا حصہ ہے اور پوتیوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملا، البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو وہ اس کے ساتھ عصبہ بالغیر بن جائیں گی، اور بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد بچ رہنے والا ترکہ ان میں 'للذکر مثل حظ الانثیین' کے اصول کے مطابق تقسیم ہوگا)۔

4۔ بیٹی یا پوتی ایک ہو تو نصف 1/2 اور اس سے نیچے درجے والی سدس 1/6 کی مستحق ہوگی، پھر اس سے نیچے تمام درجے محجوب ہوں گے۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ اپنے برابر والی اور اوپر کی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو اپنے ساتھ باقی ترکہ میں 'للذکر مثل حظ الانثیین' کے طریقے سے شریک بنائے گا اور نیچے والے محجوب رہیں گے۔

5۔ دو بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو وہ ثلثان 2/3 کی مستحق ہوں گی اور ان سے نچلے درجے کی پوتیاں محجوب ہوں گی۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجہ میں پوتا موجود ہو تو وہ مذکورہ طریقے سے اپنے برابر والی اور اوپر والی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا۔

مثال:

میت (زید)

درجات	مسعود	محمود	منصور
1	پوتی	-	-
2	پوتی	پوتی	-
3	پوتی	پوتی	پوتی
4	-	پوتی	پوتی
5	-	-	پوتی

تشریح:

زید ایک میت ہے جس کی نو پوتیاں ہیں، جو تین بیٹوں (مسعود، محمود اور منصور) کی اولاد ہیں، اور مختلف درجات میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ تو زید کے ترکے میں سے پہلے درجے کی پوتی کو نصف 1/2 دوسرے، درجے کی دو پوتیوں کو سدس 1/6 ملے گا۔ پھر ان سے نیچے کے درجات میں چونکہ پوتا موجود نہیں ہے اس لئے بچ رہنے والا ترکہ بھی انہی تینوں پر (ان کے حصوں کے مطابق) لوٹا دیا جائے گا اور نیچے والی چھ پوتیاں محجوب ہوں گی۔ البتہ اگر ان حصہ پانے والی پوتیوں سے نیچے کسی بھی درجہ میں کوئی پوتا موجود ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ اس پوتے اور اس کے برابر اور اوپر محجوب ہونے والی پوتیوں میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم ہوگا، اور پوتے سے نیچے والی پوتیاں محروم رہیں گی۔ مثلاً اگر منصور کا کوئی پوتا درجہ چہارم میں موجود ہو تو اس صورت میں صرف ایک پوتی (درجہ پنجم والی) محجوب ہوگی۔

مذکورہ مثال میں اگر میت کی ایک بیٹی بھی زندہ ہو تو اس کو نصف 1/2 اور پہلے درجے کی پوتی کو سدس 1/6 ملے گا۔ اس کے بعد تمام پوتیاں (پوتے کی عدم موجودگی میں) محجوب ہوں گی۔ اور اگر میت کی دو بیٹیاں زندہ ہوں تو پہلے درجہ کی پوتی بھی (پوتے کی عدم موجودگی میں) محجوب ہوگی۔ اس لئے کہ بیٹیاں ثلثان 2/3 کی مستحق ہوں گی۔

4.6 عصبہ مع الغیر

ان کی اور (باپ کی طرف سے) سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ مل کر حدیث "اجعلوا

الاخوات مع البنات عصبۃ" (بہنوں کو بیٹیوں/پوتیوں کے ساتھ عصبہ شمار کرو) کے مطابق ذوی الفروض سے بچ رہنے والے ترکہ کی مستحق ہوتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ساتھ ان کے بھائی نہ ہوں، ورنہ وہ عصبہ بالغیر کا حصہ پائیں گی۔ قوی قرابت کی ترجیح یہاں بھی ملحوظ ہوگی لہٰذا حقیقی بہن کی موجودگی میں (باپ کی طرف سے) سوتیلے بھائی بہن محجوب ہوں گے۔

ضروری تنبیہ

عصبہ مع الغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی کا اپنا حصہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ اور دیگر اصحاب الفروض اپنا مقررہ حصہ وصول کریں گے۔ اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ (سگی یا باپ شریک) بہنوں میں تقسیم ہوگا۔ جبکہ عصبہ بالغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی یا بہن کا اپنا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بھائی کی بہ نسبت آدھا حصہ وصول کرتی ہے۔

4.7 یتیم پوتے کی وراثت

مسلم فیملی لاز آرڈیننس مجریہ 1961ء کی دفعہ نمبر 4 کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ اس وقت کے وزیر قانون کے خیال میں یہ قرآنی قانون کی پیروی ہے۔ لیکن اس کے اندر قرآن کی چار بنیادی قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

1. قرآن ایک مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں۔ گویا اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انھیں مردہ تسلیم کر دیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ قانونی مفروضات اور قانونی حیلے اخذ کیے گئے ہیں؟
2. قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں، باپ، بیوی، شوہر اور مورث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں۔ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ مورث کی زندگی میں مر جانے کے باوجود وہ حصہ

وصول کرنے کے لئے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کئے جائیں اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لئے مردہ تسلیم کرلئے جائیں۔ یہ امتیاز قرآن کی کس نص یا اس کی کس اقتضاء یا دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے؟

3۔ قرآن کی رُو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹے اور بیٹیوں کا حق ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کو تو حصہ وصول کرنے کے لئے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں ان کا حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس امتیاز کے لئے قرآن میں کیا دلیل ہے؟

4۔ یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی رُو سے اگر مورث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو پھر وہ ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو بھی پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک متوفی بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے اگر وہ زندہ ہو، اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفی باپ سے حصہ پارہی ہو تو اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفی ماں سے حصہ پارہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کا حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کا چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے؟

جواز کی واحد دلیل اور اس کی غلطی

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشا کو پورا کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے، اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مالدار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بنا پر وہ قاعدے کے مطابق حقدار رشتوں کے دائرے میں آتا ہے، اور ایک انتہائی مفلس اور قابلِ رحم رشتہ دار کو محروم رکھتا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حقدار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولتمند باپ کی جائیداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہوگا، یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشاء ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی

جانی چاہیے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا۔ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشا نبی ﷺ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا، انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اگر حضور ﷺ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ چودہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہاء سے مخفی رہ گیا اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند ان لوگوں نے جنہوں نے قرآن وسنت کے علم کی تعلیم و تربیت نہیں پائی۔

مسئلہ کا صحیح حل

باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو حل کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ حل ایک تو دادا اور نانا کی طرف سے یتیم پوتے اور نواسے کے حق میں اپنی زندگی میں ہبہ کی صورت ہے جو پوری جائیداد کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسرا وصیت کے ذریعے ہے جو ایک تہائی جائیداد تک ہو سکتی ہے۔ اور اگر دادا یا نانا اپنی زندگی میں یہ انتظام نہ کرے تو قانون کے ذریعے عدالت کو اس کا مجاز کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی صورت پیش آنے پر دادا یا نانا کی جائیداد سے ایک تہائی تک جتنا حصہ مناسب سمجھے یتیم پوتے تک پہنچا دے۔ مصر میں یہی صورت اختیار کی گئی ہے(28)۔

5- حجب

حجب کا لغوی معنی: روکنا، باز رکھنا اور منع کرنا ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا یا بالکل ختم ہونا حجب کہلاتا ہے۔

حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان اور حجب حرمان۔

5.1 حجب نقصان

یعنی کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا۔ یہ صرف پانچ ورثاء سے متعلق ہے:

1۔ شوہر: اس کا حصہ نصف 1/2 ہے، اگر اولاد کے موجود ہونے پر ربع 1/4 ہو جاتا ہے۔

2۔ بیوی: اس کا حصہ ربع 1/4 ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر ثمن 1/8 ہو جاتا ہے۔

3۔ ماں: اس کا حصہ ثلث 1/3 ہے، مگر اولاد یا دو اور اس سے زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہونے کی وجہ سے سدس 1/6 ہو جاتا ہے۔

4۔ پوتی: اس کا حصہ نصف 1/2 ہے، مگر بیٹی کی موجودگی پر سدس 1/6 ہو جاتا ہے۔

5۔ سوتیلی (باپ شریک) بہن: اس کا حصہ نصف 1/2 ہے، مگر سگی بہن کے موجود ہونے پر سدس 1/6 ہو جاتا ہے۔

5.2 حجب حرمان

یعنی کسی زیادہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی پر دوسرے مستحق کا حصہ منسوخ ہونا۔ یہ بے شمار ورثاء پر لاگو ہوتا ہے۔ مگر چھ ورثاء ماں باپ۔ بیٹا بیٹی۔ میاں بیوی، کبھی بھی محجوب حرمان (محروم) نہیں ہوتے بلکہ ہر صورت میں وراثت سے حصہ پاتے ہیں، البتہ مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

جن ورثاء سے حجب حرمان متعلق ہوتا ہے اس کے دو اسباب ہیں:

اول۔ ہر قریب بعید کے محجوب کر دیتا ہے۔ مثلاً باپ دادا کو اور بیٹا پوتے کو محجوب کر دیتا ہے۔

دوم۔ جس وارث کا میت سے رشتہ کسی دوسرے وارث کے ذریعے سے ہو تو مؤخر الذکر کے موجود ہونے پر وہ وارث محجوب ہو جائے گا۔

مثلاً دادا کا میت سے رشتہ باپ کے واسطے سے ہے اور پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے ہے تو باپ کے موجود ہونے پر دادا، اور بیٹے کے موجود ہونے پر پوتا محجوب ہوگا۔ مگر اولاد الام (ماں کی طرف سے بہن بھائی) اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ میت کے ساتھ ماں کے واسطے سے رشتہ رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ماں کے ہوتے ہوئے محجوب نہیں ہوتے۔

5.3 ممنوع اور محجوب میں فرق

1) 'ممنوع عن الارث' وہ شخص ہے جو میراث کے موانع میں سے کسی مانع کی موجودگی کی وجہ سے ترکہ سے حصہ پانے کا استحقاق کھو بیٹھے۔ جبکہ محجوب بحرمان وہ ہے جو اپنے سے زیادہ قریبی وارث کی موجودگی کی وجہ سے حصہ نہ پا سکے۔ یا بالفاظ دیگر ممنوع کو اس کی اپنی کوئی وصف یا حالت محروم کر دیتی ہے جیسے دین مختلف ہونا، قتل اور غلامی وغیرہ۔ جبکہ محجوب کو اپنی کوئی وصف محروم نہیں کرتی بلکہ دوسرے وارث کی موجودگی اس کو محروم کرتی ہے۔ ممنوع عن الارث کو اصطلاحاً محروم کہا جاتا ہے۔ لیکن عام زبان میں محجوب وارث کے لئے بھی کبھی کبھی لفظ محروم بول دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ اصطلاحی محروم نہیں ہوتا۔

2) ترکہ کی تقسیم میں محروم اور محجوب کا مختلف اثر ہوتا ہے۔ ایک محروم رشتہ دار کسی وارث کے حصے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے، یعنی وہ نہ کسی کو مکمل طور پر محروم کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا حصہ کم کر سکتا ہے۔ گویا اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ مثلاً کسی کا بیٹا کافر ہو جائے یا اپنے باپ کو قتل کر دے تو خود تو محروم قرار دیا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے میت کے پوتے یا ماں یا بیوی کے حصے میں کمی نہ ہوگی۔ لیکن اس بیٹے کے اندر ان موانع میں سے کوئی مانع نہ ہوتا تو وہ لازماً ان تمام ورثاء کے حصوں پر اثر انداز ہوتا۔

دوسری طرف ایک محجوب رشتہ دار اگرچہ خود ترکے میں سے کوئی حصہ نہ پائے یا کم حصہ پائے، مگر بعض اوقات دیگر ورثاء کے حصوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی میت کے ورثاء میں سے اگر ماں باپ اور دو بھائی ہوں، تو اگرچہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے وراثت سے کوئی حصہ نہ پائیں گے مگر وہ ماں کا حصہ ایک تہائی 1/3 سے کم کر کے 1/6 کر دیں گے۔

5.4 ممنوع یا محروم کی تقابلی مثال

(الف) میت (زید) کل حصے: 24		
ماں	1/6	7
بیوی	1/8	3
بیٹا	باقی	17
بھائی	محجوب	-

(ب) میت (زید)۔کل حصے: 12		
ماں	1/3	4
بیوی	1/4	3
بیٹا (قاتل)	محروم	-
سگا بھائی	عصبہ/باقی	5

5.5 محجوب کی تقابلی مثال

(الف): میت (زید) کل حصے: 3		
ماں	1/3	1
باپ	عصبہ/باقی	2

(ب): میت (زید) کل حصے-6		
ماں	1/6	1
باپ	عصبہ/باقی	5
2 بھائی	محجوب	-

5.6 حجب کی چند حل شدہ مثالیں

شوہر	1/4	3 (حجب نقصان)
ماں	1/6	2 (حجب نقصان)
بیٹی	1/2	6
سگا بھائی	عصبہ/باقی	1

اس مثال میں بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے شوہر اور ماں کا حصہ کم ہو گیا ہے

کل حصے:6

وارث	حصہ	حصے	وضاحت
بیٹی	1/2	3	اس مثال میں بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے پوتی کا حصہ 1/2 سے کم ہو کر 1/6 ہو گیا ہے۔
پوتی	1/6	1	مثال میں باپ کی دو حیثیتیں ہیں: وہ صاحب فرض بھی ہے اور عصبہ بھی۔
باپ	اور باقی	2	بھائی چاہے سگا ہو یا سوتیلا، باپ کی وجہ سے وراثت سے حصہ پانے سے مکمل طور پر محجوب
بھائی	محجوب	-	(محروم) ہو جاتا ہے

کل حصے:6

وارث	حصہ	حصے	وضاحت
سگی بہن	1/2	3	اس مثال میں سوتیلی (باپ شریک) بہن کو سگی بہن کی موجودگی کی وجہ سے 1/2 کی بجائے 1/6 دیا گیا ہے۔ اس پر حجب نقصان لاگو ہوا ہے۔
سوتیلی (باپ شریک) بہن	1/6	1	
ماں	1/6	1	بہن بھائی چونکہ ایک سے زیادہ ہیں، اس لئے ماں کا حصہ بھی 1/3 سے کم ہو کر 1/6 ہو گیا ہے
سوتیلا (ماں شریک) بھائی	1/6	1	

6- اصول فروض ترکہ

اصول جمع ہے اصل کی، جس کا لغوی معنی "بنیاد" ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں اصل سے مراد سب سے چھوٹا وہ عدد ہوتا ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصے) کے حصے یا الگ الگ، بلا کسر برآمد ہو سکیں۔ ایسے عدد کو اصل، اصل مسئلہ یا مخرج الفروض بھی کہتے ہیں۔ علم حساب میں ایسے عدد کو ذو اضعاف اقل کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کردہ چھ فروض کو باہمی نسبت اور ضبط قواعد کے لحاظ سے دو انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک کا اصل اور مثال درج ذیل ہے:

نوع اول		نوع ثانی	
فرض	اصل	فرض	اصل
نصف 1/2	2	ثلثان 2/3	3
ربع 1/4	4	ثلث 1/3	3
ثمن 1/8	8	سدس 1/6	6

اس نقشے پر غور کرنے سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

اول یہ کہ ہر نوع میں اوپر کا فرض نیچے کا دوگنا ہے اور نیچے کا فرض اوپر کا نصف (آدھا) ہے۔

دوم یہ کہ بڑے فرض کا اصل چھوٹا عدد ہے، اور چھوٹے فرض کا اصل بڑا عدد ہے۔ مثلاً سب سے بڑا 'فرض' ثلثان 2/3 ہے، اس کا اصل تین ہے اور سب سے چھوٹا 'فرض' ثمن 1/8 اس کا اصل 8 ہے۔ مذکورہ چھ فروض کا اصل معلوم کرنے کے پانچ قاعدے ہیں:

قاعدہ نمبر 1

جب کسی ایک فرض کا اصل مطلوب ہو تو نصف کا اصل دو اور باقی سب کا اصل اس کے نام کا مشابہ عدد ہے۔ مثلاً:

1۔ ربع کا اصل اربعہ (4)

2۔ ثمن کا اصل ثمانیہ (8)

3۔ ثلثان اور ثلث کا اصل ثلاثہ (3)

4۔ سدس کا اصل ستہ (6)

مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں ورثاء ایک بیٹا اور شوہر ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا۔ اس لئے کہ اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر ربع 1/4 کا مستحق ہے۔ یہ چوتھا حصہ (یعنی ایک) اسے ملے گا، باقی ماندہ بیٹے کی طرف منتقل ہوگا علی ھذا القیاس۔

قاعدہ نمبر 2:

جب کسی ایک ہی نوع کے دو یا زیادہ فروض کا اجتماعی اصل مطلوب ہو تو ان میں چھوٹے فرض کا اصل سب کا اصل ہوگا۔ اس لئے کہ وہ بڑا عدد ہوگا جس سے سارے حصے نکل سکیں گے۔ جیسے:

اگر کسی مسئلے میں نصف 1/2 اور ربع 1/4 ہوں تو ان کا اصل چار ہوگا۔ اس لئے کے چار سے نصف 1/2 بھی بلا کسر برآمد ہوسکتا ہے اور ربع 1/4 بھی۔

اصل مسئلہ 4		
بیوی	1/4	1
بہن	1/2	2
چچا	عصبہ/باقی	1

اگر کسی مسئلے میں نصف 1/2 اور ثمن 1/8 جمع ہوں تو ان کا اصل 8 ہوگا۔

اصل مسئلہ: 8

بیوی	1/8	1	(یہاں بقیہ تین حصے بھی دوبارہ بیٹی کو دے دیے جائیں گے)
بیٹی	1/2	3+4	

اگر کسی مسئلے میں ثلثان 2/3 اور ثلث 1/3 جمع ہوں تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔

اصل مسئلہ 3

دو سگی بہنیں	2/3	2
دو سوتیلی	1/3	1
(ماں کی طرف سے) بہنیں		

اگر کسی مسئلے میں ثلثان 2/3 اور سدس 1/6 جمع ہوں تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔

اصل مسئلہ 6

ماں	1/6	1
دو بیٹیاں یا دو سگی بہنیں	2/3	4

اگر کسی مسئلے میں ثلث 1/3 اور سدس 1/6 جمع ہوں تو اس صورت میں بھی اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔

اصل مسئلہ 6		
ماں	1/3	2
ایک ماں شریک بھائی بہن	1/6	1

اصل مسئلہ 6		
ماں	1/6	1
دو ماں شریک بھائی بہن	1/3	2

قاعدہ نمبر 3

جب نوع اول میں سے نصف 1/2 نوع ثانی کے تمام یا بعض فروض کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ چھ ہوگا۔

اصل مسئلہ 6		
بیٹی	1/2	3
ماں	1/6	1
بھائی	باقی	2

اصل مسئلہ 6		
سگی بہن	1/2	3
دو ماں شریک بھائی بہن	2/3	2
باپ شریک بہن	1/6	1
چچا		-

قاعدہ نمبر 4

جب نوع اول میں سے ربع 1/4 نوع ثانی کے سب یا بعض فروض کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ 12 ہوگا۔

اصل مسئلہ 12		
بیوی	1/4	3
ماں	1/6	2
دو ماں شریک بہن بھائی	1/3	4
سگا بھائی	عصبہ	3

اصل مسئلہ 12		
شوہر	1/4	3
باپ	+1/6	3=1+2
	عصبہ	
بیٹی	1/2	6

قاعدہ نمبر 5

جب نوع اول میں سے ثمن 1/8 نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ 24 ہوگا۔

اصل مسئلہ 24		
بیوی	1/8	3
بیٹی	1/2	12
ماں	1/6	4
باپ	1/6+عصبہ	5=1+4
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ 24		
بیوی	1/8	3
بیٹا	عصبہ	17
باپ	1/6	4
پوتا	محجوب	-

ورثاء اگر صرف عصبات ہوں تو ان کا مسئلہ ان کی تعداد کے مطابق ہوگا۔ اگر وہ مذکر و مؤنث مخلوط ہوں تو ہر مذکر کے دو حصے شمار ہوں گے (للذکر مثل حظ الانثیین)۔

اصل مسئلہ 3		
ایک بیٹا	عصبہ	2
ایک بیٹی	عصبہ	1
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ 3		
دو سگے بھائی	4	-
دو سگی بہنیں	2	-

7- عول

عول کا لغوی معنی ہے: مائل ہونا، بلند ہونا، زیادہ ہونا۔

طالب فرائض کو کبھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قواعد کے لحاظ سے تو اصل مسئلہ صحیح ہے مستحقین کے تمام حصے اس سے برآمد نہیں ہوتے یعنی حصوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور اصل مسئلہ کم پڑ جاتا ہے۔

اس مشکل کا حل یہ ہے کہ زائد حصوں کے مطابق اصل مسئلہ کا عدد بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مسئلہ کا عدد بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مسئلہ کا عدد بڑھانے سے ہر ذی فرض (وارث) کے حصے میں متناسب کمی ہو جاتی ہے۔

7.1 عول کا اصطلاحی معنی

عول کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ورثاء کے حصوں کے مطابق اصل مسئلہ کا عدد بڑھا دیا جائے۔ مثال کے طور پر ثلثان 2/3، ثلث 1/3 اور سدس 1/6 کسی مسئلے میں جمع ہوں تو قاعدہ کے لحاظ سے اصل مسئلہ چھ ہے، مگر اس سے یہ حصے برآمد نہیں ہوتے (ایک حصہ کم پڑ جاتا ہے)، اس لیے اصل مسئلہ 6 کو بڑھا کر (حصوں کی تعداد کے مطابق) 7 کرنا پڑتا ہے اور ہر وارث کے حصے میں اس کی نسبت سے کمی کرنا پڑتی ہے، ایسے مسئلے کو "عائلہ" کہا جاتا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے۔

اصل مسئلہ 6۔ عول 7			
دو سگی بہنیں	2/3	4	4/7
دو سوتیلی (ماں شریک) بہنیں	1/3	2	2/7
ماں	1/6	1	1/7

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کے اصل مسئلے کی بنیادی تعداد سات ہے: 2،3،4،6،8،12،24۔ ان میں سے عول صرف تین: 6،12،24 میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح کہ:

اصل مسئلہ 6 ہو تو اس کے چار عول ہو سکتے ہیں: 7،8،9،10۔

اصل مسئلہ 12 ہو تو اس کے تین عول ہو سکتے ہیں: 13،15،17۔

اصل مسئلہ 24 ہو تو اس کا صرف ایک عول ہو سکتا ہے: 27۔

عول کا طریقہ یہ ہے کہ ذوالفروض وارثوں کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب

نما (کسر کے نیچے کا عدد) سے بڑھ جاتا ہے، لہذا تمام وارثوں کا حصہ متناسب طور پر کم کرنے کے لیے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

مثال 1:

ذوالفروض وارثان۔ دو سگی بہنیں --2/3 4/6

دو ماں شریک بہنیں --1/3 2/6 7/6

ماں- 1/6 1/6

نسب نما (6) کو شمار کنندہ (7) کے برابر لانے سے 7/6 کی کسر 7/7 بن گئی۔

اب ان وارثوں کے حصے یوں ہو گئے:

دو سگی بہنیں = 4/7 (4/6 کی بجائے)

دو ماں شریک بہنیں - 2/7 (2/6 کی بجائے)

ماں -1/7 (1/6 کی بجائے)

مثال 2:

ذوالفروض وارثان میں۔ شوہر - 1/4=3/12

دو بیٹیاں- 2/3=8/12

ماں -1/6=2/12 15/12

باپ =1/6=2/12

نسب نما (12) کو شمار کنندہ (15) کے برابر کرنے سے 15/12 کی کسر 15/15 بن گئی۔

اب ان وارثوں کے حصے یوں ہو گئے:

شوہر - 3/15 (3/12 کی بجائے)

دو بیٹیاں=8/15 (8/12 کی بجائے)

ماں - 2/15 (2/12 کی بجائے)

باپ -- 2/15 (2/12 کی بجائے)

چند مثالیں

اصل مسئلہ 6۔ عول 7		
شوہر	1/2	3
دو سگی بہنیں	1/3	4
		7

اصل مسئلہ 6۔ عول 9		
شوہر	1/2	3
دو باپ شریک بہنیں	2/3	4
دو ماں شریک بہن بھائی	1/3	2
		9

اصل مسئلہ 12۔ عول 13		
بیوی	1/4	3
ماں	1/6	2
دو سگی بہنیں	2/3	8
		13

اصل مسئلہ 12۔ عول 17		
بیوی	1/4	3
دادی	1/6	2
دو باپ شریک بہنیں	2/3	8
دو ماں شریک بہن بھائی	1/3	4
		17

اصل مسئلہ 12۔ عول 15		
شوہر	1/4	3
دو بیٹیاں	2/8	8
ماں	1/6	2
باپ	1/6	2
		15

اصل مسئلہ 24۔ عول 27		
بیوی	1/8	3
ماں	1/6	4
باپ	1/6	4
دو بیٹیاں	2/3	16
		27

8- ردّ

جب ترکہ کے مستحقین صرف ذوی الفروض ہوں، ان کے ساتھ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض اوقات ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ حصے بچ جاتے ہیں جنہیں دوبارہ ذوی الفروض میں (سوائے بیوی یا شوہر کے) ان کے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے ردّ کہتے ہیں۔

یہ عول کی ضد ہے۔ اس لئے کہ عول میں مستحقین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھانا پڑتا ہے جس سے ہر حصہ فی نفسہ کم ہو جاتا ہے (جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا)۔ جبکہ یہاں مستحقین کی قلت کی وجہ سے حصوں کی تعداد کم کرنی پڑتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد کم کرنا پڑتا ہے۔ جس سے ہر حصہ فی نفسہ بڑھ جاتا ہے۔

یہ ردّ چونکہ ذوی الفروض نسبیہ پر ہوتا ہے اس لئے انہیں 'من یرد علیہ' (جن کو بچا ہوا ترکہ دیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) پر چونکہ ردّ نہیں ہوتا اس لئے انہیں 'من لا یرد علیہ' (جن کو بچے ہوئے ترکہ میں سے حصہ نہیں دیا جاتا) کہتے ہیں۔

ردّ کی صورتیں

ردّ کے مسائل میں ورثاء چار صورتوں میں سامنے آئیں گے:

1) مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، اور وہ ایک ہی صنف کے ہوں:

2) مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، مگر وہ مختلف اصناف کے ہوں۔

3) ذوی الفروض نسبیہ صرف ایک صنف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔

4) ذوی الفروض نسبیہ کی مختلف اصناف ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔

ان چار صورتوں کے لئے الگ الگ چار مقرر ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قاعدہ نمبر 1

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ (من یرد علیہ) صرف ایک ہی صنف کے ہوں یعنی ایک ہی نام کے ہوں یا اُن کے حصے ایک ہی طرح کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ کا ردان کی تعداد کے مطابق ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر

تین بیٹیاں ہوں تو ان کی تعداد کے لحاظ سے 3 ہوگا۔ اسی طرح اگر پانچ بہنیں ہوں تو اصل مسئلہ 5 ہوگا۔ یا اگر ورثاء دادی اور سوتیلی (ماں شریک) بہن ہوں تو اصل مسئلہ 2 ہوگا۔ اس لئے دونوں کے حصے ایک جیسے ہیں (یعنی 1/6،1/6)۔

قاعدہ نمبر 2

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ (من یرد علیہ) مختلف اصناف کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکے کا ردان کے مقررہ حصوں کے مطابق ہوگا۔ مثال:

اصل مسئلہ 6۔ رد 3		
دو ماں شریک بھائی	1/3	(2/3)2
ماں	1/6	(1/3)1

اس مثال میں حصے ثلث 1/3 اور سدس 1/6 ہیں، اس لئے اصل مسئلہ (ان کا ذو اضعاف اقل) 6 ہوگا، جس میں سے دو حصے اخیافی (ماں شریک) بھائیوں کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کا۔ مجموعی تعداد تین ہوئی، اس لئے رد بھی تین کی طرف ہوا، اور تین ہی اب اصل مسئلہ قرار پایا۔ اس طرح ورثاء کے حصوں کے مطابق ان میں اضافہ ہوا۔ اب بھائیوں کو 1/3 کی بجائے 2/3 اور ماں کو 1/6 کی بجائے 1/3 ملے گا۔

اس قاعدے میں رد چونکہ حصوں کے مطابق ہوتا ہے اس لئے درج ذیل "فروض" کے رد کی تفصیل اس طرح ہوگی:

1) جب کسی مسئلے میں صرف دو سدس 1/6 ہوں تو اصل مسئلہ 6 اور رد 2 ہوگا۔
2) جب کسی مسئلے میں ثلث 1/3 اور سدس 1/6 جمع ہوں تو اصل مسئلہ 6 اور رد 3 ہوگا۔
3) جب کسی مسئلے میں نصف 1/2 اور سدس 1/6 ہوں تو اصل مسئلہ 6 اور رد 4 ہوگا۔
4) جب ثلثان 2/3 اور سدس 1/6 یا
5) نصف 1/2 اور دو سدس 1/6 یا
6) نصف 1/2 اور ثلث 1/3 جمع ہوں تو اصل مسئلہ 6 اور رد 5 ہوگا۔

قاعدہ نمبر 3

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ (من یرد علیہ) کی صرف ایک صنف ہو، اور اس کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں رد (باقی ماندہ ترکہ کی دوبارہ تقسیم) شوہر یا بیوی کے منفرد مسئلے کے مطابق ہو

گا۔ یعنی پہلے شوہر یا بیوی میں سے جو موجود ہو اس کے حصے کے لحاظ سے اس کا انفرادی طور پر مسئلہ بنا کر اس سے اس کو حصہ دے دیا جائے، پھر باقی ماندہ حصوں کو باقی اصحاب الفروض (نسبیہ) پر تقسیم کیا جائے۔ جیسے اگر مسئلے میں شوہر اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ شوہر کے حصے ربع 1/4 کے مطابق چار سے ہوگا۔ چوتھا حصہ شوہر کو دے کر بقیہ تین حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

اسی طرح اگر ورثاء بیوی اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ بیوی کے حصے 1/8 کے مطابق 8 سے ہوگا۔ ایک حصہ بیوی کو دے کر بقیہ (7) حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

قاعدہ نمبر 4

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ (من یرد علیہ) مختلف اصناف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں دو مسئلے الگ الگ طور پر حل کیے جائیں گے۔ ایک مسئلے میں صرف شوہر یا بیوی ہوں گے، اور دوسرے مسئلے میں ان کے علاوہ باقی ورثاء ہوں گے۔ یہ قاعدہ چونکہ قاعدہ نمبر ۲ اور قاعدہ نمبر ۳ کا مجموعہ ہے، اس لئے پہلے قاعدہ نمبر ۳ کے مطابق رد کیا جائے، پھر قاعدہ نمبر ۲ کے مطابق باقی ماندہ ترکہ ذوی الفروض نسبیہ پر تقسیم کیا جائے۔

مثال نمبر 1

ورثاء: بیوی۔ دادی/نانی۔ دو ماں شریک بہن بھائی

پہلا مسئلہ

	اصل مسئلہ 6۔ رد 3	
دادی	1/6	(1/3)1
دو ماں شریک بہن بھائی	1/3	(2/3)2

دوسرا مسئلہ:

	اصل مسئلہ 4	
بیوی	1/4	1
دادی	1/6	1
دو ماں شریک بہن بھائی	1/3	2

پہلا مسئلہ 6 سے ہے جسے 3 میں رد کیا گیا ہے۔ دوسرے مسئلے کا اصل 4 ہے جو بیوی کے حصے ربع 1/4 سے ماخوذ ہے۔ دونوں مسئلوں کا تقابل کرنے پر معلوم ہوا کہ پہلے مسئلے میں دادی اور بہنوں کا مجموعی حصہ 3 ہے۔ دوسرے مسئلے میں بیوی کا اصل مسئلہ 4 میں سے ایک حصہ دے دیا گیا جس کے بعد 3 باقی رہ جاتے ہیں جو پہلے مسئلے کے مطابق دادی اور سوتیلے بہن بھائی کا حصہ ہیں۔ یہاں حصے پورے پورے بلا کسر ورثاء میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اب دوسرے مسئلے کے اصل (یعنی چار) ہی کو اصل مسئلہ قرار دے کر تمام ورثاء کو اس میں سے حصے دیے گئے۔ بیوی کو صرف اس کا مقررہ حصہ ملا، جبکہ ذوی الفروض نسبیہ کو ان کے مقررہ حصوں کے علاوہ باقی ماندہ ترکے میں سے بھی حصہ دیا گیا۔

مثال نمبر 2

ورثاء: بیوی۔ دو بیٹیاں۔ ماں

پہلا مسئلہ

اصل مسئلہ 6 رد 5		
دو بیٹیاں	2/3	(4/5)4
ماں	1/6	(1/5)1

دوسرا مسئلہ

	5	
بیوی 1/8	8	40
دو بیٹیاں 2/3	1	5
ماں 1/6	7	28/7

اس مثال میں ثمن 1/8 ثلثان 2/3 اور سدس 1/6 کے جمع ہونے سے حسب قاعدہ اگر اصل مسئلہ 24 کیا جائے اور حصے تقسیم کیے جائیں تو ایک حصہ بچ جاتا ہے (دو بیٹیاں 16، ماں 4، بیوی 3 کل 23 حصے)۔ چنانچہ بچ رہنے والے حصے کو بیوی کو چھوڑ کر باقی ورثاء پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کے لئے بیوی کے الگ مسئلے 8 کو اصل مسئلہ بنا کر رد کیا گیا، اس میں سے ایک حصہ بیوی کو دے کر باقی ماندہ سات حصے محفوظ کر لئے گئے۔ پھر باقی اصحاب الفروض کا الگ مسئلہ بنا کر دیکھا گیا تو وہ رد کے بعد 5 ہے جس میں سے چار حصے بیٹیوں کو اور ایک حصہ ماں کو دیا گیا۔

دوسرے مسئلے میں بیویوں سے باقی ماندہ سات حصے پہلے مسئلے کے مجموعہ حصص 5 پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتے۔ اس کے کسر کو دور کرنے کے لئے مجموعہ حصص 5 کو بیوی کے الگ مسئلے (یعنی 8) میں ضرب دی گئی ہے تو حاصل ضرب چالیس ہے (40=8x5)۔ اس کو ورثاء کی ہر صنف پر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ بیوی کے الگ مسئلے کے حصے (۱) کو باقی اصحاب الفروض کے الگ مسئلے 5 میں ضرب دے کر پانچ حصے دیئے گئے (5/40) اور بیٹیوں کے چار حصوں کو بیوی کے مسئلے میں باقی ماندہ حصوں (۷) میں ضرب دے کر 28 حصے دیئے گئے (28=7x4) اسی طرح ماں کے ایک حصے کو بھی (7) سے ضرب دے کر سات حصے دیئے گئے۔ (7=7x1)

8.1 خلاصہ

رد کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض (ماسوائے خاوند اور بیوی) کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کے عدد) سے کم ہوتا ہے لہذا تمام وارثوں (ماسوائے خاوند اور بیوی) کا حصہ متناسب طور پر زیادہ کرنے کے لئے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر لیا جاتا ہے۔

مثال 1:

ذوالفروض ورثاء میں			
	ماں	1/6 = 1/6	
	بیٹی	3/6 = 1/2	5/6
	پوتی	1/6 = 1/6	

نسب نما (6) کو کسر کے شمار کنندہ (5) کے برابر کرنے سے 5/6 کی کسر 5/5 بن گئی۔ اب ان وارثوں کے حصے یوں ہو گئے۔

ماں	1/5 = (1/6 کے بجائے)
بیٹی	3/5 = (3/6 کے بجائے)
پوتی	1/5 (1/6 کے بجائے)

مثال 2

ذوالفروض ورثاء میں بیوی = 1/8

ماں = 1/6=1/6

بیٹی = 3/6=1/2 4/6

نسب نما (6) کو شمار کنندہ (4) کے برابر کرنے سے 4/6 کی کسر 4/4 بن گئی۔ اب ماں بیٹی کے حصوں کا باہمی تناسب۔

ماں = 1/4 (1/6 کے بجائے)

بیٹی = 3/4 (3/6 کے بجائے)

ماں کا حصہ کل میں سے 7/8 کا 1/4 = 7/32

بیٹی کا حصہ کل میں سے 7/8 کا 3/4 = 21/32

بیوی کا حصہ کل میں سے = 1/8 = 4/32

9- ذوی الارحام

جب کسی میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض نسبیہ اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تب ذوی الارحام وراثت پانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ البتہ بیوی یا شوہر ایسے ذوی الفروض ہیں جن کی موجودگی ذوی الارحام کو محجوب نہیں کرتی۔ ان سے بچا ہوا کل ترکہ ذوی الارحام کا حق ہوتا ہے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے ذوی الارحام کا لفظ خون یا نسب میں شریک تمام رشتہ داروں کو شامل ہے مگر علم الفرائض کی اصطلاح میں ایسے رشتہ دار مراد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ ہیں اور وہ خود عورت ہیں یا کسی عورت کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں، جیسے بیٹی اور پوتی کی اولاد یا بہن کی اولاد، جد فاسد (نانا، پرنانا)، جدہ فاسدہ (جو میت سے جد فاسد کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں)، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

9.1 ذوی الارحام کے چار درجے

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی درج ذیل چار اصناف ہیں اور اسی ترتیب سے وارث ہوتے ہیں:

صنف اول

جزء میت: میت کی وہ اولاد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں۔ یہ دو قسم ہیں

(1) بیٹیوں کی اولاد (2) پوتیوں کی اولاد

صنف دوم

اصل میت: میت کے باپ اور ماں سے اوپر کے رشتے والے جو ذوی الفروض یا عصبات نہ ہوں۔ یہ بھی دو قسم ہیں:

(1) جد فاسد (نانا، پرنانا، باپ کے نانا، پرنانا، ماں کے دادا، نانا)۔

(2) جدہ فاسدہ: وہ عورت جو میت سے بواسطہ جد فاسد تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں وغیرہ، ماں کی دادی پردادی وغیرہ۔

صنفِ سوم

جزءِ اصل قریب: یعنی میت کے ماں باپ کی وہ اولاد جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہو۔ یہ چار قسم ہیں:

(1) بھانجے بھانجیاں۔

(2) بھتیجیاں اور ان کی اولاد۔

(3) بھتیجوں کی بیٹیاں۔

(4) اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کی اولاد۔

صنفِ چہارم

جزءِ اصل بعید: یعنی میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کی وہ اولاد جو ذوی الارحام ہو۔ یہ کئی قسم ہیں۔

1) پھوپھی، اخیافی چچا اور ان کی اولاد

2) خالہ، ماموں اور ان کی اولاد

3) چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد

4) ماں یا باپ کی پھوپھی، خالہ اور ماموں

5) اجداد و جدات کی پھوپھی، خالہ اور ماموں، او پر تک۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب ذوی الفروض نسبیہ اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ ترکہ میں ان کے حصے مقرر نہیں ہیں، بلکہ عصبات کی طرح جس کو ترجیح حاصل ہوگی وہ پورے ترکے کا مستحق ہوگا، باقی سب محروم ہوں گے۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ ہر صنف میں ترکہ کی تقسیم کا حنفی نقطۂ نظر کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے۔

9.2 صنفِ اول میں ترکہ کی تقسیم

1) اگر کسی مسئلے میں صرف صنفِ اول کے چند ذوی الارحام ہوں تو ان میں سے جو درجہ کے لحاظ سے میت کے زیادہ قریب ہو وہی وراثت کا مستحق ہوگا، اور باقی محروم ہوں گے۔ جیسے نواسی کے ساتھ پوتی کا بیٹا موجود ہو تو یہ دونوں اگر صنفِ اول کے ذوی الارحام میں سے ہیں مگر نواسی درجہ کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، لہٰذا ترکہ اس کو ملے

گا اور پوتی کا بیٹا محروم ہوگا۔

2) اگر درجہ میں برابر ہوں تو ان میں جو وارث (یعنی ذوی الفروض یا عصبات میں سے کسی) کی اولاد ہو وہی مستحق ہو گا، اور جو ذوی الارحام (میں سے کسی) کی اولاد ہو وہ محروم ہوگا۔ مثال کے طور پر پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا موجود ہوں تو پوتی (ذی فرض) کی بیٹی کو وراثت ملے گی اور نواسی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر بھتیجے کی بیٹی اور بھتیجی کا بیٹا ہوں تو بھتیجے (جو عصبہ ہے) کی بیٹی کو ترکہ ملے گا اور بھتیجی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

نوٹ: صنف اول میں ذی فرض کی اولاد اور عصبہ کی اولاد ایک ہی درجہ میں نہیں پائی جا سکتی۔

3) اگر درجہ اور حیثیت میں بھی یکساں ہوں (یعنی سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذی رحم کی اولاد ہوں) تو ان میں جو مذکر کی اولاد ہوگا وہ دوگنا حصہ پائے گا (چاہے وہ خود مذکر ہو یا مؤنث)۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو ترکہ کے تین حصے ہو کر نواسے کی بیٹی کو دو حصے اور نواسی کے بیٹے کو ایک حصہ ملے گا۔

4) اگر مذکر یا مؤنث کو اولاد ہونے میں بھی برابر ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین (مرد کو عورت سے دوگنا حصہ) کے اصول پر ہوگی۔ جیسے کسی نے نواسہ اور نواسی چھوڑے ہوں تو ترکہ کے دو حصے نواسے کو اور ایک حصہ نواسی کو ملے گا۔

9.3 صنفِ دوم میں ترکہ کی تقسیم

1) میت کے جو زیادہ قریب ہو اس صنف میں سے وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثلاً ماں کا باپ اور ماں کا نانا موجود ہوں تو ماں کا باپ چونکہ زیادہ قریبی ہے، اس لئے ترکہ اسی کو ملے گا اور ماں کا نانا محروم ہوگا۔

2) اگر درجہ میں برابر ہوں تو جس کا رشتہ میت سے کسی وارث (ذی فرض یا عصبہ) کے ذریعے ہو رہی وہی مستحق ہوگا اور جس کا رشتہ ذوی الارحام میں سے کسی کے ذریعے ہو وہ محروم رہے گا۔ جیسے کسی نے اپنے پیچھے اپنی ماں کا نانا اور ماں کا دادا چھوڑے ہوں تو ماں کا نانا مستحق ہوگا (اس لئے کہ وہ میت کی نانی کا باپ ہے اور نانی جدہ صحیحہ ہونے کا ناطے ذی فرض ہے)، اور ماں کا دادا محروم ہوگا اس لئے کہ وہ میت کے نانا کا باپ ہے جو کہ جد فاسد (ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں سے) ہے۔

9.4 صنفِ سوم میں ترکہ کی تقسیم

1) اس صنف میں میت سے جو زیادہ قریب ہو وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثلاً کسی نے بھتیجی کا بیٹا اور بھانجی چھوڑے ہوں تو ترکہ بھانجی کو ملے گا اس لئے کہ وہ زیادہ قریب ہے۔

2) اگر درجے میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد مستحق ہوگی اور ذوی رحم کی اولاد محروم رہے گی۔ مثلاً کسی شخص نے بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا چھوڑا ہو تو ترکہ بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا۔ اس لیے کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے اور بھانجی کا بیٹا محروم ہوگا اس لئے کہ وہ ذوی الارحام کی اولاد ہے۔

3) اگر درجہ اور وارث کی اولاد ہونے میں یکساں ہوں تو جس کی قرابت زیادہ مضبوط ہوگی اسے ترجیح ملے گی۔ مثلاً ایک شخص نے سگے بھائی کی پوتی، سوتیلے (باپ شریک) بھائی کی پوتی اور سوتیلے (ماں شریک) بھائی کی پوتی چھوڑی ہو تو ترکہ کی مستحق سگے بھائی کی پوتی ہوگی، اور باپ شریک بھائی کی پوتی کمزور قرابت کی وجہ سے اور ماں شریک بھائی کی پوتی وارث کی اولاد نہ ہونے کی بناء پر محروم ہوگی۔

9.5 صنفِ چہارم میں ترکہ کی تقسیم

صنفِ چہارم دو فریق ہیں: ابوی (باپ کی طرف سے) اور امی (ماں کی طرف سے)۔

فریق ابوی: جو میت کے باپ کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے سگی پھوپھی، علاتی پھوپھی، اخیافی پھوپھی اور اخیافی چچا۔

فریق امی: جو میت کی ماں کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگا ماموں اور خالہ، علاتی ماموں اور خالہ، اور اخیافی ماموں اور خالہ۔

اس صنف میں پہلے مستحق یہی ہیں، پھر ان کی اولاد۔ ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی:

1) اگر کسی ایک فریق کے متعدد افراد موجود ہوں تو قوتِ قرابت کو ترجیح ہوگی۔ یعنی عینی (سگے) کو علاتی (باپ کی طرف سے) پر، اور علاتی کو اخیافی (ماں کی طرف سے) پر ترجیح دی جائے گی، خواہ مرد ہوں یا عورت۔

2) مرد کو 2/3 اور عورت کو 1/3 حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی نے پھوپھی اور اخیافی چچا چھوڑے ہوں تو اخیافی چچا کو 2/3 اور پھوپھی کو 1/3 حصہ ملے گا۔

3) اگر دونوں فریق جمع ہوں تو کسی فریق کو دوسرے پر مضبوط قرابت کی بنا پر ترجیح نہ ہوگی بلکہ دونوں فریق بیک وقت مستحق ہوں گے۔ جیسے کسی شخص نے عینی خالہ اور علاتی پھوپھی چھوڑی ہوں تو دونوں مستحق ہوں گی۔ البتہ باپ کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو 2/3 اور ماں کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو 1/3 حصہ ملے گا۔ مذکورہ مثال میں سگی خالہ کو 1/3 اور علاتی پھوپھی کو 2/3 دیا جائے گا۔

4) اگر دونوں طرف (ابوی اور امومی) کے کئی کئی افراد موجود ہوں تو پہلے ہر فریق کے حصے (2/3 اور 1/3) الگ الگ کر لیے جائیں گے۔ پھر ان کے افراد پر تقسیم کر دیئے جائیں۔

9.6 صنفِ چہارم کی اولاد میں ترکہ کی تقسیم

1) کسی بھی طرف کی اولاد ہو تو زیادہ قریب والے کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے خالہ کا بیٹا اور پھوپھی کا پوتا چھوڑے ہوں تو خالہ کا بیٹا ترکہ کا مستحق ہوگا، اسی طرح اس کے برعکس۔

2) درجہ میں برابر ہوں تو قوی قرابت کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے سگی پھوپھی کی بیٹی اور اخیافی چچا کا بیٹا چھوڑے ہوں تو سگی پھوپھی کی بیٹی مستحق ہوگی۔

3) درجہ اور قوت میں بھی برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح ہوگی۔ جیسے کسی نے عینی چچا کی بیٹی اور عینی پھوپھی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو عینی (سگے) چچا (جو عصبہ ہے) کی بیٹی مستحق ہوگی، اور عینی پھوپھی (جو ذوی الارحام ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

4) اگر دونوں طرف (ابوی اور امومی) کی اولاد یں جمع ہوں (اور درجہ میں برابر ہوں) تو کوئی بھی کسی کو محروم نہیں کرے گا۔ البتہ باپ کی طرف والے کو 2/3 اور ماں کی طرف والے کو 1/3 دیا جائے گا۔ پھر ہر طرف میں اگر متعدد افراد موجود ہوں تو ان میں باہم مضبوط قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونے کی ترجیح ملحوظ رہے گی۔

5) اگر میت کے چچا، پھوپھیاں، خالائیں اور ان کی اولادیں نہ ہوں تو پھر وراثت کا یہی طریقہ میت کے والدین کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں، اور پھر ان کی اولادوں میں جاری ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے اجداد و جدات کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں، پھر ان کی اولادوں میں جاری ہوگا۔

10- تقسیم ترکہ کی خصوصی صورتیں

1- حمل

جب کوئی وارث حمل کی صورت میں ہو تو ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے اس کا انتظار کر لینا چاہیے، تا کہ حمل کا وارث یا غیر وارث ہونا نیز اس کی جنس مرد یا عورت ہونا واضح ہو جائے، اور اس کے مطابق موجودہ ورثاء کا مقام بھی متعین ہو جائے۔

اگر ولادت کا انتظار نہ کیا جا سکے اور ولادت سے قبل ہی عارضی تقسیم مطلوب ہو تو موجودہ ورثاء سے ضامن اور عہد لیا جائے کہ حمل سے اگر ایک سے زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو وہ ان کے استحقاق کے مطابق حصہ واپس کر دیں گے۔ پھر حمل کو ایک بچہ فرض کر کے اس کے لئے ترکہ میں سے بہتر حصہ محفوظ کر لیا جائے: یعنی لڑکا فرض کرنے کی صورت میں اگر اس کو زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکے کا حصہ محفوظ کر لیا جائے، اور اگر لڑکی فرض کرنے کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہے تو لڑکی کا حصہ محفوظ کر لیا جائے۔ پھر ولادت ہونے پر اگر وہ تمام محفوظ کردہ حصے کا مستحق ہو تو اس کو وہ دے دیا جائے، ورنہ اس کے استحقاق کے مطابق حصہ اسے دے کر بقیہ حصہ دیگر ورثاء پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

جو حمل ترکے کا مستحق ہو اس کی وجہ سے موجودہ ورثاء کے درج ذیل تین حالات ہوں گے:

1- بعض مکمل طور پر محروم ہوں گے۔

2- بعض محجوب بنقصان ہوں گے، یعنی ان کا حصہ کم ہو جائے گا۔

3- بعض محفوظ ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

حمل کی وراثت کی شرائط

حمل کے وارث ہونے کے لئے دو شرائط کا پایا جانے ضروری ہے:

1- حمل کا اکثر حصہ زندہ پیدا ہو۔ لہذا اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوا تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ البتہ اگر (اسقاط کی صورت میں) رحم سے مار کر نکالا گیا تو وارث ہوگا۔

2- مورث کی موت کے وقت استقرارِ حمل کا یقین ہو۔ یعنی (حمل مورث کا نہ ہونے کی صورت میں) اگر میاں بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو تو وہ مورث کی موت کے بعد چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں پیدا ہو۔ اس لئے کہ

تمام فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس لئے اگر وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصے میں پیدا ہوا تو وارث نہیں ہوگا۔ البتہ حمل اگر خود مورث کا ہے تو وہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت (دو سال) تک پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہوگا جبکہ اس کی والدہ نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہونا حنفیہ کی رائے کے مطابق ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ بچہ ماں کے رحم میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔ لہذا اگر کسی شخص کی منکوحہ نے اگر نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنا تو اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح اگر شوہر کی وفات کے دو سال بعد اس کی بیوہ نے بچہ جنا تو میت سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔

حنفی فقہاء نے بطور احتیاط حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ٹھہرائی ہے، مگر اس بارے میں تجربہ و عادت اور طب جدید کے ماہرین کی رائے ہی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ علامہ ابن رشد نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

توضیحی مثالیں

اصل مسئلہ 8		
حاملہ بیوی	1/8	1
بیٹا	عصبات	7
حمل (بیٹا)	عصبات	

اس مثال میں حمل کو اگر بیٹی فرض کیا جائے تو اس کو بیوی سے باقی ماندہ ترکہ کا 1/3 حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹا فرض کرتے ہیں تو اس کو باقی ماندہ کا 1/2 ملے گا۔ لہذا یہاں حمل کو بیٹا فرض کر کے اس کے لئے بہتر حصہ یعنی بچ رہنے والے ترکہ کا 1/2 محفوظ رکھیں گے۔

اصل مسئلہ 6 عول 8		
شوہر	1/2	3
حاملہ بیوی	1/6	1
ماں شریک بھائی	1/6	1
حمل (سگی بہن)	1/2	3

اس مثال میں حمل کو اگر لڑکا (سگا بھائی) فرض کرتے ہیں تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ 1/6 کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر لڑکی [سگی بہن] فرض کرتے ہیں تو وہ اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے 1/2 کی مستحق ہے، اور اس صورت میں چونکہ یہ مسئلہ 6 سے 8 کی طرف عول کرتا ہے، اس لئے آٹھ میں سے تین (3/8) کی مستحق ہوگی۔ لہذا یہاں حمل کو سگی بہن فرض کرکے اس کے لئے 3/8 حصہ محفوظ رکھیں گے۔

اصل مسئلہ 6 عول 9		
شوہر	1/2	3
ماں	1/6	1
ماں شریک بہن بھائی	1/3	2
حمل (باپ شریک بہن)	1/2	3 محفوظ

اس مثال میں میت دیگر ورثاء کے علاوہ سوتیلی ماں چھوڑ مرا ہے۔ سوتیلی ماں کو تو حصہ نہیں ملے گا، البتہ حمل کو اگر لڑکا (سوتیلا بھائی باپ کی طرف سے) فرض کیا جائے تو وہ عصبہ ہوگا اور حصے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس کے لئے کچھ نہیں بچا، اس طرح وہ محروم رہے گا۔ جبکہ اگر اسے سوتیلی بہن (علاتی) فرض کیا جائے تو وہ 1/2 کی مستحق بنتی ہے اور حصے زیادہ ہونے کی وجہ مسئلہ میں عول آ گیا، اس طرح اس کا حصہ 3/9 بنتا ہے جو اس کے لئے محفوظ رہے گا۔

	6		6
1/2 سگی بہن	3	1/2 سگی بہن	3
1/6 باپ شریک بہن	1	1/6 باپ شریک بہن	1
1/6 ماں حاملہ	1	1/6 ماں حاملہ	1
1/6 حمل (ماں شریک بھائی)	1	1/6 حمل (ماں شریک بہن)	1

اس مثال میں حمل کو چاہے بچہ فرض کیا جائے یا بچی، دونوں صورتوں میں اس کا حصہ ایک ہی رہے گا۔

ماں شریک بھائی *

بہو حاملہ *

حمل (پوتی+پوتی) محفوظ

اس مثال میں میت کے ورثاء ایک سوتیلا (ماں شریک) بھائی اور حمل ہے۔ حمل کو چاہے لڑکا فرض کیا جائے یا لڑکی،

بہر صورت سوتیلا بھائی محروم رہے گا۔اس لئے ایسی صورت میں پورا ترکہ ولادت تک محفوظ رکھا جائے گا۔

10.1 خنثیٰ

خنثیٰ وہ شخص ہے جو زنانہ اور مردانہ دونوں اعضاء رکھتا ہو۔ پھر اگر مردانہ عضو سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہوگا، ورنہ عورت کے حکم میں ہوگا۔ اگر دونوں اعضاء سے پیشاب کرتا ہو تو پھر جس عضو سے پیشاب پہلے خارج ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

اگر دونوں اعضاء سے بیک وقت پیشاب کرتا ہو یا دونوں اعضاء ہی نہ رکھتا ہو (صرف سوراخ ہو) تو اُسے خنثیٰ مُشکل کہتے ہیں۔ بلوغت سے قبل اس کو مرد کہا جاسکتا ہے اور نہ عورت۔ پھر بلوغت کے بعد اگر مردانہ علامات ظاہر ہوگئیں تو وہ مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر زنانہ علامات ظاہر ہوگئیں تو عورت کے حکم میں ہوگا۔ لہذا دونوں صورتوں میں اب یہ خنثیٰ مشکل نہ رہا۔

میراث پانے میں خنثیٰ مشکل کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو عورت سمجھنے میں حصہ کم ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیں گے اور اگر مرد سمجھنے میں اس کو حصہ کم ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیں گے۔ بہر حال کمتر حصہ اس کو ملے گا۔

نوٹ: خنثیٰ مشکل کو کمتر حصہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ زیادہ حصہ مقرر کرنا شک کی بات تھی اور کم حصہ یقینی ہے۔ شاید اس میں معاشی حکمت یہ ہو کہ خنثیٰ مشکل کو اولاد ہو نہیں سکتی۔ لہذا ترکہ کو دیگر ورثاء پر صرف کرنا بہتر ہے۔

توضیحی مثالیں

	4
بیٹا	2
بیٹی	1
خنثیٰ	1

اس مثال میں اگر خنثیٰ کو بیٹا قرار دیں تو ورثاء میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں گے اور خنثیٰ کو بیٹی کا دو گنا ملے گا۔ اگر اس کو بیٹی قرار دیں گے تو ایک بیٹا اور دو بیٹی ہوں گے اور خنثیٰ کو بیٹے کا 1/2 ملے گا۔ اس لئے اسے بیٹی قرار دیں گے اور ترکہ 1:1:2 کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

		2
شوہر	1/2	1
سگی بہن	1/2	1
خنثیٰ (باپ شریک بھائی)	محروم	-

اس مثال میں خنثیٰ کے لئے عورت (باپ شریک بہن) ہونا بہتر تھا کہ اس صورت میں اسے 1/6 ملتا مگر ہم نے اسے باپ شریک بھائی (عصبہ) فرض کر کے محروم رکھا۔ کیونکہ ذوی الفروض سے اس کے لئے کچھ نہ بچا۔

10.2 مفقود

جو شخص غائب ہو جائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں اس کو 'مفقود' کہتے ہیں۔ وراثت کے سلسلے میں اس کی دو حالتیں ہیں۔

اول یہ کہ کوئی اس کا وارث بنے

دوم یہ کہ وہ کسی کا وارث بنے

پہلی حالت کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے یا اس کی عمر مذہب حنفی کے مطابق 90 سال نہ ہو جائے تو کوئی شخص نہ تو اس کے مال کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اپنے مال اور بیوی کے بارے میں زندہ تصور کیا جائے گا۔ پھر جب اس کی موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ کر دے یا اس کی عمر وقت ولادت سے 90 سال ہو جائے تو اس تاریخ میں جو ورثاء زندہ ہوں گے وہی مستحق ہوں گے، اور جو اس سے پہلے اس کی گمشدگی کے عرصہ میں وفات پا چکے ہوں وہ مستحق نہ ہوں گے، اور اسی تاریخ سے اس کی بیوی چار ماہ دس دن کی عدت وفات پوری کرے گی۔

دوسری حالت (یعنی وہ خود کسی کا وارث بنے) کا حکم یہ ہے کہ مفقود کا حصہ حمل کی طرح بطور امانت محفوظ کر لیا جائے یعنی اس کو زندہ یا مردہ تصور کر کے جس تقسیم میں باقی ورثاء کو کم حصہ ملتا ہو اس کے مطابق ان کو حصے دے کر باقی ترکہ محفوظ رکھا جائے۔ پھر اگر وہ واپس آ جائے یا اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس تقسیم کے مطابق محفوظ شدہ بانٹ دیئے جائیں۔ اور اگر موت کا ثبوت مل جائے یا 90 سال عمر پوری ہو جائے تو اس وقت مفقود کے جو ورثاء زندہ موجود ہوں ان میں اس کا محفوظ شدہ مال تقسیم کر دیا جائے۔

خود آزمائی:

1۔ عصبہ کی لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیجئے۔
2۔ یتیم پوتے کی وراثت پر ایک تفصیلی نوٹ قلمبند کیجئے۔
3۔ ممنوع اور محجوب میں کیا فرق ہے
4۔ عول کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کیجئے۔
5۔ ذوی الارحام کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کیجئے۔
6۔ تقسیم ترکہ کی خصوصی صورتوں پر روشنی ڈالیں۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر وہبہ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۰۳، دارالفکر دمشق ۱۹۸۵ء، ڈاکٹر یاسین احمد ابراہیم درادکہ: المیراث فی الشریعہ الاسلامیہ ص ۴۷، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۸۰ء۔

2۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: المیراث فی الشریعہ (حوالہ سابق)، مقدمہ۔ (مولانا) محمد نعیم اللہ ربانی: اصول وراثت ترکہ ص ۱۰، خیر پور میرس ۱۹۹۱ء۔

3۔ ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن ۱/۳۲۳، لاہور۔

4۔ محمد بن علی بن محمد الشوکانی: نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ۶/۵۷، مطبعہ مصطفیٰ الحلبی، بحوالہ ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۱۹ ابواب الفرائض و دار قطنی ۴/۶۷

5۔ الدارمی ۱/۴۷، حاکم ۴/۳۳۲، دار قطنی ۴/۱۸۔

6۔ بخاری حدیث نمبر ۶۷۳۶ (کتاب الفرائض باب ۱۵)، مسلم شریف حدیث نمبر ۴۱۳۱ کتاب الفرائض باب ۲۔

7۔ مسند احمد ۳/۳۵۲، ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۲ کتاب الفرائض، باب میراث الصلب۔ ترمذی حدیث نمبر ۲۰۹۲، کتاب الفرائض، باب میراث البنات۔ ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۲۰، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب۔

8۔ مسند احمد ۵/۱۸۸، منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۶/۶۰۔

9۔ مسند احمد ۱/۳۸۹، بخاری حدیث نمبر ۶۷۳۶ کتاب الفرائض باب ۸، ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۰، کتاب الفرائض باب میراث الصلب، ترمذی حدیث نمبر ۲۰۹۳ کتاب الفرائض باب ۔ ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۲۱ کتاب الفرائض باب فرائض الصلب۔

10۔ ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۳، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث نمبر ۶۷۳۳ کتاب الفرائض باب میراث البنات، نیز بخاری شریف میں بھی اس مفہوم کی حدیث روایت ہوئی ہے۔

11۔ موطا مالک ۲/۵۱۳، احمد ۴/۲۲۵، ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۴ کتاب الفرائض باب الجدۃ، ترمذی حدیث نمبر ۲۱۰۱ کتاب الفرائض، باب میراث الجدۃ، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۲۴، کتاب الفرائض، باب میراث الجدۃ۔

12۔ ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۵، کتاب الفرائض، باب الجدۃ۔

13۔ احمد ۴/۱۳۱، ۱۳۳، ابوداؤد حدیث نمبر ۲۸۹۹، ۲۹۰۰ الفرائض باب میراث ذوی الارحام، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۳۸، کتاب الفرائض باب ذوی الارحام۔

14۔ ابوداؤد حدیث نمبر ۲۹۲۰ کتاب الفرائض باب فی المولود یستھل۔

15۔ مالک ۲/۵۱۹، بخاری حدیث نمبر ۶۷۶۴ کتاب الفرائض، باب ۲۶، مسلم حدیث نمبر ۴۱۴۰ کتاب الفرائض باب ۱۔

16۔ موطا مالک ۲/۸٦۷، احمد ۱/۴۹، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲٦۴۳ کتاب الفرائض باب القاتل المیراث۔

17۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "المیراث فی الشریعۃ الاسلامیہ" حوالہ سابقہ ص ۳۔۵٦۔

18۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲٦۹۔۲۷۷، محمد علی الصابونی۔ المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ص ۳۳۔۳۵، عالم الکتب۔ بیروت ۱۹۸۵ء۔ الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/۱۹۔۲۱، وزارت اوقاف۔ کویت، ۱۹۸۲ء۔

19۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۴۹۔

20۔ الصابونی، المواریث فی الشریعۃ، ص ۳۳۔

21۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲٦۰، الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/۲۳۔

22۔ حدیث کی تخریج اوپر آ چکی ہے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱٦۔

23۔ قتل عمد: جس کا ارادہ ہونا یقینی ہو۔ مثلاً تیز دھار آلے سے قتل کرے جو بدن کو چیرتا، کاٹتا اور جدا کرتا ہو۔
قتل شبہ عمد: جس کا ارادہ ہونا یقینی نہ ہو۔ مثلاً دھاردار آلے کے بغیر کسی لاٹھی، ڈنڈے یا بھاری پتھر وغیرہ سے قتل کرے (امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کی آراء اس بارے میں مختلف ہیں)۔
قتل خطاء: جس میں نیت اور ارادہ شامل ہو اور غلطی، لاپروائی، غفلت یا خطا کی وجہ سے واقع ہو۔
پہلی صورت میں قصاص اور دوسری اور تیسری میں دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، جلد دوم۔

24۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ۳/۴۸۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۹ء، بحوالہ دارقطنی وغیرہ۔

25۔ الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/۳۴، المیراث فی الشریعۃ (ورداک) ص ۲۱۵، اصول وراثت ترکہ ص ۳٦۔

26۔ یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی دفعہ پر تبصرہ اس باب کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

27۔ امام بخاری نے اس قاعدہ کو باب کا عنوان بنایا ہے اور اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس مضمون کی دو احادیث روایت کی ہیں۔ دیکھیے صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/۲٦۔

28۔ "مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر پاکستان کے علماء کا تبصرہ" (کتابچہ) مرتب میاں طفیل محمد، صفحات ٦۔۹، مزید وضاحت کے لئے دیکھیے: جواہر الفقہ (مولانا مفتی محمد شفیع) ۲/۳۸۱، ۱۹۷۴ء کراچی۔

یونٹ نمبر ۔ 18

حدود، قتل اور دیت کے احکام

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
نظر ثانی: ۔ ثناء اللہ حسین

یونٹ کا تعارف

شریعت اسلامی نے لوگوں کو امن و سکون پہنچانے کیلئے جو اصول مرتب کئے ہیں ان کی پابندی بھی تمام پر ضروری قرار دی ہے۔ اگر کوئی شخص ان اصولوں کو توڑنے اور لوگوں کیلئے بے سکونی اور معاشرہ کیلئے بدامنی کا باعث بنے تو اس کے شر اور اس کی بداعمالی سے لوگوں کو بچانے کیلئے اسلامی شریعت نے کچھ سزائیں مقرر کی ہیں، کیونکہ دنیا میں امن و سکون قائم کرنے کیلئے شریر اور بد فطرت لوگوں کیلئے سزاؤں کا نظام تجویز کرنا انسانی فطرت کا اولین تقاضا ہے، اسی تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید میں لوگوں کیلئے سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

زیر نظر یونٹ میں جرم کی تعریف، سزا کی تعریف، جرم و سزا کا اسلامی تصور، قصاص و دیت کی سزائیں، تعزیری سزائیں، شراب پینے کی سزا، زنا کی تعریف اور سزا، رجم کا طریقہ، قذف کی سزا، قتل اور اس کی سزا اور اقسام، قصاص، صلح اور معافی کا مفہوم، کفارہ سے بحث کی گئی ہیں اور آخر میں مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے کتب کے حوالہ جات کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ جرم کی تعریف اور مفہوم جان سکیں۔
2۔ سزا کی تعریف اور مفہوم جان سکیں۔
3۔ جرم و سزا کا اسلامی تصور جان سکیں۔
4۔ قصاص و دیت کی تعزیری سزائیں جان سکیں۔
5۔ شراب پینے کی سزا اور چوری کی سزا پر مفصل نوٹ قلمبند کر سکیں۔
6۔ زنا کی تعریف اور مفہوم جان سکیں۔
7۔ رجم کا طریقہ جان سکیں۔
8۔ قتل، اس کی سزا اور اقسام پر گفتگو کر سکیں۔
9۔ صلح، معافی، کفارہ کا مفہوم جان سکیں۔

فہرست

1- حدود، قتل ودیت کے احکام

عزیز طلباء قرآن مجید کے نازل ہونے کا ایک مقصد لوگوں کو سکون اور سلامتی مہیا کرنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء: ۱۰۷)

"اے نبی ﷺ ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی ہستی اور آپ کا لایا ہوا نظام تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت کا باعث ہو، یعنی انہیں سکون مہیا کرے، ان کی ضروریات انہیں باہم پہنچائے، ان سے مصیبتوں کو دور کرے اور انہیں دنیا میں بھی ترقی سے ہمکنار کرے اور آخرت میں بھی نجات سے بہرہ ور کرے۔

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر ظلم و تشدد اور ان کے لئے مشکلات پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُسَيْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۲)

تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ (ق: ٤٥)

اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹)

"اگر تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے"۔

اسلامی شریعت کی بنیاد انہیں سابقہ آیات پر ہے اس لئے اسلامی قانون کے علماء جنہیں فقہاء کہتے ہیں انہوں نے یہ بات واضح کر دی کہ اسلامی نظام جس مسلک، خطہ یا علاقہ میں بھی نافذ کیا جائے گا تو وہاں کے لوگوں کو سابقہ آیات

کو مد نظر رکھ کر دو چیزوں کی حفاظت دے گا وہ یہ ہیں :

جلب المنفعه و دفع الضرر (1)

"لوگوں کو نفع پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا"۔

تمام افراد کو یہ دو مقاصد پہنچانے کے لئے پانچ ضروری اشیاء کی حفاظت اسلامی حکومت اپنے ذمہ لیتی ہے۔وہ درج ذیل ہیں(2)

1۔ حفظ دین　　2۔ حفظ جان　　3۔ حفظ مال　　4۔ حفظ عقل　　5۔ حفظ نسل

ہم یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جس جگہ بھی اسلامی شریعت نافذ ہو گی یا اسلامی حکومت قائم ہو گی وہاں لوگوں کو یہ ضروری فوائد دیے جائیں گے اور ان سے نقصانات کا ازالہ کیا جائے گا۔ان کو مفسرین کرام مقاصد خمسہ کا نام بھی دیتے ہیں۔

عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان تمام چیزوں کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کچھ قوانین اور اصول ضوابط بنانے ضروری ہیں۔انہی قوانین کو اسلامی شریعت، اسلامی قانون یا فقہ اسلامی کا نام دیا گیا ہے۔

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر دونوں قسم کے جذبات رکھے ہیں، ارشاد ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ(٤)ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ

(التين: ٥ - ٤)

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اُسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچا کر دیا"۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ایک انسان میں اچھائی اور برائی دونوں مادہ موجود ہیں۔

شریعت اسلامی نے لوگوں کو امن اور سکون پہنچانے کے لئے جو اصول مرتب کئے ہیں اُن کی پابندی بھی تمام پر ضروری قرار دی ہے۔اگر کوئی شخص اُن اصولوں کو توڑے اور لوگوں کے لئے بے سکونی اور معاشرہ کے لئے بد امنی کا باعث بنے تو اس کے شر اور اس کی بد اعمالی سے لوگوں کو بچانے کے لئے اسلامی شریعت نے کچھ سزائیں بھی تجویز کیں ہیں۔کیونکہ ظالم کو ظلم سے نہ روکنا دنیا میں ظلم کا باعث بنتا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے ایسی مصیبتیں لاتا ہے جن کی وجہ سے انسانیت لخت لخت اور خون آلود ہو جاتی ہے۔اس لئے دنیا میں امن و سکون قائم کرنے کے لئے شریر اور

بد فطرت لوگوں کے لئے سزاؤں کا نظام تجویز کرنا انسانی فطرت کا اولین تقاضا ہے۔ اسی تقاضا کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید میں مجرم لوگوں کے لئے جو سزائیں تجویز کی ہیں انہیں مجموعی طور پر تعزیراتی نظام کہتے ہیں۔ تعزیراتی نظام سے مراد وہ قوانین ہیں جن کے ذریعے کسی مجرم کو سزا دی جا سکے۔ اس نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں۔

1۔ جرم 2۔ سزا

جرم کو عربی زبان میں جریمہ اور سزا کو عقوبۃ کہتے ہیں۔

1.1 جرم کی تعریف

جرم جیم کی پیش کے ساتھ اردو زبان کا لفظ ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ عربی میں اس کو جریمہ، جیم کی زبر کے ساتھ بھی کہتے ہیں اور جرم بھی استعمال ہوتا ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد کاٹنا، کاٹنا پورا کرنا ہے۔ عربی میں ایک فقرہ "جرم النخل" بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد کھجور کی شاخ کاٹنا ہے۔ ایک اور فقرہ "تجرمۃ جریمۃ" بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی کمانا اور کسب ہے۔ اسی طرح ایک فقرہ "جرم لاھلہ" ہے جس سے مقصود اپنے گھر والوں کے لئے کمانا ہے۔

عموی طور پر عربی اور اردو میں یہ معنی بری کمائی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی آدمی برا کام کرے تو اسے مجرم کہتے ہیں۔(۱)

اچھے کام یا اچھی کمائی کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ (مطففین: ۲۹)

"مجرم لوگ دنیا میں ایمان والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔"

مجرم سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں بری کمائی کی یعنی دنیا میں ان کے اعمال اچھے نہیں تھے۔ ان کی اس بری کمائی کی وجہ سے انہیں مجرم کا لقب دیا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ (مرسلات: ۴۶)

"کھالو اور مزے کر لو تھوڑے دن حقیقت میں تم مجرم ہو۔"

اس آیت میں بھی مجرم سے مراد یہی ہے کہ تم نے دنیا میں اچھی کمائی نہیں کی، اچھے کام نہیں کئے اور نیک عمل نہیں کئے اس لئے آج تم مجرم ہو۔

یہی وجہ ہے کہ لفظ جرم حق، عدل اور سیدھے راستے یعنی امن و سکون کو تباہ کرنے والے اعمال اور کاموں کے لئے بولا جاتا ہے گویا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

ہر وہ کام کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور ہر وہ کام نہ کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، لغوی طور پر جرم کہلاتا ہے۔(4) اصطلاحی طور پر جرم کی تعریف عربی میں درج ذیل ہے۔

الجریمة محظورات شرعیة زجر الله تعالیٰ عنها بحد أو تعزیر (5)

"شریعت اسلامیہ کے حرام کردہ افعال جن کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے حد یا تعزیری سزا سے ڈرایا ہے جرم کہلاتے ہیں۔"

اس تعریف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جرم کی لغوی و اصطلاحی تعریف میں یہی اختلاف ہے۔ لغوی طور پر ہر وہ کام جسے شریعت نے غلط یا گناہ قرار دیا ہو، جرم کہلاتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں ہر وہ کام جسے شریعت اسلامیہ نے گناہ قرار دیا ہو مزید اس کے ارتکاب پر سزا بھی مقرر کی ہو وہ جرم کہلائے گا۔ گویا کہ اسلامی شریعت کے مطابق ہر وہ غلطی جس کی سزا مقرر ہو جرم کہلائے گی ورنہ وہ محض غلطی ہو گی، غلط کام ہو گا، گناہ ہو گا یا عصیان ہو گا اور اس قسم کا جرم کرنے والا مجرم کہلائے گا۔(6)

1.2 لفظ جرم اور جنایت

اسلامی فوجداری قوانین کے ماہر اکثر لفظ جرم کے ساتھ جنایت بھی استعمال کرتے ہیں جس طرح اس علمی معرکۃ الآراء کتاب جس کے مصنف الشہید عبدالقادر عودہ 1953ء ہیں کا نام "التشریع الجنائی الاسلامی" ہے اس کا اردو میں ترجمہ اسلام کا فوجداری قانون ہوا ہے۔ اس میں لفظ جنایت استعمال ہوا ہے۔ عمومی طور پر یہ لفظ بھی جرم کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بعض مفسرین اس سے مراد ایسا فعل لیتے ہیں جس کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان کے بدن کو کوئی نقصان پہنچائے۔ مثلاً قتل کر دینا، زخمی کر دینا یا کسی کا حمل ساقط کر دینا وغیرہ۔ لیکن یہ تمام افعال بھی

ایسے ہیں جن کو شریعت اسلامیہ شدید غلطی قرار دے کر ان کی سزا مقرر کرتی ہے، اس لئے یہ بھی جرم کی تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین و فقہاء نے ان دونوں لفظوں کو مترادف قرار دیا ہے۔(7)

1.3 سزا کی تعریف

سزا بھی اردو زبان کا لفظ ہے۔ اس سے مراد بدلہ، معاوضہ، ڈنڈ، درستی اور اصلاح ہے۔ عربی میں ان معنی کے لئے لفظ عقاب یا عقوبۃ بولا جاتا ہے، جو عقب یعنی پیچھے، پچھلی طرف یا کسی کام کے مابعد اثرات کے بارے میں بولا جاتا ہے، جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے:

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (القصص: ٨٣)

"اور انجام کی بھلائی متقین کے لئے ہے"۔

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (هود: ٤٩)

"پس صبر کرو انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے"۔

گویا کہ کسی کام کے ختم ہونے کے بعد اس کے نتیجہ کو عاقبت کہتے ہیں۔ یعنی وہ نتیجہ اس کے شروع ہی سے اس کے پیچھے چلنا شروع ہوتا ہے اور جیسے ہی وہ کام ختم ہوتا ہے وہ نتیجہ اس کام کرنے والے کے سامنے آ جاتا ہے۔ اسی عمل کو انجام کہتے ہیں، جس طرح کوئی شخص اونچی جگہ سے چھلانگ لگائے تو اس کی ٹانگیں ٹوٹیں گی۔ اس کلیہ کو ہم اس طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ اونچی جگہ سے چھلانگ لگانے کا انجام یا عاقبت ٹانگیں ٹوٹنا ہوگا۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ کی طرف سے منع کردہ امور کے انجام پر جو ڈنڈ، معاوضہ ادا کرنا پڑے یا بدلہ لیا جائے وہ سزا کہلائے گی اور عربی میں اسے عقاب یا عقوبۃ کہا جائے گا۔ جیسے چوری کی سزا، زنا کی سزا، قتل کی سزا، یعنی ان اعمال کا بدلہ وغیرہ۔(8)

1.4 جرم و سزا کا اسلامی تصور

اسلامی شریعت کے ان دونوں چیزوں کے بارے میں ایک اہم کلیہ یہ دیا ہے کہ کوئی جرم یا سزا اُس وقت تک معتبر نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسلامی مآخذ قانون سے ثابت نہ ہو، وہ کلیہ یہ ہے:

لا جریمہ و لا عقوبۃ الا بنص (9)

کوئی جرم اس وقت تک جرم قرار نہیں دیا جا سکے گا اور کوئی سزا اس وقت تک سزا تصور نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ اسلامی ماخذ قانون سے ثابت نہ ہو۔

اس کلیہ کے مطابق ہمیں کسی عمل کو جرم ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل دینی پڑے گی اور اسی طرح کسی سزا کا ثبوت جب تک ماخذ شریعہ سے نہیں دیا جائے گا وہ سزا شرعی تصور نہیں ہوگی۔

2- اسلام میں سزاؤں کی اقسام

مفسرین کے نزدیک اسلامی شریعت میں سزاؤں کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔(10)

1۔ حدیہ سزائیں 2۔ قصاص و دیت کی سزائیں 3۔ تعزیریہ سزائیں۔

2.1 حدیہ سزائیں

تمام ایسی سزائیں جن کی مقدار اس طرح متعین کی جائے کہ ان میں کمی بیشی کا حق کسی انسان کو نہ ہو حد کہلائے گی۔ حد کی تعریف یہ ہے:

عقوبة مقدرة حقاً لله تعالیٰ(11)

"ایسی متعین سزا (جس میں کمی بیشی نہ ہو سکے) جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جائے"۔

ایسی سزائیں جو متعین ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جائیں، چاہے وہ قرآن سے ثابت ہو، سنت نبوی ﷺ سے یا کسی اور اسلامی مآخذ قانون سے۔ یہ سزائیں سات ہیں :(12)

1- زنا کی سزا 2- قذف کی سزا 3- چوری کی سزا

4- شراب پینے کی سزا 5- ڈاکہ زنی کی سزا 6- مرتد ہو جانے کی سزا

7- بغاوت کرنے کی سزا

2.2 قصاص و دیت کی سزائیں

قصاص سے مراد برابری ہے۔ یعنی جس قسم کا جرم ہے بالکل اسی قسم کی سزا ہو تو یہ قصاص ہے اور دیت سے مراد ایسی مالی سزا ہے جو قصاص کے بدلے میں لی جائے۔ مثلاً قتل کے بدلے قتل، زخم کے بدلے زخم وغیرہ۔ یعنی قصاص کی سزا کو ختم کر کے اس کے بدلہ میں جو مالی تاوان وصول کیا جائے اسے دیت کہتے ہیں۔ اردو میں اسے خون بہا بھی کہتے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ایسی متعین سزا ہے جو انسانوں کے حق کے طور پر دی جا سکے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سزا میں کمی بیشی یا معافی کا حق انسان کے پاس ہے۔ حدیہ سزاؤں کے برعکس قصاص و دیت کی سزا متعین ہے،

لیکن اس میں کمی بیشی کا اختیار انسانوں کو دیا گیا ہے جبکہ حدیہ سزاؤں میں یہ اختیار کسی انسان کو بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ سزا "اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جاتی ہے۔

قصاص و دیت کے جرائم چھ ہیں: (13)

1۔ قتل عمد 2۔ قتل شبہ عمد 3۔ قتل خطاء

4۔ قتل شبہ خطاء 5۔ عمداً زخمی کرنا 6۔ خطاء زخمی کرنا۔

2.3 تعزیری سزائیں

تعزیر کے معنی ادب سکھانا ہے۔ اصطلاحی طور پر تعزیر سے مراد ایسی غیر معین سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر یا انسانوں کے حق کے طور پر دی جائیں۔

تعزیری سزائیں معین بھی ہو سکتی ہیں اور غیر معین بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان میں قاضی یا جج مجرم یا جرم کے حالات کے مطابق کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ مزید ان سزاؤں کو مدعی علیہ یا مضروب یعنی فریق ثانی کی طرف سے معاف بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ تمام خصوصیات حدیہ سزاؤں میں نہیں ہیں۔

یہ جرائم بے شمار ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، کسی کی بے عزتی کرنا، تھوڑی رقم چوری کرنا، کسی کو ناحق تنگ کرنا، کسی کا مال کھا جانا وغیرہ۔ اب آئندہ سطور میں حدود سے پانچ سزاؤں کے بارے میں اور قصاص و دیت کے بارے میں تفصیلاً پڑھیں گے۔ (14)

2.4 شراب پینے کی سزا

اس سزا کو عربی میں حد الشرب یا حد شرب الخمر کہتے ہیں۔ جس سے مراد شراب پینے کی حد یعنی سزا ہے۔ بعض مفسرین کی رائے میں خمر سے مراد صرف شراب ہے۔ جو ان چار اشیاء کھجور، جو، انار اور انگور سے بنتی ہے۔ ان اشیاء کی شراب پینے سے انسانی ذہن ماؤف ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش و حواس باقی نہیں رہتے۔ لیکن اکثر مفسرین کی رائے میں ہر وہ چیز جس کا استعمال انسان پر نشہ طاری کر دے اور اس کا ذہن ماؤف ہو جائے، خمر کہلائے گا۔ گویا کہ ہر نشہ آور چیز کے استعمال پر حد شرب نافذ کی جائے گی۔ (15)

2.5 شراب کی حرمت کے اسباب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، لیکن اس کی سزا متعین نہیں کی جس طرح ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

فَاجْتَنِبُوهُ (المائدہ:۹۰)

"شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو۔"

اس آیت کے ذریعہ شراب پینے کے حرام فعل ہونے پر تمام مفسرین متفق ہیں۔(16)

اس آیت کے بعد دوسری آیت نمبر ۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ شیطان شراب کے ذریعے انسانوں کے درمیان عداوت، بغض اور کینہ کے جذبات کو بھڑکاتا ہے۔ مزید اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے مسلمانوں کو دور کر دینا چاہتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شراب کا استعمال ایک طرف تو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتا ہے کہ وہ فرائض تک کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور دوسری طرف حقوق العباد سے بھی غافل کر دیتی ہے اور انسانوں کو جھگڑا فساد کی طرف مائل کرتا ہے۔ شراب خوری کی یہ خامیاں ہیں کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

2.6 شراب خمر کی سزا

سابقہ اوراق میں آپ حد کی تعریف میں یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ حد سے مراد ایسی متعین سزا جو حق اللہ کے طور پر دی جانی چاہیے وہ قرآن مجید سے ثابت ہو یا حدیث سے ثابت ہو یا اسلامی فقہ قانون کے ذریعے متعین ہو۔ تو شراب پینے کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس کی سزا حدیث سے ثابت ہے اور سزا کی مقدار اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ حدیث میں وارد ہے

من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فاجلدوه (17)

"جو شراب پیئے اسے کوڑے مارو اگر پھر پیئے تو پھر کوڑے مارو۔"

دور نبوی ﷺ میں شرابی کی کوئی خاص سزا معین نہیں تھی بلکہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی تو شرابی کو ڈنڈے مارے کبھی جوتے مارے کبھی کوڑے مارے لیکن کوئی خاص سزا یا اس معین مقدار آپ کے دور میں مروج نہیں تھی۔ یہی صورت حال دور صدیق اکبرؓ میں رہی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب سلطنت اسلامیہ پھیل گئی اور اس قسم کے واقعات بڑھنے لگے تو آپ نے اس سلسلہ میں مجلس شوریٰ طلب کی اور پھر حضرت علیؓ کی رائے کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ کا اس کی ایک سزا اسی کوڑے پر اتفاق رائے ہو گیا اور حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ:

اذا شرب سكر، واذا سكر هذى واذا هذى افترى وحد المفترى في القذف ثمانون جلده.(18)

"جب کوئی شراب پیتا ہے تو اس پر نشہ طاری ہو جاتا ہے اور جب ایک انسان پر نشہ طاری ہو تو وہ اول فول بولتا ہے یعنی ھذیان بکتا ہے اور اس طرح انسان جھوٹ بولتا ہے اور بہتان طرازی کرتا ہے اور بہتان طرازی کی سزا اسلامی شریعت میں اسی کوڑے ہے جو قذف کی سزا کہلاتی ہے اور حد یہ سزا ہے"۔

قرآن مجید سے ثابت ہے

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً (النور:٤)

"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ"۔

حضرت علیؓ کی اس رائے پر تمام صحابہ متفق ہو گئے اور اس طرح سے صحابہ کرامؓ کے اجماع سے یہ سزا اسی کوڑے معین ہوئی اور آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہ سزا معین ہے اور اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں اس لئے یہ حد یہ سزا کہلانے گی۔

شراب پینے کی سزا اسی کوڑے ہے اور یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے مزید یہ کہ یہ سزا حد یہ ہے اس میں قاضی، جج یا کوئی انسان کمی کر سکتا ہے اور نہ زیادتی۔

2.7 شراب خوری کے نقصانات

اسلام نے یہ سزا اس لئے تجویز کی ہے کہ شراب خوری کے بے شمار نقصانات ہیں۔ مثلاً یہ عقل کو ماؤف کر دیتی ہے، صحت انسانی خراب کر دیتی ہے، انسانوں کو تولیدی مادہ سے محروم کر دیتی ہے، شراب خور کی نسل کمزور پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس سے مال بھی ضائع ہوتا ہے اور ایک انسان کی عزت میں بھی فرق واقع ہوتا ہے۔ اس کے چند نقصانات پر اس موضوع کے ابتداء میں بھی بحث گزر چکی ہے۔

ان معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نقصانات کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا گیا اور اس کے پینے کو جرم شمار کیا گیا اور اس کی سزا مقرر کی گئی جو اسی کوڑے ہیں۔ (19)

2.8 چوری کی سزا

چوری کو عربی میں سرقہ کہتے ہیں اور اس کی سزا کو بھی "حد السرقہ" یعنی چوری کی حد کہتے ہیں۔ اسلام نے کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر لینے سے منع کیا ہے جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے

لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)

"آپس کے مال کو ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ"۔

باطل میں وہ تمام طریقے شامل ہیں جس میں دوسرے فریق کی آزاد مرضی شامل نہ ہو بلکہ اس سے دھوکہ، فریب، ڈرا دھمکا کر، خفیہ کسی کا مال حاصل کرنے کے یہ تمام طریقہ حرام ہیں اور ان میں ایسا طریقہ جس میں کسی کا مال اس کی حفاظت میں سے اس خفیہ طریقہ سے اٹھایا جائے کہ مال کے مالک کو اس کا پتہ نہ چل سکے سرقہ یا چوری کہلاتا ہے۔ (20)

چوری دو قسم کی ہے:

1۔ حدیہ چوری　　　2۔ تعزیری چوری

2.9 حدِ چوری

یہ وہ چوری ہے جس میں چور دس درھم یا اس سے زیادہ کا مال کسی کی رضا کے بغیر اُس کے قبضہ میں سے خفیہ طریقہ سے نکالے دس درھم آج کل کے دور میں تقریباً ساڑھے چار گرام سونا ہے۔ ہر دور میں اس مقدار کے سونے کی قیمت یا اُس قیمت کے مساوی دوسرے مال کو نصاب کہتے ہیں۔ اسے حدِ چوری اس لئے کہتے ہیں کہ اس مقدار جسے نصاب کہتے ہیں کی چوری کی وجہ سے مجرم کو حد یہ سزا دی جاتی ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے۔

2.10 تعزیری سزائیں

اگر چوری نصاب سے کم یعنی دس درھم سے کم ہو تو وہ تعزیری چوری شمار ہوگی اور اس کی سزا بھی تعزیراً دی جائے گی۔ جس کی کوئی مقدار معین نہیں بلکہ جج یا قاضی مجرم کے حالات اور جرم کی کیفیت کو مدِنظر رکھ کر سزا کا تعین کریں گے اور اس سزا میں حالات و واقعات کے مطابق تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔

2.11 حدِ چوری کی سزا

حدِ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ

(المائدہ:۳۸)

"چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ بدلہ ہے اُس کا جو انہوں نے کیا اور عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے"۔

2.12 حدِ سرقہ کے ارکان

رکن سے مراد وہ ضروری عوامل ہیں جن کے موجود ہونے سے کوئی چیز ثابت ہو اور اُن میں سے کسی ایک شے کے بھی نہ ہونے سے وہ چیز ثابت نہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے جرم حدِ سرقہ کے تین ارکان ہیں۔

1۔ چور (جو انسان ہو)

2۔ مال (جو چوری کیا گیا ہو)

3۔ مال کا اٹھانا

اگر ان تینوں ارکان میں سے اگر ایک رکن بھی نہ ہو تو سرقہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

سابقہ اوراق میں ہم نے حد سرقہ کے بارے میں ابتدائی مضوعات کا مطالعہ کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سرقہ اور اس کے ارکان کیا ہیں، اس کی اقسام کتنی ہیں اور اس کی سزا کیا ہے اور اتنی سخت سزا کیوں مقرر کی گئی ہے۔ اب آئندہ صفحات میں حد سرقہ کی شرائط کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کریں گے، تاکہ ہم اس شخص کو چوری کی سزا دیں یا اس کے بارے میں چوری کا فیصلہ کریں جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو اور انہیں بھی کوئی شرط پوری نہ ہو رہی ہو یا اس شرط کے پورا ہونے میں شبہ پیدا ہو رہا ہو تو یہ سزا فوراً ساقط ہو جائے گی، یہ شرائط تین اقسام کی ہیں:

1۔ چوری کی شرائط۔

2۔ چوری کی جانے والی چیز (مال وغیرہ) کے شرائط۔

3۔ جس جگہ سے چوری کی جا رہی ہو (چوری کے مقام) کی شرائط

3- چور کے شرائط

اگر کسی انسان پر چوری کا الزام لگایا گیا ہو یا وہ چوری کرتے ہوئے موقعہ پر ہی پکڑا جائے تو اُسے اسلامی شریعت کے مطابق اُس وقت تک سزا نہیں دی جائے گی جب تک کہ اُس میں یہ چھ شرائط نہ پائی جائیں:

1- وہ شخص بالغ ہو۔

2- وہ شخص عقلمند ہو۔

3- وہ شخص اپنی آزاد مرضی سے چوری کر رہا ہو۔

4- وہ شخص چوری ہونے والے مال یا چیز کا مالک نہ ہو۔

5- وہ شخص چوری ہونے والے مال یا چیز پر کسی قسم کا حق بھی نہ رکھتا ہو۔

6- وہ شخص جنگ کی حالت میں میدان جہاد یا دشمن کے علاقہ میں بھی نہ ہو۔

3.1 چوری کی جانے والی چیز (مال وغیرہ) کی شرائط

جو چیز چوری کی جا رہی ہو چاہے وہ مال ہو یعنی رقم، نقدی، سونا، چاندی وغیرہ یا گھریلو استعمال کی اشیاء یا گاڑی، کار یا کوئی اور شے تو اس میں بھی ان پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

1- وہ چیز اسلامی شریعت میں مال شمار ہوتی ہو۔

2- وہ چیز کسی اور کی ملکیت ہو۔

3- وہ چیز ایسی ہو جس کا اٹھانا یا لے جانا چوری شمار ہو۔

4- اس چیز کی قیمت نصاب کے برابر ہو۔

5- اس چیز کے اٹھانے میں چوری کی نیت بھی ہو۔

ان شرائط کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- وہ چیز اسلامی شریعت میں مال شمار ہوتی ہے

اسلام شریعت ہر چیز یا شے جس کی کچھ قیمت ہو مال شمار نہیں ہوگی بلکہ ہر وہ شے جو حلال ہے اور اس کی

قیمت بھی ہو مال شمار ہو گی اس کے لئے اصطلاح "مال متقوم" استعمال ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے شراب، بھنگ، خنزیر، ناچ گانے میں معاونت والے آلات سارنگی، ڈھولکی وغیرہ اور اس قسم کی وہ تمام اشیاء جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہو مال شمار نہیں ہوں گی اور ان کی چوری پر حد سرقہ جاری نہیں ہو گی۔ ہاں بعض فقہاء کے نزدیک اگر یہ اشیاء غیر مسلم لوگوں کے پاس ہوں اور ان کی شریعت میں بھی یہ حلال ہوں تو ان کی چوری پر چور سے اس شے کی قیمت یا اصل چیز واپس دلوا دینی چاہیے لیکن اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہو گی البتہ ان اشیاء کی چوری پر اگر قاضی جج وغیرہ مناسب خیال کریں تو تعزیراً سزا دے سکتے ہیں۔

2۔ وہ چیز کسی اور کی ملکیت ہو

یعنی چوری ہونے والی چیز کسی ایسے شخص کی ملکیت ہو جس کا چور سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو اور اگر تعلق ہو تو اس چیز میں مبینہ چور کی ملکیت یا شبہ ملکیت نہ ہو۔ اس شرط کا ذکر سابقہ عنوان چوری کی شرائط میں شرط نمبر 5-4 میں گزر چکا ہے۔ یعنی چوری ہونے والی چیز میں چور کا کسی قسم کا حق نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ وہ چیز ایسی ہو جس کا اٹھانا یا لے جانا چوری شمار ہو

اس شرط سے مراد یہ ہے کہ چوری شدہ چیز ایسی ہو جس کا چوری کرنا ان حالات میں چوری بھی سمجھا جا سکے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی ایک مربع زمین میں سے دو فٹ مٹی ٹرالیوں کے ذریعے سے اٹھا لیتا ہے یا پہاڑی علاقہ میں کوئی ایک پہاڑی کے پتھر ڈائنامیٹ سے توڑ کر ٹرکوں کے ذریعے اٹھوا لیتا ہے۔ اس طرح کوئی شخص ایک سمجھدار اچھے بھلے نوجوان کو گھر سے لے جاتا ہے تو ان تمام صورتوں میں متاثرین چوری کا پرچہ درج نہیں کرا سکیں گے یہ امر تو متنازعہ فیہ ہے کہ یہ اور اس قسم کے تمام امور چوری شمار ہوں گے یا نہیں ہوں گے لیکن یہ بات واضح ہے کہ ایسی بلا کی اشیاء کا لے جانا معاشرہ میں چوری شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً سمجھدار نوجوان کو گھر سے اس کی مرضی سے ہی لے جایا سکتا ہے بغیر مرضی کے وہ کیسے کسی کے ساتھ جا سکتا ہے۔ اسی طرح کسی کی ایک مربع زمین سے دو فٹ مٹی اٹھانا کی صورت میں چوری شمار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے چوری کی ہوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جس کا لے جانا اس علاقہ کے رسوم و رواج کے مطابق چوری شمار ہو۔

4۔ اس چیز کی قیمت نصاب کے برابر ہو

ابتدائی صفحات میں ہم نے مطالعہ کیا تھا کہ چوری کی دو اقسام ہیں حدی سرقہ اور تعزیری سرقہ۔ کیونکہ اس کا عنوان حد سرقہ ہے اس لئے اس میں صرف پہلی قسم کی تفصیل کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ اگر کسی چوری پر حدیہ سزا نہ دی جاسکے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کو سزا ہی نہیں دی جائے گی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حد تو ساقط ہو جائے گی لیکن اسے تعزیراً جو سزا بھی مناسب حال ہو گی دی جائے گی تاکہ معاشرہ میں جرم رواج نہ پائے۔ لیکن وہ سزا حد سے ہر صورت میں کم ہو گی۔

حدیہ سزا میں چوری کئے ہوئے مال کے لئے ضروری ہے کہ اس کی قیمت نصاب کے برابر ہو اور نصاب چوتھائی دینار یا دس درھم ہے۔ چوتھائی دینار 4.457 گرام سونا ہوتا ہے اس لحاظ سے ہر وقت اس مقدار کے سونے کی قیمت معلوم کر کے نصاب تعین کیا جا سکتا ہے۔ نصاب کو کرنسی کی صورت میں اس لئے واضح نہیں کیا جا سکتا کہ کرنسی کی قیمت روزانہ گھٹتی یا بڑھتی رہتی ہے۔ مثلاً اگر ہم آج نصاب دو ہزار روپیہ مقرر کرتے ہیں جو اس مقدار سونے کی قیمت ہے لیکن ہفتہ بعد کرنسی کا ریٹ کم ہو جاتا ہے یا سونے کا ریٹ بڑھ جاتا ہے تو اس صورت میں نصاب میں شبہ پیدا ہو جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔ لہذا نصاب 4.457 گرام سونا یا اس کی قیمت ہو گا۔

5۔ اس چیز کے اٹھانے میں چوری کی نیت بھی ہو

یہ بھی ایک اہم شرط ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال خفیہ طریقہ سے اٹھائے لیکن اس کی نیت اُسے ہضم کرنے چھپ لینے کی نہ ہو تو وہ چوری شمار نہیں ہو گی۔ مثلاً ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے مریض کی جیب میں سے رقم اس نیت سے نکالتا ہے کہ کہیں کوئی دوسرا ملازم اسے اڑا نہ لے اور اس کا ارادہ اس رقم کو مریض کو واپس کرنے کا ہوتا ہے یا سڑک پر ایک زخمی شخص کو اٹھاتے ہوئے اٹھانے والا اس کی جیب میں سے رقم اس نیت سے نکال لیتا ہے کہ اسے گھر جا کے واپس کر دے گا یا کوئی شخص اپنے دوست کے گھر جاتا ہے وہاں اس کی نقدی بکھری پڑی ہے یہ اُسے سبق پڑھانے کے لئے تنگ کرنے کے لئے اٹھا لیتا ہے تاکہ اسے سبق حاصل ہو اور وہ آئندہ اس معاملہ میں احتیاط کرے تو ان اور ان سے ملتی جلتی تمام صورت حال میں مال کے اٹھانے میں نیت چوری کرنے یعنی ہضم کرنے کی نہیں تھی اس لئے ان کا فعل چوری شمار نہیں ہو گا چاہے مال نصاب کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہی کیوں نہ ہو۔ (21)

3.2 جس جگہ سے چوری کی جارہی ہو (چوری کے مقام) کی شرائط

جس جگہ سے چوری کی جائے اس کی صرف ایک شرط ہے اور وہ حفاظت ہے اسے شریعت میں "حرز" کہتے ہیں۔

حرز

لفظ حرز کے معنی حفاظت گاہ یا قلعہ ہے اس کا ایک معنی تعویذ بھی ہے، کیونکہ تعویذ انسان کو دشمن کے شر اور بیماریوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے اسے بھی حرز کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ حریز نکلا ہے جس سے مراد محفوظ قلعہ یا مضبوط قلعہ ہے۔ گویا کہ یہ لفظ حفاظت کے معنی میں ہے۔ (22)

حد سرقہ میں اس شرط سے مراد یہ ہے کہ مال کا کسی محفوظ جگہ سے اٹھانا۔ یعنی اگر کسی نے اپنے مال کی حفاظت کے دور حاضر میں معروف طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے اور پھر کوئی شخص اس کا مال اس محفوظ جگہ سے نکال کر لے گیا تو وہ شخص چوری کا مجرم گردانا جائے۔ یہ حفاظت کے طریقہ مختلف مقامات پر مختلف ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے مال واشیاء کی حفاظت کی گئی ہو، اگر بازار وغیرہ میں ہے تو، قم کھلہ میں ہونی چاہیے گویا کہ حرز کی کیفیت مختلف مقامات پر مختلف ہوگی۔ لیکن حرز کی شرط لازمی ہے اگر گلی سڑک، شاہراہ، جنگل وغیرہ میں کوئی چیز پڑی ہے اور کوئی اسے اٹھالیتا ہے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے اگر جنگل میں جانور چر رہے ہیں اور ساتھ چرواہا بھی موجود ہے تو یہ حرز ہے۔ اگر ایک شخص اپنا بیگ یا گھڑی وغیرہ سر کے نیچے رکھ کر سویا ہوا ہے اور کوئی شخص اس کے سر کے نیچے سے اس کا بیگ کھسکا لے تو یہ حرز میں سے مال نکالنا ہے۔ یعنی ہر جگہ حرز کی کیفیت مختلف ہوگی لیکن یہ ہر از حد ضروری ہے کہ مال کسی حفاظت مقام پر پڑا تھا اور چور نے اس حفاظت والی جگہ سے وہ اٹھایا ہے۔

حرز کی شرط میں یہ بھی ضروری ہے کہ چور حفاظت والی جگہ سے خود باہر نکال کر لائے۔ مثلاً گھر میں سے سامان اٹھا کر باہر گلی / سڑک میں لے آنے سے حرز کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔ اگر ایک شخص مال اٹھا کر گھر کے دروازہ کے پاس رکھ دے اور دوسرا شخص اسے وہاں سے اٹھالے تو اس صورت میں بھی حرز کی شرط میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر ایک شخص مال کو گھر سے دیوار کے ذریعہ باہر پھینکنے اور باہر ایک دوسرا

شخص اسے پکڑ لے تو اس صورت میں بھی حرز کی شرط میں شبہ آ گیا۔

3.3 چوری کی سزا

جب چور سابقہ بیان کردہ تمام شرائط بلا شبہ پورا کر رہا ہو تو اور اس کا جرم شہادت یا اقرار کے ذریعہ ثابت ہو جائے تو اسے حدیہ چوری کہا جائے گا اور اس کو تین قسم کی سزائیں دی جائیں گی ان میں اول الذکر اصلی سزا ہو گی اور اس کو حد سرق کہا جائے گا اور باقی دو سزائیں تبعی یعنی اس کی سزا کی اتباع میں دی جائیں گی لیکن ان کی حیثیت تعزیرا ہو گی اور وہ سزائیں یہ ہیں:

1۔ ہاتھ کاٹنا

2۔ کٹے ہوئے ہاتھ چور کے گلے میں لٹکانا

3۔ مالی جرمانہ ادا کرنا۔(23)

3.4 ہاتھ کاٹنا

اگر چور پہلی مرتبہ چوری کرلے تو اس کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے گا یہ سزا قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے اور دور نبوی ﷺ میں کم و بیش دس کے قریب مرد و خواتین کو یہ سزا دی گئی ہے۔ مزید اس سزا کو بے شمار لوگوں کی موجودگی میں دیا گیا اس وجہ سے یہ سزا خبر متواتر کے ذریعہ ثابت ہے۔ دور نبوی ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں اور اموی و عباسی دور میں یہ بھی سزا جاری رہی حتیٰ کہ دور حاضر تک جن ممالک میں اسلامی شریعت کا فوجداری نظام رائج ہے یہ سزا دی جا رہی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (المائدہ:۳۸)

"اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے

4۔ قطع طریق۔ڈاکہ زنی کی حد

ڈاکہ یا رہزنی سے مراد گلیوں، سڑکوں یا شاہراہوں پر اسلحے کے زور سے عوام الناس کو روک کر ان کے مال و اسباب کو لوٹ لینا۔ انہیں قتل کرنا، خوف زدہ کرنا اور دہشت زدہ کرنا ہے۔ عربی میں ان تمام جرائم کے لئے ایک لفظ "محاربہ" بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد جنگ کرنا ہے اور جو اس جرم کا ارتکاب کرے اُسے "محارب" یعنی جنگ کرنے والا کہتے ہیں۔(24)

اس قسم کے شخص یا گروہ کو "محارب" اس لئے کہتے ہیں وہ لوگ ایک اسلامی سلطنت جس کے امن و امان کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہوئی ہے، میں امن و امان کی صورت حال کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ اس حکومت کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ شخص یا گروہ ایک اسلامی حکومت کے خلاف یہ کام کر رہا ہے اور ایک اسلامی حکومت اللہ تعالیٰ اور اس کے لائے ہوئے رسول کے احکام کو نافذ کر رہی ہوتی ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے والا کہا گیا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے:

يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

"اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں"۔

اس جرم کے لئے اسلامی شریعت میں چار اصطلاحات مروج ہیں۔

1۔ حرابہ 2۔ فساد فی الارض 3۔ قطع طریق (راہزنی) 4۔ سرقہ کبریٰ (بڑی چوری)۔

اگر ان اصطلاحات کا عمومی معنی مراد لیا جائے تو اس سے مراد کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل، مجرمانہ سازشیں اور باغیانہ پروپیگنڈا وغیرہ لیا جا سکتا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے اس سے بدامنی مراد لیا ہے اور بدامنی پھیلانے کو بھی راہزنی اور ڈکیتی تک محدود کیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے مراد باغی لوگ لئے ہیں جو اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے شہروں کے اندر یا شہروں کے باہر فتنہ پھیلائیں یعنی بدامنی کی فضا قائم کریں۔ گویا کہ جب بھی کوئی شخص یا گروہ مسلمانوں پر ہتھیار اٹھائے اور اسلامی ملک کے راستوں کو پر خطر بنائے اور مسلمانوں کے قتل و غارت پر آمادہ ہو تو ان کا یہ عمل حرابہ

شمار ہوگا جسے قطع طریق، راستہ کاٹنا یعنی راہزنی یا ڈکیتی کہا جاتا ہے۔(25)

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محارب کے معنی راہزن یا ڈکیت ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو گلیوں، سڑکوں، شاہراہوں اور مختلف راستوں پر اسلحہ لے کر اس راستہ سے گزرنے والے لوگوں کو ڈرائیں، ان کا مال لوٹیں، قتل کریں یا انہیں دہشت زدہ کریں۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض قدیم مفسرین کے نزدیک محارب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس قسم کے جرائم کا شہر سے باہر کے راستوں پر ارتکاب کریں اور شہر کے اندر اس قسم کے جرم کا مرتکب محارب نہیں کہلائے گا۔ لیکن ان کی یہ رائے قرین قیاس نہیں بلکہ ہر وہ شخص یا گروہ محارب کہلائے گا جو شہر کے اندر یا باہر راستوں پر، یا بازاروں میں دکانوں پر، محلہ و کالونیوں میں گھروں کے اندر یا ویرانے میں کہیں بھی صبح کے وقت یا شام کے وقت کسی قسم کے اسلحہ کے زور پر یا زبردستی اعلانیہ طور پر عوام الناس کو خوفزدہ کر کے ان سے مال کھینچیں یا قتل کریں گے تو یہ جرم حرابہ کہلائے گا جس کی سزا آئندہ سطور میں واضح کی جائے گی۔(26)

4.1 حرابہ کی سزا

قرآن مجید میں حرابہ کے مجرم کے لئے چار سزائیں تجویز کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں:

1۔ قتل
2۔ قتل کے ساتھ سولی پر چڑھانا
3۔ ہاتھ اور پاؤں کاٹنا
4۔ ملک یا شہر بدر کرنا یا قید کرنا۔(27)

ان تمام سزاؤں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (المائدہ:۳۳)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پالو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

4.2 قتل

محارب نے اگر ڈکیتی کے دوران اگر کسی شخص کو قتل کر دیا ہے تو اسے بھی اس قتل کی پاداش میں قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن عام قتل اور اس قتل میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر قصاص کی صورت میں ہوگا جس میں مقتول کے رشتہ داروں کو خون معافی یا دیت وغیرہ کا حق حاصل ہوتا ہے، لیکن ثانی الذکر قتل جو محارب کے لئے ہوگا حدیہ قتل ہوگا۔ جس طرح حدیہ سزاؤں میں معاف کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں اسی طرح اس قتل میں بھی کوئی دیت، معافی یا صلح وغیرہ کا تصور نہیں ہے بلکہ اُسے قتل کیا جائے گا اور اس سزا میں تبدیلی تخفیف یا معافی قطعاً نہیں ہو سکتی۔

4.3 قتل کے ساتھ سولی چڑھانا

یہ سزا بھی محارب کے لئے ہیں۔ اگر اس نے ڈکیتی کے دوران صرف قتل کیا ہے تو سابقہ بیان شدہ سزا نافذ ہو گی اور اگر اس نے ڈکیتی کے دوران قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹ لیا ہے تو اسے قتل بھی کیا جائے گا اور پھر اس کی لاش کو سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا۔ یہ سزا ان دونوں جرموں کی وجہ سے ہے جو اس نے بیک وقت ارتکاب کئے ہیں۔

قتل اور چوری یہ دونوں سزائیں بھی حدیہ ہوں گی اور اس میں بھی معافی کا تخفیف کا حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ ان دونوں سزاؤں کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کی رائے میں مجرم کو پہلے سولی پر چڑھایا جائے گا اور بعد میں قتل کیا جائے گا۔ اُن کے نزدیک سولی بھی ایک سزا ہے اور سزا کا احساس زندہ جسم کو ہوتا ہے مردہ جسم کو تو کبھی بھی سزا کا احساس نہیں ہوتا اس لئے اگر اُسے دونوں سزائیں دینی مقصود ہیں جو اس آیت سے واضح ہے تو پہلے اُسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور پھر اُسے قتل کر دیا جائے، تاکہ سزا جرم کے مطابق ہو جائے۔ مجرم نے دو جرم کئے تھے اُسے دو سزائیں بھی ملنی چاہئیں۔ اگر قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو سولی پر چڑھایا جائے تو یہ اُسے ایک سزا ملے گی دوسری سزا نہیں ملے گی اور قرآنی حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

بقیہ مفسرین کی رائے میں مجرم کو قتل کر کے اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ اُن کے نزدیک مجرم کی اصلی سزا قتل ہے اور سولی پر چڑھانا دراصل مزید لوگوں کے لئے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں پہلے قتل اور بعد میں سولی پر چڑھانے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی لئے وہی ترتیب اختیار کی جائے گی جو قرآن کی عبارت یعنی عبارۃ

النص سے ثابت ہو رہی ہے۔

ان مفسرین کرام کی رائے میں اسلام میں سزاؤں کا مقصد مجرم کو سزا دینا ہے عذاب دینا نہیں۔ اور کسی انسان کو جرم کی پاداش میں قتل کر دینا بہت بڑی سزا ہے اور اس سے بڑی سزا ممکن نہیں اس لئے جب بہت بڑی سزا دی جا رہی ہو تو پھر مجرم کو مزید عذاب میں مبتلا رکھنا اسلامی سزاؤں میں فلسفہ انسانیت سے متصادم ہے۔ لہذا مجرم کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔

لاش کو سولی پر لٹکے رہنے کی مدت میں بھی مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں تین دن، چند کی رائے میں اس وقت تک جب تک کہ لاش میں تعفن پیدا نہ ہو جائے اور کچھ کے نزدیک صرف اتنی مدت تک لٹکایا جائے کہ ظاہری طور پر یہ سزا پوری ہو جائے یعنی گھنٹہ یا دو گھنٹے اس سے زیادہ وقت نہ لٹکایا جائے۔ (28)

سابقہ تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے دور جدید کے مطابق یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ مجرم کو شہر کے کسی اہم مقام پر سولی پر لٹکانے کے فوراً بعد گولی مار کر قتل کر دیا جائے اور کچھ وقت تک اس کی لاش کو عبرت کے لئے لٹکا رہنے دیا جائے جو چوتھائی دن یا آدھے دن سے زیادہ نہ ہو اور پھر لاش اتاری جائے۔

4.4 ہاتھ اور پاؤں کاٹنا

محارب نے اگر ڈکیتی کے دوران صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو اسے یہ سزا دی جائے گی اور اس سزا میں اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں بازو دونوں ایک ہی وقت میں کاٹ دیئے جائیں گے۔ ایک ہی وقت سے مراد یہ ہے کہ پہلے دایاں ہاتھ اور اس کے بعد بایاں پاؤں ایک کے بعد دوسرے کو کاٹا جائے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ ہاتھ آج کاٹا جائے اور پاؤں دوسرے دن یا چند دنوں کے بعد بلکہ یہ سزا کا عمل ایک ہی محفل میں پورا کیا جائے گا۔

مفسرین کے نزدیک اس جرم میں ہاتھ پاؤں کی سزا کے لئے چوری کئے گئے مال کی مقدار کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اگر مال کی مقدار حد سرقہ کی طرح نصاب کے برابر ہے تو یہ سزا نافذ ہوگی اور اگر ڈاکو ایک سے زیادہ ہیں تو اتنی مقدار مال چوری کیا گیا ہو کہ ہر ڈاکو کے حصہ میں نصاب جتنا مال آئے تو یہ سزا نافذ ہوگی۔ لیکن چند مفسرین کی رائے میں اس سزا میں مقدار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ مزید اس سزا کو سرقہ پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ سرقہ اور حرابہ کی شرائط اور طریق کار میں کافی فرق ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک اگر محارب نے تھوڑی

رقم چوری کی ہے یا زیادہ اُسے یہ سزا دی جائے گی اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے۔

4.5 ملک یا شہر بدر کرنا قید کرنا

محارب کو یہ سزا اُس صورت میں دی جائے گی جب وہ لوگوں کو صرف خوفزدہ کرے، دہشت زدہ کرے یا انہیں ڈرائے دھمکائے لیکن مال لوٹے اور نہ ہی قتل کرے۔

اس سزا میں بھی مفسرین کرام کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اُسے ملک بدر کر دیا جائے، چند کے نزدیک اُسے شہر بدر کر دیا جائے اور کچھ کی رائے میں اسے اسی شہر میں یا ملک کے کسی اور شہر میں قید کر دیا جائے گا۔

دور حاضر میں اس سزا کا طریقہ صرف قید ہی ہے، چاہے مجرم اُسی شہر میں جیل خانہ میں قید کیا جائے یا کسی اور شہر کی جیل میں اُسے قید کر دیا جائے۔ اور اس قید کی مدت کوئی متعین نہیں بلکہ جب تک وہ مجرم توبہ نہ کرے اور اُس میں اصلاح کے آثار ظاہر نہ ہوں وہ قید ہی رہے گا۔

4.6 توبہ سے حد حرابہ کا سقوط

آخر میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ حد حرابہ کسی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتی لیکن اگر مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں یعنی جرم کرنے کے بعد ابھی اُن کی شناخت بھی نہیں ہوئی اور نامزد ایف آئی آر بھی نہیں کٹی اور انہیں اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی اور انہوں نے اپنی غلطی سے سچے دل سے توبہ کر لی اور شرفاء کی سی زندگی گزارنے لگ گئے اور ان کی اس توبہ کے کچھ عرصہ کے بعد اُن کے جرائم پتہ چلا تو انہیں حکومت پکڑ کر اُن پر حد حرابہ جاری نہیں کر سکتی کیونکہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر 43 میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اگر ڈاکوؤں کی شناخت ہو گئی اور اُس کے بعد یا ایف آئی آر درج ہونے کے بعد گرفتاری سے پہلے وہ توبہ کریں تو اس توبہ سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

5- زنا کی سزا، حرمت زنا کے اسباب

آپ اس یونٹ کے ابتداء میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ لوگوں کے عزت اور نسب کی حفاظت کرنا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اسلام نسب کے معاملہ میں بہت ہی حساس واقع ہوا ہے۔ اس لئے کوئی ایسا اقدام جس کی وجہ سے انسانوں کے نسب مشکوک ہونے کا خطرہ پیدا ہو اسلام اس کی فوری طور بیخ کنی کرتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرتی نظام کی بنیادی اکائی خاندان، کنبہ یا ایک گھرانہ ہے جو ماں، باپ اور اولاد سے مل کر بنتا ہے۔ اسلام کے تمام احکام اسی معاشرتی نظام سے متعلق ہیں مثلاً میراث کے احکام، طلاق کے احکام، شادی بیاہ کے احکام، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق اور وصیت کے احکام وغیرہ۔ اگر خاندانی نظام تباہ ہونا شروع ہو جائے یعنی ماں باپ کی پہچان نہ رہے، بیٹا بیٹی کی پہچان نہ رہے یا بہن بھائی کی شناخت نہ ہو سکے تو اسلامی نظام کی بنیادیں ختم ہو جائیں گی۔ اسی وجہ سے اسلام نے ایسا فعل جس کی وجہ سے بچوں کے نسب مشکوک ہونا شروع ہوتے ہیں یعنی زنا کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل:۳۲)

"خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے"۔

5.1 زنا کی تعریف

لفظ زنا جو قضا کے وزن پر ہے سے لغوی طور پر مراد ایک چیز کو دوسری شے میں داخل کرنا ہے۔ اس لئے عربی زبان میں حقنہ کرنے کو بھی زنا کہتے ہیں۔ اس سے مراد بدکاری کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ (29)

اصطلاحی طور پر زنا سے مراد:

هو علاقة جنسية بين رجل امرأة اجنبية لا يربط بينهما الرباط الشرعي وهو الزواج (30)

"مرد اور عورت کے درمیان ایسا جنسی تعلق جو کسی شرعی رابطہ یعنی نکاح کے بغیر قائم ہو زنا کہلائے گا"۔

اس تعریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر یہ جنسی تعلق نکاح کے ذریعہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر بغیر کسی

شرعی طریقہ سے ان کے درمیان جنسی تعلق پیدا ہوا تو یہ زنا ہوگا۔

5.2 زنا کی سزا

اسلامی شریعت میں زنا کی تین سزائیں ہیں :

1۔ کوڑے مارنا

2۔ شہر بدری/قید کرنا

3۔ رجم یعنی پتھر مار مار کر مجرم کو ہلاک کر دینا۔

اول الذکر دو سزائیں اس زانی کے لئے ہیں جو غیر شادی شدہ ہو اور آخری سزا شادی شدہ زانی کے لئے ہے۔ مفسرین کرام ان دونوں کے لئے ایک خاص اصطلاح زانی محصن و زانی غیر محصن استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تشریح کچھ اس طرح ہے۔

5.3 محصن کی تعریف

لفظ محصن، حصن سے نکلا ہے جس سے مراد قلعہ ہے۔ یعنی ایسا شخص جو قلعہ میں محفوظ ہو محصن صاد کی زیر کے ساتھ کہلائے گا۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد شادی شدہ مرد یا عورت ہے۔ اُسے محصن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ شادی کے قلعہ میں محفوظ ہو چکا ہے یعنی اُسے اپنی جنسی ضرورت کی تکمیل کے لئے شرعی طور پر بیوی مل چکی ہے اور وہ اپنی جنسی خواہشات پوری کرنے کے لئے اس کے پاس جا سکتا ہے تو یہ ایک قسم کی جنسی پناہ گاہ کے مترادف ہے اس لئے اُسے محصن کہتے ہیں۔ قانونی تقاضہ پورے کرنے کے لئے عمومی طور پر مفسرین نے کسی شخص کے محصن ہونے کے لئے چاہے وہ مرد ہو یا عورت پانچ شرائط رکھی ہیں (31)

1۔ آزادی : یعنی وہ انسان آزاد ہو، غلام یا لونڈی نہ ہو۔

2۔ بلوغت : ملزم بالغ ہو، کم عمر نہ ہو۔ بلوغت کی عمر میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اٹھارہ سال ہے اور کچھ کی رائے میں پندرہ سال ہے، لیکن اس عمر کا تعین ہر علاقہ کے لحاظ سے کیا جائے گا۔

3۔ عقلمندی : ملزم صاحب عقل ہو، مجنون نہ ہو، دیوانہ نہ ہو، پاگل یا خبطی نہ ہو۔ کیونکہ اسلام کے تمام احکامات

صاحب عقل لوگوں کے لئے ہیں اور انہیں ہی اسلامی شریعت ذمہ دار یعنی مکلّف سمجھتی ہے۔

4۔ شادی شدہ ہونا: ملزم کے محصن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا باقاعدہ کسی آزاد عورت سے نکاح ہوا ہو اور وہ شادی شدہ ہو۔

5۔ جنسی تعلق کا قائم ہونا: اس سے مراد یہ ہے کہ ملزم کے نکاح کے بعد اپنی بیوی سے باقاعدہ جنسی تعلقات قائم ہو چکے ہوں

محصن کے لئے ایک اور شرط مسلمان ہونا بھی ہے لیکن اس میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں اگر ملزم غیر مسلم ہے تو وہ محصن نہیں اور اگر مسلم ہے تو محصن ہے۔ لیکن سابقہ بیان کردہ پانچ شرائط پر تمام متفق ہیں۔

5.4 غیر محصن کی تعریف

ہر وہ ملزم جس کے اندر یہ پانچوں صفات یا ان میں سے کوئی ایک صفت نہ پائی جائے وہ غیر محصن کہلائے گا۔ مثلاً شادی شدہ ہے لیکن مجنون یا پاگل ہے تو وہ بھی غیر محصن کہلائے گا۔

5.5 زانی محصن کی سزا

زانی محصن کی سزا قرآن مجید سے نہیں بلکہ احادیث متواتر اور اجماع سے ثابت ہے اور وہ سزا یہ ہے کہ مجرم کو کھڑا کر کے اسے لوگ پتھر ماریں حتیٰ کہ وہ مر جائے جس طرح حدیث میں ہے:

البکر بالبکر جلد مائۃ و تغریب عام والثیب بالثیب الجلد و الرجم (32)

"اگر غیر شادی شدہ غیر شادی شدہ سے بدکاری کرے تو سے سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو اگر شادی شدہ ایک دوسرے سے بدکاری کریں تو انہیں کوڑے مارو اور رجم کر دو۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یحل دم امری مسلم الا باحد ثلاث الثیب الزانی و النفس بالنفس و التارك لدینه.

"مسلمان کو ان وجوہات کے علاوہ قتل کرنا جائز نہیں، اگر شادی شدہ زنا کرے، یا قتل کرے اور وہ مسلمان جو اپنے دین کو چھوڑ دے یعنی مرتد ہو جائے"۔

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں چند صحابہ اور صحابیات جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اس فعل میں ملوث ہو چکے تھے ان کو یہی سزا دی اور انہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیا گیا ان میں سے حضرت ماعز اسلمیؓ، حضرت غامدیہ اور صاحبہ العسیف کافی مشہور ہیں۔

پھر خلفاء راشدین نے بھی اپنے دور میں متعدد افراد پر رجم کی سزا نافذ کی ہے اور تمام صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لہذا رجم کی سزا احادیث متواتر اور اجماع صحابہ دونوں سے ثابت ہے۔ (33)

5.6 رجم کا طریقہ

زنا کے مجرم کو رجم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک مخصوص میدان میں جو صرف اسی سزا کے لئے تیار ہو اس کو کھڑا کر دیا جائے گا اور تمام لوگ اسے پتھر ماریں گے۔ پتھر اتنے موٹے نہ ہوں کہ ایک دو پتھر لگنے سے وہ مر جائے اور نہ کنکریاں ہوں کہ اس کی تکلیف بہت زیادہ بڑھ جائے بلکہ ایسے پتھر جو ایک مٹھی جتنے بڑے ہوں اسے مارے جائیں اور وہ بھی اس کے بدن پر مارے جائیں گے سر یا منہ پر نہیں مارے جائیں گے۔

اگر مجرم عورت ہے تو اسے پوری طرح کپڑے پہنا کر کہ کوئی عضو ننگا نہ رہے ایک گڑھا جو اس کے سینے تک آئے اس میں کھڑا کر دیا جائے گا اور پھر اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہ سزا سردی، گرمی ہر موسم میں دی جا سکتی ہے لیکن اگر عورت حاملہ ہے تو اسے اس وقت تک سزا نہیں دی جائے گی جب تک کہ اس کا بچہ پیدا ہو کر خود کھانے پینے نہ لگ جائے۔

5.7 زانی غیر محصن کی سزا

غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال قید یا جلاوطنی ہے۔ یہ سزا قرآن مجید اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے کوڑے کی سزا ثابت ہے۔

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (النور:1)

"زانی اور زانیہ میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ"۔

اور قید اور جلاوطنی کی سزا حدیث سے ثابت ہے جو سابقہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

کوڑے مارنے میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ حاملہ عورت کو نہیں مارے جائیں گے۔ اسی طرح مریض یا فانی بزرگ کو بھی نہیں مارے جائیں گے۔ اور جب یہ وجوہات ختم ہو جائیں گی تو پھر کوڑے مارے جائیں گے۔

5.8 جرم زنا کے ثبوت کے ذرائع

زنا کا جرم چاہے زانی محصن ہو یا غیر محصن صرف دو طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

1۔ شہادت 2۔ اقرار

5.9 شہادت کے ذریعہ ثبوت

زنا کا جرم گواہوں کے ذریعہ سے بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ان میں یہ چار شرائط ضرور پائی جائیں:

1۔ گواہ کسی صورت میں چار سے کم نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ (النساء:۱۵)

ان پر اپنوں میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔

اس طرح حدیث میں وارد ہے

اربعة شهود او حد على ظهرك(34)

"چار گواہ لاؤ ورنہ حد یہ سزا کے طور پر تمہاری کمر پر کوڑے پڑیں گے"۔

لہذا چار سے کم گواہ کسی صورت میں بھی اس جرم کے ثبوت کے لئے قبول نہیں کئے جائیں گے۔

2۔ یہ چاروں گواہ مرد ہوں اور دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ عورت، خواہ اندھے مردوں کی گواہی کسی صورت میں بھی زنا میں قبول نہیں کی جائے گی۔

3۔ یہ چاروں گواہ عادل ہوں، یعنی نیک ہوں، متقی ہوں، پارسا ہوں، صاحب عقل ہوں، فاسق، فاجر یا مجنوں و دیوانہ نہ ہوں۔

4۔ ان چاروں گواہوں نے بیک وقت اپنی آنکھوں سے اس بدکاری کے عمل کو مکمل ہوتے ہوئے دیکھا ہو، یعنی اس عمل کے ہر مرحلہ کے وہ عینی شاہد ہوں، یہ نہ ہو کہ انہوں نے صرف یہ دیکھا ہو کہ مرد و عورت مشکوک حالت میں ایک کمرے میں داخل ہو رہے ہیں یا اس قسم کی ابتدائی یا آخری مراحل دیکھ کر اندازہ کر لیا ہو کہ دونوں نے زنا کیا ہے۔بلکہ وہ ہر مرحلہ کے عینی شاہد ہوں۔

اگر یہ چار شرائط پوری ہو رہی ہوں تو پھر زنا کی حد یہ سزا دی جائے گی اور اگر ان میں کچھ کمی بیشی ہو گی تو حد یہ سزا فوراً ساقط ہو جائے گی اور اگر ممکن ہو تو پھر تعزیراً سزا دی جا سکتی ہے۔

5.10 اقرار کے ذریعہ ثبوت

جس طرح شہادت کے ذریعہ زنا کا جرم ثابت ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے ثبوت کا دوسرا ذریعہ اقرار یعنی مجرم کا خود اعتراف جرم ہے۔اگر مجرم خود جرم کا اقرار کرے تو اس کے اقرار میں درج ذیل تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ اقرار کرنے والا عقلمند ہو، بالغ ہو اور سمجھدار ہو۔

2۔ اقرار کرنے والا اپنے جرم زنا کے اقرار کرنے کے بعد حد یہ سزا پانے تک اپنے اقرار پر قائم رہے اگر اس دوران کسی مرحلہ پر بھی وہ اپنے اقرار سے منحرف ہو جاتا ہے تو اس کا جرم ثابت نہیں ہو گا۔

3۔ مجرم اپنے جرم کا اقرار چار مرتبہ مختلف طریقے سے کرے۔ صرف ایک مرتبہ اقرار کافی نہیں۔ مثلاً ایک مجلس میں اگر وہ اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو پاگل نہیں کہ دیوانگی میں یہ اقرار کر رہا ہو یا اسی طرح مزاحیہ طریقہ سے تو یہ اقرار نہیں کر رہا۔ اگر وہ اس طرح کے مختلف قسم کے استفسارات میں چار مرتبہ اقرار کرلے تو اس کا اقرار معتبر ہو گا اور وہ حد یہ سزا کا موجب بن سکتا ہے۔

6- قذف (بہتان باندھنے) کی سزا

6.1 قذف کے معنی

قذف عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی زور سے پتھر پھینکنا ہے۔ عربی میں ایک فقرہ "قَذَفْتُ الحجر" استعمال ہوتا ہے جس سے مراد پتھر کو پوری قوت سے دور پھینکنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہا تھا کہ :

فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ (طٰہٰ:۳۹)

"اور صندوق کو دریا میں پھینک دے"۔

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں ڈال کر اس صندوق کو پانی میں پھینک دو۔

اردو میں قذف سے مراد بہتان طرازی، بہتان لگانا کسی پر جھوٹا الزام لگانا وغیرہ ہے۔

قذف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے :

هوا اتهام رجل برى اور امراة برئية بالزنا من غير برهان(35)

"کسی آزاد مرد یا عورت پر بغیر کسی ثبوت کے زنا کا الزام لگانا"

قذف سے مراد ایک خاص قسم کا بہتان لگانا یا باندھنا ہے اور وہ جھوٹا الزام زنا یا اس کے متعلقات سے ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی مرد یا عورت پر واضح زنا کا الزام لگانا یا اس کو کسی ایسی طرح پکارنا یا منسوب کرنا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس نے زنا کیا ہے یا اس کا اس فعل قبیح سے تعلق ہے۔ مثلاً کسی کو ولد الزنا، حرامی، فاحش، فاحشہ اجنبی عورتوں کے ساتھ راتیں گزارنے والا یا اجنبی مردوں کے ساتھ راتیں گزارنے والی یا اس قسم کے دوسرے الفاظ سے پکارنا قذف کہلاتا ہے۔

6.2 قذف کی حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح کسی پر زنا کی تہمت یا اسے اس پر بغیر کسی ثبوت

کے اس فعل کا شک کرنا بھی حرام قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں پر اپنی لعنت نازل فرمائی ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور: ۲۳)

"جو لوگ پاکدامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔"

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سات چیزیں ہیں جن کو کرنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے ان سے بچو اُن میں سے ایک یہ ہے:

قذف المحصنات الغافلات المومنات(36)

"پاکدامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانا"۔

مزید ہم سابقہ سطور میں پڑھ چکے ہیں کہ اسلام نے عزت کی حفاظت کو اپنے بنیادی پانچ مقاصد میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا کسی کی عزت و ناموس کو بغیر کسی ثبوت کے داغدار کرنے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

6.3 قذف کی سزا

مفسرین کرام کے نزدیک قذف کے جرم کی حد یہ سزا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ قاذف یعنی بہتان لگانے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔ ایک اور سزا بھی ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وہ حد یہ ہے یا تعزیر یہ اور وہ قاذف کی گواہی ہمیشہ کے لئے قبول نہ کرنا ہے۔ یہ دونوں سزائیں قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہیں:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً (النور: ٤)

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت قبول نہ کرو"۔

اس آیت سے قاذف کی سزا اسی کوڑے عبارۃ النص سے واضح ہو رہی ہے دوسری سزا بھی عبارت سے ثابت ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے مابعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ توبہ کریں تو پھر اللہ تعالیٰ بخشے والے ہیں۔ اس آیت کی وجہ سے بعض مفسرین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حد جاری ہونے کے بعد مجرم تائب ہو جائے تو عدم قبول شہادت کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ لیکن متعدد کی رائے میں ساقط نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حد یہ سزا ہونے میں اختلاف ہے۔

لیکن اول الذکر سزا اسی کوڑے پر تمام مفسرین متفق ہیں کہ یہ حد ہے اور اس میں کمی کی یا بیشی کا اختیار حاصل نہیں۔ لیکن یہ امر ضروری ہے کہ مجرم درج ذیل شرائط پوری کر رہا ہو جن کا تعلق قاذف، مقذوف اور قذف کے الفاظ سے ہے۔

6.4 قاذف کی شرائط

قاذف سے مراد بہتان طراز ہے یعنی جو جھوٹا الزام لگا رہا ہو اس میں تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ عقل: قاذف عقلمند ہو، مجنوں، دیوانہ، پاگل یا کم عقل نہ ہو بلکہ جو وہ کہہ رہا ہو اسے ادراک ہو کہ وہ کہہ رہا ہے، یعنی سوچ سمجھ کر گفتگو کر رہا ہو۔ پاگل قسم کے لوگوں کی باتوں سے قذف ثابت نہیں ہو سکتا۔

2۔ بلوغ: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو بچوں یا نو عمر لڑکوں کے قول کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس کے لئے بلوغت کی عمر جو اکثر مفسرین کے نزدیک اٹھارہ سال ہے، تک پہنچ چکا ہو یا اس سے زیادہ عمر کا ہو۔ اگر قاذف کی عمر کم ہے یعنی وہ سمجھدار نوجوان ہے لیکن ابھی بالغ نہیں ہوا تو اسے جرم ثابت ہونے پر تعزیراً سزا دی جا سکتی ہے لیکن اس پر حد لاگو نہیں ہوگی۔

3۔ چار گواہوں کا میسر نہ ہونا: اگر الزام لگانے والے یعنی قاذف کے ساتھ چار عینی گواہ موجود ہیں تو پھر اس کا الزام سچا ثابت ہو گیا لہٰذا وہ قاذف نہ رہا۔ اب اسے تو سزا نہیں ملے گی بلکہ مقذوف جس پر الزام لگایا گیا تھا اس کو سزا ملے گی۔ لہٰذا کوئی الزام لگانے والا اس وقت تک قاذف شمار ہوگا جب تک وہ چار گواہ

پیش نہ کر سکے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں چار گواہ پیش کر دے گا تو وہ بری ہو جائے گا اور مقذوف پر زنا کی حد جاری ہو گی جس طرح آپ سابقہ یونٹ زنا میں شہادت کے ذریعہ ثبوت کی ذیلی سرخی میں ایک حدیث مطالعہ کر چکے ہیں۔ (37)

6.5 مقذوف کی شرائط

مقذوف سے مراد وہ شخص ہے جس پر الزام لگایا جائے یا اس کے بارے میں بہتان طرازی کی جائے۔ جب کوئی انسان کسی دوسرے پر بہتان باندھتا ہے تو وہ شخص اس وقت مقذوف شمار ہو گا جب اس میں درج ذیل دو خصوصیات موجود ہیں۔ اگر یہ خصوصیات نہ ہوں تو وہ شخص مقذوف شمار نہیں ہو گا۔

6.6 احصان

احصان کی تعریف زنا کی سزا میں گزر چکی ہے۔ اس سے مراد پاکدامن عورتیں اور مرد ہیں۔ ایک عورت یا مرد کے محصن ہونے کے لئے اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

الف۔ عقل و بلوغ: بچہ یا مجنون شخص محصن شمار نہیں ہوتے کیونکہ یہ دونوں شریعت کے احکام کی پوری طرح اتباع کرنے پر مجبور ہیں۔

ب۔ آزادی: اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص غلام یا لونڈی ہے وہ محصن شمار نہیں ہو گا۔ اس کی تفصیل کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ یہ مسائل دور جدید میں مروج نہیں۔

ج۔ اسلام: محصن ہونے کے لئے تیسری شرط مسلمان ہونا ہے۔ غیر مسلم کبھی بھی محصن نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ (النور: ۲۳)

"جو لوگ پاکدامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامنی کے ساتھ اسلام کی شرط بھی عائد کی ہے لہٰذا مسلمان مرد یا عورت محصن شمار ہوں گے اگر ان میں بقیہ دو شرائط ہیں لیکن غیر مسلم محصن شمار نہیں ہوں گے۔

6.7 مقذوف کا واضح نام لے کر الزام لگایا گیا ہو

مقذوف کی دوسری شرط یہ ہے کہ تہمت لگانے والے نے اس کا نام واضح طور پر لے کر الزام لگایا ہو اور کوئی شبہ باقی نہ رہے، کوئی ڈھکی چھپی بات نہ ہو، یعنی اشارہ و کنایہ کا استعمال نہ ہو۔ مثلاً ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے آدمی نے بارے میں یہ کہنا۔ ان میں ایک زانی بیٹھا ہے قذف نہیں شمار ہوگا۔ بلکہ مقذوف کا نام اور صفات بیان کرکے جب اس پر تہمت لگائی جائے گی تو وہ قذف شمار ہوگی۔

اگر مقذوف میں یہ دو خصوصیات ہوں گی تو جرم قذف شمار ہوگا ورنہ وہ الزام قذف شمار نہیں ہوگا۔

6.8 الفاظ قذف کے شرائط

قذف کی حد جاری کرنے سے قبل اس امر کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ کیا قاذف کے الفاظ سے قذف ثابت بھی ہوتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ قذف کے الفاظ میں بھی درج ذیل تین شرائط پائی جائیں:

1۔ تہمت کے الفاظ واضح زنا کا الزام لگا رہے ہوں۔

2۔ ان الفاظ سے کسی انسان کے نسب کی واضح نفی ہو رہی ہو، اشارۃً یا کنایۃً کے الفاظ نہ ہوں۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص کا باپ خبر نہیں کہاں ہے یا زید کا نسب زمرد تاج تک نہیں پہنچتا۔ ان سے قذف واضح نہیں ہوتا۔

3۔ وہ الفاظ مستقبل یا کسی شرط سے منسوب نہیں ہونے چاہئیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ زید کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مجہول النسب ہوگا حالانکہ زید کی بیوی حاملہ ہی نہ ہو۔ یہ کہنا کہ اگر عمر نے اپنے باپ کی خدمت نہ کی تو وہ ولد الزنا شمار ہوگا۔ یہ الفاظ تعزیر کا موجب بن سکتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے حد قذف جاری نہیں ہوگی۔

7- قتل اس کی اقسام اور سزا

لفظ قتل عربی زبان سے ماخوذ ہے اس کی اصلی حروف یہ تین ہیں : ق۔ت۔ل۔ یہ لفظ باب نصر کے وزن پر قتل یقتل بنتا ہے۔ جس کا اردو میں معنی ، قتل کرنا، مار ڈالنا ہے۔ بعض اہل لغت نے اس سے مراد خونریزی کرنا بھی لکھا ہے۔ اس مادہ سے فاعل قاتل اور مفعول مقتول بنتا ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد :

فعل من العباد تزول به الحياة(38)

"بندوں کا ایسا عمل جس سے کسی جاندار کی زندگی ختم ہو جائے"۔

7.1 قتل کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر قتل سے مراد کسی انسان کا دوسرے انسان کو زندگی سے محروم کر دینا ہے اس لحاظ سے مفسرین کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے :

ازهاق روح آدمي بفعل آدمي آخر(39)

"کسی انسان کے جسم سے دوسرے انسان کے کسی عمل کی وجہ سے روح کا نکل جانا"۔

اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو کسی طریقہ سے بھی مار دینا۔ اس کی زندگی ختم کر دینا۔ اسے ہلاک کر دینا۔ اس کی روح کا جسم سے تعلق ختم کر دینا قتل کہلائے گا۔

گویا کہ اصطلاحی طور پر قتل کے لئے ضروری ہے کہ قتل کرنے والا یعنی قاتل بھی انسان ہو اور قتل ہونے یعنی مقتول بھی انسان ہو تو یہ اصطلاحی طور پر قتل شمار ہو گا۔ اگر مرنے والا انسان کسی قدرتی آفت سے ، جنگلی درندوں کے خوف یا کسی چیز میں ڈوب کر ہلاک ہو جائے تو اس انسان کو مقتول کہا جائے گا اور نہ ہی ان چیزوں کو قاتل کہا جائے گا۔

قتل، قاتل اور مقتول کی اصطلاحات اس وقت استعمال ہو نگی جب ایک انسان کسی بھی ذریعہ یا طریقہ سے دوسرے انسان کی زندگی ختم کر دے۔

7.2 قتل کی اقسام

انسانی قتل کی ابتدائی طور پر دو اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

1۔ قتل حق 2۔ قتل ناحق

ان دو اقسام کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل: ۳۳)

"قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ"۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ قتل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قتل حق ہے اور دوسرا ناحق۔

7.3 قتل حق

قتل حق سے مراد وہ قتل ہے جس کا حکم یا جس کی اجازت اسلامی شریعت نے دی ہو۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو قتل کرنا ان تین حالات کے علاوہ جائز نہیں۔

1۔ مرتد ہو جائے

2۔ محصن زانی

3۔ قاتل جو بغیر وجہ کے قتل کرے

اس حدیث کی رو سے ان تین قسم کے لوگوں کا قتل حق ہے کیونکہ ان کے قتل کا حکم شریعت اسلامیہ نے دیا ہے۔

قتل ناحق

ہر وہ قتل جس کی اسلامی شریعت نے اجازت نہ دی ہو قتل ناحق کہلائے گا جس طرح حدیث میں وارد ہے:

لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق(40)

"دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے بہ نسبت ایک مسلمان کے ناحق کے قتل کر دینے سے"۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا تباہ ہو جانا اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہے جتنی اہمیت ایک مومن کے ناحق قتل ہو

جانے کی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (المائدة:٣٢)

"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے میں یا زمین پر فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا"۔

ان تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بغیر کسی شرعی سبب کے کسی انسان کو جان سے مار دینا یا ہلاک کر دینا قتل ناحق ہے۔ مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:٣١)

"اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل نہ کرو"۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ناحق قتل سے منع فرمایا ہے۔

7.4 اسلام میں قتل کی حرمت

ہم اس یونٹ کے ابتداء میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ انسانی جان کی حفاظت اسلامی حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے انسان کے قتل کو عموماً اور مسلمان کے قتل کو خصوصاً حرام قرار دیا ہے اور انسانی جان کو قابل تکریم قرار دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل:٧٠)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے نوع انسان کو بزرگی دی"۔

اسی بزرگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے ناحق قتل کو تمام بنی نوع انسان کا قتل قرار دیا جس طرح آپ سابقہ سطور میں پڑھ آئے ہیں۔ مزید انسانی جان کا قتل شرک کے بعد بڑا گناہ قرار دیا اور قاتل کی سزا جہنم قرار دی جس طرح ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان:٦٨)

''جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے''۔

اس فلسفہ کو رسول اکرم کے بہت ہی بہترین انداز میں اس طرح واضح کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ کا طواف فرمار ہے تھے اور ساتھ یہ بھی کہتے جارہے تھے کہ اے خانہ خدا تو کس قدر پاکیزہ اور تیری خوشبو کس قدر بہترین ہے اور تیری عظمت اور قدر بہت زیادہ ہے مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ایک مسلمان کی جان کی حرمت و قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت اور قدر سے زیادہ ہے۔ (41)

ان تمام دلائل سے انسانی جان کی حرمت اور اس کی قدر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس معزز اور عظمت کی حامل جان کو جو ناحق ختم کرے گا تو اس کا یہ فعل بہت بڑا جرم شمار ہوگا جس کی سزا آئندہ سطور میں واضح ہو جائے گی۔

7.5 قتل ناحق کی اقسام

قتل ناحق کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

1۔ قتل عمد 2۔ قتل شبہ عمد 3۔ قتل خطاء 4۔ قتل شبہ خطاء

7.6 قتل عمد

ایک شخص کا دوسرے انسان کو ارادتاً اور جان بوجھ کر کسی ایسے ہتھیار یا آلہ کے استعمال سے ماردیا جس سے عمومی طور پر انسانوں کی موت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد کہلاتا ہے۔ اس کی تین شرائط ہیں۔

1۔ مقتول زندہ انسان ہو (یعنی آلہ قتل یا ہتھیار کے استعمال سے قبل وہ زندہ ہو)۔

2۔ یہ قتل مجرم کے ذاتی عمل کے ذریعہ ہوا ہو۔

3۔ مجرم اس شخص کے قتل کا ارادہ بھی رکھتا ہو (یہ ارادہ اس کے انداز کلام اور آلہ قتل کے استعمال سے واضح ہوگا)۔

مثلاً ایک شخص دوسرے انسان پر بندوق کا فائر کرتا ہے یا تیز دھار آلے سے اس کی گردن یا دوسرے نازک حصوں پر وار کرکے یہ کہتا جائے کہ آج تو مجھ سے بچ کر نہ جائے گا آج میں تجھے مار کر دم لوں گا۔ تو یہ قتل عمد کہلائے گا۔

7.7 قتل شبہ عمد

کسی شخص کا کسی ایسے آلے سے دوسرے انسان کو مارنا جس کی ضرب سے عمومی طور پر موت واقع نہ ہوتی ہو قتل شبہ عمد کہلاتا ہے۔

اس کو شبہ عمد بھی کہتے ہیں اور قتل خطاء العمد بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے اس شخص کے اس فعل میں عمد یعنی ارادہ بھی ہے اور خطاء یعنی غلطی بھی ہے۔ یعنی اس کا دوسرے انسان کو اس آلے سے مارنا عمد ہے لیکن وہ آلہ عموماً قتل نہیں کرتا اور قتل غلطی سے ہو گیا تو یہ اس قتل کے ارادہ میں شبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا ارادہ قتل کا نہ تھا اس لئے اس قتل کو شبہ عمد یعنی ایسا قتل جس میں فعل کا ارادہ ہو قتل کا ارادہ نہ ہو لیکن قتل غلطی سے ہو جائے کہتے ہیں اور اسی کا مترادف خطاء العمد ہے۔ اس کی تین شرائط ہیں۔

1۔ ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے دوسرے انسان کی موت واقع ہو جائے۔

2۔ قاتل اس فعل کا ارادہ کرے۔

3۔ اس فعل کے نتیجے میں مقتول کی موت فوراً واقع ہو جائے۔ (اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کی موت اور قاتل کے فعل کے درمیان کوئی خاص وقفہ یا کوئی دوسرا عمل واقع نہ ہو۔ مثلاً مقتول دو دن کے بعد ہسپتال میں فوت ہوا یا وہ اس فعل کے بعد زندہ تھا اسے ہسپتال لے جایا گیا راستہ میں دھکوں کی وجہ سے اس کی طبیعت مزید خراب ہوئی اور وہ مر گیا اس قسم کے واقعات نہ ہوں)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمیوں میں لڑائی ہو۔ ایک نے دوسرے کو مکا دے مارا یا زور سے لات ماری وہ مکا یا لات جسم کے ایسے نازک حصہ پر جا لگی کہ دوسرے کی موت واقع ہو گئی۔ اب عمومی طور پر مکا یا لات کی ضرب سے موت واقع نہیں ہوتی اور دوسرے شخص کا مقتول کو مارنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اس ضرب کی تاب نہ لاتے ہوئے موقعہ پر ہی دو چار دفعہ اٹھا تھا اور پھر فوت ہو گیا تو یہ قتل شبہ عمد ہے کہ فعل کا ارادہ تھا مگر قتل کا ارادہ نہیں تھا لہٰذا اس میں شبہ ہے۔

7.8 قتل خطاء

ایک شخص کا کوئی ایسا فعل سرانجام دینا جس سے اس کا مقصد کچھ اور ہو لیکن اس فعل کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کی موت واقع ہو جائے قتل خطاء ہے۔ اس قتل میں قاتل اپنے کسی کام کا ارادہ تو کرتا ہے لیکن مقتول کو مارنے یا اسے زدوکوب کرنے یا اس کے بارے میں اس کے ذہن میں بھی کوئی گمان نہیں ہوتا لیکن اس کام کو سرانجام دینے کے نتیجہ میں دوسرا آدمی فوت ہو جاتا ہے تو یہ قتل بالکل غلطی کی وجہ سے ہوا اس لئے اسے قتل خطاء کہتے ہیں۔ اس کی تین شرائط ہیں:

1۔ قاتل ایسا فعل سرانجام دے جس کی وجہ سے دوسرے شخص کی موت واقع ہو جائے۔

2۔ وہ فعل قاتل نے ہی سرانجام دیا ہو۔

3۔ اس فعل کے نتیجہ میں مقتول فوراً مر جائے (اس کی تفصیل سابقہ عنوان قتل شبہ عمد میں گزر چکی ہے)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جنگل میں ایک آدمی شکار کھیلنے گیا اس نے ایک خرگوش کو دیکھا اور اس پر فائر کر دیا۔ خرگوش بھاگ گیا مگر وہیں جنگل میں دور ایک لکڑہارا لکڑیاں کاٹ رہا تھا جس کو شکاری نے دیکھا ہی نہیں تھا لیکن فائر اسے لگ گیا اور وہ وہیں مر گیا۔ تو یہ قتل خطاء ہے۔ کیونکہ شکاری کے فعل یعنی فائر کرنے کی وجہ خرگوش تھی مزید اسے لکڑہارے کا قطعاً علم بھی نہیں تھا لیکن اس کے فعل کی وجہ سے یہ قتل ہو گیا حالانکہ اس قاتل کا ارادہ قتل قطعاً نہیں تھا۔ اس لئے یہ قتل خطاء یعنی غلطی والا قتل شمار ہو گا۔

7.9 قتل شبہ خطاء

ایک شخص کے کسی ایسے فعل کی وجہ سے جس کا اسے خود بھی علم نہ ہو دوسرے انسان کی موت واقع ہو جائے قتل شبہ خطاء کہلاتا ہے۔ اس قتل میں قاتل اس فعل کا ارادہ کرتا ہے جس کی وجہ سے قتل ہو گیا اور نہ ہی اس انسان کے قتل کا ارادہ کرتا ہے جو اس فعل کی وجہ سے مارا گیا۔ یعنی نہ تو قاتل اس فعل کا ارادہ کرتا ہے اور نہ مقتول کے قتل کا۔ بلکہ اس سے فعل بھی غیر ارادی طور پر سرزد ہو جاتا ہے اور اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ اور مقتول کی موت بھی اس طرح واقع ہوتی ہے کہ قاتل کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ اس قتل کی بھی تین شرائط ہیں۔ (42)

1۔ قاتل سے ایسا فعل سرزد ہو جو دوسرے شخص کی موت کا سبب بنے۔

2۔ یہ فعل قاتل سے ہی سرزد ہوا ہو۔

3۔ اس فعل کے نتیجہ میں مقتول فوراً مر جائے (اس کی تفصیل سابقہ عنوان قتل شبہ عمد میں گزر چکی ہے)

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عورت سوئی ہوئی ہو اور ساتھ ایک بچہ بھی سو رہا ہو۔ سوتے ہوئے عورت کروٹ بدلے اور بچے پر چڑھ جائے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے وہ بچہ مر جائے اور اس عورت کو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس قتل کا احساس ہی نہ ہو سکے۔ اسی طرح ایک ٹرک والا پتھر بھر کے کہیں لے جا رہا ہے راستے میں سڑک خراب ہونے کی وجہ سے ٹرک کو جھٹکے لگتے ہیں اور ایک پتھر اڑ کر نیچے ایک آدمی کے سر پر لگتا ہے اور وہ راہگیر وہیں فوت ہو جاتا ہے۔ اب ٹرک ڈرائیور کا ارادہ قتل کا تھا اور نہ ہی اسے اس پتھر گرنے کا علم ہوا۔ بلکہ وہ تو ڈرائیونگ میں مگن جا رہا تھا کہ کچھ دور اسے جب روکا گیا تو اسے علم ہوا کہ پتھر گرنے کی وجہ سے ایک شخص ہلاک ہو گیا ہے۔ اب اس قتل میں ٹرک ڈرائیور کا ارادہ اس فعل کا تھا اور نہ ہی اس قتل کا اس لئے یہ قتل شبہ خطاء کہلاتا ہے۔

7.10 قتل کی سزا

جس طرح ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ قتل ناحق کی چار اقسام ہیں اسی طرح ان جرائم کی سزائیں بھی مختلف ہیں عموی طور پر جو سزائیں قتل کے جرم کے لئے قرآن مجید سے ثابت ہیں وہ چھ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔ قصاص　2۔ دیت　3۔ صلح　4۔ عفو (معاف کرنا)　5۔ کفارہ　6۔ تعزیری سزا۔

ان سزاؤں کو یہ آیت عمومی طور پر واضح کرتی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا　(الآية)　(النساء:92)

8- قصاص

اس لفظ کا مادہ قص اور حروف اصلیہ ق ص ص ہیں۔ لغوی طور پر اس سے مراد کاٹنا، برابری کرنا ہے۔ پہلے معنی میں حدیث ہے قص الشوارب مونچھیں کٹواؤ۔ اور دوسرے معنی میں یہ لفظ اس آیت میں استعمال ہوا ہے:

فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا (الکہف: ٦٤)

"چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش قدم پر پھر واپس ہوئے"۔

یعنی انہوں نے جتنا فاصلہ زیادہ طے کیا تھا اتنا ہی فاصلہ واپس لوٹ کر برابر کیا۔

لغوی معنی کے اعتبار سے بھی قصاص وہ سزا ہے جو جرم کے برابر ہو۔ مثلاً قتل کے بدلے قتل، ہاتھ کاٹنے کے بدلے ہاتھ کاٹنا، کان کاٹنے کے بدلے کان کاٹنا وغیرہ۔ اصطلاحی طور پر قصاص کی تعریف یہ ہے:

عقوبة مقدرة حقاً للفرد (43)

"ایسی معین سزا جو انسان کے حق کے طور پر دی جائے"۔

یہ سزا حدود سے بھی مشابہت رکھتی ہے کہ معین ہے اور تعزیر سے بھی مشابہ ہے کہ انسان کے حق کے طور پر دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر نہیں جاتی کہ اس میں انسانوں کو معاف کرنے کا حق دے دیا گیا۔ یہ سزا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ (المائدہ:٤٥)

"توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى (البقرہ:١٧٨)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے"

8.1 قصاص کی سزا

قصاص کی سزا قتل عمد کی صورت میں دی جائے گی۔ اگر مجرم نے کسی انسان کو قتل کیا ہے تو اسے سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ اگر اس نے کسی کے جسم کو نقصان پہنچایا ہے، مثلاً ہاتھ کاٹ دیا، ناک کاٹ دیا، کان کاٹ دیا، پاؤں کاٹ دیا تو اس کا بھی وہی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ گویا کہ جب اور جس قدر جرم ہے ویسی اور اسی مقدار کی سزا دینا قصاص کہلائے گا۔

8.2 دیت

دیت اسلامی شریعت میں مال کی وہ متعین مقدار ہے جو قتل یا کسی اور انسانی عضو سے محروم کرنے کے عوض سزا کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ یہ سزا کبھی اصلی سزا کے طور پر لاگو ہوتی ہے اور کبھی بدلی سزا کے طور پر جیسی کسی اور سزا کے ساقط ہو جانے کی صورت میں یہ سزا لاگو ہوگی۔ دیت کی سزا بھی قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ

(النساء: ۹۲)

"جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔"

اسی طرح حدیث میں وارد ہے:

الا ان فی قتیل عمدالخطاء قتیل السوط والعصاء والحجر ماۃ من الابل(44)

"قتل شبہ عمد یعنی جو قتل کوڑے، ڈنڈے یا پتھر مارنے کی وجہ سے ہو، کی سزا ایک سو اونٹ ہے۔"

8.3 دیت کی سزا

دیت کی سزا قتل عمد کی صورت میں بدلی سزا ہو گی۔ یعنی اگر مقتول کے ورثاء قصاص معاف کر دیں تو پھر

دیت کی سزا نافذ ہوگی۔ اور قتل شبہ عمد، قتل خطاء اور قتل شبہ خطاء میں یہ سزا اصلی سزا کے طور پر لاگو ہوگی۔ قتل کی ان تین اقسام میں قصاص کی سزا نافذ نہیں ہوگی بلکہ وہ صرف قتل عمد کی سزا ہے۔ باقی تینوں اقسام کی اصلی سزا یہ دیت ہے جو مال کی صورت میں مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی اور گورنمنٹ کے خزانہ میں نہیں جائے گی۔

مزید قتل عمد میں دیت قاتل اپنے مال میں سے ادا کرے گا لیکن باقی اقسام قتل میں اس کے رشتہ دار، ... صاحب خیر لوگ اور گورنمنٹ بھی قاتل کی مالی مدد کر سکتی ہے تاکہ وہ مقتول کے ورثاء کو معین مال ادا کر سکے۔ ان تمام معاونین کو اسلامی شریعت کی زبان میں عاقلہ کہتے ہیں۔

8.4 دیت کی مقدار

رسول اکرم ﷺ نے دیت جسے اردو میں خون بہا بھی کہتے ہیں، کی مقدار سو اونٹ یا دو سو گائیں یا دو ہزار بکریاں مقرر فرمائی ہیں اگر کسی دوسری شکل میں کوئی شخص خون بہا دینا چاہتا ہے تو اسے اس زمانہ کے مطابق ان اجناس میں سے کسی ایک جنس کی اتنی مقدار کی قیمت کا حساب کر کے ادا کرنی پڑے گی۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ قتل انسانی کی دیت ہے پھر مختلف اعضاء کے کاٹنے یا ان سے محروم کرنے کی دیت مختلف ہے اور اگر ان اعضاء کے کچھ حصوں کا کاٹ دیا جائے تو اس کی دیت بھی مختلف ہوگی۔ مزید عورت اور مرد کی دیت میں بھی بعض مفسرین کے نزدیک فرق ہے اور مسلم و کافر کی دیت میں بھی فرق ہے اسی طرح جنین (ماں پیٹ میں بچہ) کے قتل کی دیت کا معیار بھی کچھ اور ہے۔(45)

8.5 صلح

صلح سے مراد فریقین کا چند شرائط پر متفق ہو کر بقیہ سزاؤں کے قاتل پر عدم تنفیذ کا معاہدہ کر لینا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء اپنی آزاد مرضی سے قاتل کے ساتھ بعض شرائط پر متفق ہو کر اس سے قصاص کو بھی ساقط کر دیتے ہیں اور دیت کی متعین مقدار سے بھی دستبردار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دیت کی کچھ مقدار قبول کر لیتے ہیں یا مال کے علاوہ کچھ اور شرائط مثلاً بچوں کی ملازمت دلوانا، بچوں کو پڑھانا وغیرہ پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ صلح ہے۔

صلح بھی حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

من قتل عمداً دفع الی اولیاء المقتول ۔ وما صولحوا علیہ فهو لهم (46)

"جس کو عمداً قتل کیا گیا پھر اس کے ورثاء قاتل کے ساتھ کچھ معاملات پر صلح کر لیتے ہیں تو اس طرح یہ صلح ہوگی، وہ مقتول کے ورثاء کے لئے ہو گی۔"

8.6 صلح کی سزا

صلح کی سزا بدلی سزا ہے اور یہ اصلی سزا نہیں ہے۔ یہ سزا قتل کی چاروں اقسام میں اصلی سزا قصاص یا دیت کے ساقط ہونے پر ہوتی اور اس میں سے مقتول کے ورثاء کا متفق ہونا ضروری ہے۔

8.7 معافی

معافی کا معنی درگزر کرنا، چھوڑ دینا اور آزاد کر دینا ہے۔ قتل کی سزاؤں میں سب سے بڑا مقتول کے ورثاء کا قاتل کو اصلی یا بدلی یعنی قصاص و دیت دونوں سزاؤں سے بغیر کوئی معاوضہ لئے چھوڑ دینا ہے۔

یہ بھی قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ:۱۷۸)

"پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے۔"

اسی طرح حدیث میں وارد ہے:

عن انس بن مالک قال ما رایت رسول اللہ ﷺ رفع الیہ شئی فی القصاص الا امر فیہ بالعفو. (47)

"حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا ہے کہ جب بھی رسول کریم ﷺ کے سامنے قصاص کا مقدمہ پیش ہوتا تو اس میں آپ مقتول کے ورثاء کو قصاص و دیت معاف کرنے کا حکم فرماتے۔"

8.8 صلح اور معافی میں فرق

ان دونوں میں کافی فرق ہے صلح چند شرائط پر ہو گی یعنی دیت کی مقدار میں کمی اور مزید کچھ مفادات کا حصول بھی اس میں شامل ہو سکتا ہے لیکن معافی میں تمام حقوق سے بغیر کسی قسم کے معاوضہ سے دستبردار ہونا ہوتا ہے لہذا ان دونوں میں فرق ہے۔

8.9 معافی کی سزا

یہ سزا بھی بدلی ہے اصلی نہیں۔ اور قتل کی چاروں اقسام میں جب مقتول کے ورثاء چاہیں تو قاتل کو معاف دے کر اسے ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر سکتے ہیں۔

9- کفارہ

کفارہ سے لغوی مراد ڈھانپنا، گناہوں سے پاک کرنے والا، گناہوں کا بدلہ وغیرہ ہے۔

اصطلاحی طور پر ایسی مقررہ سزا ہے جو کسی گناہ یا معصیت کے ہو جانے کے بعد اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ہو کفارہ کہلاتی ہے۔

اگر کفارہ کسی اپنے عمل کے بدلہ ہو، جو گناہ نہیں کہلاتا تو یہ سزا تصور نہیں ہوگا لیکن اگر یہ اگر کسی معصیت کے بدلہ میں ادا کیا جا رہا ہو تو پھر یہ سزا تصور ہوگا۔ کفارہ عبادت کی ایک قسم ہے جو تین طریقہ سے ادا کیا جاتا ہے گویا کہ یہ عبادتی سزا ہے۔

1- غلام آزاد کرنا 2- غریبوں کو کھانا کھلانا 3- روزہ رکھنا

یہ سزا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (النساء:۹۲)

"اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے روزے رکھے۔"

9.1 کفارہ کی سزا

یہ سزا صرف قتل خطاء اور قتل شبہ خطا میں بدلی سزا کے طور پر دی جاتی ہے۔

9.2 تعزیری سزا

تعزیر کی تعریف ہم اس یونٹ کے ابتداء میں پڑھ آئے ہیں۔ یہ بھی قتل کی ایک سزا ہے لیکن یہ بدلی سزا ہے اور اس کا تعلق صرف حکومت یا عدالت کے ساتھ ہے۔ اگر مقتول کے ورثاء سب کچھ معاف کر دیتے ہیں یا صلح کر لیتے

ہیں لیکن عدالت یا قاضی مناسب تصور کریں تو اسے پھر بھی سزا دے سکتے ہیں لیکن یہ سزا تعزیر ہوگی جس کی کوئی مقدار نہیں بلکہ اس کا تعین قاضی حالات کے مطابق خود کرے گا۔(48)

خود آزمائی:

1- جرم کی تعریف اور مفہوم بیان کریں۔
2- سزا کی تعریف اور مفہوم پر مفصل نوٹ قلم بند کریں۔
3- جرم و سزا کے اسلامی تصور پر مفصل نوٹ قلمبند کریں۔
4- قصاص و دیت پر مفصل نوٹ لکھیں۔
5- شراب کی حرمت اور سزا پر مفصل نوٹ قلمبند کیجئے۔
6- حرابہ کی سزا پر مفصل نوٹ قلمبند کیجئے۔
7- رجم کا طریقہ واضح کیجئے۔
8- قتل کی سزا اور اقسام پر مفصل نوٹ قلمبند کیجئے۔
9- قصاص کے فوائد پر نوٹ قلمبند کیجئے۔
10- صلح اور معافی کا اسلامی تصور واضح کریں۔
11- کفارہ اور کفارہ کے احکام واضح کریں۔

حوالہ جات

1۔ علی حسب اللہ، اصل التشریع الاسلامی، کراچی، ادارۃ القرآن 263/978

2۔ حوالہ سابقہ

3۔ المنجد شرح لفظ جرم

4۔ ابن کثیر عماد الدین، تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ المائدہ: 2

5۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ باب نمبر 19

6۔ الشہید عبد القادر، دو عودۃ التشریع الجنائی اسلامی بیروت، دار الکتب العربی 67/1

7۔ حوالہ سابقہ

8۔ حوالہ سابقہ

9۔ الشہید عودۃ، التشریع الجنائی، 118/1

10۔ حوالہ سابقہ

11۔ السید سابق، فقہ السنہ بیروت دار الکتب العربی، 1987 - 318/2

12۔ حوالہ سابقہ/318

13۔ الماوردی الاحکام السلطانیہ باب/ 19 مزید دیکھئے الجصاص، احکام القرآن، تفسیر البقرۃ 179

14۔ حوالہ سابقہ

15۔ عثمانی شبیر احمد، موضح القرآن تفسیر سورۃ المائدہ/90

16۔ حوالہ سابقہ، مزید دیکھئے الجصاص، احکام القرآن، تفسیر سورۃ المائدہ/90

17۔ شفیق عز الدین، منہاج الصالحین بیروت، دار الفکر 1987 -/590

18۔ امام مالک بن انس، موطا امام مالک، کتاب الاشربہ ما جاء فی حد الخمر

19۔ الجصاص، احکام القرآن، المائدہ/90

20۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، المائدہ/38، مزید دیکھئے تفہیم القرآن، المودودی، تفسیر آیت ہذا

21۔ مودودی ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ المائدہ/38

22۔ حوالہ سابقہ

23۔ الجصاص، احکام القرآن، تفسیر المائدہ/38

24۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، سورۃ المائدہ /33

25۔ حوالہ سابقہ

26۔ عثمانی شبیر احمد، موضح القرآن، تفسیر سورۃ المائدہ /33

27۔ الجصاص، احکام القرآن، سورۃ المائدہ /33، ص 514

28۔ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر، فقہ سورۃ المائدہ /33

29۔ رازی ابو بکر، مختار الصحاح، تحلیل لفظ، زنی یزنی

30۔ السید سابق، فقہ السنۃ /359

31۔ عثمانی موضح القرآن تفسیر سورۃ التوبہ /2

32۔ بلیق عز الدین، منہاج الصالحین /582

33۔ امام مالک، موطا امام مالک، کتاب الحدود، ما جاء فی الرجم

34۔ عثمانی، موضح القرآن، تفسیر سورۃ النور /7

35۔ السید سابق فقہ السنۃ /393

36۔ بلیق عز الدین، منہاج الصالحین /621

37۔ مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ النور /4

38۔ المنجد شرح لفظ قتل، مزید دیکھیں، رازی، مختار الصحاح، شرح لفظ قتل

39۔ حوالہ سابقہ

40۔ ابن ماجہ، بحوالہ فقہ السنۃ علیہ سابق /458

41۔ بلیق عز الدین، منہاج الصالحین، /92

42۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، سورۃ النساء /93

43۔ الجصاص ابو بکر، احکام القرآن، باب القصاص تفسیر البقرہ /179 مزید دیکھئے، الشہید عبد القادر عودۃ، التشریع الجنائی 1/79

44۔ بلیق عز الدین، منہاج الصالحین /618، مزید دیکھئے، الجصاص احکام القرآن تفسیر البقرہ /179

45۔ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر، سورہ المائدہ 1/93، مزید دیکھئے موطا امام مالک، کتاب العقول دیۃ الخطا فی القتل۔ الجصاص احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ (س ن) 1/183

46۔ الجصاص، احکام القرآن 1/182

47۔ حوالہ سابقہ

48۔ شہید عبد القادر عودۃ، التشریع الجنائی، 1/249

شعبہ قرآن و تفسیر
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد